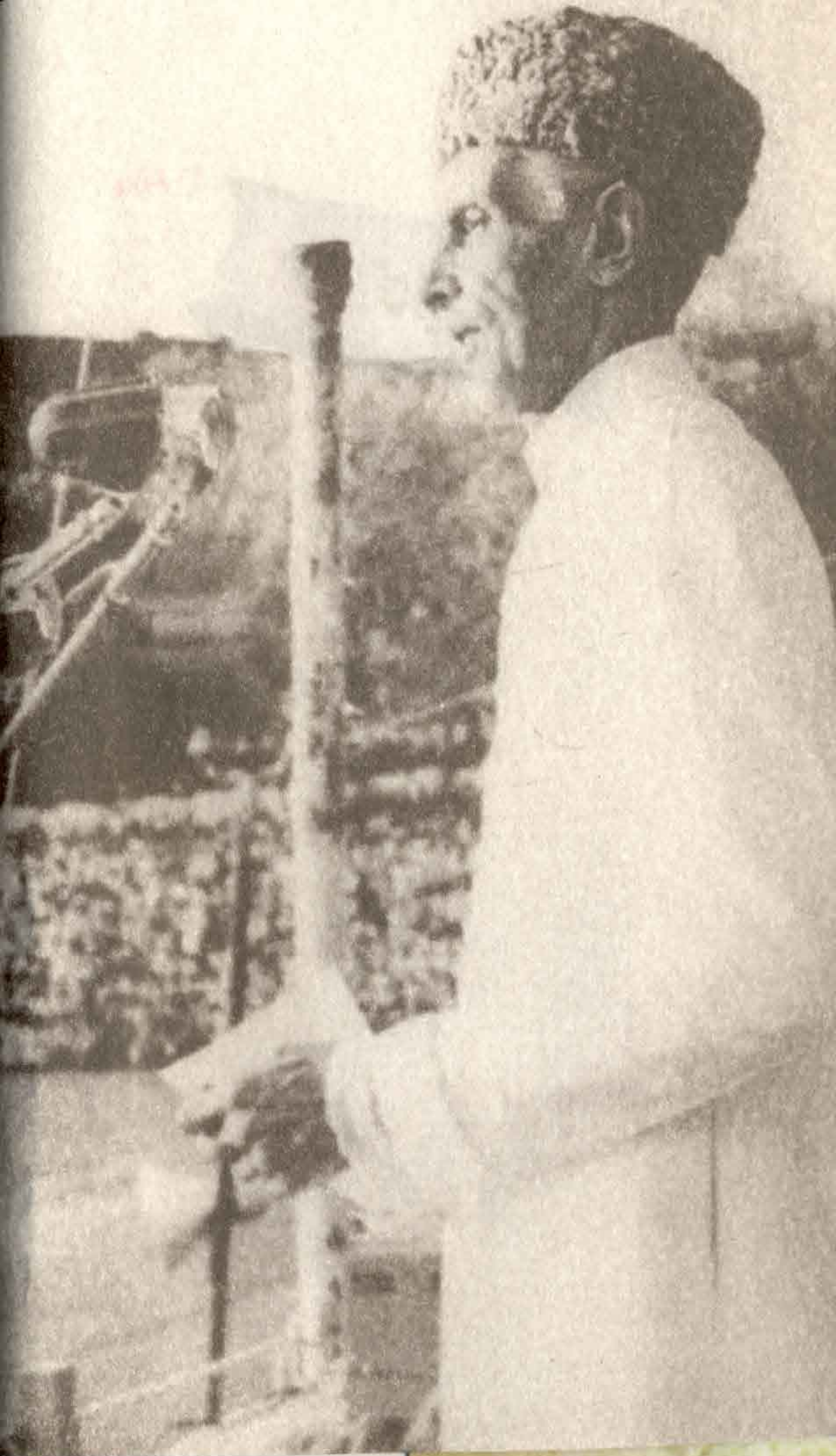

SPEECHES, STATEMENTS & MESSAGES OF THE

QUAID-E-AZAM

قائدِ اعظم
تقاریر و بیانات

ترجمہ و ترتیب

رئیس احمد جعفری

نظرِ ثانی

سیّد رفیع احمد جعفری

بُک کارنر

جہلم، پاکستان

Quaid-e-Azam: Taqareer-o-Bayanat
by Raees Ahmed Jafri
Jhelum: Book Corner. 2020
544p.
1. Speeches - History
ISBN: 978-969-662-267-3

© جملہ حقوق محفوظ ہیں

یہ کتاب ''بک کارنر، جہلم'' اور ''سیّد رئیس احمد جعفری اکیڈمی، کراچی'' کے اشتراک سے شائع کی جارہی ہے
اس کتاب کا کوئی بھی حصہ ناشر کی پیشگی اجازت کے بغیر کسی بھی وضع یا جلد میں
کُلّی یا جُزوی، منتخب یا مکرر اشاعت یا بصورت فوٹو کاپی، ریکارڈنگ، الیکٹرانک،
مکینیکل یا ویب سائٹ اَپ لوڈنگ کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔
قانونی مشیر: عبدالجبار بٹ (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

مہتمم اعلیٰ: شاھد حمید
ناشر: گگن شاھد • اَمر شاھد

اشاعت: ۲۰۲۰ء
نام کتاب: قائداعظم: تقاریر و بیانات
ترجمہ و ترتیب: رئیس احمد جعفری
نظرثانی: سیّد رفیع احمد جعفری
حروف خوانی: پروفیسر قدیر احمد کھوکھر
سرورق: محمد شکیل طلعت
ناشر: بک کارنر، جہلم (پاکستان)

Sale Center:
Book Corner Showroom
Opposite Iqbal Library, Book Street, Jhelum, Pakistan
00 92 544 278051, 00 92 544 614977 00 92 314 4440882, 00 92 321 5440882
/bookcornershowroom /bookcorner bookcornerjhelum
info@bookcorner.com.pk www.bookcorner.com.pk

قائداعظم کے معتمد رفیق کار

خواجہ ناظم الدین

کے نام

ع

کعبے سے اِن بتوں کو بھی نسبت ہے دُور کی

قائداعظم کا پیام

جو دُونیِ فطرت سے نہیں لائقِ پرواز
اس مُرغکِ بے چارہ کا انجام ہے اُفتاد

ہر سینہ نشیمن نہیں جبریلِ امیں کا
ہر فکر نہیں طائرِ فردوس کا صیّاد

اُس قوم میں ہے شوخیِ اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد

گو فکرِ خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادیِ افکار ہے اِبلیس کی ایجاد

اقبالؔ

فہرست

پاکستان کیوں اور کیسے؟ (حرفِ آغاز)

1913ء

ایک انقلابی تجویز!

1915ء

مسلمان جداگانہ قوم ہیں!

1916ء

میثاقِ لکھنؤ

1925ء

ابھی اُمید باقی تھی!

1926ء

دستِ تعاون جو جھٹک دیا گیا 58

1927ء

ہندو مسلم اتحاد: میری دِلی تمنا! 62

1935ء

مسئلہ دستور ہند 64

1936ء

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا 78

1937ء

لکھنؤ کے تاریخی اجلاس کا خطبۂ صدارت 82

1938ء

کانگریس اور مسلمان! 94
کلکتہ کے ہنگامہ خیز اجلاس کا خطبۂ صدارت 100
مسودہ قانون وفوجداری 106

سندھ مسلم لیگ کانفرنس کا خطبۂ صدارت 116
ہم مضبوط ہیں! 121

1939ء

مولانا شوکت علی کی یاد! 130
قانونِ مال گزاری 134
اَوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے 139

1940ء

ہندوستان کے دستوری مسائل 144
لیگ کے مطالبات انگریزوں سے! 150
یہ ہے منزل! 154
خطاب بہ نژادِ نو 169
قراردادِ لاہور پر اصرار 174
پہلے مانو، پھر سوال کرو! 177
......کاش خانہ جنگی نہ ہو! 178
ہمارا نصب العین 181
ریاستیں اور مسلم ہندوستان 182
شیر کی گرج! 183

کانگریس کے حربے	201
ہمارامنشور پاکستان!	203
ہمارامطالبہ	209
ہندوستان کوتقسیم کردو	211

1941ء

مسلم اکثریت کے علاقے	214
اسلام کانام لینے والوں سے ایک سوال	215
پاکستان ہمارامقصد ہے	216
پاکستان کیاہے؟	223
قائد کی للکار!	228
پاکستان مان لو!	244
مشکلاتِ راہ	246
وائسرائے اور گورنر بنگال کاتحفہ	255

1942ء

یہ ہیں فضل الحق!	268
یومِ پاکستان	281
تجاویز کرپس کے مضمرات	283

تجاویز کرپس 290
قومی حکومت! ایک فریب 294
پروپیگنڈے کا جواب! 299
دشمن کا نیا حربہ! 303

1943ء

تبدیلئ قلب و نظر کا مطالبہ! 308
بلوچستان مسلم لیگ کے اجتماع سے خطاب 312

1945ء

تجاویز ویول 316
حکومتِ ہند سے انتخابات کا مطالبہ 320
چاندی کی گولیاں! 324
ہم کامیاب ہوں گے 327
زندہ رہنا ہے تو مسلم لیگ کا ساتھ دو! 330
نیشنلسٹ مسلمانوں سے اپیل! 333

1946ء

پاکستان۔ورنہ موت 338
حلف نامہ! 345

کابینۂ وفد کی پیشکش	347
سب کچھ قربان کر دینے کا عہد!	354
پاکستان لے کر رہیں گے	358
حیدر آباد دکن کے اجتماع عام سے خطاب	361
وائسرائے اور وزیر ہند کی ملت اسلامیہ سے غداری	363
مسلم لیگ کی طرف سے قانون شکنی کا فیصلہ	370
کانگریس اور مسٹر اٹیلی کی سازش	376
پیامِ عید!	380
مسلم سیاسی جماعتوں سے اتحاد کی اپیل!	382
مسلمانانِ بہار کا قتلِ عام	385
مسلم لیگ عارضی حکومت میں کیوں شریک ہوئی	390
خبردار غیر مسلم اقلیت سے انتقام نہ لینا	393
صرف پاکستان!	396
جامعہ ملیہ میں ایک تقریر	400
مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش نہ کرو	403
اہلِ انگلستان سے خطاب	408
اہلِ امریکا سے خطاب	412
لندن میں ایک تقریر	414
پاکستان نہ ملا تو مصر بھی غلام ہو جائے گا	417

1947ء

تاجروں سے قائداعظم کا خطاب 422
ہندوستان تقسیم ہوگیا 427
پاکستان بن گیا! 429
قائداعظم 431
لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے خطاب 433
پاکستانی قوم سے خطاب 437
جب خون کا دریا بہہ رہا تھا! 440
ممالک اسلامیہ اور پاکستان کے باشندوں سے خطاب 444

1948ء

کراچی کا فساد 448
گاندھی جی کا قتل 451
باشندگانِ سرحد کو اِنتباہ! 453
کراچی کے ایوانِ تجارت میں تقریر 457
ایک یادگار تقریب! 461
افغانستان کا پہلا سفیر! 461
ایوانِ گورنر جنرل میں! 461
مارشل ولی خاں سے خطاب 463

شذرات

1947ء

''مزدوروں کی فلاح سے غفلت جرم ہے!'' 469

''اکبر کی رواداری تعلیمِ اسلام کا نتیجہ تھی!'' 471

''پاکستان کے ہندو ہر طرح آزاد ہیں'' 473

''خیانتِ منصبی اور اقربا نوازی لعنت ہے!'' 475

''پاکستان میں نسل و عقیدے کا سوال نہیں'' 477

''متحدہ ہندوستان کا تخیل ہرگز قابلِ عمل نہ تھا'' 479

''ہندوستان کی مسلمان اقلیت فراموش نہیں کی جا سکتی!'' 481

''انتقام لو...... تلوار سے نہیں، رواداری سے!'' 483

پاکستان کو صنعتی ملک بناؤ! 485

پاکستان کیوں قائم ہوا؟ 487

پاکستانی اقلیت کی ہر طرح حفاظت کی جائے گی! 489

''ہندوستان کے مسلمان ہندوستان کے وفادار رہیں!'' 491

پاکستان اور ہندوستان اب ایک نہیں ہو سکتے 493

''قربانی دو، آزمائش میں پورے اُترو، مشکلات کا مقابلہ کرو!'' 495

''پاکستان کے لیے سب کچھ قربان کر دو!'' 497

1948ء

''پاکستان کے ہندوؤں کی حفاظت کیجیے!''	501
صنعت و حرفت	503
''ہمیں آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چاہیے!''	505
''اور اسلامی جمہوریت کے لیے وقف ہو جاؤ!''	507
''بین الاقوامی امن اور خوش حالی میں ہمارا حصہ''	509
پاکستان	511
''سن لیجیے! پاکستان کی سرکاری زبان اُردو ہوگی''	513
نہ کوئی بنگالی ہے نہ پنجابی، نہ سندھی، نہ بلوچی	515
بنگالی طلبہ سے خطاب	517
''پاکستان کی قومی زبان صرف اُردو ہوگی!''	519
''مساوات اور رواداری ہمارے مذہب کی بنیاد ہیں!''	521
''مشرقی پاکستان ترقی کرے گا!''	523
''صوبائی عصبیت ترک کردو!''	525
''آپ کا ووٹ ایک قومی امانت ہے!''	527
پاکستان کی تجارت	529
تجارت میں دل کھول کر حصہ لو!	531
''صرف پاکستانی کہلائے جانے پر فخر کیجیے!''	533
قدرت نے ہمیں بہت سی نعمتیں دی ہیں!	535

پاکستان کا الہام

ہو بندۂ آزاد اگر صاحبِ الہام
ہے اس کی نِگہ فکر و عمل کے لیے مہمیز

اس کے نفسِ گرم کی تاثیر ہے ایسی
ہو جاتی ہے خاکِ چمنستان شرر آمیز

شاہیں کی ادا ہوتی ہے بلبل میں نمودار
کس درجہ بدل جاتے ہیں مُرغانِ سَحر خیز!

اُس مردِ خود آگاہ و خدا مست کی صحبت
دیتی ہے گداؤں کو شکوہِ جم و پرویز

اقبال

حرفِ آغاز

پاکستان کیوں اور کیسے؟

1938ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دھوم دھام اور تزک و احتشام کے ساتھ پٹنہ میں منعقد ہوا۔ صدرِ اجلاس قائداعظم تھے اور صدر مجلس استقبالیہ عزیز ملت سیّد عبدالعزیز صاحب بیرسٹرایٹ لا تھے۔ عزیزِ ملت متحدہ ہندوستان کے اُن چند رہنماؤں میں تھے جن کا اخلاص، جن کی دیانت اور جن کے جذبۂ قومی وملّی کے دوستوں سے زیادہ دُشمن معترف تھے۔ وہ کسی دَور میں بھی تنگ دل نہ تھے۔ ان کی شرافت، عالی ظرفی اور اولوالعزمی کا سب کو اعتراف تھا۔ انھوں نے زندگی بھر شادی نہیں کی۔ پٹنہ کے چوٹی کے بیرسٹروں میں تھے۔ مسلمانوں سے زیادہ ان کے مؤکل ہندو تھے۔ انھوں نے بلامبالغہ لاکھوں روپیہ کمایا۔ اُن کی آمدنی ہزار ہا ماہوار سے متجاوز تھی۔ لیکن یہ سارا روپیہ وہ ملک، قوم اور ضرورت مند اشخاص پر خرچ کر دیتے تھے۔ کل کے لیے بچا کر رکھنا اُن کے اصول اور قناعت کے خلاف تھا۔

عزیز ملت نے بڑا معرکہ آرا خطبۂ استقبالیہ ارشاد فرمایا۔ انھوں نے مسلمانانِ ہند کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

> ''ہندوستان کے بدقسمت مسلمان مغلیہ سلطنت کے خاتمے کے بعد حیران اور پریشان تھے۔ ان کا چہرہ پژمردہ، اُن کی جبیں غم آلودہ اور اُن کی آنکھیں عرصے تک ڈبڈبائی ہوئی رہیں۔ پہلے یہ انگریزوں سے مرعوب یا متنفر ہو کر بہت سی تحریکوں سے علیحدہ رہے اور کوئی عملی قدم اپنی اصلاح و ترقی کے لیے نہیں اٹھایا۔ مگر کچھ عرصے بعد زمانے کے تغیرات کو محسوس کر کے انھوں نے بھی جدوجہد شروع کی۔ 1916ء میں مسلم لیگ نے کانگریس کے دوش بدوش آزادیٔ ہند کا مطالبہ کیا اور برادرانِ وطن کے ساتھ باہمی

سمجھوتا کر کے اس کے حصول کی طرف متوجہ ہوئی۔

مسلمانوں نے اس امر کو ہمیشہ محسوس کیا کہ آزادی ملک کے لیے ہندو مسلم اتحاد ضروری ہے۔ (پہلی) جنگ عظیم سے پہلے اور اس کے بعد ہندوستان میں آزادی کی جو تحریکیں اٹھیں ان میں مسلمان آگے آگے رہے۔ ان مسلمانوں نے جلیانوالا باغ میں گولیاں کھائیں۔ پنجاب کے مارشل لا میں سخت سے سخت سزائیں بھگتیں، نیز خلافت اور سوراج کی متحدہ تحریک میں ہزاروں کی تعداد میں جیل خانہ گئے۔

سچ تو یہ ہے کہ 21-1920ء کی تحریکیں مسلمانوں ہی کی مرہون احسان ہیں، لیکن ملک کی بدقسمتی سے 1928ء میں نہرو رپورٹ نے متحدہ قومیت کی بنیاد کو ہلا ڈالا۔ ہندو مسلم اتحاد کے لیے یہ نقطۂ انحراف ثابت ہوا۔ اس رپورٹ نے کانگریسی ذہنیت کو بے نقاب کر دیا۔ انھیں وجوہ سے مولانا محمد علی نے بھی اس کی شدید مخالفت کی اور اُن کی ہمنوائی میں سارے ہندوستان نے بھی صدائے احتجاج بلند کی۔ اس رپورٹ سے مسلمانوں کو یہ خطرہ، بلکہ یقین ہوا کہ کانگریس ایک دہری حکومت ہندوستان میں قائم کرنا چاہتی ہے، جس میں انگریزوں کے فوجی اور خارجی اختیارات تو برقرار رہیں گے لیکن ملکی اور انتظامی اختیارات کانگریس کے ہاتھوں میں آئیں گے اور غریب مسلمان دہرا غلام بن جائے گا۔ کلکتہ کنونشن کے موقع پر جب جناح اور مولانا محمد علی مرحوم نے مسلمانوں کی طرف سے اس رپورٹ میں کچھ ترمیموں کی خواہش ظاہر کی تو ہندو رہنماؤں نے اُن کے مطالبے کو نہایت حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔''

آگے چل کر عزیز ملت نے سیاستِ ہند کا جائزہ لیتے ہوئے اور کانگریس کے نعرۂ قومیت متحدہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''مسلمان متحدہ قومیت کی تحریک کے صرف اس پہلو کو تسلیم کر سکتا ہے جو ملک کے لیے آزادی اور اختیارات حاصل کرنے میں مددگار اور ہندوستان کے معاشی مسائل کے حل کرنے میں معاون ہو، لیکن وہ اسے کسی طرح قبول نہیں کر سکتا کہ اپنی قومی انفرادیت کو ہندوستان کی متحدہ قومیت میں مدغم کر دے۔''

پاکستان کا تخیل ذہن و دماغ میں گردش کر رہا تھا اور ایک سال بعد یہ تخیل مسلمانانِ ہند کا نصب العین بننے والا تھا، لیکن ابھی تک اس تخیل کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ اب تک قائداعظم اور مسلمانانِ ہند اس بات کے جویا تھے کہ متحدہ ہندوستان میں ان کے حقوق محفوظ ہو جائیں۔

عزیزِ ملت نے فرمایا:

''مسلم لیگ کا نصب العین خواہ مخواہ کسی کی مخالفت پر مبنی نہیں ہے۔ مسلم لیگ اس نوع کے سیاسی و معاشی پروگرام کا ساتھ دے گی، جس کے اصول اسلامیانِ ہند اور دوسری قوموں کے لیے مفید ہوں، وہ کاشت کاروں کو زمینداروں کی زیادتی اور ناانصافی سے پریشان اور بدحال نہ ہونے دے گی اور ناقابلِ عمل وعدوں سے ان کو خوش کر کے پھر اُنہیں مایوس نہ کرے گی۔''

مسلم لیگ یہ سب کچھ کرنے کو تیار تھی، بشرطیکہ کانگریس ان کی جائز شکایات رفع کر دیتی۔ اپنے اس خطبہ میں عزیز ملت نے فرمایا:

''یوں تو مسلمانوں کی عام شکایات کی ایک طویل فہرست ہے، جس کا تذکرہ یہاں ناممکن ہے۔ پھر بھی بعض ایسے اہم مسائل ہیں جو کسی طرح نظر انداز نہیں کیے جا سکتے۔ ودیامندر اسکیم مسلمان بچوں کی تعلیم کے لیے بالکل ناموزوں ہے۔ اس کے نام ہی میں فرقہ وارانہ ذہنیت پائی جاتی ہے۔''

لیکن یہ اسکیم جبراً کانگریسی حکومتوں نے عمومی طور پر اور سی پی کی حکومت نے خصوصی طور پر نافذ کر دی۔ سیّد صاحب نے کہا:

''سی پی صوبہ متوسط کے وزیراعظم مسٹر شکلا کے ایک بیان کے مطابق بھی لفظ مندر قصداً خاص ایک غرض سے ابتدائی تعلیم گاہوں کے لیے اختیار کیا گیا ہے، تاکہ اس لفظ سے ہندو بچوں کے مذہبی جذبات میں جوش پیدا ہو، حالاں کہ سرکاری درسگاہ میں تعلیم پانے کے مستحق صرف ایک ہی قوم کے افراد نہیں ہوتے، بلکہ مسلمان اور دیگر غیر ہندو بھی ہوتے ہیں۔ مشترکہ تعلیم گاہوں میں اس طرح کا نام اختیار کرنے اور رواج دینے کی مطلق گنجائش نہیں تھی۔ یہ بالکل ناقص، نامکمل اور بعض حیثیتوں سے قدامت پرستانہ

اور دقیانوسی اسکیم ہے اور مسلمان بچوں کے قومی مزاج کے صریحاً خلاف اور مضر ہے۔

بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دے کر مسلمانوں کو صدمہ اور رنج پہنچایا گیا ہے۔ اس نغمہ میں بت پرستی کا تخیل ہے اور اس کی تصنیف مسلمانوں سے منافرت پر مبنی ہے۔ ایسی صورت میں کسی مشترکہ جلسہ یا تعلیم گاہوں میں اس ترانے کو جاری کرنے یا اس کی نغمہ سرائی پر اصرار کرنا مسلمانوں کو دُکھ دینا اور برہم کرنا ہے۔

اُردو ہندی کا قضیہ بھی نہایت ہی تلخ اور مضر صورت اختیار کر رہا ہے۔ اُردو جو ہندو اور مسلمانوں کی کوششوں کی زندہ یادگار ہے، کچھ عرصہ سے سیاسی اختلافات کی وجہ سے تعصب کا شکار ہو رہی ہے اور آج کانگریسی وزارتوں میں حکمرانہ اقتدار کے ماتحت مٹائی جا رہی ہے۔

اُردو ہمہ گیر حیثیت اور عام مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ برما کے دشوار گزار جنگلوں میں اُردو سکول قائم ہیں، سرحد کا پٹھان، سندھ کا کاشتکار، بمبئی کا تاجر اور بنگلور کا بساطی بھی اُردو جانتا، سمجھتا، بولتا اور لکھتا ہے۔ مختصر یہ کہ ہندوستان کے ہر قصبہ میں یہ زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ زبان نہ صرف صوبائی خلیجوں کو پاٹ کر بلکہ سمندر اور پہاڑ کو عبور کر کے ایک ہمہ گیر حیثیت حاصل کر چکی ہے، جو ہندی زبان کو نصیب نہیں۔ اُردو ادب کی تاریخ گواہ ہے کہ ہندوؤں نے بھی اس زبان کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، ماضی کا ذکر جانے دیجیے۔

آج بھی سر تیج بہادر سپرو، منشی دیا نارائن نگم، پنڈت برجموہن، دتا تریہ کیفی اور ڈاکٹر تارا چند کی زریں خدمات کو کون بھلا سکتا ہے۔ خود ہمارے صوبے کے ممتاز فاضل اور علم دوست ڈاکٹر سچتانند سنہا (وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی) نے جن کی سخن فہمی اور اُردو دانی کا ہر شخص معترف ہے۔ چند دن ہوئے اپنے لڑکے کی تقریب شادی کے سلسلہ میں جو دعوت نامہ تقسیم کیا ہے، وہ اُردو زبان اور رسم الخط سے تعصب برتنے اور بیر رکھنے والوں کے لیے سبق آموز ہے۔ رقعہ کی عبارت حسب ذیل ہے:

بفضلِ خدا میرے نورِ نظر رادھا کرشن سلمہٗ کی برات بتاریخ 17 جنوری 1939ء شام

کے تین بجے میرے مکان سے آنریبل جسٹس سکھ دیو پرشاد ورما کی کوٹھی پر جائے گی اور بعد واپسی برات اسی رات کے آٹھ بجے غریب خانہ پر دعوتِ طعام ہے۔ اُمید ہے کہ آنجناب تقریب اور کھانے میں شرکت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

(الملتمس سچتانند سنہا)''

اب سر تیج بہادر سپرو کی صدارتی تقریر کو ملاحظہ فرمائیں جو 18 دسمبر 1938ء کو یوم اُردو کے جلسہ کے موقع پر الٰہ آباد میں کی گئی۔ انھوں نے فرمایا کہ:

''اُردو ہم ہندو مسلمانوں کی وراثت مشترکہ ناقابلِ تقسیم ہے۔ یہ ہمارے اتحاد کی سب سے بڑی یادگار ہے۔ ہم کئی صدی سے یہ زبان بولتے چلے آئے ہیں۔ میرے باپ دادا، میرے بچے سب یہی زبان بولتے ہیں اور کسی حال میں بھی اسے چھوڑ نہیں سکتے۔ جو لوگ اس میں غیر مانوس ثقیل سنسکرت اور عربی الفاظ خواہ مخواہ داخل کرتے ہیں، وہ زبان کو خواہ مخواہ خراب کر رہے ہیں اور جو لوگ اس بنا پر مروج اور مانوس الفاظ نکال کر بھدے اور نئے الفاظ داخل کرنا چاہتے ہیں کہ دیہات والے سمجھ سکیں۔ انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا میں کوئی زبان ایسی نہیں جس کی شہری اور دیہاتی بولی میں فرق نہ ہو۔ یہ ساری خرابی اس وجہ سے ہے کہ ہماری زبان کو سیاسی مسئلہ بنا لیا گیا ہے۔ زبان لیجسلیٹو اسمبلی میں نہیں بن سکتی۔ وہ مجلسِ قانون ساز ہے۔ زبان ساز نہیں۔ یہ ہمارا کام نہیں ہے کہ ہم فیصلہ کریں کہ کون لفظ خارج کرنے کے قابل اور کون داخل کرنے کے لائق ہے۔ یہ کام ڈاکٹر عبدالحق جیسے اہلِ زبان اور علم دوست کا ہے۔

میں زبان کے لیے اُردو ہی کا لفظ پسند کرتا ہوں، جب کوئی میرے سامنے ہندوستانی کا لفظ کہتا ہے تو میرے دل کو تکلیف ہوتی اور مجھے صدمہ ہوتا ہے۔

حکومت نے کچہریوں کے لیے اُردو کی منظوری تو دے دی ہے، لیکن اس وقت تک اس کی حیثیت کاغذی حکم سے جو زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اُردو زبان کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایک طرف ہندوستان میں اسلامی تہذیب اور اسلامی کلچر سے اس کا گہرا تعلق ہے تو دوسری طرف اس کے ذریعہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے پرانے رشتۂ اتحاد کی یادگار قائم

ہے۔ اُردو کے ساتھ دشمنی کرنی اسلامی تہذیب، کلچر اور ہندو مسلم اتحاد کے ساتھ دشمنی کرنی ہے۔''

سیّد صاحب نے کانگریس سے مسلمانوں کی شکایات کا دفتر جو بے انتہا وسیع تھا۔ حد درجہ مختصر کر کے بیان کیا، پھر بھی ابھی ختم نہیں ہوا۔ کانگریس قربانی تک کی اجازت اپنے صوبوں میں نہیں دے رہی تھی۔

''آج انتہائی دکھ کے ساتھ مجھے اس تلخ حقیقت کا اعلان کرنا پڑتا ہے کہ کانگریسی حضرات نے کراچی کے بنیادی حقوق کے طے شدہ اعلان کو طاقِ نسیاں کا گلدستہ بنا دیا، آج قربانی کے مسئلہ میں رسم و رواج کی ایسی قید لگائی جارہی ہے کہ مسلمان اپنے فرائض کو برت نہیں سکتا۔ یہ فرائض رواج پر منحصر نہیں اور نہ اکثر جگہوں میں رواج کا ثبوت دیا جاسکتا ہے۔ چوں کہ یہاں قربانی عام طور سے گھروں کے اندر کی جاتی ہے اور اگر چوکیدار کو اس کی اطلاع بھی ہوئی تو عام طور پر ہندو چوکیدار اور ہندو پولیس افسران کے ہونے کے باعث بہت سے علاقوں کی قربانیوں کا اندراج تھانے کے رجسٹر میں نہیں ہوتا اور پولیس کی مصلحت بھی زیادہ تر یہی ہے کہ کم سے کم جگہوں کے متعلق قربانیوں کا اندراج ہو۔''

سیّد صاحب بہار کے رہنے والے تھے۔ وہیں کے حالات سے واقف تھے۔ اس لیے مثالیں بھی زیادہ تر بہار کی پیش کیں، ورنہ درحقیقت سارے ہندوستان میں کیفیت یہی تھی:

''دفعہ 144 کا تیر کانگریسی وزارت کے ترکش سے جس تیزی اور کثرت سے مسلمانوں پر چلا ہے اس کی کوئی مثال نہیں۔ اسی طرح امنِ عامہ کا بہانہ کر کے متفرق جگہوں پر مسلمانوں کو اپنے شعائر اور حقوق کے ادا کرنے سے جس طرح روکا گیا ہے، اس کا تذکرہ بھی ناقابلِ بیان ہے۔ صوبے کے کئی اضلاع میں مسلمانوں پر متعصب برادرانِ وطن کے ہاتھوں مقامی افسران اور خاص کر مسلمان افسران کی کمزوریوں اور حکومت کی پالیسی کی وجہ سے جو مظالم ہوئے اور ہو رہے ہیں وہ حد درجہ المناک ہیں۔ کیا میں کانگریسی وزارت سے امید کروں کہ وہ اب بھی تدبیر اور ہوشمندی کا ثبوت دے کر مسلمانوں کے صبر و تحمل کا ناجائز امتحان نہ لے گی۔''

کانگریس نے پنڈت نہرو کی قیادت میں پہلے "مسلم ماس کنٹیکٹ" کا دام بچھایا، جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اس نے شیعوں اور سنّیوں کے مابین مومنوں (پارچہ بافوں) اور عام مسلمانوں کے درمیان افتراق پیدا کرنے کی سعی شروع کردی۔ سیّد صاحب اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

> "کانگریس نے پہلے ماس کنٹیکٹ کے ذریعہ مسلمانوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، مگر جب اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تو اب ذات کی بنا پر ان کے بکھرے شیرازہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتی ہے اور کچھ ناسمجھ مسلمان اس کا شکار بھی ہو رہے ہیں۔ کانگریس مسلم لیگ کو مسلمانوں کا واحد سیاسی اور قومی ادارہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔"

یہ تھیں مسلمانوں کی جائز شکایات، جنھیں کانگریس نے رفع نہیں کیا اور بالآخر مجبور ہو کر مسلم لیگ کو اپنی آخری منزلِ مقصود "پاکستان" قرار دینی پڑی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ قائداعظم کے دور میں کبھی رجعت پسند جماعت نہیں رہی۔ وہ اپنی ترقی پسندی میں کانگریس سے بھی دو قدم آگے رہی۔ اپریل 1936ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بمبئی میں ہوا۔ اس میں مسلم لیگ کا جو منشور اور پروگرام مرتب ہوا، وہ یہ تھا:

1۔ مسلمانوں کے مذہبی حقوق کی حفاظت
2۔ تشدد آمیز قوانین کے تنسیخ کی سعی
3۔ ان تمام قوانین کی مخالفت جو ہندوستان کے مفاد کے لیے مضر ہوں۔ افراد کے اساسی حقوق پر اثرانداز ہوں یا ملک میں اقتصادی تصرفات کا دروازہ کھولیں۔
4۔ نظم و نسق کے خرچ کو کم کر کے معتدبہ رقوم تعمیری ادارت پر صرف کرنا۔
5۔ ہندوستان کا فوجی خرچ گھٹانا اور فوج کو ہندوستانی بنانا۔
6۔ صنعتوں کو فروغ دینا۔
7۔ کرنسی مبادلہ اور قیمتوں کو ملک کے اقتصادی فائدے کے مطابق منظم کرنا۔
8۔ دیہاتی آبادی کی اقتصادی معاشرتی اور تعلیمی فلاح کی کوشش کرنا۔
9۔ زراعتی قرضے میں تخفیف کے قوانین بنانا۔
10۔ ابتدائی تعلیم کو عام اور لازمی بنانا۔
11۔ اُردو زبان اور رسم الخط کی حفاظت کرنا۔

12۔ مسلمانوں کی حالت کو عمومی حیثیت سے بہتر بنانے کی تدابیر اختیار کرنا۔

13۔ محاصل کے بوجھ کو کم کرنا۔

14۔ ملک میں صحیح رائے عامہ اور عام سیاسی بیداری پیدا کرنا۔ مسلم لیگ پارٹی، مجالس آئین ساز میں کانگریس کے ساتھ اشتراکِ عمل کرے گی اور اس کے پروگرام میں مسلم اقلیت کے مفاد کی حفاظت کے سوا اور کوئی فرقہ وارانہ بات نہ ہوگی۔

متذکرہ صدر پروگرام کے مطابق انتخابی مہم شروع کی گئی۔ جمعیت العلماء نے بھی مسلم لیگ کی تائید کی۔

مولانا حسین احمد مدنی نے بعض امیدواران ممبری کی تائید میں اعلانات شائع کیے۔ [1]

ہندوؤں کی عام ذہنیت کو دیکھ کر مسلم سیاست دانوں کا ایک معقول طبقہ شروع ہی سے دوقومی نظریہ کا قائل تھا، اس لیے جداگانہ انتخابات کا علمبردار تھا۔ لیکن جہاں تک قائداعظم، مولانا محمد علی اور دوسرے بزرگ سیاست دانوں کا تعلق تھا، وہ جب تک بالکل مایوس نہیں ہو گئے۔ دوقومی نظریہ کے مخالف رہے۔

دسمبر 1913ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس سر ابراہیم رحمت اللہ کی صدارت میں بہ مقام آگرہ منعقد ہوا، جس میں متعدد تجویزیں پیش اور منظور ہوئیں۔

پانچویں تجویز مولوی رفیع الدین صاحب [2] بیرسٹر پونا نے پیش کی کہ لوکل باڈیز میں جداگانہ انتخاب نافذ کیا جائے۔

مولانا محمد علی صاحب نے ترمیم پیش کی کہ تجویز کو ایک سال کے لیے ملتوی کر دیا جائے، ترمیم کی تائید مسٹر محمد علی جناح اور مظہر الحق صاحب [3] نے کی، رضا علی صاحب [4] نے ترمیم کی مخالفت کی۔ طویل بحث کے بعد رائے شماری ہوئی اور ترمیم گر گئی اور پہلی تجویز منظور ہوئی۔

لیکن جب آخر کار ہر قسم کی سعی مصالحت کی ناکامی اور کامل مایوسی کے بعد، مسلم لیگ نے پاکستان

1۔ اس تحفظ کے ساتھ کہ خالص مذہبی امور میں جمعیت العلماء اور مجتہدین کرام کی رائے کو خاص وقعت دی جانی تجویز ہوئی۔

2۔ بمبئی کے نڈر، بیباک اور مخلص زعیم جو بمبئی کے عرصہ تک وزیر بھی رہے۔

3۔ بہار کے سراپا ایثار زعیم، بہت بڑے کانگریسی راجندر پرشاد انھی کے تربیت یافتہ ہیں۔

4۔ سر رضا علی مرحوم

کی تجویز منظور کی تو پہلے تو اس کا مذاق اڑایا گیا، لیکن جلد ہی اہلِ فکر و نظر اس پر سنجیدگی سے غور کرنے لگے، چناں چہ ایک انگریز اہلِ قلم پیٹر لوئس کا ایک مضمون ''دو ہندوستان'' کے نام سے ''کنٹمپریری ریویو'' اور ''ایسٹرن ٹائمز'' میں 2 اگست 1940ء کو چھپا۔ اس کا ایک حصہ یہ ہے:

''پاکستان کوئی جدید تحریک نہیں ہے، بلکہ یہ وہ سب سے کم ہنگامہ خیز اور پرانی اسکیم ہے جس کی مختلف اہلِ قلم نے ہندوستان کے نقشے کو نئے طور پر بنانے کی کوشش کی ہے۔ اگر تعداد اور قوت کے پیمانے سے اندازہ لگایا جائے تو صاف صاف وجوہ کی بنا پر مسلمان ہندوستان میں سب سے زیادہ گھنے طریقہ پر آباد ہیں اور سب سے زیادہ مضبوط ہیں اور اپنی ضروریات کے لیے دوسروں کے محتاج نہیں ہیں اور یہ لوگ ملک کے ایک مسلسل ٹکڑے میں جس میں پنجاب، کشمیر، شمال مغربی صوبہ اور اس کی ایجنسیاں، سندھ، بلوچستان، خیر پور اور بہاولپور شامل ہیں۔ گنجان طور پر آباد ہیں۔

انھیں سات اجزا سے مل کر پاکستان وجود میں آئے گا، جس کا فیڈرل یا ڈومینین دارالحکومت لاہور ہوگا اور کراچی اس کا ہوائی مستقر اور سمندری بندرگاہ ہوگی۔

اس کا رقبہ السٹر کا 75 گنا ہوگا اور اسپین، چیکوسلاویکیا، آسٹریلیا، البانیہ، بلجیم، ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ، لیتھونیا ائر کے مجموعی رقبہ کے برابر ہوگا۔ اس کی آبادی البانیا، آسٹریلیا، چیکوسلاویکیا، لیتھونیا اور سوئٹزرلینڈ کی مجموعی آبادی کے برابر ہوگی۔ (متذکرہ ممالک اتنے چھوٹے نہیں ہیں جو سوائے جرمنی کے دوسروں کے نزدیک اس قابل نہ ہوں کہ ان کو حکومت خود اختیاری کا حق دیا جائے) مگر اس طور پر صرف ہندوستانی آبادی کے 1/10 حصہ اور اس کے رقبہ کے 1/4 حصہ کا انتظام ہوگا اور بقیہ حصہ جس کو ڈومینین آف ہندوستان کے نام سے موسوم کیا جاوے گا، اس کے بعد بھی سوائے چین کے ہر ملک سے زیادہ اس کی آبادی ہوگی۔''

آگے چل کر متعدد متعلقہ مسائل پر بحث کرنے کے بعد یہ مقالہ نگار لکھتا ہے:

''کشمیر جو رقبہ کے لحاظ سے پاکستان کا بڑا جزو ہے، اس کی آبادی بہت کم ہے، یہ ایک ہندو ریاست ہے اور اس پر ایک ہندو خاندان حکومت کرتا ہے، مگر اس کی نوے فیصدی

ستم رسیدہ رعایا مسلمان ہے۔ حیدرآباد (دکن) جہاں ایک مسلمان خاندن ایک بڑی ہندو اکثریت پر حکمرانی کرتا ہے، اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ہندوستان کے فیڈریشن میں شامل ہو جائے گا تو پھر کشمیر کے پاکستان میں شامل ہونے میں کیا حرج ہے؟''

مقالہ کے آخر میں اس تجربہ کار سیاست دان اور منجھے ہوئے اہلِ قلم نے حالات کا پورا تجزیہ کرنے کے بعد لکھا ہے:

''موجودہ ہندوستان کا اتحاد ایک ہمہ گیر مصنوعی حکومت کی عائد کردہ مصنوعی کیفیت ہے۔ یہ اتحاد ایک اچھی چیز ہے، مگر نہ اس ملک کے قدرتی حالات کے موافق ہے اور نہ یہاں کے باشندوں کے فطری مذاق اور ان کی تاریخ کے مطابق ہے۔ برطانیہ ہندوستان پر صرف اس وجہ سے قبضہ حاصل کر سکا کہ یہ بہت سے حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ اس نے اس کا بڑا حصہ مسلمان مغلوں سے لیا، اس کے بعد انھوں نے طرح طرح کے ہندو سرداروں سے جنگ کی۔ کبھی انگریزوں نے ہندوؤں کی حمایت سے اور کبھی مسلمانوں کی امداد سے فتح حاصل کی۔ ملک میں کبھی گلگت سے ٹری وندرم تک اور کوئٹہ سے کلکتہ تک یک جہتی قائم نہ ہو سکی اور اگر کسی نے سارے ملک میں امن و اماں یکساں طور پر قائم کیا تو وہ حکومت برطانیہ ہے جس نے بہت سے آپس کے تنازعات اس دور میں ختم کر دیے اور شاید ہمیشہ کے لیے، مگر ہندو اور مسلمانوں کا باہمی بنیادی اختلاف قائم ہے اور قائم رہے گا۔ برطانیہ کا یہ فرض تو ہرگز نہیں کہ وہ ایک تہذیب کو دوسری تہذیب کے مسخر کرنے پر مجبور کرے، مگر اب وہ غیر ملکی قوت جس کی بدولت یہ شیرازہ بندی ہو سکی تھی، جانے والی ہے مگر قبل اس کے کہ اس کی عدم موجودگی کے بعد فسادات اپنی پوری طاقت سے اٹھ کھڑے ہوں، جس کے آثار اس وقت پائے جاتے ہیں اور پراگندہ کرنے والے رجحانات کی ابتدا ہو رہی ہے۔ ہندوستان کو نہایت منصفانہ طریقے پر فریقین میں تقسیم کر دیا جاوے اور ان حریفوں کو اسے پھر دے دیا جاوے، جن سے برطانیہ نے اس ملک کو لیا تھا اور جن کی امداد سے اس نے ایک ایک کو علیحدہ علیحدہ اس ملک سے بے دخل کیا تھا۔ نو سال قبل مہاتما گاندھی کی ایک گفتگو مانچسٹر گارجین میں شائع ہوئی تھی، جس میں انھوں نے افسوس کے ساتھ، مگر بغیر جذبات سے متاثر ہوئے،

فرمایا تھا کہ:

ممکن ہے کہ آزادی کی وجہ سے میرے ملک میں خانہ جنگیوں کی ابتدا ہو جائے اور اس کی وجہ سے ایک نہ ایک قوم تباہ ہو جائے۔ اگر اس طرح کا امکان ہے اور اگر ایسی حالت میں دو برائیوں کے درمیان ہم کو انتخاب کرنا ہے تو جو برائی ذرا کم ہو، اس کو ہمیں پسند کرنا چاہیے اور ہم کو اس کا فیصلہ اس وقت کر لینا چاہیے۔ ہماری یہ گزارش ہے کہ دو حکومتیں قائم ہونی چاہیے، جن کی آبادی ایک درجہ تک مذہباً اور تمدنی طور پر یکساں ہو، بجائے اس کے کہ ایک حکومت سارے ہندوستان کے لیے قائم ہو، جس کی وجہ سے سارا ہندوستان خانہ جنگی کا اکھاڑا بن جاوے اور اس پر غیر ملکی حکومت کی لعنت رہے۔''

پاکستان کی تحریک نے خود مسلمانوں میں بھی طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کر دیے تھے، چناں چہ رسالہ جامعہ میں ایک مضمون شائع ہوا، جس میں پاکستان کی افادیت کو چیلنج کیا گیا تھا۔ سیّد حسن ریاض صاحب ایڈیٹر ''منشور'' دہلی نے اس کا پر مغز، مدلل اور حقیقت آفرین جواب دیا، جو خاصا طویل ہے۔ میں صرف اس کے بعض حصوں پر اکتفا کروں گا:

''معترض کی رائے میں ذرائع آمدورفت اور وسائل خبر رسانی کی ترقی کے بعد ملکوں کی طبعی تقسیموں اور طبقات الارض کی تفریقوں کی اہمیت بہت کم ہو گئی ہے لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ براعظم ماسوائے روس رقبہ میں ہندوستان کے برابر ہے۔ ذرائع آمدورفت و وسائل، خبر رسانی کی ترقی کے لحاظ سے ہندوستان کو یورپ سے دور کی نسبت بھی نہیں۔ جہاں پر یورپ میں دو لاکھ میل سے زیادہ لمبی ریلوے لائن ہے، ہندوستان میں ریلوں کی لمبائی 40 ہزار میل کے قریب ہے، لیکن ان تمام سہولتوں کے باوجود یورپ کی تقسیم 26 جغرافیائی قطعوں میں ہو چکی ہے۔ جہاں پر جدا جدا قومی حکومتیں قائم ہیں۔ دریائے ڈینیوب مشرقی یورپ کی سب سے بڑی تجارتی شاہراہ ہے اور نصف درجن کے قریب ملکوں میں سے گزرتا ہے، جو اسے اپنی تجارت و وسائل آمدورفت کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ ملک سیاسی طور پر جدا ہیں، لہٰذا وسائل آمدورفت کسی ملک کے مخصوص محل وقوع کی اہمیت کو کم نہیں کر سکتی۔ پاکستان حقیقت میں ایک قدرتی خطۂ زمین ہے جو طبعی و جغرافیائی طور پر ہندوستان سے بالکل جدا ہے۔ دریائے

سندھ اور اس کے معاون اس سرزمین کو سیراب کرتے ہیں۔ اس کی قدرتی حد بندی جنوب مشرق کی طرف ریگستان راجپوتانہ و دریائے جمنا کرتے ہیں۔ این ڈبلیو آر ریلوے کی شاخیں، اس سرزمین کے اطراف و جوانب پھیلی ہوئی ہیں۔ بیرونی ملکوں سے بحری تجارت کراچی کی بندرگاہ سے ہوتی ہے۔ اس سرزمین کے تجارتی شہروں کا جو براہِ راست تعلق کراچی بندرگاہ سے ہے، وہ کسی اور دوسری بندرگاہ سے نہیں ہوسکتا۔

پاکستان کی جداگانہ ہستی کے جواز میں دوسری دلیل امتیاز نسل ہے۔ لیکن اسے آپ نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا ہے کہ دنیا میں کوئی خاص نسل رکھنے والے لوگوں کا وجود نہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر فلسطین میں عرب و یہودی، آئرلینڈ میں آئرش اور السٹر کے رہنے والے وسط یورپ میں سلانی اقوام، جنوبی یورپ میں لاطینی اقوام وغیرہ کیوں نسلی امتیاز کی بنا پر جدا قوموں میں منقسم ہیں، آئرلینڈ کے باشندے مذہباً عیسائی ہیں، صدہا سال سے ایک ہی ملک میں آباد ہیں۔ سب انگریزی طرز کی زبان بولتے ہیں۔ لیکن مخصوص نسلی امتیاز کی بنا پر جدا حکومتوں میں منقسم ہیں۔ السٹر کے رہنے والے اپنے آپ کو انگریزی نسل سے منسوب کرتے ہیں اور بقیہ آئرلینڈ کے رہنے والے اپنی قدیم سلٹک نسل پر فخر کرتے ہیں۔ کیا اس سے انکار ہوسکتا ہے کہ پولز روسی، زیچ، سرپ، کروٹ، بلغار سب سلانی النسل اقوام ہیں، لیکن اس کے باوجود اپنے مخصوص نسلی امتیاز کو قائم رکھتی ہیں۔ قوموں کی تشکیل میں نسلی امتیاز کے جذبہ نے ہمیشہ نمایاں حصہ لیا ہے۔

آپ نے مذہب کے اختلاف کو بنیادی حیثیت دی ہے، اس سے مجھے اتفاق ہے۔ لیکن زبان کے اختلاف کو یہ کہہ کر نظر انداز کیا ہے کہ اس کی وجہ بھی مذہبی اختلاف ہے۔ کیا بنگال میں جہاں مسلمان آبادی کا 55 فیصدی ہیں۔ مذہبی اختلاف کے ہوتے ہوئے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان ایک ہی نہیں ہے۔ اگر یہ درست ہے تو مذہب زبان کے اختلاف کا باعث نہیں۔ پاکستان کے لوگ چوں کہ نسل کے لحاظ سے بقیہ ہندوستان سے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے زبان کا اختلاف اس کا لازمی نتیجہ تھا۔ بقیہ ہندوستان کے مقابلہ میں پاکستان ہی ایسی سرزمین ہے، جہاں پر کہ اُردو سب باشندوں کے لیے مشترک زبان ہے اور اس کا اثر و رسوخ نہایت تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ یہاں پر ہندو اخبارات و رسائل کثرت سے اُردو میں شائع ہوتے ہیں۔

پرائمری اور مڈل کلاس میں ذریعۂ تعلیم اُردو ہے۔ سرکاری دفاتر میں اُردو کو درباری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ بقیہ ہندوستان کے مانند یہاں بنگالی، مرہٹی، گجراتی، تامل وغیرہ مختلف زبانوں سے مقابلہ کا کوئی خطرہ نہیں۔''

پاکستان کے ذرائع اور وسائل کا ذکر کرتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں:

''پاکستان کے قدرتی ذرائع بہت وسیع اور غیر محدود ہیں۔ براعظم ہند میں پاکستان ہی ایک ایسا حصہ ہے، جہاں موجودہ آبادی سے تین گنا زیادہ آبادی سما سکتی ہے۔ کشمیر، پنجاب اور سندھ میں بڑے وسیع قطعاتِ اراضی زیرِ کاشت لائے جا سکتے ہیں۔ پاکستان کے جنگلات اس کی عمارتی اور صنعتی ضروریات کے لیے کافی ہیں۔ چراگاہوں میں مویشی کثرت سے پالے جاسکتے ہیں۔ معدنیات کی بھی بہتات ہے، جو بوقتِ ضرورت ملک کی صنعت و حرفت کو فروغ دے سکتی ہیں۔ بجلی کی طاقت اس قدر وافر مقدار میں پیدا کی جاسکتی ہے، جس سے سیکڑوں کارخانے اور ملیں چل سکیں۔ ذرائع آمدنی میں ریلوے کی آمدنی ای آئی آر کے بعد ہندوستان کی ہر دوسری ریلوے لائن سے زیادہ ہے۔ پاکستان میں زمین و آبپاشی کی آمدنی بنگال، یوپی، مدراس ہر ایک سے زیادہ ہے۔ علیحدگی کی صورت میں انکم ٹیکس و محصول بندرگاہ کی آمدنی جو خزانہ مرکزی میں جمع ہوتی ہے۔ براہِ راست پاکستان کی آمدنی میں شمار ہوگی اور یہ زائد آمدنی صوبہ سرحد و بلوچستان کے اخراجات کی کفیل ہو سکتی ہے۔ پاکستان میں وسائل دولت کو ترقی دینے کے لیے مزدوروں کی کمی نہیں۔ قومی حکومت کے قیام سے صنعت و حرفت کو لازمی فروغ ہوگا۔''

غرض یہ تھے وہ حالات جب پاکستان کی تحریک عالمِ وجود میں آئی اور یہ تھے وہ امکانی وسائل جو اس کے قیام کے بعد اس کی صلاح و فلاح اور فروغ و ترقی میں ممد و معاون ہو سکتے تھے۔

پاکستان کے راستے میں بہت سے روڑے اٹکائے گئے، لیکن اسے بننا تھا اور بالآخر وہ بن کر رہا۔ اب یہ اہلِ پاکستان کا فرض ہے کہ اس کے وسائل و ذرائع سے فائدہ اٹھائیں اور اسے دُنیا کی ترقی یافتہ قوموں کا ہم دوش بنادیں۔

رئیس احمد جعفری

دسمبر ۱۹۶۱ء

عشق کے مِضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نُورِ حیات، عشق سے نارِ حیات

اقبالؔ

ہمالیہ سے راس کماری تک پھیلے ہوئے وسیع براعظم کے چالیس کروڑ انسانوں پر حکومت کرنے کے لیے کسی ایک متحدہ مرکزی حکومت کے ہر تین نمائندوں میں سے صرف ایک مسلمان ہو گا بالفاظ دیگر ہندو راج اپنی پوری قہرمانیت کے ساتھ مسلمانوں پر مسلط کر دیا جائے گا اور ہر رطب و یابس پر مسلمان آمنا وصدقنا کہنے پر مجبور ہوں گے۔

بمبئی

3 جنوری 1941ء

ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے ایک قوم ہیں۔ زبان و ادب، فنِ لطیف و فنِ تعمیر، نام و نسب، شعورِ اقدار و تناسب، قانون و اخلاق، رسم و رواج، تاریخ و روایات اور رجحان و مقاصد ہر ایک لحاظ سے ہمارا اپنا انفرادی زاویۂ نگاہ اور فلسفۂ حیات ہے۔ بین الاقوامی قانون کی ہر تعریف ہماری قومیت کو سلامی دینے کے لیے تیار ہے۔

ایسوسی ایٹڈ پریس امریکا
یکم جولائی 1942ء

''اقلیتیں جہاں بھی ہوں ان کے تحفظ کا انتظام کیا جائے گا، میں نے ہمیشہ یقین کیا...... اور میں سمجھتا ہوں کہ میرا ایقان غلط نہیں...... کوئی حکومت اور کوئی مملکت اپنی اقلیتوں کو اعتماد اور تحفظ کا یقین دلائے بغیر کامیابی کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتی، کوئی حکومت ناانصافی اور جانبداری کی بنیادوں پر کھڑی نہیں رہ سکتی۔ اقلیت کے ساتھ ظلم و تشدد اس کی بقا کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ اقلیتوں میں انصاف و آزادی، امن و مساوات کا احساس پیدا کرنا ہر انتخابی طرزِ حکومت کی بہترین آزمائش ہے۔ اس خصوص میں ہم دنیا کے کسی متمدن ملک سے ہیٹے نہیں رہ سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ جب وقت آئے گا تو ہمارے ملکی خطوں کی اقلیتوں کو ہماری روایات، ثقافت اور اسلامی تعلیم سے نہ صرف انصاف و صداقت ملے گی بلکہ انھیں ہماری کریم النفسی اور عالی ظرفی کا ثبوت بھی مل جائے گا۔ ہم مول تول نہیں کرتے۔ ہم لین دین کے عادی نہیں۔ ہم صرف عمل پر یقین رکھتے ہیں اور صرف تدبر اور عملی سیاست پر اعتماد رکھتے ہیں۔''

مدراس

اپریل 1941ء

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

اقبال

1913ء

جب مسٹر جناح بہت بڑے نیشنلسٹ اور کانگریسی تھے۔

بے خبر خود راز خود نشناختہ!

ممکنات خویش را نشناختہ!

جب کانگریس انقلاب کے نام سے ڈرتی تھی

ایک انقلابی تجویز!

31 دسمبر 1913ء

مسلم لیگ کا ساتواں اجلاس دسمبر 1913ء میں بہ مقام آگرہ منعقد ہوا۔ سر ابراہیم رحمت اللہ صدر اجلاس تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان ابھی تحریک آزادی سے آشنا نہیں ہوا تھا۔ گاندھی جی جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے حقوق کے لیے لڑ رہے تھے۔ موتی لال الٰہ آباد میں وکالت کر رہے تھے۔ جواہر لال کو کوئی جانتا نہ تھا۔ راجندر پرشاد، پٹیل اور دوسرے زعما کا سیاسی وجود اب تک پردۂ عدم میں تھا۔ کانگریس کے سالانہ جلسوں میں دب دب کر، ڈر ڈر کر، انگریزوں سے کچھ حقوق مانگے جاتے تھے۔ لیکن محمد علی جناح نے اس زمانہ میں بھی نڈر، بیباک اور زبردست انقلابی تھا، مسلم لیگ کی سرکاری روداد میں درج ہے۔

محمد علی جناح نے تجویز پیش کی کہ سیکریٹری آف اسٹیٹ کی کونسل میں حسب ذیل تبدیلیاں کی جائیں:

الف: سیکریٹری کی تنخواہ انگریزی تخمینہ کے مطابق ہو۔

ب: کونسل کے نصف ممبر انتخاب کے ذریعہ مقرر ہوں۔

ج: نامزد ممبروں میں سے نصف غیر سرکاری ہوں۔

د: بقیہ نصف نامزد ممبر ایسے ہوں جو کم از کم دس سال تک ہندوستان میں ملازم رہ چکے ہوں۔

ک: بلحاظ اختیارات کونسل مشاورتی ہو نہ کہ انتظامی۔

ع: میعاد عہدہ 5 سال سے زیادہ نہ ہو۔

اس تجویز نے نہ صرف ہندوستان کے حصار سیاست میں جناح کی دھاک بٹھادی۔ بلکہ برطانیہ کے ایوانِ شہی میں بھی لوگ چوکنا ہو گئے کہ یہ من چلا سیاست دان کون ہے؟

1915ء

جب مسٹر جناح مسلمانوں کی ملّی انفرادیت کے قائل ہو چکے تھے۔

آسیا یک پیکر آب و گِل است
ملتِ "اسلامیہ" در آں پیکر دل است
از فسادِ او، فسادِ آسیا!
در کشادِ او، کشادِ آسیا!

کانگریس سے تعاون کے دَور میں بھی قائداعظم کا اصرار

مسلمان جداگانہ قوم ہیں!

30-31 دسمبر 1915ء

مسٹر جناح ہمیشہ سے ہندو مسلم اتحاد کے داعی، نقیب اور علمبر دار تھے۔ لیکن اپنے نیشنلزم کے عہد عروج و شباب میں بھی انھوں نے مسلم قوم کی انفرادیت اور جداگانہ حیثیت کے مطالبہ سے دست برداری نہیں اختیار کی، چوں کہ اس وقت تک نہ ہندوؤں سے مایوسی ہوئی تھی، نہ کانگریس کی ذہنیت بے نقاب ہوئی تھی، لہٰذا پاکستان کا تصور بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ مسٹر جناح کی ساری سرگرمیاں اس امر پر مرکوز تھیں کہ ہندو مسلم اتحاد عمل میں آئے۔ ہندوستان کا جو دستور بنے، وہ اکثریت کا بنایا ہوا نہ ہو۔ اس میں مسلمان بھی برابر کے شریک ہوں، عام ملکی معاملات میں وہ بے تامل ہندو اکثریت کا ساتھ دیں اور امن و عافیت کی زندگی بسر کریں۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر اُنھوں نے کسی طاقت سے ٹکر لینے میں تامل نہیں کیا۔ چناں چہ دسمبر 1915ء میں انھوں نے لیگ کو سالانہ جلسہ بمبئی میں منعقد کرنے کی دعوت دی۔ یہ لیگ کا آٹھواں اجلاس تھا۔ صدر اجلاس مسٹر مظہر الحق بیرسٹر ایٹ لا، پٹنہ منتخب ہوئے۔

اجلاس بمبئی کی رپورٹ مسٹر (پھر سر) وزیر حسن نے بہ حیثیت سیکریٹری تحریر فرمائی تھی، جس کے اہم حصص درج ذیل ہیں، جن کے مطالعہ سے بہت سے عجیب و غریب حقائق منکشف ہوں گے۔

رئیس احمد جعفری

"...... مسلم لیگ کا یہ اجلاس ہر حیثیت سے غیر معمولی اجلاس تھا۔ ہندوستان کی سیاسی زندگی میں پہلا موقع تھا کہ نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کے اکابر ایک جگہ جمع ہوئے۔ ہندو اور مسلمان اپنے اختلافات بھول گئے تھے اور اس محبّت کے ساتھ ایک دوسرے سے تعاون و اشتراک عمل کر رہے تھے کہ دشمنوں کے دل دہلنے لگے تھے۔ اس ہفتہ کانگریس کا اجلاس بھی بمبئی میں ہوا۔ کانگریس کے صدر لارڈ سنہا مسز اینی بیسنٹ اور دیگر کانگریسی لیڈران بھی شریک جلسہ تھے۔ ہندو والنٹیر کور مسلمان رضا کاروں کا ہاتھ

بتا رہی تھی اور یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ہندوستانی بھی اب ایک مستقل قوم بن گئے ہیں۔

اس سال لیگ کے پنڈال کے دروازے پر نہایت مبارک کتبہ آویزاں تھا، جو اپنی نوعیت میں پہلی مثال تھا۔

''اتفاق طاقت ہے''

بدقسمتی سے پس پردہ چند ایسی طاقتیں بھی کام کر رہی تھیں جو خوشگوار منزل کو پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ مسلمانوں میں ایک عجیب اختلاف رونما ہو گیا۔ یہ گروہ یہ چاہتا تھا کہ اس سال لیگ کا اجلاس ہی منعقد نہ ہو اور دلیل پیش کی جاتی تھی کہ چوں کہ ترک حکومت برطانیہ کے خلاف جنگ میں شریک ہیں اور مسلمانوں کا رشتہ ترکوں سے مذہبی اخوت کی بنا پر نہایت گہرا ہے۔ مبادا پبلک پلیٹ فارم سے کوئی ایسی بات نکلے، جس سے ہندوستانی مسلمانوں کی برطانیہ کے ساتھ وفاداری پر شبہ ہو جائے اور جنگِ عظیم میں برطانیہ کو کوئی تکلیف محسوس ہو۔

دوسرا گروہ اس پر مصر تھا کہ اجلاس تو ہو لیکن بمبئی میں نہ ہو، کیوں کہ کانگریس کے ساتھ تعاون یا کسی قسم کا اشتراک عمل باغیانہ اقدام ہوگا۔ آخر صائب الرائے طبقہ کی رائے غالب آئی اور اجلاس ہوا اور بمبئی میں ہوا، لیکن کچھ بدمزگی ہو ہی گئی۔

اس سال اکابرین ملت اسلامیہ کا ایسا مجمع تھا کہ اپنی نوعیت میں ایک تاریخی حیثیت رکھتا تھا۔ مختلف صوبوں کے ڈیلی گیٹوں میں چند مشہور حضرات کے اسمائے گرامی۔

صوبہ یو پی

آنریبل راجہ سر محمد علی صاحب محمود آباد۔ (1) آنریبل سیّد رضا علی صاحب مراد آباد۔ (2) آنریبل شیخ شاہد حسین صاحب لکھنؤ۔ (3) آنریبل سیّد وزیر حسن صاحب لکھنؤ۔ (4) خواجہ عبدالمجید صاحب بیرسٹر ایٹ لا علی گڑھ۔ (5) سیّد فضل الحسن حسرت موہانی صاحب علی گڑھ۔ (6) غلام حسین صاحب آصف کامریڈ لکھنؤ۔ (7)

صوبہ بمبئی

آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ صاحب۔ (8) آنریبل محمد علی جناح صاحب۔ (9)

صوبہ بنگالہ

آنریبل فضل حق صاحب کلکتہ۔ (10) مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کلکتہ۔ (11) مولانا مجیب الرحمٰن صاحب ایڈیٹر مسلمان کلکتہ۔ (12) اکرم خاں صاحب ایڈیٹر محمدی کلکتہ۔ (13)

صوبہ مدراس

آنریبل نواب سیّد محمد صاحب مدراس۔ (14) یعقوب حسن سیٹھ صاحب مدراس۔ (15)

صوبہ بہار

مظہرالحق صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ ڈاکٹر سیّد محمود صاحب بانکی پور۔ (16) مولوی محمد شفیع صاحب داؤدی مظفر پور۔ (17)

صوبہ سرحد

اے بخاری صاحب پشاور۔

صوبہ پنجاب

سیّد محسن شاہ صاحب لاہور۔ مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری۔ (18)

کانگریسی لیڈران میں سے چند معروف حضرات جو اس مسلم لیگ کے جلسہ میں شریک تھے:

سرایس پی سنہا صاحب صدر کانگریس۔ (19) آنریبل ڈنشا واچھا صاحب۔ (20) آنریبل سریندر ناتھ بنرجی صاحب۔ (21) مسز اینی بسنٹ صاحبہ۔ (22) مسز سروجنی نائیڈو صاحبہ۔ (23) آنریبل پنڈت مالویہ صاحب۔ (24) آنریبل بی جی مارنی مین صاحب۔ (25) مسٹر ایم کے گاندھی۔ (26)

2 بجے تک تمام ممبران لیگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ چکے تھے۔ لیکن وزیٹر گیلری خالی تھی۔ جلسہ سے تقریباً نصف گھنٹہ قبل مسٹر ایڈورڈس پولیس کمشنر بمبئی نے پچاس سپاہی لاٹھیوں سے مسلح لیگ کے پنڈال کے سامنے ایک احاطے میں تیار رکھے تھے۔

اس کے بعد ہی فوراً مولوی عبدالعروٗف (27) سیکریٹری انجمن ضیاء الاسلام بمبئی جو وزیٹر گیلری میں تھے، کھڑے ہوئے اور چلانے لگے کہ جلسہ مسلمانوں کا ہے نہ کہ ہندوؤں کا اور اس کے بعد ایک

شور و غوغا مچ گیا، لیکن فوراً ہی شور و شغب فرو ہو گیا۔

اسی ہنگامہ کے دوران میں سردار سلیمان، حاجی قاسم مٹھا، [28] جو کہ ابتدا سے لیگ کے اجلاس کو بمبئی میں منعقد کرنے کے خلاف تھے، پلیٹ فارم کی طرف لپکے اور زور زور سے بولنے لگے۔ سردار صاحب کے پیچھے مولوی عبدالعروف خاں صاحب پٹھان، عبدالصمد خان صاحب [29] اور دوسرے مسلمان بھی پلیٹ فارم کی طرف دوڑے۔ پٹھان عبدالصمد صاحب نے اعتراض کیا کہ کارروائی دوسری زبان میں نہ ہو۔ اُردو میں ہو یا فارسی میں ہو۔ چند مسلمانوں نے پٹھان صاحب کو پلیٹ فارم پر چڑھا دیا۔ صدر صاحب نے ان سے مصافحہ کیا اور انہیں خاموش کیا اور اُنہیں یقین دلایا گیا کہ بقایا کارروائی اُردو میں ہوگی۔ [30]

سردار سلیمان نے فرمایا، ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ کارروائی مسلم لیگ کی ہے، مگر یہ سب کانگریسی ہیں۔

پھر چند مسلمان کھڑے ہو گئے اور انھوں نے پریزیڈنٹ کی شکل و صورت پر اعتراض کیا اور کہنے لگے کہ ہم کافر مسلمان پر کیسے بھروسہ کریں کہ جس کی داڑھی تک نہ ہو۔ سردار سلیمان صاحب کا غصہ اور بھی بڑھ گیا اور فرمانے لگے کہ تم لیگ کو کانگریس میں ملا رہے ہو اور کانگریسی لیڈروں کے حکم پر چل رہے ہو۔ لیگ کے اغراض و مقاصد کو تم نے خاک میں ملا دیا اور لیگ کو تم تاریکی میں ڈبو رہے ہو اور اس کو کانگریس میں تبدیل کر رہے ہو۔ [31]

اس قسم کا ہنگامہ کافی دیر تک قائم رہا اور مخالفین کارروائی کو روکتے رہے۔ مجبور ہو کر صدر نے جلسہ کی کارروائی ملتوی کر دی۔

آخر اجلاس بجائے پنڈال کے تاج محل ہوٹل میں منعقد کیا گیا۔ لیگ کے ممبر اور اخبارات کے نمائندوں کے علاوہ کسی اور کو اجازت داخلہ کی نہ تھی۔

مسٹر محمد علی جناح نے تجویز پیش کی کہ مندرجہ ذیل حضرات کی ایک کمیٹی مقرر کی جائے، جو اصلاحات کی اسکیم کا مسودہ تیار کر لے اور کمیٹی کو اختیار دیا جائے کہ دیگر سیاسی جماعتوں سے بھی مشورہ کرے اور مسلمانوں کی ضروریات اور مفاد کا خاص طور پر اسکیم تیار کرنے میں خیال رکھے۔

مسٹر جناح نے توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان کے کانسٹی ٹیوشن میں نئی تبدیلیاں ہونے والی ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ہندوستان کی دو بڑی سیاسی جماعتیں مسلم لیگ و کانگریس خاص طور سے کوئی خاص اسکیم تیار کریں، جس میں مسلمانوں کے مفاد اور ضروریات کے تحفظ کا خاص طور پر لحاظ رکھا جائے، پھر وہ حکومت کی خدمت میں پیش کر دی جائے کہ یہ متحدہ ہند کے مطالبات ہیں۔ [32]

کمیٹی کے چند ممبران کے اسمائے گرامی

صوبہ یو پی

راجہ صاحب محمود آباد۔ آنریبل سیّد رضا علی صاحب مراد آباد۔ صاحب زادہ آفتاب احمد خان صاحب علی گڑھ۔ (33) ایم اے خواجہ صاحب بیرسٹر علی گڑھ۔ منشی اظہر علی صاحب لکھنؤ۔ (34) ظہور احمد صاحب بیرسٹر الہ آباد۔ (35) منشی شوکت علی لکھنؤ۔ (36) سیّد ظہور احمد لکھنوی۔ (37) آنریبل سیّد وزیر حسن لکھنوی۔ (38)

صوبہ پنجاب

آنریبل نواب ذوالفقار علی خان صاحب لاہور۔ (39) آنریبل میاں محمد شفیع صاحب لاہور۔ (40) برکت علی صاحب لاہور۔ (41) مسٹر غلام محی الدین قصور۔ (42) آنریبل میاں فضل حسین صاحب لاہور۔ (43) چودھری شہاب الدین صاحب لاہور۔ (44) بابو نظام الدین صاحب امرتسر۔ مولانا ظفر علی خان صاحب آف زمیندار لاہور۔ (45)

صوبہ بنگالہ

آنریبل نواب سیّد نواب علی صاحب چودھری ڈھاکہ۔ مجیب الرحمٰن صاحب ایڈیٹر مسلمان کلکتہ۔ نواب ناصر حسین خان صاحب خیال کلکتہ۔ (46) آنریبل فضل حق صاحب کلکتہ۔ مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کلکتہ۔ مولوی محمد اکرم خاں صاحب ایڈیٹر محمدی کلکتہ۔

صوبہ بمبئی و سندھ

ہز ہائنس سر آغا خان صاحب۔ آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ صاحب۔ آنریبل محمد علی جناح صاحب بمبئی۔ عمر ثوبانی صاحب بمبئی۔ (47)

صوبہ مدراس

یعقوب حسن سیٹھ صاحب مدراس۔ آنریبل سیّد محمد صاحب مدراس۔ نواب غلام احمد صاحب

کلامی میسور۔

صوبہ بہار و اُڑیسہ

سر سیّد امام صاحب بانکی پور۔ (48) مظہر الحق صاحب بیرسٹر بانکی پور۔ آنریبل محمد فخر الدین صاحب بانکی پور۔ نواب سرفراز حسین خاں صاحب پٹنہ۔ ڈاکٹر سیّد محمود صاحب بانکی پور۔

صوبہ سی پی

خان بہادر ایس اے ملک صاحب ناگپور۔

صوبہ سرحد

عبدالعزیز خان صاحب بیرسٹر پشاور۔

صوبہ برما

حاجی محمد عبدالشکور جمال صاحب رنگون۔ حاجی احمد ملا داؤد صاحب رنگون۔

صوبہ دہلی

ڈاکٹر انصاری صاحب دہلی۔ مولانا محمد علی صاحب دہلی۔ حاذق الملک حکیم اجمل خان صاحب دہلی۔

اس تحریک کی تائید آنریبل فضل حق صاحب نے فرمائی اور فرمایا کہ کل کے واقعات سے میں ہر گز بددل نہیں ہوں، بلکہ جن حضرات کے نام کمیٹی میں پیش کیے گئے ہیں، وہ اپنی سیاسی قابلیت اور خلوص کی بنا پر مسلمانوں کے مخصوص لیڈر ہیں اور انھیں اللہ تعالیٰ نے اتنی اخلاقی جرأت دی ہے کہ نیشنل کانگریس سے تبادلہ خیال کے موقع پر مسلمانوں کے مفاد کا تحفظ کرنے میں ہرگز دریغ نہ کریں گے۔

اس کے بعد مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے مزید تائید فرمائی۔

آنریبل سیّد آل نبی صاحب نے تجویز پیش کی کہ مسلم لیگ اس بات کا اعادہ کرتی ہے کہ فرقہ وارانہ اور جداگانہ نمائندگی کا اصول تمام لوکل باڈیز اور مجالس قانون ساز میں نافذ کیا جائے اور جاری رہے۔ مسٹر یعقوب حسن نے اس کی تائید کی۔ مولانا حسرت موہانی نے اس کی مخالفت کی کہ

جب لیگ و کانگریس میں اتحاد پیدا کرنا مقصود ہے تو یہی تجویز اتحاد کے منافی نہ ہو جائے۔

اس کے بعد مسٹر جناح نے مختصر سی تقریر کرتے ہوئے اس پہلو پر روشنی ڈالی۔ محرکین سے اپیل کی کہ وہ اپنی ترمیمیں واپس لے لیں۔ ترمیمیں واپس لے لی گئیں اور تجویز کثرت رائے سے منظور ہوگئی۔

حواشی

1۔ راجہ صاحب مرحوم۔ جنھیں بعد میں مہاراجہ کا خطاب ملا۔ برطانوی ہند میں یہ خطاب پہلی اور آخری مرتبہ ایک مسلمان کو ملا۔ بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ یوپی کے مسلمان تعلقہ داروں میں سب سے بڑے تھے اور اپنی دولت کا بڑا حصہ مسلمانوں کی خدمت پر صرف کرتے تھے۔

2۔ سر رضا علی۔

3۔ یہ بھی یوپی کے تعلقہ داروں میں تھے۔ لکھنؤ کا مشہور روزنامہ ہمدم انھی کی ملکیت تھا۔

4۔ جو بعد میں سر کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ لکھنؤ چیف کورٹ کے چیف جج بھی بنے۔ ریٹائر ہونے کے بعد کانگریس میں شریک ہوگئے اور مسلم لیگ کے حریف بن کر 35ء کے انتخاب میں میدان میں اترے، لیکن بری طرح شکست کھائی۔

5۔ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں۔ تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ لندن میں جواہر لال کے ہم درس رہ چکے ہیں۔ کٹر کانگریسی ہیں۔

6۔ یہ ہمیشہ اپنے ضمیر کی آواز پر چلتے رہے۔ زندگی کی آخری سانس تک...... بعض جائز شکایات کے باوجود...... لیگ سے وابستہ رہے۔ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان ہی میں رہے اور نعرۂ حق بلند کرتے رہے۔

7۔ پنجاب کے رہنے والے۔ محمد علی کے عاشق اور فدائی۔ ان کے انگریزی اخبار ''کامریڈ'' میں شریک ادارت تھے۔ جوانی میں انتقال ہوگیا۔ محمد علی نے بڑا دلدوز مرثیہ لکھا۔ ایک شعر سن لیجیے:

ابھی مرنا نہ تھا غلام حسین
کوئی دن اور بھی جیے ہوتے

8۔ بمبئی کے بہت بڑے صاحب ثروت شخص تھے۔ آزاد خیال، محب وطن، ملت پرست، مسٹر حبیب ابراہیم رحمت اللہ، جو پاکستان میں متعدد مناصب پر فائز ہو چکے ہیں، ان کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔

9۔ لیگ سے وابستگی ہمیشہ رہی۔

10۔ کبھی اِدھر کبھی اُدھر، نتیجہ یہ کہ نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم۔

11۔ مولانا بھی شروع میں مسلمانوں کی اجتماعی تحریکوں میں برابر حصہ لیتے رہتے تھے۔

12۔ ان کے خدمات...... اختلاف فکر و نظر کے باوجود...... ناقابلِ فراموش ہیں۔

13۔ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں۔ خدا عمرِ خضر دے، بنگال میں مسلم لیگ کے احیا اور پھر مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کی تجدید میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔

14۔ کانگریس کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔

15۔ تحریک خلافت کے رہنما علی برادران کے علی گڑھ کے ساتھی۔

16۔ لیگ، لیگ سے خلافت، خلافت سے کانگریس اور کانگریس سے مسلم کنونشن دہلی۔

پہنچا کہاں سے کہاں سلسلۂ دراز عشق!

17۔ مخلص قومی کارکن تھے۔

18۔ اب انجمن حمایت اسلام لاہور کے صدر ہیں۔

19۔ یہ پہلے ہندوستانی تھے، جنھیں بعد میں ''لارڈ'' کا خطاب ملا۔ یہ پہلے ہندوستانی تھے جو صوبہ بہار کے گورنر بنائے گئے۔

20۔ سابق صدر کانگریس۔

21۔ کسی زمانے میں بڑے انقلاب پسند تھے۔ بنگال کے شاہِ بے تاج، آخر عمر میں انگریزوں کے وفادار ہو گئے تھے۔

22۔ تحریک ہوم رول کی موجد۔

23۔ ہندو مسلم اتحاد کی دل وجان سے ہمیشہ حامی رہیں۔

24۔ پھر کانگریس سے کٹ کر مہاسبھا کے رکن رکین بن گئے۔

25۔ قوم یہودی، وطن انگلستان، آزادئ ہند کے علمبردار، اس راستے میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں، مگر منہ نہ موڑا۔ علی برادران، قائداعظم، سیّد حسین اور بعض دوسرے مسلمان رہنماؤں سے گہرے تعلقات تھے۔

26۔ ابھی ابھی جنوبی افریقہ سے آئے تھے۔ غیر معروف اور گمنام۔

27۔ بڑے کٹر اینٹی کانگریسی تھے۔ طویل عمر پائی۔ تقسیم ہند کے بعد بمبئ میں انتقال ہوا۔

28۔ بمبئ کے چوٹی کے سرمایہ دار، اول درجہ کے سرکار پرست، شورش پسندوں کے سرگروہ۔

29۔ بمبئ میں پٹھانوں کی خاصی تعداد آباد تھی، اس کے زعیم مطلق۔

30۔ اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی قومی زبان ہر دَور میں اور بھارت کے ہر گوشے میں ہمیشہ اُردو ہی رہی۔

31۔ سر سلیمان قاسم مٹھا ابھی زندہ ہیں۔ عمر سو کے لگ بھگ، لیکن زمانے کا انقلاب دیکھیے، تقسیم ہند سے کچھ پہلے سے کٹر کانگریسی بن گئے۔ حالاں کہ کانگریسی ہونے کے جرم میں اپنے ایک بیٹے کو 22ء میں عاق کر دیا تھا۔

میرے تغیرِ حال پر مت جا
انقلابات ہیں زمانے کے

32۔ یہی بات قائداعظم اس وقت تک کہے گئے جب تک بالکل مایوس نہ ہو گئے۔

33۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پہلے وائس چانسلر۔

34۔ مخلص قومی کارکن تھے۔ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر انھی نے سر وزیر حسن کو صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں شکست فاش دی تھی۔

35۔ خلافت کے مخلص کارکن۔

36۔ لکھنؤ خلافت کمیٹی کے صدر۔

37۔ برسہابرس تک مسلم لیگ کے سیکریٹری رہے۔

38۔ جو لیگ کے زینے پر چڑھ کر ہائی کورٹ کے جج بنے اور پھر اس زینے کو گرا دیا۔

39۔ ہر قومی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔

40۔ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بھی دو مرتبہ نامزد ہوئے۔ بیگم شاہنواز کے والد۔

41۔ زندگی کے آخری سانس تک مسلم لیگ کے مخلص اور قائداعظم کے جاں نثار رہے۔

42۔ اب سیاست سے کنارہ کش ہیں۔

43۔ پنجاب کا مردِ آہن۔

44۔ پنجاب اسمبلی کے مستقل صدر۔

45۔ لیگ سے مولانا کی وابستگی بھی بہت قدیم ہے۔

46۔ اُردو کے مشہور اور صاحبِ طرز ادیب۔

47۔ جنھوں نے خلافت کے انگورہ فنڈ میں اور کانگریس کے سوراج فنڈ میں ایک ایک لاکھ چندہ دیا۔ ساری دولت قوم پر لٹا دی۔

48۔ ہندوستان کے چوٹی کے قانون دان، مخلص مسلمان، حیدرآباد کے سابق وزیراعظم۔ آخر میں یہ بھی لیگ سے کٹ کر کانگریس میں شریک ہو گئے تھے۔

★★★

1916ء

جب مسٹر جناح ''سفیرِ صلح'' تھے

ہندو قیادت سے فلاح و صلاح کی اُمیدیں

مردِ رہرو را بہ منزل راہ نیست!
از مقاصد جان او آگاہ نیست

لکھنؤ کے اجلاس لیگ کا خطبۂ صدارت!

میثاقِ لکھنؤ

کانگریس نے پہلی بار مسلمانوں کا وجود تسلیم کیا

31 دسمبر 1916ء

مسلم لیگ کا نواں اجلاس مسٹر جناح کی زیرِ صدارت بہ مقام لکھنؤ منعقد ہوا۔ اس موقع پر وہ تجویز منظور ہوئی جو ''میثاقِ لکھنؤ'' کے نام سے تاریخ کا حصہ بن چکی ہے۔

اس موقع پر قائداعظم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ 1916ء میں بھی انھوں نے وہی کہا جو 1946ء میں کہا کرتے تھے، لیکن 1916ء میں وہ محبِ وطن اور سفیرِ صلح تھے اور 46ء میں ملک کے دشمن اور اتحادِ باہمی کے مخالف۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

رئیس احمد جعفری

خواتین و حضرات! اس عظیم الشان سالانہ اجلاس کے موقع پر اسلامی ہند کے نمائندگان کے سامنے ان حالات کا وسیع جائزہ لینا نامناسب نہ ہوگا، جن کے سانچے میں ہماری قسمت ڈھل رہی ہے۔ اس موقع پر ہمیں گزشتہ سال کی کارروائیوں پر نظر ڈالنی ہے۔ پچھلے سال کے تجربات کی روشنی میں ہمیں اپنی حیثیت کا امتحان کرنا ہے اور مستقبل کے مقتضیات کے لیے ہمیں دانشمندانہ تیاری کرنی ہے اور سب سے بڑھ کر یوں کہیے کہ ہمیں اپنی مرادوں کو بارآور دیکھنا ہے، انسانیت کے مقاصدِ مشترکہ کی خاطر شریف اور بہادر انسانوں نے ہر زمانے میں مصائب برداشت کیے ہیں اور وہی روح آج ہندوستان کے قلب کو گرما رہی ہے۔ سارا ملک آج اپنی قسمت کی آواز پر بیدار ہو رہا ہے اور پرامید ہو کر آفاقِ نو کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ یقین و استقلال کی روح ہر طرف چھائی ہوئی ہے۔ چار سو حیاتِ نو کے آثار ہویدا ہیں۔ اگر ہندی مسلمانوں نے وقت کی نبض کو نہ پہچانا اور اس نئی زندگی سے پورا پورا فائدہ نہ اٹھایا اور اگر ملک کی آواز پر کان نہ دھرے تو وہ اپنی گزشتہ روایات سے غداری کے مجرم ہوں گے۔

ہندوستان کے مستقبل، ہندوستان کے اتحا، کانسٹی ٹیوشن آزادی کی جدوجہد کا دارومدار بڑی حد تک انھی فیصلوں پر ہوگا۔ فیصلہ کا وقت آن پہنچا ہے۔ راہیں صاف طور پر کھلی ہیں اور انتخاب ہمارے ہاتھ میں ہے۔

اب ہمیں ہندوستان کی تعمیر نو کا بیڑا اُٹھانا ہے۔ ہندوستانی مسئلہ کے عملی حل کے لیے دو اُمور نمایاں طور پر آشکارا ہیں۔ اول یہ کہ ہندوستان میں مغربی طرز کی انگریزی حکومت نے مغربی تعلیم رائج کر کے ہمیں افکارِ مغرب سے روشناس کرایا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں کے ذہنی اور اخلاقی احیا کے لیے ایک زندہ اور عظیم الشان تحریک نے جنم لیا ہے۔ مختصر یہ کہ ایک طرف طاقت ور اور قابل انگریز افسروں کی جماعت ہے، جن کا طرز حکومت بظاہر مشفقانہ رنگ لیے ہوئے ہے اور جو کہ صرف برطانوی پارلیمنٹ کے روبرو اپنے اعمال کی جواب دہ ہے۔ دوسری طرف عوام ہیں جنھیں اپنے نصب العین کا پورا پورا علم ہو چکا ہے اور وہ سیاسی آزادی کے لیے پرامن طریق پر جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہ ہے ہندوستانی مسئلہ چند الفاظ میں، انگریزی تدبر کے لیے یہ کام آن پڑا ہے کہ وہ مسئلہ کا فوری پرامن اور پائیدار حل تلاش کرے۔

اگر سیاسی اور معاشرتی گتھیوں کو سلجھانے کا کام جذبات کو الگ کر کے محض عقل کی روشنی سے لیا جانا ممکن ہوتا تو ہندوستان کے سیاسی ارتقا کے لیے ایک یقینی اور پُرسلاست راہ عمل کا دریافت کر لینا مشکل نہ تھا۔ لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ انسانی معاملات میں خالص منطق ہی اثر انداز نہیں ہوتی۔ ہم اپنی مشترکہ دنیاوی زندگی فرشتوں کے ساتھ بسر نہیں کرتے ہیں، بلکہ انسانوں کے ساتھ جو کہ جذبات، تعصّبات، ذاتی خصوصیات اور لاتعداد خیالات، بیم و رجا، ترغیب و تحریص اور محبت و نفرت کے حامل ہوتے ہیں۔

ہندوستانی مسئلہ ان تمام عقدہ ہائے گوناگوں سے مملو ہے۔ انگریزی عمالِ حکومت قدرتی طور پر قدامت پسند ہیں اور انتظامی تغیرات و سیاسی تجربات کو بہت خطرناک سمجھتے ہیں اور ہندوستانیوں کو انتظامِ سلطنت میں حصہ دینے سے گھبراتے ہیں۔ نیز اپنے اختیارات میں کمی پسند نہیں کرتے۔ حکومت کی مشینری کو حسبِ معمول آرام سے چلانا چاہتے ہیں اور اپنے روزانہ فرائض کی ادائیگی سے مطمئن نظر آتے ہیں۔ ہندوستان کی پُریقین و بے چین آوازیں انھیں پریشان و آزردہ خاطر کر دیتی ہیں۔ یہ سب کچھ انسانی فطرت کا تقاضا ہے، لیکن یہ امور حلِ مشکلات کی راہ میں بہت بری طرح حائل ہیں اور عملاً طبقاتی جنگ کو ترقی دینے میں مملو ہیں۔ انھی اسباب کی بنا پر بعض غلط محض سیاسی مقولے رواج پا گئے جو ہندوستانی محبِ وطن کو سنائے جاتے ہیں۔ مثلاً:

1۔ جمہوری مجالسِ مشرق میں بار آور نہیں ہو سکتیں، کیوں؟ کیا ہندو مسلمان قبل ازیں جمہوریت سے ناآشنا تھے۔ دیہی پنچایت کیا تھی؟

اسلامی تعلیمات کی درخشندہ روایات وادبیات کس امر پر شاہد ہیں، دنیا کی کوئی قوم جمہوریت میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو کہ اپنے مذہب میں بھی جمہوری نقطۂ نگاہ رکھتے ہیں۔

2۔ بیوروکریسی ہی ہندوستان کے لیے مناسب طرزِ حکومت ہے۔ تاریخ عالم میں ہر قوم اس دَور سے گزری ہے۔ چند سال ہوئے کہ ایک حد تک روس نے اس سے گلوخلاصی حاصل کر لی۔ فرانس اور انگلستان کو بھی بیوروکریسی کو شکست دینے کے لیے جدوجہد کرنی پڑی اور اب چین و جاپان نے بھی جمہوری طرزِ حکومت کی بنیاد ڈالی ہے تو کیا ہندوستان ہمیشہ اسیر بلا رہے گا؟

3۔ (الف) ہندی تعلیم یافتہ طبقوں کے مفاد ہندی عوام کے مفاد سے متضاد ہیں۔

(ب) اگر انگریزی افسر علیحدہ کر دیے جائیں تو تعلیم یافتہ طبقہ عوام پر ظلم کرے گا، لہٰذا ہمارے عوام کے مفاد انگریزی عمال کے ہاتھوں میں محفوظ ہیں۔ ان انگریزی عمال کے ہاتھوں، جن کا کوئی مفاد بھی ہمارے عوام کے ساتھ مشترک نہیں اور یہ کہ ہمارے مفاد مخالف ہیں، لیکن کس لحاظ سے یہ کبھی نہیں بتایا گیا۔ یہ ناروا اور مکروہ خیال اس لیے پھیلایا جا رہا ہے کہ انگریزوں کا اجارہ تادیر قائم رہے، لیکن خیال حقائق کی روشنی میں باطل ٹھہرتا ہے۔

ہندوستان کے داخلی حالات کی نظیر بھی شاید تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس وسیع براعظم میں 35 کروڑ سے زیادہ مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں، جن کا تمدن بھی ایک دوسرے سے الگ ہے اور جو مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ عظیم الشان سیاسی مجمع ایک ہی سیاسی ماحول میں رہ کر ذہنی اور اخلاقی ترقی کی منازل متفرقہ پر گامزن ہے۔ اس کا نتیجہ اختلافِ خیال ہے۔ ہر ہندی قوم پرست جو ہندی قومیت کے مسئلہ پر غور کرتا ہے، اس کام کی مشکلات کا پورا پورا احساس رکھتا ہے۔ وہ صاف صاف ان مشکلات کو تسلیم کرتا ہے، لیکن وہ ان مواقع سے گھبراتا نہیں، ان جملہ امور کے باوجود کوئی دلیل اور رنگ و نسل کے متعلق کوئی جعلی نظریہ اس حقیقت کو ہندی مسائل کے طالب علم کی نگاہوں سے اوجھل نہیں کر سکتا کہ ہندوستان ہی ہم سب کی پہلی اور آخری منزل ہے۔ جلد یا بدیر ہندوستانی ضرور حکومت خوداختیاری حاصل کر کے رہیں گے۔ دنیا کی کوئی طاقت اس راہ میں حائل نہیں ہو سکتی اور یہ ایک اٹل بات ہے۔ انگریزی تدبر ابھی تک دیوالیہ نہیں ہوا ہے کہ وہ سیاسی بصیرت کھو بیٹھا ہو، اس لیے وہ مجبور ہو گا کہ ہندوستانی نظام حکومت میں خاطر خواہ تبدیلی کرے یہ بالکل لازم چیز ہے اور ہو کر رہے گی۔ پھر آنکھیں کیوں بند کر لی جائیں اور اس کے خلاف کیوں صف آرائی کی جائے؟

کیوں نہ دیانتداری سے صاف صاف شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جائے۔ جو فلسفۂ سیاست کے علم کی شیخی بگھارتا ہے اور مشرقی معاملات پر رائے دینے کا جنون رکھتا ہے تو کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی

اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرے گا کہ ہندوستانی ذہنیت کے لیے ہمیشہ ذہنی غلامی میں مبتلا رہنا مقدر ہو چکا ہے۔ جب خدا نے ہندوستانیوں کو قدرتی اچھوت نہیں بنایا اور جب کہ قوانین فطرت ان پر بھی اثرانداز ہوتے ہیں، جب کہ وہ حال کی قومی ضروریات کا احساس اور مستقبل کے لیے بڑی بڑی امید رکھتے ہیں تو حکومت خوداختیاری سے کچھ کم ان کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ عدم صلاحیت کی ہرزہ سرائی اب ختم ہو جانی چاہیے۔ قوانین فطرت اور اصول انسانیت مشرق میں مغرب سے مختلف نہیں ہیں۔

ہندوستانی ترقی کے رہنماؤں کا فرض ہے کہ وہ ہندی حکمرانوں سے مطالبہ کریں کہ وہ ہندوستان کا نصب العین متعین کریں اور پھر معیار مقررہ میں اسے تیز رفتاری سے حاصل کریں۔

آج سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ آیا ہندوستان آزادی کے قابل ہے اور اگر ہے تو کس حد تک؟ اس وقت اس معاملہ کو کھٹائی میں نہیں ڈالا جا سکتا، آج ایک طرفہ فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ اگر وہ آج اس قابل نہیں ہے تو اسے حکومت خوداختیاری کے قابل بنانا پڑے گا۔

کیا ہندوستان آزادی کے قابل ہے ہم خوب جانتے ہیں کہ ہندوستانی نقطۂ نگاہ سے اس کا صرف ایک ہی جواب ہے۔ ہمارے نقاد غالباً ایسے قبول نہ کریں گے۔ ہمارا بس یہ جواب ہوگا کہ بس پیش قدمی کیجیے اور معاملہ کو ثبوت کی کسوٹی پر پرکھیے۔ بالآخر صلاحیت کا امتحان کیا ہے۔ اگر ہم تاریخ پر نگاہ کریں تو معلوم ہوگا کہ وہی قومیں آزادی کے قابل تصور کی گئیں، جنھوں نے کامیابی کے ساتھ آزادی کے لیے جنگ کی۔ لیکن آج دوسری قسم کے زمانے سے گزر رہے ہیں، آج امن فتح مند ہوتا ہے۔ یہ پرامن جہاد، جوش و خروش کے اوصاف میں ممتاز ہے اور ہوگا۔ ہم اس بات کا عہد کر چکے ہیں کہ ہم برطانوی حکومت پر ثابت کر دیں گے کہ ہم برطانوی سلطنت میں ایک مساوی شریک کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہندوستان اس سے کسی کم سودے پر راضی نہیں ہوگا۔

تجدید ملّی کا سب سے زیادہ پرامید پہلو یہ ہے کہ ہندو مسلمان مشترکہ مقصد کے لیے متحد ہو رہے ہیں۔ بمبئی کی خوش نصیبی ملاحظہ ہو کہ گزشتہ دسمبر میں پہلی بار لیگ و کانگریس کا اجلاس اسی شہر میں ہوا۔ بڑی کٹھن منازل طے کرنے کے بعد اس اتحاد کا مظاہرہ نظر آیا۔ میں گزشتہ نزاعات کی تاریخ دہرانا نہیں چاہتا۔ لیکن میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ بمبئی میں لیگ کا اجلاس ہمارے اخلاف کے لیے خاص دلچسپ نتائج کا حاصل ہوگا۔ آج پھر لکھنؤ کا تاریخی شہر جو کہ اسلامی ادب و تہذیب کا گہوارہ ہے۔ کانگریس اور لیگ کے متحدہ اجلاس کا منظر پیش کر رہا ہے۔ لیگ مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کے لیے وجود میں آئی ہے۔ مسلمانوں نے تب تک کسی سیاسی تحریک میں بھی عملی حصہ نہیں لیا تھا۔

اب قدرتی طور پر اصلاحات کے پرزور مطالبات نے مسلمانوں کو بھی جگا دیا۔ اپنی تنظیم کی

ضرورت محسوس ہوئی، کیوں کہ اندیشہ تھا کہ کہیں اصلاحات مسلم قوم کے وجود کو ہی نہ محو کردیں، لیگ کا سب سے بڑا اُصول یہ تھا کہ ہندی مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کو برقرار رکھا جائے۔ اس اصول نے سیاسی ارتقا کے ساتھ ساتھ ہماری قوم میں بڑی مقبولیت حاصل کی۔ ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں لیگ کا یہ عمومی نقطۂ نگاہ اور مطمح نظر ہے کہ لیگ ملک کی عام ترقی کے لیے کانگریسی تحاریک کی تائید کرے گی، جن کی اساس حب وطن پر ہوگی۔

واقعہ ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کی اتحاد پر آمادگی میرے خیال میں اس ضرورت کا احساس دلاتی ہے کہ مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی انجمن کا وجود کس قدر قیمتی ہے۔ یہ خیال رہے کہ مسلمانوں کو سیاسی میدان میں آئے ہوئے صرف بیس ہی برس ہوئے ہیں۔ میں اپنی قومی زندگی میں پکا کانگریسی رہا ہوں اور فرقہ واری سے کبھی مجھے کوئی شغف نہیں رہا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ مسلمانوں پر فرقہ واری کا الزام غلط ہے، جب کہ مسلمانوں کی یہ جماعت تیزی سے جادۂ ترقی طے کر رہی ہے اور متحدہ ہندوستان کی تخلیق میں ایک اہم جزو ہے۔ میرے اور مسلمان قوم پرستوں کے لیے یہ بے حد خوشی کا مقام ہے کہ ہندو قوم کے رہنماؤں نے خوشی خوشی مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو تسلیم کرلیا ہے۔ لیگ اور کانگریس کی مجالس منتخبہ کے متفقہ فیصلہ نے اس امر پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔ لکھنؤ میں ہمارا متحدہ اجتماع ہوا کہ ہم اپنے اختلافات کا دائمی حل تلاش کریں اور مجھے بڑی مسرت ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کے بارے میں آخر کار فیصلہ ہوگیا، جس سے ہمارے ملک کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ مسلمانوں کی قومی حیثیت محفوظ ہونے کے بعد اگر کوئی میرا ہم قوم اپنے ہندو بھائی کی طرف دست اتحاد نہ بڑھائے تو مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں۔ اسی طرح میں اس ہندو محب وطن کے رویہ کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا جو کہ اپنے نیم رطل گوشت کے لیے جھگڑے، خواہ اس سے ملک کا تمام مستقبل ہی کیوں نہ مکدر ہو جائے۔

سب سے زیادہ پرخطر مسئلہ کے حل کے بعد جو ہندوستان کی ترقی میں حائل تھا۔ اب ہم سیاسی اتحاد و معاونت کی طرف قدم اٹھا رہے ہیں۔ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے نصف آئینی جنگ جیت لی ہے۔ ہم ہندو مسلمانوں کو اب یہ سبق فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ نیا ہندوستان اب قومی رضا کاروں کی ایک بالکل نئی جماعت کا مطالبہ کر رہا ہے، جو کہ وسیع القلب اور فراخ مشرب ہو۔ فرقہ پرستی اور تنگ نظری سے بالا ہو، جو کہ کمزور کی دست گیری کرے اور زبردست کے مقابلہ کی ہمت رکھتی ہو، جو روزانہ فرائض معمولی سے قطع نظر خدمت کے بلند نظریے پر قائم رہے۔ ایسی جماعت قوم کو یقین، امید، آزادی اور طاقت کی دولت سے مالا مال کرسکتی ہے۔ آپ کو علم ہے کہ لیگ نے گزشتہ برس ایک مجلس کا انتخاب کیا تھا اور اُسے اختیار دیا گیا تھا کہ کانگریس کی مقرر کردہ مجلس کے مشورہ سے اصلاحات کی ایک اسکیم تیار کرے۔ وہ دستور تیار ہوگیا

ہے اور آپ کے فیصلہ کے لیے پیش کیا جائے گا۔

اس دستور کو قبول کرنے کے بعد آپ کا فرض ہو گا کہ آپ مطالعہ کریں کہ لیگ اور کانگریس متحدہ طور پر قابل وکلا کی امداد سے ہندوستان کے موجودہ آئین میں ترمیمات کرائیں۔ جب ہم نیا آئین خود مرتب کر لیں اور لیگ اور کانگریس اسے منظور کر لیں تو دونوں مجالس کے چیدہ چیدہ رہنماؤں کا ایک نمائندہ وفد مقرر کیا جائے، جو اس امر کی کوشش کرے کہ برطانوی پارلیمنٹ میں یہ دستور پیش کر کے اسے پاس کرائے۔

سب سے پہلے یہ امر صاف الفاظ میں طے کرنا چاہیے کہ ہندوستان کی حیثیت سلطنت برطانوی میں کیا ہوگی۔ حکومت اس امر کو واضح اور مستند طور پر تسلیم کر لے کہ حکومت خود اختیاری ایسا مطمح نظر نہیں ہے جو کہ کسی نامعلوم مستقبل میں ہندوستان کو حاصل ہو گا۔ بلکہ یہ حکومت کا ایک متعینہ مقصد ہے جو مناسب وقت میں ہندوستانیوں کو دیا جائے گا۔ جنگ کے اختتام کے بعد حکومت اور لوگوں کی طرف سے اس بارے میں فوری اور موثر کارروائی ہونی چاہیے۔

اگر حکومت ہند اور وزیر ہند کے مابین ہی ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ چپکے چپکے ہو جائے تو یہ ملک کی بڑی بدنصیبی ہو گی۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنی تجاویز شائع کرے، تاکہ قوم اس پر رائے زنی کر سکے اور حکومت کا فرض کہ وہ پبلک کا اعتماد حاصل کرے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر لوگوں کو اس وقت مایوسی سے دوچار ہونا پڑا تو ملک کی آئندہ ترقی کے لیے یہ حادثۂ عظیم ہو گا۔

اب ہمیں قومی مفاد کی قربان گاہ پر اپنے ذاتی اختلافات کی بھینٹ چڑھا دینی چاہیے۔ ہمیں اقوال و اعمال سے ثابت کر دینا چاہیے کہ ہم مخلصانہ طور پر سچے اتحاد قومی کے لیے مضطرب ہیں۔ چند روز قبل میں نے بمبئی کرانیکل میں دیکھا کہ:

اعلیٰ حضرت حضور نظام نے اپنی ریاست میں ہندو مسلم تنازع کا یوں فیصلہ کر دیا۔ ورنگل کے ہندو مسلمانوں میں مسجد کی ایک عمارت کے متعلق جو ہندو علاقہ میں تھی، جھگڑا ہو گیا تھا۔ ہندو آبادی کے احتجاج کے باوصف فریق ثانی نے تعمیر کا کام جاری رکھا۔ ہندوؤں نے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں درخواست گزاری تو حضور نظام نے دو مسلمانوں اور ایک ہندو پر مشتمل ایک مجلس مقرر کی جو اس معاملہ کی تحقیق کرے۔ مجلس کی رپورٹ ہندوؤں کے حق میں تھی اور حضور نظام نے اس کے مطابق فرمان جاری کیے۔

حضور نظام کا رویہ آصف جاہی خاندان کی درخشندہ روایات کے مطابق تھا۔ ہم ہندو مسلم برطانوی ہند میں کیوں نہ ان راہوں پر چلیں اور کیوں نہ اس طریق سے اپنے اختلافات کا فیصلہ طلب کریں، جو کہ ریاست نظام میں اس قدر کامیاب ہوئے ہیں؟

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم رواں، ہر دم جواں ہے زندگی

اقبال

1925ء

ہندو مسلم فسادات کے دور میں بھی

جب مسٹر جناح قومیتِ متحدہ کے خواب دیکھ رہے تھے

اور

نوحہ خواں تھے

امتّاں اندر اخوت گرم خیز

''ما'' برادر با برادر در ستیز!

قومیت متحدہ کی تعمیر میں حصہ لینے کا عزم

ابھی اُمید باقی تھی!

31 دسمبر 1925ء

ہندو مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی خلیج بڑھتی جا رہی تھی۔ ہندو مسلم فسادات روزمرہ کے واقعات بن گئے تھے۔ کانگریس نے سکوت اختیار کر لیا تھا۔ مجلس خلافت بے اثر ہوتی جا رہی تھی۔ فرقہ پرستوں کی بن آئی تھی۔ ہندو مسلم اتحاد کا نام لینا اشتعال انگیزی کو دعوت دینا تھا۔

ان حالات میں لیگ کا سالانہ اجلاس سر عبدالرحیم (1) کی صدارت میں بہ مقام علی گڑھ منعقد ہوا۔ جناب صدر نے جو خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا۔ وہ بھی ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس اجلاس میں مسٹر جناح نے بھی شرکت کی تھی۔ وہ اب تک مایوس نہیں ہوئے تھے۔ وہ اب تک مشترک پروگرام کے حامی اور داعی تھے۔ انھوں نے ایک تجویز پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''لازم ہے کہ پہلے ہم خود آپس میں کوئی فیصلہ کر لیں۔ حکومت سے ہمارا صرف یہی مطالبہ ہے کہ موجودہ آئین کی نظر ثانی کرتے ہوئے ایک قانون مرتب کرنے کے لیے کوئی ایسی اسکیم بنائی جائے جس میں ہندوستان کی ترقی کا خاص خیال رکھا گیا ہو۔''

ووٹنگ کے لیے جب اس تجویز کو پیش کیا گیا تو بہت بڑی تعداد کے ووٹ سے یہ پاس ہو گئی۔

حاشیہ

1۔ سر عبدالرحیم، بنگال کے ممتاز سیاست دانوں میں تھے۔ مسٹر جناح ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ سر عبدالرحیم عرصہ تک بنگال کے وزیر، پھر مرکزی اسمبلی کے صدر (1947ء) تک رہے۔ تقسیم ہند کے بعد کراچی آ گئے۔ کچہری روڈ پر سہروردی صاحب کے ہاں جو ان کے عزیز قریب تھے، قیام تھا۔ یہیں انتقال ہوا۔

1926ء

جب اکثریت اقلیت کو خاطر میں نہ لاتی تھی

جب مسٹر جناح کانگریس سے اشتراک وتعاون کے متمنی تھے!

ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید

جو نہیں جانتے وفا کیا ہے؟

5۔ اگر کسی جماعت کے تہائی ممبر کسی قانون یا تجویز کی اس بنا پر مخالفت کریں کہ یہ اُن کے حق میں ضرر رساں ہے تو اس حالت میں یہ قانون یا تجویز پاس نہ ہو۔ لیگ ایک کمیٹی مقرر کرتی ہے۔ کمیٹی کا یہ فرض ہوگا کہ ہندوستان کے دیگر سیاسی اداروں سے تبادلہ خیال کرتے ہوئے ایک اسکیم مرتب کرکے لیگ کی مجلس عاملہ کے پاس غور وخوض کرنے کے لیے بھیجے۔ نیز لیگ ہر صوبہ میں اس قسم کی کمیٹیاں مقرر کرتی ہے۔ تاکہ وہ سب بھی آئینی اصلاحات کے متعلق ایک اسکیم مرتب کرکے سینٹرل کمیٹی کے پاس روانہ کریں۔

مسٹر محمد علی جناح نے اس تجویز کی تحریک کرتے ہوئے کہا، مسلمان اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے بہت پریشان اور نالاں ہیں۔ ہندوؤں اور کانگرسیوں کا رویہ مسلمانوں کے بالکل مخالفانہ، مشترکہ انتخابات سے قومیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ تاریخ شاہد ہے کہ کینیڈا میں جداگانہ انتخابات سے ملکی نظام میں کسی قسم کا خلل نہیں پہنچا۔ میری یہ تمنا ہے کہ کانگریس اور ہندو و مہاسبھا کے لیڈر ہمیں بھی اپنا شریک کار بنائیں اور ہمارے ساتھ دوستانہ تعلق و ربط پیدا کریں۔ آج جس تجویز کی میں نے تحریک کی ہے۔ اس کی نقل کانگریس کے سیکریٹری کے پاس بھیجی گئی ہے۔ لیکن لیگ سخت ناامید ہوئی۔ جب کہ کانگریس نے کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔ خیر جو کچھ گزر گیا وہ گزر گیا۔ ہمیں چاہیے کہ ماضی کو بالکل بھول جائیں اور اپنے مطالبات کے حصول کے لیے آپس میں متفق ہوکر ایک مشترکہ پالیسی کے زیر عمل آجائیں۔

ڈاکٹر کچلو [1] نے اس موقع پر فرمایا کہ اگر ہندو ہماری تجاویز کے اصولوں کو تسلیم کرلیں تو دونوں فرقوں کی باہمی کشمکش فوراً دور ہوجائے۔ چوں کہ ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ اس لیے ان کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو راضی کرکے ان کے دلوں کو موہ لیں۔

حاشیہ

1۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو، جو علی برادران کے ساتھ مقدمۂ بغاوت میں ماخوذ اور سزایاب ہوئے۔ آل انڈیا خلافت کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ مسلم لیگ کے سیکریٹری بھی منتخب ہوئے۔ ہندوؤں کی تحریک سنگٹھن کے مقابلہ میں تحریک ''تنظیم''، انھی کے زرخیز دماغ کی پیداوار تھی۔ 28ء تک لیگ میں شریک رہے۔ پھر کانگریس میں شامل ہوگئے۔ تقسیم ہند کے وقت یہ پنجاب کانگریس کے صدر تھے اور اپنے وطن امرتسر میں مقیم تھے، لیکن وہاں رہ نہ سکے۔ دلّی چلے آئے۔ اب وہیں ہیں۔ کانگریس سے قطع تعلق کرچکے ہیں اور امن کمیٹی کے روح رواں ہیں۔ کئی دفعہ روس بھی جاچکے ہیں۔

سیاستِ ہند کا ایک تاریخی اور فیصلہ کن موڑ!

دستِ تعاون جو جھٹک دیا گیا

31 دسمبر 1926ء

اس سال کا سالانہ اجلاس سر شیخ عبدالقادر کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔

اس سال اجلاس میں مسٹر جناح نے ایک بڑی اہم تجویز پیش کی اور اپنی تقریر میں اس کے بعض نکات پر روشنی ڈالی۔

تجویز یہ ہے:

لیگ کا اصل مقصد مکمل ذمہ دار حکومت کا حصول ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی یہ خواہش ہے کہ ہندوستان کے موجودہ آئین میں کچھ ترمیمات کی جائیں۔ اس لیے وہ حکومت سے استدعا کرتی ہے کہ بغیر کسی پس و پیش کے فوراً ایک رو آئل کمیشن مقرر کیا جائے تاکہ تحقیقات اور جانچ پڑتال کے بعد کمیشن کوئی ایسی اسکیم مرتب کرے، جس کی رُو سے ہندوستان میں بہت جلد ذمہ دار حکومت قائم کرنے کی شرائط شامل ہوں۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ہندوستان کسی قسم کا آئین مرتب کرنے کے وقت حسب ذیل اساسی اصولوں کے تحفظ کا خاص طور سے خیال رکھنا لازمی ہے۔

1۔ ملک کی ہر مجلس مقننہ یا دیگر منتخب جماعتوں میں اقلیت کی کافی نمائندگی کا سامان کیا جائے اور کسی صوبہ کی اکثریت کو اقلیت یا مساوات کے درجہ پر نہ تبدیل کیا جائے۔

2۔ اقلیت کی نمائندگی کے لیے جداگانہ انتخابات قرار دیے جائیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر جماعت کو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ کسی خاص وقت یا موقع پر مشترکہ انتخابات کو بھی زیرِ عمل لا سکے۔

3۔ اگر کسی وقت میں علاقوں کو دوبارہ تقسیم کرنے کی ضرورت محسوس کی جائے تو اس وقت بنگال، پنجاب و شمال مغربی سرحدی صوبہ کے مسلمانوں کی اکثریت کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔

4۔ ہر جماعت کو اپنے مذہبی معاملات کے عقائد اور عبادت کرنے اور اشاعت تعلیمات میں مکمل آزادی ہونی چاہیے۔

قلزمِ ہستی میں تو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

اقبال

1927ء

جب مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے لیے وقفِ عمل تھے!

جب مہا سبھا اور شدھی و سنگٹھن کی تحریکیں عروج پر تھیں!

جب مسلمانوں کی قیادت عامہ ناکام ہو چکی تھی!

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں

کہ درویشی بھی عیّاری ہے، سلطانی بھی عیّاری

کانگریس سے اشتراک وتعاون کا دَور!

ہندو مسلم اتحاد: میری دِلی تمنا!

31 دسمبر 1927ء

سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کے مسئلے پر ہندو مسلم اختلاف اور زیادہ بڑھ گیا ہے۔ لیگ بائیکاٹ کی حامی ہے۔ سر شفیع مخالف ہیں۔ اختلاف کی سنگینی نے لیگ کے دو ٹکڑے کر دیے۔ سر شفیع نے لاہور میں اجلاس کیا، جو ''شفیع لیگ'' کے نام سے موسوم ہوا۔ جناح صاحب نے کلکتہ میں طلب کیا، جسے ''جناح لیگ'' کے نام سے پکارا گیا۔ مسٹر جناح، علی برادران کی رفاقت و معیت میں بائیکاٹ کے اس لیے حامی ہیں کہ کانگریس بھی بائیکاٹ پر تلی ہوئی ہے اور وہ کانگریس کے ساتھ مل کر متحدہ دستور ہند بنانے کے متمنی ہیں۔

لیگ کی روداد بتاتی ہے کہ:

صدر (مسٹر جناح) کی التجا پر پنڈت مدن موہن مالویہ نے اپنی تقریر میں اتفاق و اتحاد قائم کرنے کی درخواست کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ صرف دو مسئلوں پر ہم لوگوں کے اندر تفرقہ پیدا ہو گیا ہے۔ اول کا تعلق گاؤ کشی کے ساتھ ہے اور دوئم مسجد کے سامنے باجہ بجانے کے متعلق ہے۔ کیا یہ ایسا مسئلہ ہے جسے ہم لوگ حل نہیں کر سکتے ہیں۔ آخر میں آپ نے یہ فرمایا کہ ہم لوگ اگر آج سے اپنے کو پہلے ہندوستانی اس کے بعد ہندو مسلمان سمجھیں تو چٹکی کے اشارے پر سوراج حاصل کر لیں گے۔

جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا کہ پنڈت جی نے جو آج دعوت دی ہے، اس سے میری خوشی کی حد نہیں ہے۔ میری یہ دلی خواہش ہے کہ ہندو مسلم اپنے اپنے اختلافات کو فراموش کر کے آپس میں مل جائیں۔ (1)

حاشیہ

1۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے کس درجہ آرزومند اور متمنی تھے اور ہر قیمت پر کانگریس کو تعاون پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

1935ء

جب حکومتِ برطانیہ کانگریسی سامراج کے سامنے

سرنگوں ہو رہی تھی۔

جب وفاق دے کر مسلمانوں کو اکثریت کا غلام

بنانے کی تیاری ہو رہی تھی۔

کمیونل ایوارڈ

جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کی رپورٹ

جب مسٹر جناح آمادۂ عمل ہو رہے تھے۔

...... کہ فتنۂ دگرے در ضمیر ایّام است

جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کی رپورٹ پر قائداعظم کی تقریر

مسئلہ دستور ہند

7فروری1935ء

گول میز کانفرنس ختم ہو چکی ہے۔ پارلیمنٹ اور ہاؤس آف لارڈ کے مشترک ممبروں کی کمیٹی اپنی رپورٹ پیش کر چکی ہے جو "جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی" کی رپورٹ کے نام سے مشہور ہے۔ جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی نے جو سفارشات پیش کیں، ان کا ماحصل یہ ہے:

1۔ ہندوستان صوبوں اور ریاست ہائے ہند پر مشتمل کل ہند وفاق (آل انڈیا فیڈریشن) قائم کیا جائے۔

2۔ صوبوں کو آزادی دی جائے، یعنی صوبائی وزارت بجائے گورنر کے صوبائی مجلس آئین کے سامنے جواب دہ ہو۔

3۔ کمیونل ایوارڈ نافذ کر دیا جائے۔

برطانوی حکومت کے ایما سے حکومتِ ہند نے اسے مرکزی اسمبلی میں پیش کیا۔

مسٹر جناح نے اس موقع پر ایک معرکہ آرا تقریر ارشاد فرمائی جو اسمبلی کی روداد میں درج ہے۔ یہ تقریر اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کتنے بڑے ماہر آئین و دستور تھے اور اُن کی گرفت کتنی کڑی ہوتی تھی۔ جس سے سرکاری اور کانگریسی ممبران یکساں طور پر متوحش اور سراسیمہ ہو جایا کرتے تھے۔

یہ تقریر قائداعظم کی یادگار تقریروں میں ہے۔

رئیس احمد جعفری

مسٹر ایم اے جناح

میں ایسے سنجیدہ اور اہم موقع پر ایوان کو ان غلط بیانیوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو اس

معاملہ میں میری حیثیت پر کیے گئے ہیں۔ اسٹیٹس مین جیسی حیثیت اور مرتبے کا روزنامہ اپنی ایک تازہ اشاعت (مورخہ 2 فروری) میں لکھتا ہے:

''کانگریسی جماعت کی روح رواں نسلی عناد ہے۔ بے شک اسے مسٹر جناح جیسے عارضی ساتھی ہمیشہ ملیں گے۔''

جناب! میں اپنی ساری قوت سے جو مجتمع کر سکتا ہوں، اس کو رد کرتا ہوں۔
(حزب الاختلاف کی نشستوں سے واہ وا)
بہر حال میں کسی قوم سے کسی قسم کا نسلی عناد نہیں رکھتا۔ (واہ، واہ!)
سر محمد یعقوب۔ اس اخبار کو شرم آنی چاہیے۔
مسٹر جناح۔ پھر یہ اخبار آگے چل کر لکھتا ہے:
مسٹر جناح جنھوں نے ایک ''سرگرم گول میزئے''(1) اور ''وفاقی''(2) کی حیثیت سے ابتدا کی تھی...... ہاں مجھے اقرار ہے کہ میں ایک سرگرم گول میزیا ہی نہیں بلکہ میں کہہ سکوں تو ایک ''سرگرم ترین'' گول میزیا تھا۔ لیکن میں نے ایک سرگرم وفاقی کی حیثیت سے کبھی ابتدا نہیں کی۔ میں نے آغاز ہی میں غلط یا صحیح طور پر جان لیا تھا کہ اس تجویز سے کبھی ہندوستان کی جائز تمناؤں کی تکمیل نہ ہو سکے گی۔
پھر یہ اخبار لکھتا ہے کہ:
''اب وہ (یعنی میں) غیر مطمئن ہیں۔ کیوں کہ انھیں کانفرنس کی آخری نشستوں میں مدعو نہیں کیا گیا تھا۔''(3)

کئی معزز اراکین۔ شرم، شرم۔
مسٹر جناح۔ میں ابتدا ہی سے اس تجویز کا سب سے زیادہ مخالف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مجھے کانفرنس کی آخری نشستوں میں مدعو نہیں کیا گیا۔ میں اس لیے مخالف نہیں ہوا کہ مجھے تیسری گول میز کانفرنس میں نہیں بلایا گیا۔ یہ جھوٹ یہ افترا پردازیاں اور یہ طنز کسی ایسے اخبار کے شایانِ شان تو نہیں جس کا نام......''
آنریبل سر ہنری کریک۔(4) مجھے توقع ہے کہ معزز رکن اس باز پرس میں مجھے شریک نہیں کریں گے۔ گو وہ مسلسل میری ہی طرف دیکھ رہے ہیں، اس معاملہ سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں اپنے دوست کو یقین دلاتا ہوں کہ انھوں نے جو کچھ ابھی پڑھ کر سنایا، میں نے اسے اب تک نہیں دیکھا تھا۔ آج پہلی مرتبہ اپنے معزز دوست سے اس کو سن رہا ہوں۔
سر محمد یعقوب۔(5) اب تو معزز ہوم ممبر نے سن لیا۔ غالباً وہ مسٹر جناح سے اتفاق کریں گے۔

مسٹر جناح۔ میں اب اس معاملہ کو یہیں چھوڑتا ہوں اور اپنی اس تنقید میں معزز ہوم ممبر کو شامل نہیں کرتا۔

اب میں اس مسئلہ کی طرف رجوع ہوتا ہوں جو اس ایوان کے زیرِ غور ہے۔ سب سے پہلے میں ان مباحث کا جائزہ لوں گا جو میرے معزز دوست مسٹر دیسائی (6) قائد حزبِ مخالف نے کیے ہیں۔ میں ان کی ترمیم سے متفق نہیں ہوں۔ وہ ایک قطعی انکار ہے اور بس۔

وہ اس تجویز کا کوئی بدل بھی نہیں پیش کر رہے ہیں، اس لیے یہ ایک خالص نفی کی حیثیت ہے اور میں ایسی حیثیت قبول نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے ایک ترمیم پیش کرنی پڑی۔ میری اس ترمیم کی رُو سے فرقہ وار عطیہ قابلِ قبول ہوگا۔ لیکن یاد رکھیے کب تک...... تاوقتیکہ متعلقہ فرقے اس کے ایک بدل پر متفق الرائے نہ ہو جائیں۔

یہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے ہندو دوست ''فرقہ وار عطیہ'' سے غیر مطمئن ہوں۔ لیکن میں ایوان کو بتا دوں کہ میرے مسلمان دوست بھی اس سے مطمئن نہیں ہیں۔ (واہ۔ واہ) کیوں کہ اس سے ان کے مطالبہ کی تکمیل نہیں ہوتی۔ جہاں تک میرا اپنا تعلق ہے میں بھی ذاتی طور پر فرقہ وار عطیہ سے مطمئن نہیں ہوں۔ (واہ۔ واہ) پھر میں انفرادی طور پر کہتا ہوں کہ تاوقتیکہ ہم بطور خود اپنی ایک تجویز نہ تیار کر لیں۔ میری خودداری کو کبھی اطمینان نہ ہوگا۔

ایک معزز رکن۔ آپ کے کیا کہنے۔

''مجھے خدائی صفات سے متصف نہ کرو، انسانی کمزوریوں کو پیشِ نظر رکھو۔ میں اسے کیوں قبول کر رہا ہوں؟ اس کی پچھلی تاریخی تفصیلات میں گئے بغیر میں ایوان کو بتا دوں کہ میں اسے کیوں قبول کر رہا ہوں۔

ہم نے ایک سمجھوتے پر پہنچنے کی ہر امکانی کوشش کی، لیکن تا حال ہم کسی سمجھوتے پر پہنچنے کے قابل نہیں ہوئے۔ اب وہ (تجاویز) مجھے پسند ہوں یا نہ ہوں میں نے اسے قبول کرنے کی ٹھانی ہے، کیوں کہ تاوقتیکہ میں اس قبول نہ کروں، کسی دستوری تجویز کا امکان نہ ہوگا۔

اس لیے اب برائے مہربانی اس انکار کی گفتگو کو ختم کر دیجیے...... کیا یہ خالص رنگ و نسل کا سوال ہے؟ کیا یہ خالص زبان کا سوال ہے؟ نہیں جناب! اقلیتوں کا سوال ہے۔ ایک سیاسی امر تنازعہ!

چند مسلم ارکان۔ تہذیب و ثقافت کا سوال بھی ہے۔

کیا ہم دوسرے ملکوں میں اقلیتوں کے مسائل نہیں پاتے؟ اور کیا ان مسائل سے نمٹا اور انھیں حل نہیں کیا گیا؟...... اس مسئلہ سے بھی نمٹنا اور اسے حل کرنا ہوگا!

ہو سکتا ہے کہ ایک اقلیت کا مذہب ملک کے دوسرے باشندوں سے مختلف ہو، اُن کی زبان علیحدہ ہو، اُن کی نسل جداگانہ ہو، اُن کی تہذیب الگ ہو۔ ان مختلف عناصر...... مذہب، تہذیب، نسل، زبان، فنون اور ایسے ہی عناصر کا اتصال مملکت میں اقلیتوں کو ایک جداگانہ وجود کے تحفظات کا متقاضی ہوتا ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ اس سوال کو ایک سیاسی مسئلہ کی طرح نمٹا اور حل کیا جائے نہ کہ گریز کیا جائے۔

اس کے بعد میرے معزز دوست نے ایک نظریہ پیش کیا ہے۔ ''پہلے حصول اور پھر تقسیم'' میں بڑے ادب سے کہوں گا کہ اس میں بہت بڑا فریب مضمر ہے۔ یہاں حصول اور تقسیم کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ ہم کوئی قطعۂ زمین تو نہیں حاصل کر رہے اور نہ جان جوکھم میں ڈال کر قسمت آزمائی کر رہے ہیں جس کی حصہ رسدی یا مالِ غنیمت کی تقسیم عمل میں آئے۔ اگر یہ نظریہ صحیح ہے تو مجھے بتایا جائے کہ کیوں مہاتما گاندھی نے پست اقوام کے معاملہ میں مرن برت رکھ کر ہندوستان کے سارے رہنماؤں کی متفقہ رائے اور منظوری کے ساتھ میثاق پونہ کی تکمیل کی تھی؟ (7) (واہ۔ واہ) ان سے پہلے حصول اور بعد تقسیم کیوں نہیں کہا گیا۔ (واہ۔ واہ) مہاتما گاندھی صحیح راہ پر تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ تمھاری نسل سے خارج کیے ہوئے ہندو ہیں۔ پانچ یا چھ کروڑ ہندو! وہ راستی پر تھے اور میں ان سے متفق ہوں۔ میں نے انگلستان میں ان سے استدعا کی تھی۔ پہلے تو انھوں نے جواب دیا تھا کہ ''نہیں میں ہندوؤں میں تفرقہ نہ ڈالوں گا۔ میں اسے کبھی قبول نہ کروں گا۔'' میں نے دوبارہ استدعا کی۔ مجھ پر یقین کیجیے کہ میں نے مہاتما گاندھی کے پاس مسلمانوں سے زیادہ پست اقوام کی وکالت کی ہے۔ پہلے پہل وہ اپنی بات پر سختی سے قائم رہے، لیکن آخر کار انھوں نے حقیقت محسوس کر لی۔ میں اپنے ہندو بھائیوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انھوں نے پست اقوام کے تحفظ کو تسلیم کر کے اور انھیں تحفظات دے کر ان کا دل موہ لیا ہے اور آج بھی وہ ان کے سدھار کے کام میں مصروف ہیں۔

آپ ہمیں بھی ایسی ہی گرم جوشی دکھایئے، ہم سے ہاتھ ملایئے۔ پھر ہم بھی تیار ہیں۔

اب میں اپنی ترمیم پر پہنچتا ہوں۔ جناب معزز قائد ایوان نے مجھ سے بڑی سختی برتی ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ وہ قائد حزب اختلاف کی بے لاگ اور دیانتدارانہ ترمیم کو تو سمجھ سکتے ہیں لیکن انھوں نے کہا کہ میری ترمیم مکر و فریب۔

آنریبل سر این سرکار۔ (8) (قائد ایوان)...... گمراہ کن اور پیچیدہ!

مسٹر جناح۔ انھیں دیکھ کر مجھے اس عدالت خفیفہ کی یاد آتی ہے، جہاں ایک چھوٹا وکیل خراب مقدمہ پا کر فریق ثانی کو گالیاں دینے لگتا ہے۔ بالکل اسی طرح انھوں نے مجھے گالیاں دے کر ابتدا کی۔ انھوں نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ وہ کیوں گمراہ کن، کس طرح پیچیدہ اور کیوں کر مکر و فریب سے مملو ہے۔

آنریبل سرکار۔ میں آپ کو تین بج کر تیس منٹ پر بتاؤں گا۔

مسٹر جناح۔ اوہ! ایسی چالاکیاں اِس ایوان میں جائز نہ ہوں گی۔ اگر وہ عدالت العالیہ میں جواب دہی کر رہے ہوتے تو اور بات تھی، میں چاہتا ہوں کہ حکومت اپنے تاش کے پتّوں کو میز پر ڈال دے اور مجھے بتائے کہ کن وجوہ کی بنا پر میری ترمیم پرفریب، گمراہ کن اور پیچیدہ ہے۔

آنریبل سرکار۔ وہی وجوہ جو میں نے بتائے ہیں۔

مسٹر جناح۔ آپ نے نہیں بتائے۔ یہ کہتے کیا ہیں؟...... مسٹر جناح کی ترمیم منظور ہوگئی تو کیا ہوگا؟ انھوں نے کہا۔

''وہ بنیاد کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اوپر کی منزل باقی رہے اور ہم سے خواہش کرتے ہیں کہ ہم اس کے دریچے اور شیشے بدل دیں۔''

کیا یہی آپ کا جواب ہے؟ کیا آپ نے اپنے مسودہ کا مطالعہ کیا ہے؟ سوائے ایک کے یہاں کوئی ایسی بنیاد ہی نہیں ہے جس کے متعلق کوئی گفتگو کی جائے اور نہ کسی منزل کا نشان ہے۔ اگر کوئی منزل ہے تو وہ صرف لاممبر کے دریچوں اور شیشوں والی کہانی کی فرضی منزل ہے۔ جایئے ایسی کہانیاں بچوں کو سنایئے! (قہقہہ) یہاں منزل کے قسم کی کوئی چیز نہیں ہے۔ میں ایوان سے اس کی تشریح کروں گا۔ پہلے ہم اس چیز کی تحقیق کرلیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟

ہم پہلے صوبوں کے لیے ایک دستور مرتب کر رہے ہیں۔ اس کے بعد مرکزی حکومت کے لیے ایک تجویز مرتب کر رہے ہیں۔ یہ سب نچلی عمارت ہے۔ منزل ہے ہی نہیں۔ مجھے دھمکی دی گئی ہے کہ اگر میری ترمیم کا تیسرا جزو منظور ہو گیا تو سارا مسودہ گر جائے گا۔ لیکن مسودہ بجائے خود کیا ہے۔ جوائنٹ پارلیمنٹری رپورٹ بجائے خود کیا کہتی ہے۔ وہ یہی تو کہتی ہے کہ جیسے ہی یہ مسودہ منظور ہو جائے، یا اُس کی منظوری کے فوراً بعد صوبہ وار خودمختاری سب سے پہلے معرضِ وجود میں آجائے گی۔ لیکن وفاق وجود میں نہ آئے گا۔ اس لیے ممکن ہے دو تین یا پانچ سال درکار ہوں۔

انھوں نے اس رپورٹ اور قرطاس ابیض میں اس کی صراحت کر دی ہے کہ جب صوبہ وار خوداختیاری پر کامل عمل درآمد شروع ہو جائے تو ہوسکتا ہے کہ کچھ مشکلات پیدا ہو جائیں۔ کچھ مشکلات ہوں گی اور کچھ دوسرے اختلافی مسائل ہوں گے جنھیں سلجھانا ہوگا۔ والیانِ ریاست کی رضامندی حاصل کرنی ہوگی اور اسے ممکن الحصول بنانے کے ذرائع دریافت کرنے ہوں گے اور ایسے بہت سے ایسے کام ہوسکتے ہیں جنھیں انجام دینا ہوگا۔

لہٰذا وفاق کا وجود ابھی عدم میں ہے اور پارلیمان کے دونوں ایوان کی رائے کا محتاج ہے اور ان

مختلف حالات کا رہینِ منت ہے جن سے ابھی عہدہ برآ ہونا ہے۔ ان حالات کے تحت میں آپ سے کہتا ہوں کہ اس کو رد کر دیجیے...... یاد رکھیے کہ میں وفاق کی اس (مرکزی) تجویز پر زور دے رہا ہوں۔ میں ان خاص حالات کے پیدا ہونے تک انتظار کرنا نہیں چاہتا۔ میں نے ان ''خاص حالات'' کو اپنی تحقیق کے دوران میں دیکھ لیا ہے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ اسے رد کر دیجیے۔ یہ تجویز بالکلیہ ناقص، اساسی طور پر مجہول اور قطعی ناقابلِ قبول ہے۔

پھر مجھ سے کیوں کہا جاتا ہے کہ پورا مسودہ گر جائے گا؟ یہی میں بھی جاننا چاہتا ہوں۔ خیر میں آپ کو ضرور بتاؤں گا کہ میں کیوں مرکزی تجویز کی مخالفت کرتا ہوں۔

والیانِ ریاست کی اپنی پیش کردہ شرائط اور اصول جو صریحاً برطانوی ہند کے اہم مفادات کے لیے ضرر رساں ہیں، ان کے (وفاق میں) داخلے کو جائز قرار دیتی ہے۔ شاید یہ سمجھا جائے کہ میں والیان ریاست کا مخالف ہوں۔ میں کسی شخص کا مخالف نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں والیان ریاست سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہتا۔ میں نے بار بار اس کا اظہار کیا ہے کہ میں کل ہند وفاق کا مخالف نہیں ہوں اور معزز ہوم ممبر نے بجا طور پر کہا تھا کہ مہاتما گاندھی بھی کل ہند وفاق سے اختلاف نہیں رکھتے۔ اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں کل ہند وفاق کا مخالف نہیں تو کیا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ مجھے ہر ایسی کل ہند وفاقی تجویز کا پابند کر دیں گے۔ جو آپ کی بنائی ہوئی ہو، خواہ وہ کتنی ہی مجہول اور کتنی ہی ناقابلِ فہم کیوں نہ ہو؟...... کیا یہی استدلال ہے؟ سوال یہ نہیں ہے کہ آیا ہم کل ہند وفاق سے اختلاف رکھتے ہیں۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ اس کل ہند وفاق کی نوعیت کیا ہے؟

میں اس ایوان میں اس کا اظہار کرتا ہوں کہ میں کل ہند وفاق کی ہر ایسی تجویز پر غور کرنے کے لیے تیار ہوں جو میرے خیال میں برطانوی ہند کا مفاد اپنے اندر رکھتی ہو اور اگر وہ اتنی بہتر ہو کہ اس کے قابلِ قبول ہونے کا مجھے اطمینان ہو جائے تو اس سے مجھے بڑی مسرت ہوگی۔

میں جانتا ہوں کہ والیانِ ریاست کی ناقابلِ قبول شرائط کے مدنظر کسی ایسے وفاق کی تعمیر ناممکن ہے جو اس کے نام کے شایانِ شان ہو۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ اس طرح چلنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہم چار سال سے اسی طرح چل رہے ہیں۔ ایک طرف والیانِ ریاست نے اپنا قطعی اور آخری ارادہ ظاہر کر دیا ہے...... بس اس قدر اس سے زیادہ نہیں، دوسری طرف حکومت برطانیہ اپنے تحفظات پر جمی ہوئی ہے...... ایک آہنی دیوار! اسی کو قبول کرنا ہوگا...... میں ان دونوں کے درمیان ہوں اور تم ان چیزوں کو قبول کر کے اسے وفاق کا نام دے رہے ہو!

جہاں تک معزز ہوم ممبر کا تعلق ہے، میں ان کے ہر اس لفظ کو تسلیم کرتا ہوں جو انھوں نے اپنے خلوص کے بارے میں کہے ہیں۔ میں ان کی اپیل کی قدر کرتا ہوں اور ان کے انداز تکلم اور تاثر کو بھی محسوس کرتا۔ میں ان سب کے لیے ان کا مشکور ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ انھوں نے کہا، اس پر ان کا ایقان ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''اسے لے لو اور کر دیکھو۔'' پھر انھوں نے پوچھا۔

''جب چاروں کی طرف تاریکی تھی تو موسیٰ (علیہ السلام) پر کیا گزری، وہ بھی تو تاریکی میں تھے۔''

یہ صحیح ہے، لیکن کیا آج یہاں روشنی ہے؟ کیا اس کو روشنی کہتے ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ موسیٰ (علیہ السلام) ابھی تاریکی ہی میں ہیں۔

آنریبل ہنری کریک۔ میرا مطلب یہ تھا کہ ہم نے نہیں بلکہ کانگریسی جماعت نے شمع گل کر دی ہے۔

مسٹر جناح۔ جب ہوم ممبر کے مفید مطلب ہوتا ہے یا جب حکومت کے مفید مطلب ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ کانگریس سارے ہندوستان کی نمائندگی کرتی ہے اور جب انھیں موزوں معلوم ہوتا ہے تو وہ کہنے لگتے ہیں کہ کانگریس باغی ہے اور اس ملک کی محض اقلیت ہے۔ میرا کون مقام ہے۔ (چند مسلم اراکین اور باقی ماندہ نشستوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ان سبھوں کا کیا موقف ہے؟...... درحقیقت یہ کوئی جائز استدلال نہیں ہے چوں کہ میرے چند اہلِ ملک کہتے ہیں اس لیے تم اس دستور کو ہندوستان میں نافذ کرنا چاہتے ہو اور اسی دلیل کی بنا پر مجھے بھی قبول کر لینا چاہیے؟...... کیا میں پلٹ کر تم سے پوچھ نہ بیٹھوں گا کہ مسٹر چرچل، لارڈ لائڈ، سر مائیکل اڈوائر، سر ریجنالڈ کریڈوک اور ایسے ہی دوسرے اشخاص کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ اگر مجھے ان اشخاص کے کہنے پر یقین کرنا پڑے اور میں انھیں سچ مان لوں تو کیا میں یہ کہنے میں حق بجانب نہ ہوں گا کہ:

''میں ابھی انگریزوں کا کان پکڑ کر انھیں ہندوستان سے باہر کر دوں گا جس کے بعد سارا قصہ ہی پاک ہو جائے گا۔''

لیکن برطانوی حکومت نے اس دستور کو مجھ پر نافذ کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ حالاں کہ وہ میری طرح پورے طور پر واقف ہے کہ یہ موجودہ دستور سے بھی بدتر ہے۔ نہ کسی صوبہ سے مشورہ لیا گیا اور نہ پوچھا گیا کہ آیا وہ والیانِ ریاست یا برطانوی حکومت کی مجوزہ شرائط پر ایک وفاقی جزو کی حیثیت سے منسلک رہنے پر تیار ہے؟

میرا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ تجویز ہی ناقابلِ عمل ہے۔ یہ درحقیقت کسی شخص کو بھی مطمئن نہیں

کرتی۔ مجھ پر یقین کیجیے، اس کا انجام تلخیوں اور بداندیشیوں پر ہوگا اور نام نہاد وفاقی مقننہ میں تکرار اور کج بحثیوں پر ہوگا۔ میں والیانِ ریاست سے اس پر غور کرنے کی اپیل کرتا ہوں۔ کیا وہ ایک صحیح حل پر تیار ہیں؟...... ان سے ایک اور اپیل...... کیا یہی ذمّہ داری ہے جو اُنھوں نے مرکز کو دی ہے اور جس کو مشروط کر کے وہ وفاق میں شریک ہونے کو تیار تھے؟ والیانِ ریاست نے کہا تھا کہ اگر مرکز کو ایک ''حقیقی اور معنوی'' ذمّہ داری ملے تو بے شک ہم شرکت کے لیے تیار ہیں۔ کیا یہ حقیقی اور معنوی ذمّہ داری ہے؟ اس میں اٹھانوے فیصد تحفظات ہیں اور دو فیصد ذمّہ داری! میں اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس پہلو پر غور کریں۔ آیئے اب تحفظات پر ایک نظر ڈالیں اور اس میں دیکھیں کہ کیا ہے میں آئین کی مختلف دفعات کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ صرف دو جملوں میں اس کا خلاصہ کر دوں گا۔

ریزرو بینک، زر، مبادلہ...... بے تعلق

ریلوے بورڈ...... بے تعلق رہن میں پھنسا ہوا۔ اب کیا باقی ہے؟ مالیاتی رسمی خود اختیاری! (قہقہہ) اور کیا رہ جاتا ہے؟

ملکی بچاؤ خارجی معاملات...... وقف

مالیات...... سر سے پیر تک رہن میں غرق۔

اب ہمارا موازنہ اور تھوڑا سا پس ماندہ، لیکن اس میں بھی کیا ہے؟ گورنر جنرل کی خصوصی ذمّہ داریاں...... ان کے موازنوں اور اندازوں کے اختیارات...... قانون سازی میں ان کے اختیار مداخلت...... ان کے غیر معمولی اختیارات...... ان کی مخصوص ذمّہ داری...... جناب انھوں نے ہمارے لیے کیا چھوڑا ہے؟ یہ مجلسِ وضعِ قوانین آخر کیا کرتی رہے گی؟

معزز ہوم ممبر نے پوچھا ہے کہ ہم تاچند اس موجودہ حقیر اور ناقابلِ برداشت دستور پر قناعت کرتے رہیں گے؟ میں کہتا ہوں کہ میں بھی موجودہ دستور......

ناقابلِ برداشت ہے، لیکن کیا آپ کو لارڈ ریڈنگ کے الفاظ یاد ہیں؟

موجودہ دستور میں زیادہ اختیارات ہیں اور وہ دستور جو آپ مجھے اس وقت دے رہے ہیں، موجودہ دستور سے زیادہ حقیر اور ناقابلِ برداشت ہے، لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے کیا کہنے والے ہیں...... بلکہ میرا خیال ہے کہ ابھی کسی نے کہا تھا کہ قائد حزب اختلاف مسٹر ونسٹن چرچل کے قدم بقدم چل رہے ہیں اور شاید میرے متعلق بھی یہی کہا جائے کہ میں بھی مسٹر ونسٹن چرچل کی روش اختیار کر رہا ہوں، کیوں کہ وہ بھی اس تجویز کو رد کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح ہم مشترکہ طور پر مسٹر چرچل سے مصافحہ کر رہے ہیں۔

حاصل ہو، لیکن اعلان کا یہ مقصد نہیں ہے۔

ہم سے ابتدائی منازل میں کہا جاتا تھا کہ ہم ہندوستان کو مساوی حصہ دار بنانے والے ہیں لیکن جناب! کچھ حصہ عرصہ ہوا یہ لفظ ''معدوم'' ہو گیا ہے۔ کیا حصہ داری کے یہی طور ہیں۔ لفظ حصہ داری اور لفظ تعاون کے معنی ہمارے انگریز دوستوں کے نزدیک یہ تھے۔ ''تم ہمارے کہنے پر چلو تو...... ہم تمھیں حصہ دار کہیں گے......

ہمارے ہر فعل وقول پر سر تسلیم خم کردو...... ہم اسے تمھارا تعاون اور خیر اندیشی کہیں گے۔''

یہ ہے خیر اندیشی! یہ ہے تعاون۔

اس کا خارج از امکان ہونا تو ابتدا ہی سے ثابت تھا۔ اب یہ ایک شر انگیز چکر بن گیا ہے۔ صوبہ وار خود اختیاری، وفاق، پھر مرکز میں ذمّہ داری، ایسی ذمّہ داری کہ اگر تم اس جز کو قبول نہ کرو تو نہ مرکزی ذمّہ داری باقی رہے گی نہ صوبہ وار خود اختیاری سارا معاملہ ہی دگرگوں ہو جائے گا۔ ایسی ہیئت ترکیبی کس طرح قابلِ قبول ہو سکتی ہے؟ اسی لیے میں نے اپنی ترمیم کے تیسرے جزو میں واضح اور قطعی طور پر اس کا اظہار کر دیا ہے کہ میں اس تجویز کو قبول نہیں کرتا اور میں ہز مجسٹی کی حکومت سے کہتا ہوں کہ ہندوستانی رائے کے ساتھ اس کی ساری ہیئت ترکیبی پر نظر ثانی کرے۔

میرے دوست مسٹر مودی (9) کہتے ہیں کہ اس منزل پر (حکومت سے) کیوں نہ کہہ دیا جائے کہ ہم اس میں یہ تبدیلیاں اور اصلاحات چاہتے ہیں۔ میں اس کا جواب دے سکتا ہوں وہ یہ ہے بلکہ ایوان بھی مجھ سے اتفاق کرے گا۔ کیوں کہ اس کا مستند حوالہ موجود ہے کہ ہم نے پہلی گول میز کانفرنس میں جو تجاویز پیش کیں اور جو مشورے دیے اس کا انجام سینکے رپورٹ (10) کی صورت میں ہوا۔ میں نے اس میں بہت سے اہم نقاط کو عملاً رد کر دیا تھا۔ دوسری گول میز کانفرنس میں ہم نے دوبارہ اپنی سفارشات پیش کیں۔ اس مرتبہ پہلے سے زیادہ کانٹ چھانٹ ہوئی۔ اس موقع پر خاص بات یہ ہوئی کہ جہاں وہ سمجھتے کہ ہماری مجوزہ رائیں ہمیں کسی قدر فوقیت دے رہی ہیں یا منفعت پہنچا رہی ہیں تو اس کے ساتھ وہ بڑی حزم واحتیاط سے ایک نہ ایک تحفظ وضع کر کے اس طرح چسپاں کر دیتے تھے کہ تھوڑی بہت افادیت جو ہمیں پہنچ سکتی تھی وہ مفلوج ہو کر رہ جاتی تھی۔

تیسری کانفرنس سب سے گئی گزری تھی۔ اس کے بعد جوائنٹ پارلیمنٹری کی تشکیل عمل میں آئی۔ چند ہندوستانی حضرات اس کمیٹی سے اشتراک عمل کر رہے تھے۔ میں ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا تصور نہیں کر سکتا کہ وہ محب وطن نہیں تھے۔ وہ ایسے اشخاص تھے جن کی میں عزت کرتا ہوں، خواہ میرا ان کا کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو۔

آنریبل ہنری کریک۔آپ یہی تو کررہے ہیں۔

مسٹر جناح۔لیکن پوری بصیرت کے ساتھ کررہاہوں۔

آنریبل سرکار۔آپ کسی لمحہ میں بھی بدل جائیں گے۔چرچل کبھی نہیں بدلیں گے۔

مسٹر جناح۔خواہ لاممبر بدل جائیں یا میں بدل جاؤں۔اس کی مجھے کوئی پروانہیں ہے۔مجھے تو اظہار رائے کیے جانا ہے۔یہ لمحات بہت نازک اور بہت اہم ہیں۔مجھے اپنی رائے ظاہر کرنی ہے اور پوری ذمہ داری سے کرنی ہے۔شرح ووضاحت کے ساتھ کرنی ہے۔لاممبر کی اس دھمکی کی بھی مجھے کوئی پروانہیں کہ میرا مسودہ گر جائے گا۔حالاں کہ وہ اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔(قہقہہ) ہندوستان کی پوری حکومت بھی اس کے متعلق کچھ نہیں جانتی!وہ محض بنتے ہیں اوراس سے فائدہ؟

میں ان سے کوئی اپیل نہیں کروں گا۔جیسا کہ ہوم ممبر نے بجا طور پر کہا ہے کہ نہ تو اس ملک کی حکومت کواور نہ ہی اس ملک کے باشندوں کوآخری فیصلے کا اختیار ہے۔آخری فیصلہ(برطانوی) پارلیمان کرے گی۔میں اپنی رائے کا اظہار پارلیمان ہی کے فائدے کے لیے کررہاہوں۔میں انھیں بتانا چاہتا ہوں کہ میری کیا رائے ہے۔جس کے بعد نتائج بھی بھگتنے ہوں گے۔اب اگر ہوم ممبر نے یہ کہا ہے کہ ''آپ مسٹر چرچل کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔''تو میرا جواب یہ ہے کہ اگرآپ ہمارے متعلق غلط فہمی میں رہنا چاہتے ہی ہیں تو رہیں،اگرآپ ہمیں بدنام کرنا ہی چاہتے ہیں تو یہی سہی۔ہم مسٹر چرچل سے متفق نہیں ہیں۔مسٹر چرچل کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ میں مرکز میں یہ تجویز ہی نہیں چاہتا۔میں توتم سے یہ کہتا ہوں کہ ہندوستانی رائے کے ساتھ اس کی ساری ہیئت ترکیبی پر نظرثانی کر کے میرے ملک میں ایک ذمہ دار حکومت قائم کرو۔(پرشور تالیوں کی طویل گونج) یہ ہے وہ فرق ہمارے بارے میں غلط فہمیاں پھیلانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

جناب! پھر (تجویز کے نفاذ سے) اس متبرک اعلان کی سراسر خلاف ورزی ہوتی ہے جو وائسرائے نے کیا تھا۔جواس وقت لارڈ ارون تھے اورآج لارڈ ہیلی فاکس ہیں اورجیسا کہ مسٹر شاستری نے کہا کہ انھوں نے اپنے نام کی تبدیلی کے ساتھ اپنے خیالات بھی بدل دیے ہیں۔(قہقہہ) لیکن یہ ان کا ذاتی اور شخصی اعلان نہیں تھا۔بلکہ ہز مجسٹی کی حکومت کی جانب سے تھا۔وہ اعلان کیا تھا؟

''ہز مجسٹی کی حکومت انھیں تجاویز کو پارلیمان میں پیش کرے گی جن کو عام اتفاق کا اعلیٰ ترین معیار حاصل ہوگا۔''

میں آپ کے ضمیر سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس کو عام اتفاق کا اعلیٰ ترین معیار حاصل ہے؟ میرا مطلب ہندوستانی اتفاق رائے سے ہے۔ہوسکتا ہے کہ قدامت پرستوں کے عام اتفاق کا اعلیٰ معیار اسے

انھوں نے وہاں امکانی کوششیں کیں۔ آخر کار جب اُن کی ساری کوششیں ناکام ہوئیں تو انھوں نے ایک یادداشت مرتب کی۔ جس میں ہندو، مسلمان، پارسی اور دوسرے فرقوں نے متفقہ طور پر کہا تھا کہ کم از کم ان اصلاحات کو روبہ عمل لایا جائے۔ یہ اصلاحات اعتدال پسندی کی ایک مثال تھے، لیکن ان کا کیا انجام ہوا؟ آج وہ مشترکہ یادداشت کہاں ہے؟ رڈی کی ٹوکری میں!

کچھ تحفظات کے بارے میں...... یہ کہا جاتا ہے، بلکہ میرا خیال ہے کہ معزز لاممبری نے کہا ہے کہ...... یہ تحفظات کبھی استعمال نہیں کیے جائیں گے۔ جناب! اس وقت میرے سامنے وزیر ہند کی تقریر موجود ہے۔ میں اسے سنانا نہیں چاہتا۔ لیکن اس میں وزیر ہند نے کہا ہے کہ یہ تحفظات استعمال کیے جائیں گے بلکہ وہ کہتے ہیں:

''یاد رکھو ان کی پشت پر کیا ہے، حکومت کا سارا کارخانہ اور ساری فوج ہمارے پیچھے ہے۔ یہ تحفظات ضرور استعمال کیے جائیں گے۔''

پھر یہ کہنے سے کیا حاصل کہ تحفظات کا استعمال نہ ہوگا۔

ایک اور امر جسے میں ظاہر کرنا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ سر جوزف بھور (11) نے ایک اپیل کی ہے۔ یہ ایک شخصی اور انفرادی اپیل ہے۔ میں ان کی بڑی عزت کرتا ہوں اور اُن کی رائے کو وقیع سمجھتا ہوں۔ انھوں نے کہا ہے کہ اس تجویز کو کامیاب بنانا چاہیے۔ خیر یہاں تک بھی غنیمت تھا، لیکن انھوں نے ابراہیم لنکن کا بھی حوالہ دیا ہے جو ایک بلند خیال اور عظیم المرتبت محب وطن تھا۔ جب انھوں نے ابراہیم لنکن کا حوالہ دیا تو مجھے شیطان کا انجیل کا حوالہ دینا، یاد آ گیا۔ انھوں نے انجیل ختم نہیں کی۔ کیا ابراہام لنکن کے فرمودات اس عہد کا ماحول، اس کے پیشِ نظر حالات اور ہمارا ماحول اور ہمارے واقعات پیش نظر میں کوئی مطابقت پائی جاتی ہے؟

جہاں تک صوبہ واری تجاویز کا تعلق ہے، وہ بلاشک وشبہ حال سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اسے ایک امتیاز دینا چاہتا ہوں، میں اجمالی طور پر بتاؤں گا کہ وہ کس حد تک ترقی یافتہ ہیں۔ سب سے پہلے حق رائے دہی پھر انتخاب کنندگان اور رائے دہندگان کی توسیع، یہی دستور کا سنگِ بنیاد ہوتا ہے۔ میری تحقیق میں یہ ترقی ہے۔ تمھاری صوبجاتی کابینہ منتخب اراکین پر مشتمل ہوگی اور مقننہ کو جواب دہ ہوگی۔ صوبہ واری دستور کا یہ ڈھانچہ یقیناً ایک ترقی ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے بعض خدوخال قابلِ اعتراض ہیں۔ جن کی میں نے نشاندہی کر دی ہے اور جو ایوان ثانی اور گورنر کے اختیارات پر مشتمل ہیں۔

میں آپ سے کہتا ہوں کہ ان اصلاحات کو روبہ عمل لائیے۔ اگر آپ یہ اصلاحات روبہ عمل لا

سکے......

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا ہے لیکن اُسے نفرت انگیز پایا ہے۔

مسٹر جناح۔ وہ کہتے ہیں، ''میں اسے دوبارہ نہ دیکھوں گا۔ میں اس سے ہزار بار بیزار ہو چکا ہوں۔'' اور دوسری طرف میں کہتا ہوں کہ:

''ہاں! میں نے اس (پیشکش) کی تحقیق کی ہے۔ جہاں تک صوبہ جات کا تعلق ہے۔ یہ خراب ہے اور مرکزی تجویز تو قطعی ناقص ہے۔ بہر حال میں یہیں نہیں رک جاتا۔ بلکہ تمھیں اس کی تردید میں ایک تجویز دیتا ہوں۔'' کیوں کہ میرا فرض ایک قطعی نفی کا خوگر ہونا نہیں ہے...... تم کہو گے، ''پھر تم کیا چاہتے ہو؟''

موسیٰ (علیہ السلام) ہمیشہ تاریکی میں رہنا نہیں چاہتے۔ موسیٰ (علیہ السلام) تم سے کہتے ہیں کہ تم نے یہ بدل پیش کیا ہے۔ اس کو لے کر آگے بڑھو۔'' صوبہ واری تجویز کی اصلاح کرو، مرکزی تجویز کو رڈ کر دو اور اس کی ساری ہیئت ترکیبی پر ہندوستانی رائے کے ساتھ اس مقصد سے نظر ثانی کرو کہ برطانوی ہند میں ایک کامل ذمّہ دار حکومت قائم کرنا ہے۔

(تالیاں)

حواشی

1۔ گول میز کانفرنس کی کارروائیوں میں مسٹر جناح نے جوش و خروش کے ساتھ حصہ لیا تھا۔

2۔ یعنی حامیِ وفاق۔

3۔ گول میز کانفرنس نے دستوری معاملات پر غور کرنے کے لیے متعدد ذیلی کمیٹیاں بنا دی تھیں، چناں چہ مسئلہ وفاق پر غور کرنے کے لیے جو کمیٹی بنی تھی، اس کے صدر لارڈ سینکے تھے اور ممبران میں مسٹر جناح بھی تھے۔ لارڈ سینکے اور دوسرے ممبروں کے ذہن میں جو وفاق تھا، وہ مسٹر جناح کے وفاق سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتا تھا، چناں چہ انھوں نے اپنی تقریر میں اس کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ جس پر لارڈ سینکے تلملا گئے اور انھوں نے کہا، ''مسٹر جناح آپ نے ہمارے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔''

4۔ سر ہنری کریک پہلے حکومت ہند کے ہوم ممبر تھے۔ پھر پنجاب کے گورنر بنے۔ ان کا شمار نہایت قابل اور ممتاز آئی سی ایس حضرات میں ہوتا تھا۔

5۔ علی گڑھ کے گریجویٹ تھے۔ مراد آباد وطن تھا۔ زیادہ تر سرکار کا ساتھ دیتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی قوم پرور رہنماؤں کا ساتھ بھی دے جاتے تھے۔ کئی برس تک مرکزی اسمبلی کے نائب صدر رہے۔ ایک آدھ مرتبہ

وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بھی کچھ عرصہ کے لیے رہے۔ پھر ریاست حیدر آباد میں مشیر اصلاحات ہو کر گراں قدر مشاہرے پر چلے گئے۔ وہیں انتقال ہوا۔

6۔ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی یعنی حزبِ اختلاف کے قائد۔ نہایت نیک اور شریف آدمی تھے۔ مساوات کی بنیاد پر انھوں نے 44ء میں لیاقت علی خاں سے سمجھوتا کر لیا تھا، جس پر ولبھ بھائی پٹیل نے طعنہ دیا، ''تم نے ہندوؤں کو فروخت کر دیا۔'' اس جرم میں انھیں نئے انتخابات کے وقت ممبری کے لیے کانگریس کا ٹکٹ تک نہ ملا۔ کانگریسی لیڈروں کے برتاؤ سے یہ اتنے دل برداشتہ ہوئے کہ اسی غم میں دنیا سے گزر گئے۔

7۔ کمیونل ایوارڈ میں اچھوتوں کو جداگانہ حقِ نیابت دیا گیا تھا۔ اس موقع پر گاندھی جی جیل میں تھے۔ انھوں نے مرن برت رکھنے کا اعلان کر دیا کہ اس طرح تو ہندو قوم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ سر سپرو نے اچھوت لیڈر ڈاکٹر امبید کو سبز باغ دکھا کر جداگانہ انتخاب سے دستبردار ہونے پر آمادہ کر لیا، جسے برطانوی وزیراعظم نے بھی مان لیا اور طوفان ٹل گیا۔

8۔ حکومت ہند کے لا ممبر۔

9۔ سر ہومی مودی، پارسی لیڈر، سینٹرل بینک آف انڈیا اور بینک آف انڈیا کے ڈائریکٹر۔ کانگریس کے ساتھی۔ جس کا صلہ یہ ملا کہ آزادیٔ ہند کے بعد یہ یو پی کے گورنر بنا دیے گئے۔

10۔ 11۔ سر جوزف بھور، عیسائی لیڈر جو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے۔ شریف اور مرنجان مرنج قسم کے آدمی تھے۔ بعد میں نواب صاحب بھوپال نے اسی تنخواہ پر جو حکومت ہند سے ملتی تھی، اپنا مشیر بنا کر بھوپال بلا لیا۔ جہاں اُن کے انتقال کے وقت تک رہے۔

11۔ کانگریس کے ذہین اور قابل لیڈر، عین عالمِ جوانی میں انتقال ہو گیا۔

خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

***

1936ء

جب قائداعظم نے مایوس ہو کر نعرہ لگایا:

ملتِ ما را اساسِ دیگر است

جب قائداعظم کانگریس سے کہہ رہے تھے:

تو چشم بستی و گفتی کہ ایں جہاں خواب است
کشائے چشم کہ ایں خواب، خوابِ بیداری است

مسلم لیگ کی تجدید و احیا کے موقع پر قائداعظم کی تقریر

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

12 اپریل 1936ء

ایک طویل مدت گزر گئی!

صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک جام

ہندوستان کی سیاست پلٹے کھاتی رہی۔ سائمن کمیشن آیا اور گیا۔ نہرو رپورٹ مرتب ہوئی، منظور ہوئی اور دریا برد ہوگئی۔ سول نافرمانی کی تحریکیں شروع ہوئیں، ملتوی ہوئیں اور واپس لے لی گئیں۔ مسٹر جناح سیاستِ وطن سے بددل ہوکر ترکِ وطن کر کے لندن چلے گئے اور وہاں پریکٹس شروع کر دی۔ 1928ء سے لے کر 1935ء تک یہ کچھ ہوا۔

لیکن حالات نے پھر پلٹا کھایا۔ مسٹر جناح کو ان کے عقیدت مندوں، دوستوں اور قدر شناسوں نے اصرار کر کے واپس بلا لیا۔ ان سے اپیل کی کہ اگر وہ اپنی قوم سے محبّت رکھتے ہیں تو واپس آئیں اور اس ڈوبتی ہوئی ناؤ کو کنارے لگائیں۔ مسلمان کبھی اتنے پراگندہ اور منتشر نہ تھے جتنے آج ہیں۔ نہ انگریز اُن کی پروا کرتے ہیں، نہ ہندوؤں کی نظر میں وہ کوئی وقعت رکھتے ہیں۔ اگر انھیں منظم نہ کیا گیا تو وہ مٹ جائیں گے، غلام بنا لیے جائیں گے۔

یہ اپیل کارگر ہوئی اور مسٹر جناح واپس آگئے۔ واپس آنے کے بعد انھوں نے لیگ میں نئی زندگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ چناں چہ ان کے حسب ایما اپریل 1936ء میں لیگ کا سالانہ اجلاس بمبئی میں طلب کیا گیا۔

سر کریم بھائی ابراہیم (بیرونٹ) مجلس استقبالیہ کے صدر تھے۔ صدر اجلاس سرو زیر حسن اور روح رواں مسٹر جناح۔

اس اجلاس میں آئین ہند سے متعلق ایک تجویز کی تحریک کرتے ہوئے مسٹر جناح نے جو تقریر کی اس سے ان کے تیور اور عزائم کا اظہار ہوتا ہے۔

رئیس احمد جعفری

قائداعظم نے فرمایا، اس آئین (انڈیا ایکٹ 35ء) سے:

ہمیں صرف دو فیصدی ذمہ داری حاصل ہوتی ہے اور بقیہ کے متعلق مکمل اختیار گورنر جنرل کو عطا کیا گیا ہے۔ گول میز کانفرنس میں ہندو مسلم سمجھوتے کے متعلق جو کوشش کی گئی تھی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا، آزادی کے لیے جدوجہد کرنے کے قبل مسلمانوں نے اقلیت میں ہونے کے باعث ہندوؤں سے صرف اپنے چند حقوق کے تحفظ کا مطالبہ کیا تھا۔ ہندوستانیوں کو یہ مشورہ کہ جس طرح جرمن صلح نامہ ورسیلز کے ساتھ پیش آئے اور اسی طرح ہندوستانیوں کو بھی اس آئین کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔ لیکن کیا ہم بغاوت کر دیں؟ نہیں یہ ناممکن صورت ہے، ترک موالات میں ہم لوگوں کو ناکامیابی ہو چکی ہے۔ اب صرف آئینی جنگ باقی رہ جاتی ہے لیکن اس کے لیے یہ ضرورت ہے کہ ہر جماعت متفق الرائے ہو جائے اور پہلو بہ پہلو ہو کر کام کرے۔ کانگریس بغیر مسلمانوں کی امداد کے اپنے مقصد میں ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی ہے۔ لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہمیں چاہیے کہ اپنی تنظیم کر کے آزادی کے لیے قدم آگے بڑھائیں۔ اگر ہم کامیاب ہوئے تو کانگریس کو مجبوراً سر تسلیم خم کرنا ہوگا۔

***

ظلام بحر میں کھو کر سنبھل جا!
تڑپ جا پیچ کھا کھا کر بدل جا!
نہیں ساحل تری قسمت میں اے موج!
اُبھر کر جس طرف چاہے نکل جا

اقبال

1937ء

جب قائداعظم نے برطانوی جمہوریت کے خلاف
پرچمِ جہاد بلند کیا۔
جب قائداعظم نے مسلمانوں کے جداگانہ قوم ہونے کا اعلان کیا۔
جب قائداعظم نے مسلمانوں کو خوداعتمادی کا درس دیا۔

ترکِ شبنم بہر تسخیریم است

لکھنؤ کے تاریخی اجلاس کا خطبۂ صدارت

15 اکتوبر 1937ء

مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ میں قائداعظم کا خطبہ!

اس خطبہ میں ان مظالم پر روشنی ڈالی گئی ہے جو کانگریسی وزارتوں نے انگریز گورنروں اور گورنر جنرل کی پشت پناہی کے بل پر مسلمانوں کے ساتھ روا رکھے تھے۔

لیگ کا یہ اجلاس لکھنؤ میں ہوا تھا۔ لیگ کی تنظیم نو اور احیا کا سلسلہ یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ لیگ نے آزادی کامل کی تجویز یہیں منظور کی تھی۔

رئیس احمد جعفری

خواتین و حضرات! آل انڈیا مسلم لیگ کی گزشتہ تیس سالہ زندگی میں یہ اجلاس بے حد اہم اور نہایت ضروری ہے۔

جس پروگرام اور پالیسی کی تشکیل کے لیے آپ کو دعوت دی گئی ہے اس پر مسلمانانِ ہند اور ملک کے مستقبل کا انحصار ہے۔ مسلم لیگ نے اپنے اجلاس منعقدہ 12 اپریل 1936ء کو اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ رابطۂ عوام کی پالیسی اور پروگرام کو اختیار کیا تھا۔ لیگ نے رفتار زمانہ اور حالاتِ گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے مطابق صوبجاتی آئین کے انتخابات کے متعلق یہ فیصلہ کیا تھا۔ اگرچہ یہ آئین قطعی طور پر غیر تسلی بخش ہے تاہم اس سے حتی الوسع بہرہ اندوز ہونے کی کوشش کی جائے۔ چناں چہ اس ضمن میں یہاں پر 12 اپریل 1936ء کی منظور شدہ قرارداد کو بجنسہٖ پیش کرتا ہوں:

''اس ملک میں آئین جدید کے مطابق جو پارلیمنٹری طرزِ حکومت رائج کیا جا رہا ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مطابق ایسی جماعتیں معرضِ وجود میں آ جائیں جن کی پالیسی اور پروگرام معین ہو اور وہ حلقہ ہائے انتخاب کے سیاسی رجحانات کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دے اور متقارب اغراض و مقاصد کی جماعتوں کے درمیان تعاون پیدا کر کے دستور حکومت کو حتی الامکان ملک کے لیے مفید بنا دے اور چوں کہ مسلمانوں کی تقویت و استحکام اور صوبجاتی حکومتوں میں مناسب و مؤثر حصہ حاصل کرنے کے لیے ان کی ایسی جماعتی وحدت ضروری ہے جو کسی ترقی پسندانہ پروگرام کی حامل ہو۔ لہٰذا ان خیالات کے پیشِ نظر یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ آنے والے صوبجاتی انتخابات میں انتہائی سرگرمی اور جدوجہد کے ساتھ شرکت کی جائے۔ چناں چہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مسٹر جناح کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی صدارت میں ایک ایسا مرکزی انتخابی بورڈ قائم کریں جس کے ممبروں کی تعداد 35 سے کم نہ ہو اور اس کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ مختلف صوبجات میں صوبجاتی انتخابی بورڈوں کی تشکیل کے ساتھ ہی مرکز کے ساتھ ان کا الحاق بھی کر سکے اور ہر صوبے کے مخصوص حالات کے مطابق مندرجہ صدر مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مناسب ذرائع اور وسائل تجویز کیے جائیں۔''

اس فیصلہ کے مطابق جون 1936ء میں مسلم لیگ کا ایک سنٹرل پارلیمنٹری بورڈ معرضِ وجود میں آ گیا اور لیگ کی قرارداد ہدایات کے مطابق مختلف صوبجات میں صوبجاتی بورڈ قائم ہو گئے، لیکن کسی سابقہ تیاری اور موجودہ تنظیم کی عدم موجودگی کے باعث اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا کوئی آسان کام نہ تھا اور بالخصوص ایسے حالات میں صوبجاتی انتخابات میں مقابلہ کرنا بھی بے حد دشوار تھا جب کہ مسلمان بحیثیت تعداد اقلیت میں ہونے کے ساتھ ہی تعلیمی اعتبار سے پس ماندہ اور اقتصادی لحاظ سے بالکل ناکارہ اور ناقابلِ ذکر ہوں۔ ان کی معاشرتی اور اقتصادی اصلاح پر کبھی توجہ نہ کی گئی ہو اور ہمارے مقابلے میں ملک کی ہمسایہ اقوام ایک باقاعدہ پروگرام کے ماتحت تنظیم و ترقی کی بیشمار منازل طے کر چکی ہوں اور بالخصوص ہندو قوم اکثریت میں ہونے کے ساتھ ہی تربیت ضبط، تعلیم، تجارت اور مالی اعتبار سے بہت آگے نکل چکی ہو۔

لیکن یہاں پر میں اس بات کا ذکر کر دینا نہایت ضروری خیال کرتا ہوں کہ انتخابات کے اختتام سے قبل چھ ماہ کا کام بہ اعتبار نتائج بے حد حوصلہ افزا ثابت ہوا اس لیے ہمیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان تمام صوبجات میں جہاں پارلیمنٹری بورڈ اور لیگی پارٹیاں بنائی گئی تھیں وہاں پر کم و بیش ساٹھ

ستر فیصدی لیگی امیدوار کامیاب ہو گئے اور انتخابات کے اختتام کے بعد میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ مدراس سے لے کر شمال مغربی سرحدی صوبے تک اب ہر صوبے میں ڈسٹرکٹ لیگیں قائم ہو چکی ہیں۔ گزشتہ اپریل سے مسلمانانِ ہند بہ تعداد کثیر لیگ کے گرد جمع ہو رہے ہیں اور مجھے اس بات کا یقین ہے کہ جونہی انھوں نے مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام پر متفق ہو کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گے۔ مسلم لیگ ہندوستان کے لیے مکمل نیشنل ڈموکریٹک سیلف گورنمنٹ (قومی و جمہوری حکومت خود اختیاری) کی طلبگار ہو گی۔ نادان و نافہم عوام کے استعمال کے لیے مختلف النوع ترکیبات مثلاً پورنا سوراج، حکومتِ خود اختیاری، مکمل آزادی، ذمّہ دار حکومت، آزادی کا خلاصہ اور مستعمراتی درجہ وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کی جا رہی ہیں۔ بعضے ایسے لوگ بھی ہیں جو مکمل آزادی کا ذکر کر رہے ہیں۔ لیکن گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کو ہاتھ میں لے کر مکمل آزادی کا تذکرہ بے کار ہے۔ جو لوگ زیادہ شدت کے ساتھ مکمل آزادی کا ذکر کر رہے ہیں، وہی فی الحقیقت اس سے ناآشنا ہیں۔ کیا گاندھی ارون معاہدہ مطالبۂ مکمل آزادی کے مطابق تھا؟ کیا صوبجاتی آئین پر عمل پیرا ہونے اور وزارتوں کو قبول کرنے سے قبل جو وعدے لیے جا رہے تھے، وہ پورنا سوراج کے مطابق تھے اور جب حکومت نے یہ یقین نہ دلایا تو کیا عہدوں کو قبول کرنے اور اس صوبجاتی دستور پر عمل پیرا ہونے کی قرارداد جس کو حکومت برطانیہ نے تیار کر کے شاہی اقتدار کے بل پر اہلِ ہند پر مسلط کر دیا تھا۔ کانگریس پارٹی کے پروگرام، پالیسی اور اعلان کے مطابق تھا؟ کیا آئین کو تباہ کرنے کا مطلب اس پر عمل پیرا ہونا ہے؟ اس قسم کے کاغذی اعلانات، نعرے اور دعوے ہمیں کہیں بھی نہ لے جائیں گے۔ ہندوستان کے لیے ایک کامل متحدہ محاذ اور دیانتِ مقصد کی ضرورت ہے اور اس کے بعد جب عوام کی حکومت عوام کے ذریعہ سے اور عوام کے لیے ہو گی۔ تو اس کے نام کے متعلق ہمیں چنداں متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔ نام خواہ کچھ بھی ہو، ہمیں تو کسی ایسے ہی نظامِ حکومت کی ضرورت ہے۔

کانگریس کے موجودہ لیڈروں نے خاص کر گزشتہ دس سال کے اندر ایسی ہندوانہ پالیسی اختیار کی ہے جو مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کے لیے ذمّہ دار ہے اور جب سے ہندوستان کے چھ صوبوں کے اندر انھوں نے اپنی اکثریت کی بنا پر حکومتیں قائم کی ہیں۔ انھوں نے اپنے قول، فعل اور پروگرام سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہرگز عدل و انصاف سے کام نہیں لیں گے۔ جہاں کہیں وہ اکثریت میں ہیں اور جہاں کہیں انھیں یہ مفید معلوم ہوا اُنھوں نے مسلم لیگی پارٹیوں کے ساتھ تعاون سے انکار کر دیا اور اُن سے غیر مشروط حوالگی اور ان کے مرتبہ معاہدات پر دستخط کرنے کا مطالبہ کیا۔

کانگریس کا مطالبہ یہ تھا کہ اپنی پارٹی کو توڑ دو۔ اپنی پالیسی اور پروگرام کو ترک کر دو اور مسلم لیگ کا بالکل خاتمہ کر دو (1) اور جہاں انھوں نے صوبہ سرحد کی طرح یہ محسوس کیا کہ اُن کی اکثریت موجود نہیں تو وہاں پر اجتماعی ذمّہ داری کا مقدس اصول غائب ہو گیا اور کانگریس پارٹی کو کسی دوسری جماعت کے ساتھ تعاون کی اجازت دے دی گئی۔ (2) اگر کسی مسلمان نے منفرداً اپنے آپ کو کانگریس پارٹی کے حوالے کر کے اس کے عہد نامہ پر دستخط کر دیے تو اس کو وزارت کا عہدہ عطا کر کے مسلمان وزیر کی حیثیت سے دکھایا گیا۔ (3) حالاں کہ ایسے مسلمانوں کو اسمبلی کے مسلمان نمائندوں کی اکثریت کا اعتماد و اعزاز ہرگز حاصل نہ تھا۔ ایسے لوگوں کو اُن کی ''وفادارانہ'' خدمات غیر مشروط حوالگی اور کانگریسی معاہدات پر غیر مشروط دستخط کرنے کے حیلے میں مسلم وزرا کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے اور ان کو اُن کی غداری کے مطابق معاوضہ بھی دے دیا جاتا ہے۔ ہندی تمام ہندوستان کی قومی زبان ہوگی۔ (4) بندے ماترم اس کا قومی ترانہ ہو گا (5) اور اس کو جبراً ہر جگہ مسلط کیا جائے گا۔ ہر کس و ناکس کو کانگریسی جھنڈے کی تعظیم و تکریم کرنی پڑے گی۔ (6) ان قلیل و بے بضاعت اختیارات و ذمّہ داری کی ابتدائی منزل میں ہی ہندوؤں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کے لیے رہے اور صرف کانگریس ہی ایک ایسی جماعت ہے جس نے قومیت کا بہروپ بھر لیا ہے۔ لیکن ہندو مہا سبھا بالکل بے نقاب ہو گئی ہے۔ میں یہ نہایت زور کے ساتھ بتا دینا چاہتا ہوں کہ کانگریس کی اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جماعتی نفرت اور فرقہ وارانہ فسادات کے لیے سازگار حالات پیدا ہو کر برطانوی ملوکیت کی گرفت مضبوط تر ہو جائے۔ میں نہایت جرأت کے ساتھ یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس باب میں حکومت برطانیہ کانگریس کو کھل کھیلنے کی اجازت دے دے گی اور یہ کچھ اس کے لیے کوئی بڑی بات بھی نہیں۔ بلکہ بے حد مفید ہے بشرطیکہ اس کے ملوکانہ اقتدار و مفاد پر کوئی اثر نہ پڑے اور اس کا حفاظتی نظم و نسق بدستور برقرار رہے۔ لیکن میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ جس وقت کانگریس نے اہلِ ہند کے اندر زیادہ سے زیادہ اختلافات پیدا کر کے متحدہ محاذ کا کوئی امکان نہ چھوڑا تو انجام کار ایک نہایت خوفناک ردِّعمل شروع ہو جائے گا۔

یہاں پر یہ ذکر کر دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ اس قسم کی پالیسی سے جو تباہ کن نتائج پیدا ہوں گے ان کی ذمّہ داری سے حکومت برطانیہ بھی اپنے آپ کو بری الذمّہ قرار نہ دے سکے گی۔ یہ نہایت واضح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آئین کے ماتحت گورنروں اور گورنر جنرل کو اقلیتوں کی حفاظت کے لیے جو خاص ذمّہ داری عطا کی گئی تھی وہ اس کے استعمال میں نہایت بری طرح ناکام رہے ہیں (7) اور مسلم وزرا کے تقرر کے معاملہ میں بھی وہ دستور حکومت اور حکومت برطانیہ کی خاص ہدایات کی خلاف ورزی میں کانگریس کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ (8) حالاں کہ جس وقت کانگریس پارٹی نے گورنروں کے مخصوص اختیارات

کے استعمال کے متعلق حکومت برطانیہ سے یہ وعدہ حاصل کرنے کی کوشش کی کہ انھیں استعمال نہیں کیا جائے گا تو اس وقت وزیر ہند لارڈ زیٹ لینڈ نے ان اختیارات کے استعمال اور اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت پر بطور خاص زور دیا تھا۔[9] اس کے برعکس وہ مسلمانوں کو بطور مسلمان وزرا مقرر کرنے میں کانگریس کے ساتھ برابر کے شریک ہیں حالاں کہ انھیں اس بات کا علم ہے کہ اسمبلیوں کے اندر یا باہر مسلمان نمائندوں کی حیثیت سے انھیں کوئی عزت حاصل نہیں۔ اگر اقلیتوں کی حفاظت کے لیے حکومت برطانیہ کی اختیار کردہ مقدس ذمہ داری کی انجام دہی میں گورنر بالکل بے بس اور نااہل ثابت ہوئے ہیں تو کیا ایسے سیکڑوں معاملات میں جو عوام کے علم میں نہیں آئیں گے یا اسمبلیوں اور روزمرہ کے نظم ونسق میں ان کے متعلق کسی کو علم بھی نہیں ہوگا۔ وہ حفاظت کے فرائض انجام دے سکیں گے؟ اس معاملہ میں حالاتِ زمانہ ہمیں کسی اور طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان خوشگوار سبق کو بہت جلد سیکھ لیں کہ ان حالات میں ان کا راستہ بالکل صاف ہے۔ انھیں یہ محسوس کر لینا چاہیے کہ انھیں اپنے آپ کو باقی ہر قسم کے خیالات سے خالی الذہن ہو کر یکسوئی کے ساتھ منظم کرنے اور اپنی تمام قوتوں کو ایک مرکز پر لانے کا وقت آ گیا ہے۔ میں اس سے قبل یہ اشارہ کر چکا ہوں کہ مسلمان باہم منقسم ہیں اور ان میں ایک ایسی جماعت موجود ہے جو اپنی نجات کے لیے حکومت برطانیہ کے سہارے کی منتظر ہے۔ اگر اب بھی انھیں تلخ تجربات سے سبق حاصل نہیں ہوا تو وہ اس کے بعد کبھی بیدار نہ ہو سکیں گے۔ خدا انھیں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کر سکیں۔ ایک دوسری جماعت وہ ہے جو کانگریس سے امداد و حمایت کی طلبگار ہے۔ ان کے اس خیال کی وجہ یہ ہے کہ اسے اپنی ذات پر کوئی اعتماد نہیں رہا۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان اپنے اوپر اعتماد کرنا اور اپنی تقدیر کو اپنے ہاتھ میں لینا سیکھیں۔ ہمیں ایسے راسخ العقیدہ، اہل ہمت اور اصحابِ عزم کی ضرورت ہے جو اپنے معتقدات کی حفاظت کے لیے تمام دنیا کے مقابلے میں تن تنہا ڈٹ جانے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں۔ ہمیں طاقت اور عزم پیدا کرنا چاہیے اور یہ طاقت و عزم مسلمانوں کے باہمی انضباط، اتحاد اور وحدت کے بغیر حاصل نہ ہو سکے گا۔

چوں کہ کسی صاحبِ اختیار ہندو لیڈر کی طرف سے مفاہمت کے لیے کسی مخلصانہ خواہش اور دلچسپی کا اظہار نہیں ہو رہا۔ اس لیے ہندوؤں کے ساتھ کسی سمجھوتے کا کوئی امکان نہیں۔ معززانہ مفاہمت صرف مساوی الحیثیت جماعتوں کے درمیان ہی ممکن ہو سکتی ہے اور جب تک فریقین میں باہمی عزت اور احترام کا جذبہ پیدا نہ ہو۔ کسی مفاہمت کے لیے کوئی ٹھوس زمین تیار نہیں ہو سکتی۔ کمزور فریق کی طرف سے دعوت مصالحت کا مطلب ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو اپنی کمزوری اور ضعف کا اقرار ہے اور وہ فریق ثانی کے غضب وسلب کا تختۂ مشق بننے کے لیے تیار ہے۔ حب وطن، عدل، انصاف اور مروت کی تمام اپیلیں بے

اثر ثابت ہوتی ہیں۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے کسی خاص سیاسی شعور کی ضرورت نہیں کہ جب تک تحفظات و مفاہمت کی پشت پر طاقت موجود نہیں ہوگی، وہ محض کاغذ کے پرزے ثابت ہوں گے۔ سیاسیات کا مطلب طاقت ہے اور یہ نہیں کہ عدل، انصاف اور مروت کی فریادوں پر بھروسہ کیا جائے۔ آپ اقوامِ عالم اور ان کے روزمرہ کے واقعات سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ آپ چین، اسپین اور فلسطین کے اندوہناک واقعات پر غور کریں۔ میں آخرالذکر کا تذکرہ عنقریب کروں گا۔

کانگریس ہائی کمان مختلف آوازوں کے ساتھ بول رہی ہے۔ ایک حلقے کی رائے یہ ہے کہ یہاں پر ہندو مسلم سوال اور اقلیتوں کا کوئی جھگڑا نہیں۔ دوسرے بلند خیال طبقے کی رائے یہ ہے کہ اگر اس وقت غیر منظم اور بے بس مسلمانوں کے روبرو چند ٹکڑے پھینک دیے جائیں تو ان کو اپنا مطیع و منقاد بنایا جا سکتا ہے۔ اگر اُن کا یہ خیال ہے کہ اس وقت کسی چیز کو مسلط کیا جا سکتا ہے تو وہ یقیناً ایک افسوسناک غلطی میں مبتلا ہیں۔ اب آل انڈیا مسلم لیگ نے زندہ رہنے اور سیاسیاتِ ہند میں اپنا سکہ جمانے کا عزم کر لیا ہے۔ اس لیے اس حقیقت کا جس قدر جلد احساس کر لیا جائے گا وہ تمام جماعتوں اور مفادوں کے لیے اسی قدر مفید رہے گا۔ تیسرے حلقے کی رائے یہ ہے کہ اس ناقابلِ گزر تاریکی میں روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی لیکن جوں جوں کانگریس کو طاقت اور قوت حاصل ہوتی جاتی ہے، وہ سابقہ کورے چیکوں کو پُر کرنے کے وعدے کو فراموش کرتی جا رہی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ ان حالات پر غور کرنے کے بعد مسلمانانِ ہند ایک ایسی معین اور ہمہ گیر پالیسی کے ذریعہ سے اپنی تقدیر کا فیصلہ کر لیں جس پر تمام ہندوستان میں نہایت وفاداری کے ساتھ عمل کیا جائے۔ کانگریسی مسلمانوں کی طرف سے غیر مشروط حوالگی کی تبلیغ بے حد خطرناک ہے۔ یہ شکست خوردہ ذہنیت کی انتہا ہے کہ اپنے آپ کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں اور مسلمان قوم کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی بڑی غداری نہیں ہو سکتی اور اگر پالیسی کو اختیار کر لیا گیا تو میں آپ کو بتا دوں کہ مسلمان اپنے مستقبل کا اپنے ہاتھوں سے خاتمہ کر لیں گے اور ملک کی قومی زندگی اور حکومت میں وہ اپنے جائز حقوق سے محروم ہو جائیں گے۔ صرف ایک چیز مسلمانوں کی حفاظت اور ان کے کھوئے ہوئے وقار کی بحالی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ انھیں چاہیے کہ وہ سب سے پہلے اپنی روحوں کو مسخر کر کے اپنی ان عظیم الشان روایات و اصول وحدت پر قائم ہو جائیں جو اُن کی سیاسی جماعت بندی کا طغرائے امتیاز ہیں۔ اگر مسلمانوں کو فرقہ پرست، ٹوڈی اور رجعت پسند کہا جاتا ہے تو آپ اس کی پروا نہ کریں۔ اگر کوئی بدترین ٹوڈی اور مذموم ترین فرقہ پرست آج اپنے آپ کو غیر مشروط طور پر کانگریس کے حوالے کر کے اپنے بھائیوں کو سب و شتم کا نشانہ بنالے تو وہ قوم پرستوں کا تاجدار بن جاتا ہے۔ ان اصلاحات الفاظ اور گالیوں کا مقصد یہ ہے کہ

مسلمانوں کے اندر احساس کہتری پیدا کر کے ان کو کمزور و بزدل بنایا جائے اور ہمارے اندر اختلافات پیدا کر کے ہمیں دنیا میں بدنام کیا جائے۔ ...... کا معیار ہے جس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی طے شدہ اور معین پالیسی یہ ہے کہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق و واجبات کی مؤثر حفاظت کی جائے۔ اس کا بنیادی اور سب سے بڑا اصول ہے۔ یہی اس کی زندگی کا نصب العین ہے۔ چناں چہ یہی وجہ ہے کہ مسلم لیگ اور اس کے حلیفوں سے کانگریس سخت ناراض ہو رہی ہے اور اس کے علاوہ ہے کیا جس پر کانگریس کو اعتراض ہے؟ کانگریس بعینہٖ وہی کچھ کر رہی ہے جس کے متعلق ہم نے آج سے دو سال قبل فیصلہ کیا تھا۔ لیگ اس بات کی ہرگز اجازت نہ دے گی کہ حکومت برطانیہ یا اسمبلیوں کے اندر اور باہر کوئی دوسری جماعت ان کے مفاد کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔ کانگریس نے اپنے گزشتہ دعاوی کے باوجود مسلمانوں کے لیے اب تک کچھ نہیں کیا۔ یہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو حفاظت کا یقین دلانے میں سخت ناکام رہی ہے۔ کانگریس کی طرف سے مسلمانوں میں رابطہ عوام پیدا کرنے کی فریب آلود کوشش کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ ان میں اختلاف پیدا کر کے ان کو کمزور بنایا جائے اور ان کو اپنے قابلِ اعتماد لیڈروں سے برگشتہ کر دیا جائے۔ یہ نہایت خطرناک تحریک ہے لیکن کوئی شخص اس سے گمراہ نہیں ہو سکتا۔ (10) مختلف النوع دلفریب دعوؤں اور نعروں کے باوجود اس قسم کی چالیں کامیاب نہ ہو سکیں گی۔ اقلیتوں کے ساتھ انصاف کے بغیر کوئی دیانتدارانہ اور سیدھا راستہ نہیں ہو سکتا۔ بھوک اور افلاس کے متعلق اس تمام شور کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں سوشلزم اور کمیونزم کا بیج بویا جائے حالاں کہ وہ اس کے لیے تیار نہیں۔ بحالاتِ موجودہ حکومت کے خلاف براہ راست کارروائی کی پالیسی مسلم لیگ کے نزدیک بالکل فضول اور خودکشی کے برابر ہے۔ اس قسم کی دو کوششیں اب تک ناکام ہو چکی اور ان کے باعث لوگوں کو کافی مصیبت اور پریشانی کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ چناں چہ بیس سال کے تجربہ کے بعد ان کو ترک کرنا پڑا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم پر ایک زیادہ رجعت پسندانہ دستور مسلط کیا گیا اور لطف یہ ہے کہ اب کانگریس اس پر عمل پیرا ہے۔

ایک قرارداد کے ذریعے سے گورنر جنرل سے یہ درخواست کرنا کہ وہ وزیر ہند کو ہمارے اس مطالبہ سے مطلع کر دیں کہ حق رائے دہی بالغان کی بنا پر ایک مجلسِ دستور ساز کی معرفت ہندوستان کے آئندہ آئین کا خاکہ تیار کرا لیا جائے۔ یہ بے خبری کی انتہا ہے اس سے یہ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس قسم کا مطالبہ پیش کرنے والے واقعات و حقائق سے کس قدر ناآشنا ہیں۔ دستوری اسمبلی کے قیام کا حق صرف کسی والیٔ ملک یا تاجدار کو حاصل ہے۔ شاہی اختیار کی معرفت ایسے نمائندگانِ ملک کی ایک مخصوص

جماعت منتخب کر لی جائے جو اپنی مرضی کے مطابق ملک کا دستور مرتب کر دیں۔ اس کے بعد ان کا کام ختم ہو جاتا ہے اور ان کا مرتبہ دستور ملک کے آئین حکومت کی حیثیت سے نافذ ہو جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حق رائے دہی بالغان کی بنا پر حلقہ ہائے انتخاب کو معین کون کرے گا اور اس بنا پر معین شدہ حلقہ ہائے انتخاب نمائندوں کی کس قدر تعداد کو منتخب کریں گے اور ایسے حلقہ ہائے انتخاب میں اقلیتوں کا حشر کیا ہوگا؟ اور حلقہ ہائے انتخاب کے اندر یہ شعور کیوں کر پیدا ہو سکے گا کہ انھیں اس وسیع و عریض ملک کے دستور مرتب کرنے والی مخصوص جماعت کو کس طرح منتخب کرنا چاہیے اور جماعت بھی وہ جماعت جس کو ترتیب دستور کا کلّی اختیار حاصل ہوگا؟ اس مشینری کو کون چلائے گا جو اس مخصوص جماعت کو انتخاب کرے گی جس کو اپنی مرضی کے مطابق تشکیل دستور کا اختیار حاصل ہوگا؟ اور انجام کار یہ کہ اس جماعت میں اقلیتوں کی حیثیت کیا ہوگی؟ کیا کانگریس کو واقعی یہ یقین ہے کہ وزیر ہندان تمام مطالبات وضروریات کو پورا کر دے گا۔ حالاں کہ ابھی چند روز ہوئے کہ ہندوستان میں حکومتِ برطانیہ کے سب سے بااختیار اور بڑے نمائندے یعنی ہز ایکسیلنسی وائسرائے نے اپنی تقریر میں یہ کہا تھا کہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ہندوستان کو مستقبل قریب میں فیڈریشن حاصل ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ جب یہی وائسرائے ہندوستان آیا تھا تو اس نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ فیڈریشن کی اسکیم بحیثیت مجموعی اس قدر اچھی ہے کہ صوبجاتی آئین کے نفاذ کے بعد یہ بہت جلد رائج ہو جائے گی اور اب گزشتہ ڈیڑھ سال کے تجربہ نے اس کے اس یقین کو اور بھی پختہ اور مستحکم کر دیا ہے اور اس کو یہ یقین ہے کہ ایک معقول عرصے کے اندر فیڈریشن قائم ہو جائے گی۔

اگر ملک کا بحیثیت مجموعی مطالعہ کیا جائے تو تا حال کانگریس اس قابل نہیں کہ وہ عنانِ نظم ونسق سنبھال سکے اور یہ حقائق کی نہایت دلچسپ تضحیک ہے کہ حکومت برطانیہ سے یہ توقع کی جائے کہ وہ دستوری اسمبلی قائم کرے گی اور جہاں تک کانگریس کا سوال ہے وہ اس صلاحیت سے قطعی طور پر بے بہرہ ہے۔ اس مقصد کے لیے یہ ضروری ہے کہ کانگریس سب سے پہلے ملک کی تمام قابلِ ذکر جماعتوں اور مفادوں کو یکجا کر کے اپنے سائے تلے لے آئے۔ ورنہ ایک غیر ملکی حکومت سے جو اس وقت ملک کے اندر صاحبِ اختیار ہے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ فرقہ وار مسئلہ کے حل یا تمام جماعتوں کی طرف سے کانگریس کے اقتدار کے اقرار کے بغیر کوئی ایسا قدم اٹھائے گی۔ بعینہٖ ایسا ہے جیسا کہ گاڑی کو گھوڑے کے آگے کھڑا کر دیا جائے۔ اس بات کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ہندوستان کا ایک تہائی حصہ ہندوستانی ریاستوں اور والیانِ ریاست پر مشتمل ہے اور ان کا نقطۂ نگاہ بالکل مختلف ہے۔

بے کار کوششوں کے بجائے بہتر یہ ہے کہ کانگریس پوری یکسوئی کے ساتھ اس بات کو سمجھ لے کہ

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء میں جو فیڈرل سکیم پیش کی گئی ہے وہ رائج الوقت آئین کے مقابلہ میں بھی بدرجہا رجعت پسندانہ ہے۔ اس لیے اس کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ حکومت برطانیہ کے نمائندوں کی طرف سے اس کے نفاذ کے متعلق جو دعوے کیے جارہے ہیں ان کو عملی جامہ پہننے نہ دیا جائے۔ اس باب میں کانگریس کیا کر رہی ہے؟ کیا اس کا یہ خیال ہے کہ وہ تنہا آپ پارٹی کی حیثیت سے اس کے نفاذ کو روک دے گی؟ یا کوئی اور فارمولا بنا لیا جائے گا اور کانگریس اس کو بھی صوبجاتی آئین کی طرح اپنے سرکردہ لیڈروں کی مخالفانہ غوغا آرائی کے باوجود قبول کر لے گی؟ (11)

اب میں مسئلہ فلسطین کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں، اس کا تمام مسلمانانِ ہند پر نہایت گہرا اثر پڑا ہے۔ حکومت برطانیہ کی عام پالیسی یہی ہے کہ اس نے شروع سے لے کر آخر تک عربوں کو دھوکا دیا ہے۔ برطانیہ نے اپنے اس وعدے کو پورا نہیں کیا، جو جنگ عظیم کے دباؤ کے ماتحت کیا گیا تھا اور جس میں یہ کہا گیا تھا کہ عربوں کو مکمل آزادی کی گارنٹی دی جاتی ہے اور ایک بین الاعراب وفاق کی تشکیل کا اعلان کیا جاتا ہے۔ عربوں کی سریع الاعتقادی سے پورا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ عربوں کو جھوٹے وعدے دے کر ان کو استعمال کرنے کے بعد برطانیہ نے بدنام خلائق اعلان بالفور (12) کے ذریعے سے اپنے آپ کو ان پر مسلط کر دیا اور یہودیوں کے لیے ایک قومی وطن بنانے کی پالیسی کے بعد اب برطانیہ فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہے اور رائل کمیشن کی سفارشات نے اس المناک داستان کا آخری باب لکھ دیا ہے (13) اور اگر اس کو نافذ کر دیا گیا تو عربوں کے اپنے وطن میں ان کی تمام تمناؤں اور آرزوؤں کا خون ہو جائے گا اور اب ہمیں یہ کہا جارہا ہے کہ ہم اصل واقعات پر غور کریں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حالات پیدا کس نے کیے ہیں؟ یہ برطانوی مدبرین کی پیداوار ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جمعیۃ الاقوام رائل کمیشن کی سفارشات کی تائید نہیں کرے گی اور خدا کرے ان کی تائید نہ کی جائے اور اصل حالات کا از سرِنو جائزہ لیا جائے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا عربوں کو ان کا صلہ دینے کے لیے یہ کوئی دیانتدارانہ کوشش ہے؟ میں حکومت برطانیہ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر اس نے مسئلہ فلسطین کا جرأت، دلیری اور انصاف کے ساتھ فیصلہ نہ کیا تو یہ حکومت برطانیہ کی تاریخ میں ایک جدید انقلاب کا دروازہ کھول دے گا۔ میں صرف مسلمانانِ ہند کی نہیں بلکہ اس معاملہ میں مسلمانانِ عالم کی ترجمانی کر رہا ہوں اور تمام انصاف پسند اور فکر مند اصحاب اس بات میں میری تائید کریں گے، جب میں یہ کہوں گا کہ اگر برطانیہ نے اپنے ان مواعید، عزائم اور اعلانات کو جو زمانہ قبل و بعد از جنگ تمام دنیا کے روبرو غیر مشروط طور پر عربوں کے ساتھ کیے گئے تھے، پورا نہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھود رہا ہے۔ میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ عربوں کے اندر نہایت شدید احساس پیدا ہو چکا ہے اور حکومت برطانیہ جھلا کر اور جوش میں آ کر

اعرابِ فلسطین کے خلاف نہایت سخت تشدد کے استعمال پر اُتر آئی ہے۔ مسلمانانِ ہندوستان عربوں کے اس منصفانہ اور جرأت آموزانہ جہاد میں ان کی ہر ممکن امداد کریں گے۔ چناں چہ آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے میں ان کو یہ پیغام بھیجنا چاہتا ہوں کہ اس منصفانہ جنگ میں وہ جس عزم، ہمت اور حوصلے کے ساتھ لڑ رہے ہیں وہ انجام کار کامیاب ہوکر رہیں گے۔

میں ہندوستان کے ہر شہر، تحصیل، ضلع اور صوبے کے مسلمانوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ عوام کی بہبود و فلاح کے لیے تعمیری اور ترقی پسندانہ پروگرام بنائیں اور مسلمانوں کی معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی ترقی کے لیے مناسب ذرائع اور وسائل اختیار کریں۔ میں ملک یا صوبوں کی فلاح و ترقی کے لیے کام کرنے والی جماعتوں کے ساتھ تعاون سے قطعاً گریز نہیں کرتا۔ میں آپ حضرات سے یہ درخواست اور اپیل کرتا ہوں کہ تمام مرد، عورتیں اور بچے آل انڈیا مسلم لیگ کے متحدہ پروگرام اور جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ ڈسٹرکٹ پراونشل اور آل انڈیا مسلم لیگ میں سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں بہت جلد بھرتی ہو جاؤ۔ اپنے آپ کو منظم کر کے اپنے اندر وحدتِ مقصد و خیال پیدا کرو اور اپنے آپ کو تربیت یافتہ اور ضبط آشنا سپاہیوں کی طرح آراستہ کرلو۔ اپنے اندر اخوت و رفاقت کے جذبات پیدا کرو۔ اپنے ملک اور قوم کے لیے وفا اور دیانتداری کے ساتھ بے لوث قربانیاں کرو۔ صنعت، مشقت اور قربانی کے بغیر کوئی فرد اور کوئی قوم ترقی نہیں کرسکتی۔ ملک کے اندر اس قسم کی طاقتیں موجود ہیں جو تمھیں پریشان اور سرگرداں کریں اور تمھیں ہر قسم کی مشکلات کو برداشت کرنا پڑے اور انھی قربانیوں اور آگ کے امتحان سے نکل کر آپ اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں اور اس طرح اپنے معتقدات و عزائم پر سختی کے ساتھ قائم رہ کر ہی کوئی قوم اپنی سابقہ شاندار روایات کو برقرار رکھ سکتی ہے اور یہی وہ چیزیں ہیں جو تاریخ عالم میں ہندوستان کے نام کو روشن کرسکتی ہیں۔ ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کو خائف ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان کی تقدیر ان کے اپنے ہاتھ میں ہے اور وہ ایک متحد، ٹھوس اور منظم طاقت کی حیثیت سے ہر خطرے اور ہر مزاحمت کا متحدہ محاذ کے ذریعہ سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ تمھارے اپنے ہاتھوں میں ساحرانہ قوت موجود ہے۔ اب تمھیں اپنے اہم فیصلوں پر ڈٹ جانا چاہیے۔ یہ نہایت اہم، ضروری اور نتیجہ خیز ہیں۔ کسی فیصلہ سے قبل ایک ہزار بار غور کرو لیکن جس وقت کوئی فیصلہ ہو جائے تو اس پر شخص واحد کی طرح جم جاؤ۔ آپ کو صداقت شعار اور وفادار رہنا چاہیے۔ بس اس کے بعد کامیابی اور فتح آپ کے پاؤں چومے گی!

حواشی

1۔ چودھری خلیق الزماں اور نواب اسمٰعیل خاں کے سامنے مولانا آزاد نے یہی شرط رکھی تھی، جسے ان دونوں بزرگوں نے مسترد کر دیا تھا۔

2۔ صوبہ سرحد اور آسام میں یہی ہوا۔

3۔ مثلاً یو پی میں حافظ ابراہیم، بمبئی میں مسٹر نوری، سی پی میں مسٹر شریف، اُن میں سے کوئی کبھی کانگریسی نہیں رہا تھا، لیکن وزارت نے کانگریسی بنا دیا۔

4۔ کانگریسی حکومتیں صوبوں میں اس پر عامل تھیں۔

5۔ جس سے مسلمان سخت متنفر تھے، کیوں کہ بنکم چندر چڑ جی نے مسلمانوں کی حکومت اور اقتدار کے خلاف جو ناول لکھا تھا، یہ ترانہ اس سے لیا گیا تھا۔ نیز اس میں دیویوں اور دیوتاؤں سے دعا کی گئی تھی۔ ظاہر ہے اس مشرکانہ نغمہ کو مسلمان نہیں اپنا سکتے تھے۔

6۔ مسلمانوں نے اسے اپنا قومی پرچم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

7۔ حالاں کہ انھوں نے حلف اٹھایا تھا کہ وہ ایسا نہیں کریں گے۔

8۔ کیوں کہ یہ مسلم وزرا کسی کے، حتیٰ کہ اپنے آپ تک کے نمائندے نہیں تھے۔

9۔ لارڈ زٹلینڈ، وزیر ہند۔

10۔ ''مسلم ماس کنٹیکٹ''۔ یعنی مسلم رابطۂ عوام تحریک۔ یہ جواہر لال نہرو کی ایجاد تھی، لیکن چوں کہ اس کی پشت پر عمل نہیں تھا، لہٰذا ناکام ہوئی۔

11۔ کانگریس نے اگر یہ صحیح راستہ اختیار کیا ہوتا تو بلاشبہ تعاونِ باہمی کی راہ نکل آئی ہوتی۔

12۔ لارڈ بالفور نے حکومت برطانیہ کی طرف سے پہلی جنگ عظیم ختم ہونے کے بعد گزشتہ مواعید کے برعکس فلسطین کو وطن الیہود بنانے کا اعلان کیا تھا۔

13۔ اس رائل کمیشن نے تقسیم کی سفارش کی تھی۔

1938ء

جب قائداعظم نے ملتِ اسلامیہ کو بتایا:

فرد و قوم آئینۂ یک دیگراند
سلک و گوہر، کہکشاں و اختراند
فرد می گیرد، ز ملت احترام
ملت از افراد می یابد نظام!

فرد تا اندر جماعت گم شود
قطرۂ وسعت طلب قلزم شود

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اسٹریچی ہال میں تقریر!

کانگریس اور مسلمان!

5 فروری 1938ء

یہ تقریر قائداعظم نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اسٹریچی ہال میں یونین کی طرف سے منعقد شدہ ایک جلسے میں ارشاد فرمائی تھی۔

قائداعظم کی یہ تقریر حسبِ معمول ہمہ جہتی ہے۔ اس میں سیاسیات ملی وملکی کے مختلف گوشوں پر انھوں نے اپنی عدیم النظیر فراست، ذہانت اور قابلیت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور بعض ایسے گوشوں کو بے نقاب کیا ہے جو بہت کم لوگوں کی نظر میں تھے۔

اس تقریر کا خاص پہلو یہ ہے کہ اس میں قائداعظم نے اپنے ان مساعی اتحاد پر بھی روشنی ڈالی ہے جو اپنی سیاسی زندگی کے آغاز سے لے کر آخر وقت تک کرتے رہے تھے۔

رئیس احمد جعفری

جنابِ صدر! آپ نے کہا ہے مسلمان آزاد پیدا ہوتا ہے۔ وہ کب آزاد تھا؟ کم از کم اس ملک میں تو ہم ڈیڑھ سو سال سے غلام ہیں۔ میں آپ کو مایوس نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ مسلم نوجوان ''ادراک پیری'' سے استفادہ کرنے پر تیار ہیں۔ محض ہوحق اور نعروں کے بجائے عملی ذمّہ داریوں کو وہ محسوس کرنا چاہتے ہیں۔

قائداعظم نے میثاق لکھنؤ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ انھوں نے اس کے لیے کیا مساعی کی تھیں اور کانگریس سے کس قدر قریبی تعاون کیا تھا۔ آپ نے بتایا کہ مسلمانانِ ہند آزادی کی جدوجہد میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ کامل حکومت خود اختیاری کی تمناؤں میں کانگریس سے ان کا کوئی اختلاف نہ تھا۔ اس وقت کانگریس اور لیگ دونوں کا بنیادی اصول یہ تھا کہ دستور میں، وہ جس قسم کا بھی ہو اور جس کسی کا مدوّن کیا ہوا ہو، تمام اقلیتوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ کیا جائے۔ 1924ء سے گول میز کانفرنس کے انعقاد

تک ہندو مسلم سوال کے حل کی متعدد کوششیں کی گئیں۔

نہ معلوم اس وقت میری خودداریوں کو کیا ہو گیا تھا کہ میں کانگریس کے سامنے ہاتھ پھیلایا کرتا تھا۔ میں نے اس مسئلہ کے حل کے لیے اتنی انتھک اور مسلسل کوششیں کیں کہ ایک روزنامے نے اس پر لکھا، ''مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے سوال سے کبھی بیزار نہیں ہوتے۔'' لیکن گول میز کانفرنس کے اجلاسوں میں مجھے اپنی زندگی کا سب سے بڑا دھکا لگا ہے۔ خطرہ نمودار ہوتے ہی ہندو دل و دماغ، ہندو جذبات اور ہندو روش نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ بالآخر اتحاد کی توقع ہی اٹھ گئی۔

اس وقت میرے احساسات پر قنوطیت چھائی ہوئی تھی، میرے جذبات پر مایوسیاں منڈلا رہی تھیں۔ میں اپنے ملک سے ناامید ہو گیا تھا۔ صورتِ حال بہت ہی بدبختانہ تھی۔ مسلمان بے یار و مددگار تھے۔ ان کا کوئی پوچھنے والا ہی نہ تھا۔ کبھی تو دولتِ برطانیہ کے کاسہ لیس اور خوشامدی ان کی قیادت کرتے تھے اور کبھی کانگریس کے ''معتقد چاکر'' ان کی رہنمائی کا دم بھرتے تھے۔ جب کبھی مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش کی جاتی تو ایک طرف ٹوڈی اور خوشامدی اور دوسری طرف کانگریسی چھاؤنی کے غدار ایسی کوششوں کو بے اثر کر دیتے تھے۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ میں نہ ہندوستان کی مدد کر سکتا ہوں نہ ہندو ذہنیت کو بدل سکتا ہوں اور نہ مسلمانوں کو اُن کی نازک حالت کا یقین دلا سکتا ہوں۔

احساسِ پستی اس قدر بڑھا کہ میں نے لندن ہی میں اقامت گزینی کی ٹھان لی۔ اس لیے نہیں کہ مجھے ہندوستان سے محبت نہیں رہی تھی بلکہ اس لیے کہ مجھے اپنی بیچارگیوں کا احساس ہو گیا تھا۔ تاہم میں نے ہندوستان سے برابر ربط قائم رکھا۔ پورے چار سال کے آخر میں مَیں نے دیکھا کہ مسلمان شدید خطرے میں ہیں۔

میں لندن میں بیٹھا ہوا ان کی بہبودی کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے میں نے ہندوستان واپس آنے کا ارادہ کر لیا، لیکن میں بے یار و مددگار تھا۔ میری حیثیت ایک بن بلائے مہمان کی سی رہ گئی تھی اور میرے ساتھ سلوک بھی ایسا ہی کیا گیا جس کا ایک بن بلایا مہمان مستحق ہوتا ہے۔

بہرحال 1935ء میں مَیں نے صوبہ داری انتخابات کے سلسلے میں صدر کانگریس سے گفت و شنید کی اس نتیجہ کے طور پر ایک ضابطہ (فارمولا) مرتب ہوا۔ لیکن ہندوؤں نے اسے ناپسند کیا۔ 1936ء میں مَیں نے کانگریس سے اپیل کی کہ ''جو کچھ ہوا سو ہوا۔'' اب ''فرقہ وار عطیہ'' کی تلخ بحثوں کو ختم کر دو۔ یہ اچھا یا برا، جیسا بھی ہوا، اسے یوں ہی رہنے دو، تا آنکہ ہم ایک متفقہ حل نہ دریافت کر لیں۔ اب ہمیں اس سے اہم امور کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

جب میں نے محسوس کیا کہ حصول اتحاد کے سارے طریقے آزمائے جا چکے ہیں تو میں نے مڑ کر

حالات کا جائزہ لیا کہ وہ کس امر کے متقاضی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ادھر تو جدید دستور کی آمد آمد ہے۔
اور یہاں 1924ء سے 1936ء تک ہم نے کچھ نہیں کیا۔ مایوسیوں نے مجھے اور بیباک کر دیا اور میں نے اپریل 1936ء کو کُل ہند مسلم لیگ کا اجلاس طلب کیا۔ اس میں یہ طے ہوا کہ صوبہ داری انتخابات میں حصہ لیا جائے۔ ہر سمت سے اس فیصلہ کی مخالفت ہوئی۔ نہ صرف کانگریس بلکہ بہت سے ''اپنوں'' نے بھی اس کی مخالفت کی۔

ابتدائی تنظیمی اداروں کے بغیر، انتہائی بے سروسامانی اور ناکافی وسائل کے باوجود اس انتخابی مہم میں لیگ کو ایک معقول حد تک کامیابی ہوئی۔ ہماری اکثریت کے بعض صوبوں کی مجالس آئین ساز میں مسلم لیگ کی جماعتیں تک نہ تھیں۔ بہر حال 1936ء سے ہم نے عزم و استقلال کے ساتھ جو کچھ کیا، اس کے نتائج حیرت انگیز نکلے۔ (نعرۂ تحسین)

آیئے اب ہم اپنی حیثیت پر پھر ایک دفعہ نظر ڈال لیں۔ سب سے پہلے تو دفتری ذہنیت اور نوکرشاہی مزاج کو لیجیے۔ وہ محسوس کرنے لگے تھے کہ ان کو مسلمانوں پر تصرف قدیم کی بنا پر ایک حق حاصل ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ''اگر یہ جناح دخل انداز ہوا تو مسلمان ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔'' اور ہوا بھی یہی! خدا کا شکر ہے کہ مسلمان آج ان کی دسترس سے باہر ہیں۔

لیکن اب اختیارات ایک حد تک فرقہ اکثریت کے ہاتھ میں منتقل ہو گئے ہیں۔

یہ امر اچھی طرح واضح ہو گیا ہے کہ حکومت برطانیہ اب مسلمانوں کی دستگیری پر مائل نہیں نظر آتی۔ بلکہ انھیں بھیڑیوں کے آگے ڈال رہی ہے۔ یہ بھی اچھا ہی ہوا۔

مسلم لیگ نے بہت بڑی حد تک مسلمانوں کو برطانوی راج کے پنجہ سے چھڑا لیا ہے لیکن اب ایک اور طاقت سامنے آئی ہے جس کا ادعا ہے کہ وہ حکومت برطانیہ کی جانشین ہے۔ آپ اس کو جس نام سے چاہیں پکاریں، لیکن وہ اصل میں ''ہندو'' اور ''ہندو راج'' ہے۔

سیاسی بولی میٹھی تو ہوتی ہے مگر گمراہ کن! اس لیے میں سیدھی سادی زبان میں گفتگو کروں گا۔ کانگریس کی روش کیا ہے؟ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''مسلم لیگ ٹوڈیوں پر مشتمل ایک رجعت پسند جماعت ہے اور برطانوی شہنشاہیت کی معاون ہے۔'' یوں لیگ کو قابلِ ملامت قرار دیا گیا۔ خیر! مسلم لیگ نے کیا کیا؟ مسلم لیگ نے فیصلہ کیا کہ حالاتِ حاضرہ کے مدنظر صوبجاتی دستور سے بقدر افادیت استفادہ کیا جائے۔ اس کے برعکس کانگریس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس دستور کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔ لیگ نے ایک نہایت پرجوش قومی نظامِ عمل منظور کیا تھا لیکن کانگریس نے ذرا بھی صبر سے کام نہ لیا۔

ہم اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ لیگ کو مسلمانوں کی کامل نمائندہ جماعت بنایا جائے لیکن

کانگریسی پریس میری غلط تعبیریں کر رہا تھا۔ مجھ پر تہمتیں تراش رہا تھا۔

انھوں نے مجھے فرقہ پرست کا خطاب دیا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ''خیر، جناح سچے ہوں تو ہوں لیکن ان کے اطراف ایسے ٹوڈی اور خوشامدی جمع ہیں کہ ایک دن انھیں نگل جائیں گے۔''

وہ مسلمانوں کو نظر انداز کرنے کے لیے ہر موقع پر ایک نہ ایک بہانہ تراش لیا کرتے تھے۔ کانگریس نے ہمارے نوجوانوں کے دل و دماغ کو زہر آلود کرنے کی کوشش کی اور انھیں ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ سمجھے لگے واقعی کانگریس آزادئ کامل کی علمبردار ہے اور وہ افلاس اور فاقوں کا خاتمہ کر دے گی۔

لیکن درحقیقت کانگریس کا مقصد کیا تھا؟ وہ حکومت برطانیہ سے بعض عہد و پیمان حاصل کرنا چاہتے تھے جس میں انھیں کامیابی ہوئی۔ اب وہ اسی دستور سے نہ صرف استفادہ کر رہے ہیں بلکہ اس پر پوری طرح عمل پیرا ہیں جس کو تباہ کر دینے کا انھوں نے بڑی شد و مد سے دعویٰ کیا تھا۔(1)

مسلمانوں کو بھی انھوں نے طرح طرح کی احمقانہ ضمانتیں دیں۔ ایک صوبہ میں ایک کانگریسی وزیر نے تو یہاں تک بھی کہہ دیا کہ ''اگر کسی نے کسی مسجد کی ایک اینٹ کو بھی چھیڑا تو وہ اپنی جانِ عزیز قربان کر دیں گے۔'' یہ تو بڑی شریف النفسی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت میں ہوا کیا؟ اسی صوبہ بہار میں رائے دہی کے مروّجہ اصول تعدد آرا(2) کو برخواست کر دیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچھلے انتخاب میں ایک مسلمان بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ ہم ضمانتوں اور خیر اندیشیوں پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ دنیائے سیاست میں خیر اندیشی، الفت محبّت اور پاس خاطر اسی وقت ہوگا جب آپ طاقتور ہیں۔ لوگ جانتے ہیں کہ آپ کی کمزوریوں سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ آپ کو قوت و توانائی سے کس طرح کام لیا جا سکتا ہے۔

جب تمھیں فاقہ اور افلاس کی دل خراش داستانیں سنائی جائیں جب تم سے کہا جائے کہ آؤ۔ اس دردناک حالت کو بدل دیں! کانگریس حصول آزادی کے لیے جد و جہد کر رہی ہے۔ ایک اشتمالی اور اشتراکیت حکومت کے لیے لڑ رہی ہے۔ اقتصادیات ہی وہ مسئلہ ہے جس سے ہم دوچار ہیں تو یقیناً تم مضطرب ہو جاؤ گے، مجھے اعتراف ہے کہ بعض اوقات خود میرا دل دہل گیا، غرض ایسی باتوں سے ہمارے نوجوانوں کے کان مسلسل بھرے گئے۔

جب تمھیں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ تم ایک ہی وار میں حکومت برطانیہ، زمینداروں اور سرمایہ داروں کا خاتمہ کر سکو گے تو یورپ کے حالات پر نظر ڈالو!

جرمنی میں نازیت کے قیام کا باعث اشتراکی اور اشتمالی تحریکات ہی ہوئیں۔ اطالیہ میں فاشطی

تحریک کا ظہور بھی انھیں وجوہات پر مبنی ہے۔ ہسپانیہ کی خانہ جنگی کا سبب کیا ہے؟ یہ وہی امر تنقیح طلب ہے۔

صدر کانگریس سے جب سوال کیا گیا کہ وہ اس عجیب وغریب نظام العمل کی تکمیل کب تک کر سکیں گے تو انھوں نے جواب دیا کہ ''میری زندگی کے اندر اندر'' اور اس کے ساتھ کہا کہ ''جب ہم طاقتور ہو جائیں گے تو دستور کا خاتمہ کر دیں گے۔ مگر ''نوک قلم'' سے نہیں؟ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر کب تک اس ''نوک قلم'' کو جوان کے ہاتھ میں ہے یونہی پکڑے رہیں گے؟ (قہقہہ)

ہندوستان میں ہماری تربیت برطانوی پارلیمانی جمہوریت کے روایات کے تحت ہوئی ہے۔ یہ دستور جو ہمارے سر تھوپا گیا ہے۔ کم وبیش برطانوی طرز پر مرتب کیا گیا ہے، لیکن اس ملک اور انگلستان کی مملکت میں بنیادی تفاوت ہے۔ برطانیہ میں اکثریت کی جماعتیں تغیر پذیر ہوتی ہیں، ان کا رنگ وروپ اور ان کی طاقت وقوت آئے دن بدلتی رہتی ہے۔

آج قدامت پرستوں کی حکومت ہے تو کل حریت پسندوں کی اور پرسوں مزدوروں کی۔ لیکن ہندوستان میں یہ حال نہیں ہے۔

یہاں ایک مستقل ہندو اکثریت ہے اور باقی اقلیتیں ہیں۔ جو کسی قابلِ قیاس مدت کے دوران میں اکثریت بن جانے کی توقع نہیں کر سکتیں۔ ہوسکتا ہے کہ اکثریت غیر فرقہ واری نقاب اوڑھ لے لیکن وہ اپنی سرشت اور اپنے افعال واعمال میں بلاشرکت غیرے ''ہندو'' ہی رہے گی۔

اقلیتوں کے لیے صرف یہی ایک امید ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی تنظیم کر لیں اور اپنے حقوق ومفادات کے تحفظ کے لیے اختیارات کا ایک معین اور فیصلہ کن حصہ حاصل کر لیں ایسے اختیار کے بغیر کوئی دستور ہندوستان میں کامیابی سے نہیں چلایا جاسکتا۔

میں آپ سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ آپ لیگ کے نظام میں شریک ہو جائیں۔ اگر مسلمانوں نے اتحاد واتفاق کر لیا تو آپ کی توقع اور اندازے سے کہیں پہلے سمجھوتا ہو جائے گا لیکن حصول آزادی سے پہلے اپنے استحقاق کو منوانا ہوگا، چند ہی مہینوں کے کام سے لیگ کا نام ہندوستان کے ہر گوشہ میں پہنچ گیا ہے۔ لاکھوں اشخاص اس میں شامل ہو رہے ہیں۔ ایک دن وہ لوگ بھی جو ہم سے اختلاف رکھتے ہیں، محسوس کریں گے کہ وہ ایک سنگین مغالطے میں مبتلا ہیں اور ان کے لیے صحیح طریقۂ کار یہی ہوسکتا ہے کہ وہ لیگ میں شریک ہو جائیں اور سارے مسلمانوں کی آواز ایک اور صرف ایک ہو۔ (نعرۂ تحسین)

مجھے یقین ہے اور آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ کانگریس کی حکمت عملی یہ ہے کہ مسلمانوں میں افتراق پیدا کیا جائے۔ یہ برطانوی حکومت کی وہی پرانی چالیں ہیں۔ وہ (کانگریسی) اپنے آقاؤں کے

نقش قدم پر چلتے ہیں۔ تم کہیں ان کی چالوں میں نہ آ جانا! اسلامیوں کے لیے یہ موت وحیات کے لمحات ہیں، مجھ سے یہ سن رکھو، اگر مسلمانوں میں باہمی اتحاد نہ ہوتو وہ کسی قیمت پر بھی تباہی سے بچ نہیں سکتے۔

آخر ہندوؤں اور مسلمانوں میں کیا فرق ہے؟ اگر کل وردھا کوئی فیصلہ (3) کر کے حکم جاری کر دے تو لاکھوں ہندو اس کی تعمیل کرنے لگیں گے۔ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ فرض کرو مسلم لیگ کوئی حکم جاری کر دے تو کیا ہوگا؟ ہم کافی طور پر لیس اور تربیت یافتہ نہیں ہیں اسی وجہ سے تعمیل کے لیے لاکھوں مسلمان فراہم کرنا مشکل ہوگا۔

برطانوی حکومت یہ دیکھتی رہتی ہے کہ کانگریس کیا کر رہی ہے اور برطانوی حکمت عملی کا کانگریسی چھاؤنی میں کیا ردّعمل ہونے والا ہے۔ لیکن کیا حکومت تمھارے افعال و اعمال کی بھی پرواہ کرتی ہے؟ نہیں، کیوں کہ تم ایک منظم قوت نہیں ہو۔ پس تم اپنی طاقت بڑھاؤ اور باہمی اتحاد کو استوار کرو۔

مسلم لیگ نے آزادی حاصل کرنے کا تہیہ کر لیا ہے لیکن یہ آزادی نہ صرف مقتدر اور طاقتور کے لیے ہوگی بلکہ کمزور اور مجبور کے لیے بھی ہوگی۔ (طویل نعرہ ہائے تحسین)

حواشی

1۔ کانگریس نے صوبائی وزارتیں تشکیل کرتے وقت کہا تھا:

"ہم اس دستور کو روبہ عمل لانے (ورک) کے لیے
نہیں اسے خاک میں ملانے (ریک) کے لیے
وزارتیں قبول کر رہے ہیں!"

لیکن واقعات نے ثابت کر دیا کہ کانگریس کی وزارتیں دستور کو تو بہت اچھی طرح روبہ عمل لائیں۔ البتہ جمہوریت اور ملک کی سب سے بڑی اقلیت کو خاک میں ملانے کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔

2۔ اصول تعدد آرا کا مطلب یہ ہے کہ ووٹر اتنے ووٹ کا مالک ہوتا ہے جتنے امیدوار ہوں اور ووٹر کو حق ہوتا ہے کہ وہ اپنے جملہ ووٹ کسی ایک امیدوار کو دے دے یا چند میں منقسم کر دے۔

3۔ سی پی کا ایک قصبہ جہاں آخر میں گاندھی جی نے مستقل اقامت اختیار کر لی تھی، یہاں رہتے وقت انھوں نے عہد کیا تھا کہ جب تک ہندوستان آزاد نہیں ہو جاتا، وہ اپنے اصل مرکز سابرمتی آشرم احمد آباد (گجرات) میں قدم نہیں رکھیں گے!

کلکتہ کے ہنگامہ خیز اجلاس کا خطبۂ صدارت

17 اپریل 1938ء

اکتوبر 1937ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مسٹر جناح کے زیر صدارت بہ مقام لکھنؤ منعقد ہوا۔ یہ اجلاس لیگ کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا تھا۔ یوپی جواہر لال پنت، سپورنانند اور دوسرے سربرآوردہ کانگریسی زعما کا وطن تھا۔ ان سب کی خواہش تھی کہ لیگ کا احیا یہاں سے نہ ہو، لیکن جواں سال اور جواں بخت راجہ امیر احمد خاں آف محمود آباد نے تن من دھن کی بازی لگا کر یہ چیلنج قبول کیا۔ لیگ کا اجلاس ہوا اور اس شان سے ہوا کہ واقعی دفعتہ لیگ آن کی آن میں مسلمانانِ ہند کی سب سے بڑی، سب سے زیادہ منظم اور سب سے زیادہ عوامی اور تنہا نمائندہ جماعت بن گئی۔ اس اجلاس میں سرسکندر حیات خان وزیر اعظم پنجاب اور مسٹر فضل الحق وزیر اعظم بنگال نے لیگ سے اپنی وابستگی کا اعلان کیا۔

اجلاس لکھنؤ کے پندرہ مہینے بعد لیگ کا ایک ہنگامی اور اہم ترین اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا۔ اب تک مسٹر جناح صرف مسٹر جناح تھے، اب قیادت عظمیٰ کا تاج اُن کے سر تک پہنچ رہا ہے۔ پہلے وہ صرف اپنے نمائندے تھے اس لیے تقریروں میں وہ جوش وصداقت وہ ہمہمہ نہ تھا جو اب تھا، کیوں کہ اب وہ مسلمانانِ ہند کے واحد نمائندے بن چکے تھے۔

رئیس احمد جعفری

ہندوستان کے مختلف حصوں کا دورہ کرنے کے موقع پر مجھے اس بات سے بے حد خوشی ہوئی کہ مسلمانوں میں ایک عام سیاسی بے چینی پیدا ہوگئی ہے اور ہر شخص مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے آجانے کے لیے بے قرار اور جذبۂ شوق سے سرشار ہے۔

لوگوں پر جو ظلم بے جا کیا جا رہا تھا اس سے کسی حد تک ہم نے انھیں خلاصی دی ہے۔ اپنی جدوجہد میں عورتوں کو بھی شریک کار بنانے کے لیے ہم کوشش کر رہے ہیں اور بہت سے مقامات پر میں نے

عورتوں کو جلسوں میں نمایاں حصہ لیتے ہوئے پایا۔ چھ ماہ سے کم مدت کے اندر اندر ہم لوگوں نے مسلمانوں کو اس طرح خوابِ غفلت سے بیدار کر کے ان کی تنظیم کی ہے کہ اس کامیابی کو دیکھ کر ہمارے مخالفین متحیر ہیں، اب مسلمانوں کو اپنی طاقت کا احساس ہو گیا اور اگر آج وہ متحد ہو کر اٹھ کھڑے ہوں تو دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو انہیں مغلوب کر دے۔ لیگ کا سالانہ اجلاس جو لکھنؤ میں (اکتوبر 1937ء) منعقد ہوا تھا، اسے گزرے صرف چھ ماہ کا عرصہ ہو رہا ہے۔ لیگ کی تاریخ میں گزشتہ اجلاس بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے، بغیر مبالغہ میں یہ کہتا ہوں کہ لکھنؤ کے اجلاس نے آل انڈیا مسلم لیگ میں ایک نئی زندگی اور نئی روح پھونک دی ہے۔

لکھنؤ کا جوش و خروش ہنوز لوگوں میں باقی ہے اور دن بدن لیگ کی طاقت بڑھتی جا رہی ہے۔ لکھنؤ کے اجلاس سے قبل لیگ کے جھنڈے کے نیچے مسلمان جوق در جوق لاکھوں کی تعداد میں آ گئے ہیں اور آ رہے ہیں۔ ہم لوگوں کے نئے جمہوری آئین کے مطابق بارہ صوبوں میں سے دس صوبوں میں صوبائی لیگیں قائم ہو چکی ہیں اور ڈسٹرکٹ اور پرائمری شاخیں بھی قائم کی جا چکی ہیں۔ آج میں فخر کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ہر محب وطن مسلمان مسلم لیگ کے حلقے میں آ گیا ہے۔ ہر مسلمان کے گھر میں لیگ کا چرچا ہے، اگر ہم لوگوں میں یہی جوش و خروش قائم رہا تو بغیر کسی شک و شبہ کے آل انڈیا مسلم لیگ کی طاقت اتنی مستحکم ہو جائے گی کہ اس کا مقابلہ کرنا ناممکن ہو جائے گا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل نے 18 فروری کی تاریخ یوم شہید گنج (1) منانے کے لیے مقرر کی تھی، سارے ہندوستان میں جلسے منعقد ہوئے اور لیگ کے دفتر میں جو رپورٹیں آئی ہیں اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لیگ کی آواز ملک کے دور دراز گوشوں میں بھی پہنچی۔ ہر چھوٹے اور بڑے شہر کے علاوہ چند دیہاتوں میں بھی لیگ کی اس قرارداد پر عمل کیا گیا۔

ہندوستان کے سارے مسلمانوں کی نظر اس وقت شہید گنج کی مسجد کی طرف لگی ہے اور ہر شخص کے دماغ میں یہی خیال موجزن ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان کے جذبات اور احساسات بالکل صحیح درست اور حقیقی ہیں اور مسجد کو منہدم کر کے ان کے مذہبی جذبات کو بہت بڑی ٹھیس لگائی گئی ہے۔ سکھ جیسے معزز فرقہ کی اس ناروا حرکت سے ہمیں افسوس اور صدمہ پہنچا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرا یہ خیال ہے کہ دونوں جماعتوں کے چند افراد نے اس معاملہ کو اور بھی زیادہ طول دے دیا، اگر ہر دو فریق کے دلوں میں اخلاقی عہد و پیمان کا احساس ہو جائے اور وہ اپنی اپنی ناروا حرکتوں سے منہ موڑ لیں تو یہ مسئلہ ابھی فوراً حل ہو جائے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل نے اس کے متعلق جو قرارداد منظور کی ہے، اُسے میں اس اجلاس میں موجود مندوبین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

قرارداد حسب ذیل ہے:

''شہید گنج کے مسئلہ سے متعلق وزیر اعظم پنجاب نے اپنے اعلان کے ذریعہ یقین دلایا ہے کہ اگر مسلم اراکین کی اکثریت کو ان پر اعتماد نہ ہو تو وہ وزارت سے مستعفی ہو جائیں گے۔ کونسل اس بات کی تعریف کرتی ہے کہ سر سکندر حیات خان اور ان کی حکومت کو اس معاملہ میں کافی دلچسپی ہے اور اس مسئلہ کی نازک صورت ان کے ذہن نشین ہوگئی ہے اور اس مسئلہ کو منصفانہ طور سے حل کرنے کے لیے کوشش کرنے کا جو اعلان انھوں نے کیا ہے وہ کونسل کے خیال میں بہت ہی بہتر صورت ہے۔ بہتر ہوتا کہ ہر دو فریق آپس میں تصفیہ کر لیتے اور اگر بدنصیبی سے آپس میں سمجھوتا نہ ہوا تو یہ ملک کے لیے بہت ہی منحوس اور مضر ثابت ہوگا اور اس صورت میں کونسل حکومت پنجاب کے اس فیصلہ سے اتفاق رکھتی ہے جس کی رُو سے اس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اپنے اختیارات کے مطابق وہ کوئی بھی آئینی کارروائی کرنے سے حتی الامکان باز نہ آئے گی اور اس کے متعلق آخری فیصلہ کے لیے پالیسی و طرز عمل کے قرار دینے کا اختیار چوں کہ آل انڈیا مسلم لیگ کو حاصل ہے اس لیے کونسل اس اثنا میں اس معاملہ کو حل کرنے کے لیے ہر قسم کی امداد بہم پہنچانے کے لیے ہمیشہ تیار رہے۔''

خواتین و حضرات اب شہید گنج کے متعلق جائز پالیسی و پروگرام و آئندہ طرز عمل کو قرار دینے و مرتب کرنے کی ذمہ داری آپ لوگوں پر ہے۔ گیارہ صوبائی مجالس مقننہ میں سے سات کے اندر مسلم لیگ جماعت نے اپنا سکہ جما لیا ہے، ان سات صوبائی اسمبلیوں کے مسلم اراکین کی زیادہ تر تعداد کا تعلق مسلم لیگ کی جماعت سے ہے اور دن بدن لیگ پارٹی کی رکنیت میں اضافہ ہو رہا ہے، چند صوبوں کے لیجسلیٹو اسمبلی کے ضمنی انتخابات کے مقابلہ میں مسلم لیگ کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ لیگ کی کونسل نے مسلمانوں کی اقتصادی تعلیمی و اخلاقی اصلاح کے لیے ایک پروگرام تیار کرنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی ہے۔ کمیٹی کی رپورٹ کا انتظار نہایت دلچسپی کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ (2)

صوبہ متحدہ و چند دیگر صوبجات میں جو فرقہ وارانہ فسادات ہوئے ہیں۔ اس پر ہم نہایت ہی غم و افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ ان صوبوں کے کانگریسی وزرا اعلانیہ طور پر ان فسادات کی ساری ذمہ داری مسلم لیگ پر ڈال رہے ہیں۔ حکومت کے ایک وزیر کی زبان سے اس قسم کے بے بنیاد بیانات کا نکلنا کتنا قابلِ افسوس ہے۔ مسلم لیگ کو بدنام کرنے کے لیے طرح طرح کے پروپیگنڈے کیے جا رہے ہیں، لیکن باوجود اس کے اگر خداوند پاک کو یہ منظور ہوگا تو مسلم لیگ روز بروز دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی جائے گی۔ چند

مہینے قبل تک مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ ان کا کوئی مرکز نہ تھا۔ لیکن اب کسی شخص کی مجال نہیں ہے کہ وہ ان پر انگلی اٹھا سکے۔ مسلمانوں کو اس کا احساس ہو گیا ہے کہ ان کی نجات کا راز مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے منظم ہو جانے میں ہے۔ چند صوبوں میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں عائد کی جا رہی ہیں اور ان کے ساتھ بے جا سلوک اور بے انصافی برتی جا رہی ہے۔ ان لوگوں کے اور خصوصاً آل انڈیا مسلم لیگ کے اراکین اور کارکنوں نے مرکزی دفتر میں صوبائی حکومت کے خلاف بے انتہا شکایتیں ارسال کی ہیں، لہٰذا اس کے متعلق تحقیقات کر کے حسب قائدہ ضرور کارروائی کو انجام دے کر اس کی رپورٹ مرتب کرنے کے لیے کونسل نے راجہ صاحب محمد مہدی صاحب کی صدارت میں ایک خاص کمیٹی مقرر کی ہے (3) اور کونسل نے صدر کی حیثیت سے مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ جماعت قائم کرنے کا مجھے مکمل اختیار عطا کیا ہے۔

اس قرارداد کے مطابق دونوں ہاؤس کے مرکزی واضعان قوانین میں مسلم لیگ پارٹی قائم کی جا چکی ہے۔ مرکزی اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں لیگ پارٹی اپنے فرائض کی انجام دہی شروع کر دے گی۔

ہری پورہ میں صدر کانگریس اور دیگر چند کانگریسی لیڈروں نے ہندو مسلم مسئلہ کو حل کرنے کے لیے خواہش ظاہر کی ہے (4) اور اس کے مطابق مسٹر گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو نے مجھ سے خط و کتابت کی ہے اور ہنوز سلسلہ خط و کتابت جاری ہے۔ میں نے ان خطوط کا جواب بھی انھیں ارسال کر دیا ہے، لیکن باوجود اس کے کانگریس مسلم لیگ کو خاص طور سے ختم کر دینے کے لیے کسی کوشش سے باز نہیں آ رہی ہے۔ کانگریس کا منشا یہ ہے کہ اولاً فرقہ وارانہ عطیہ (کمیونل ایوارڈ) کو مٹا دیا جائے، دوسرے جداگانہ انتخابات نہ ہونا چاہیے۔ تیسرے کسی جماعت کے لیے نشستیں مقررہ مخصوص نہ کی جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان نہ تو مجلس واضعان قوانین میں نظر آئیں گے اور نہ میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈ میں مثال کے طور پر صوبہ بہار کے نئے انتخابات پر غور کیجیے۔ (5) زبان، مذہب اور تہذیب وغیرہ اساسی حقوق سے متعلق کانگریس نے اپنی قرارداد کے ذریعہ جو اعلان کیا ہے وہ محض کاغذی تجویز ہے۔ کانگریس نے وزارت کے مسند پر جلوہ افروز ہوتے ہی باوجود سخت مخالفت کے مجلس مقننہ (6) میں بندے ماترم کا ترانہ جاری کیا۔ ہندی کو لازمی زبان قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں۔ اُردو کو مٹانے کا یہ پہلا زینہ ہے۔ علاوہ ازیں ہندی میں سنسکرت ادب و ہندو فلسفہ و خیالات شامل کر کے مسلم بچوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے، ہندوستان کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کے مذہبی حقوق کی آزادی میں بھی مداخلت شروع کر دی

گئی ہے۔ کانگریس کا برابر یہ دستور رہا کہ کہنے کو وہ بہت کچھ کہا کرتی ہے، لیکن کرتی ہے کچھ اور ہی۔

کانگریس سراسر ہندو جماعت ہے۔ مسلمانوں نے ایک سے زیادہ بار کانگریس کو یہ جتا دیا ہے کہ ان کی آئندہ تقدیر اور قسمت کا دارومدار حکومت اور ملک کے انتظام میں ان کی سیاسی حقوق کے حصول و قومی زندگی میں واجب حصہ حاصل ہونے پر ہے اور اس کے لیے اس وقت تک برسرپیکار رہیں گے جب تک ہندو راج کا خواب و خیال کانگریس کے دل و دماغ سے بالکل مفقود نہ ہو جائے گا۔ جب تک مسلمانوں کے قالب میں روح رہے گی، کانگریس کا غلام بننا ہرگز ہرگز گوارا نہیں کریں گے۔ مسلم لیگ، کانگریس یا دیگر ایسی جماعتوں کے ساتھ مساوات کا دعویٰ کرتی ہے۔ مسلم لیگ کی یہ جدوجہد صرف مسلمانوں ہی کے لیے مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس کا دسترخوان ہر فرقہ کے لیے عام طور سے بچھا ہوا ہے اور وہ ہر فرقہ کے حقوق کے تحفظ کو اپنا فرض اولین سمجھتی ہے۔ کانگریس کا موجودہ طرز عمل اور پالیسی بہت غلط ہے۔ یہ لوگ اس خیال میں پھولے نہیں سما رہے ہیں کہ چند صوبوں پر ان لوگوں کا مکمل قبضہ ہو گیا ہے اور ساتویں صوبے میں یعنی سرحد میں بھی بہت حد تک انھیں کی شنوائی اور اثر ہے (7) اور ڈنکے کی چوٹ وہ اعلان کرتے ہیں اور نیز ان کا یہ خیال ہے کہ بہت ہی جلد بقیہ چار صوبے بھی کانگریس ہائی کمان کے فاتح اعظم کے قدموں پر آ گریں گے۔ (8)

ہمیں بہت سے مصائب اور تکالیف کے دور سے گزرنا ہے۔ ہمارے دشمن ہماری ہستی کو فنا کرنے کے لیے حتی الامکان کوئی دقیقہ نہ اٹھا چھوڑیں گے۔ وہ ہم پر مظالم کے پہاڑ توڑیں گے۔ ہمیں قتل کریں گے، لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ ان تکالیف کے متحمل ہونے کے بعد ہم اور بھی زیادہ مضبوط اور قوی ثابت ہوں گے۔

حواشی

1۔ مسجد شہید گنج لاہور، جو عرصہ سے سکھوں کے قبضے میں تھی۔ پھر انھوں نے اسے شہید کر دیا اور وہاں گوردوارہ بنا لیا۔ اس واقعہ نے سارے ہندوستان میں بالعموم اور لاہور میں بالخصوص تہلکہ مچا دیا۔ سکھوں کی لاکھ لاکھ منت کی گئی، مگر وہ باز نہ آئے۔ جب مسجد منہدم ہو رہی تھی تو مسلمانوں نے مزاحمت کرنا چاہی۔ گولی چلی اور بہت سے مسلمان ہلاک اور مجروح ہوئے۔ یہ مسجد اب تک گردوارے کی صورت میں موجود ہے اور حکومت پاکستان کی طرف سے پہرے دار مقرر ہیں کہ وہ اسے کسی طرح کا زیاں نہ پہنچائیں۔

2۔ یہ کمیٹی نواب کمال یار جنگ کی صدارت میں قائم ہوئی تھی۔

3۔ یہ کمیٹی ''پیرپور کمیٹی'' کے نام سے مشہور ہے۔

4۔ یہ لیگ کے عظیم الشان اجلاس لکھنؤ کا کرشمہ تھا۔ ورنہ:

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دور جام؟

5۔ نئے حلقہ ہائے انتخاب اس طرح ترتیب دیے گئے کہ جہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی اور جہاں سے وہ ہمیشہ کامیاب ہوتے تھے، وہاں سے بھی منتخب نہ ہو سکے۔

6۔ ہندو صوبوں کی مجالس آئین ساز کی کارروائی کا آغاز بندے ماترم کے ترانے سے کیا جانے لگا تھا۔

7۔ کیوں کہ سرحد میں اب تک خان برادران یعنی عبدالغفار خاں اور ڈاکٹر خان صاحب کا اثر تھا اور یہ دونوں غیر مشروط طور پر کانگریس کے ساتھ تھے۔

8۔ یعنی پنجاب، بنگال، آسام اور سندھ۔

مسودہ قانون وفوجداری

23 اگست 1938ء

مفادِ عام سے متعلق کوئی مسودہ قانون بھی مرکزی اسمبلی میں زیر بحث آتا تھا تو مسٹر جناح ضرور اس کے مالہ و ماعلیہ پر اپنے خیالات و جذبات کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ دلائل و براہین کے اسلحہ سے پورے طور پر مسلح ہو کر۔

چناں چہ جب مرکزی اسمبلی میں مسودہ ترمیم قانون فوجداری پیش ہوا تو مسٹر جناح نے ایک محبِ وطن کی حیثیت سے ایک حق گو اور حق پرست کی حیثیت سے اپنے تاثرات ایوان کے سامنے پیش کیے۔

یہ تقریر بھی قائداعظم کی اہم ترین تقریروں میں شمار کی جاتی ہے۔

رئیس احمد جعفری

جناب والا! آج کی بحث میں اس قدر گرما گرمی روا رکھی گئی ہے اور جوش و ولولہ دکھایا گیا ہے کہ اس برق وش فضا میں ٹھنڈے دل سے دلائل پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ مگر میں اپنی پارٹی کی رائے چاہے وہ قابلِ قدر ہو یا بے وزن اس ایوان کی خدمت میں پیش کرنے پر مجبور ہوں۔ آج کی بحث میں جس نسبت سے جذبات اکسائے جائیں گے اور گرمی دکھائی جائے گی اسی نسبت سے دلائل و براہین اور عام فہم کی گنجائش نہ رہے گی۔ اس کے بعد مجھے بصد رنج کہنا پڑتا ہے کہ حزبِ مخالف کے لیڈر نے بعض ایسے الفاظ استعمال کیے جن کا زبان پر نہ لانا ہی بہتر تھا۔ ہاں اگر کوئی معمولی یا پس رو ممبر ایسی باتیں کہتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔

بہر حال میں موصوف کے دعویٰ اور دلائل کو لیتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ اس شخص کو جو مجوزہ قانون کی تائید کرے نادم اور شرمسار ہونا چاہیے۔ کیوں کہ یہ بات حزبِ مخالف کے لیڈر نے کہی اس لیے بہت ہی قابلِ رنج ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس قانون کی تائید کرنے والا شخص نہ صرف اپنے ملک کی

آزادی فروخت کردے گا بلکہ اس کے حق میں غدار ثابت ہوگا۔ انجام کار موصوف نے خاتمہ کلام میں کچھ اس طرح دھمکیوں سے کام لیا اور اظہار رنج کیا کہ ان کے شایانِ شان نہ تھا، چناں چہ مسلم لیگ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آج تمھیں پاسنگ کی طاقت حاصل ہے۔ مگر غالباً یہ صورت ہمیشہ نہ رہے گی۔ وہ وقت جلد آنے والا ہے۔ جب تمھاری قوت کا نام ونشاں تک مٹ جائے گا۔

جناب والا! اس کے معنی یہ ہوئے کہ جناب موصوف اس امر کی پیش گوئی کرتے ہیں کہ ہندوؤں کی بے رحم اکثریت ہمیں کچل دے گی، پیس ڈالے گی۔ مگر وہ یہ خیال نہ فرمائیں کہ محض اس وجہ سے ہم اپنی دیانتدارانہ رائے کا اظہار حوصلہ مندی کے ساتھ نہ کریں گے۔ جناب والا! کیا اسے کہتے ہیں جمہوریت؟ میں اس رجحان کی مذمت کرتا ہوں اور اسے قابل غم وغصہ قرار دیتا ہوں۔ اس لیے میں عرض کرتا ہوں کہ وہ اپنی رائے پر نظر ثانی کریں کیوں کہ بلاشبہ یہ ان کے وقار کے منافی ہے۔ انھوں نے اور ان کی پارٹی کے بعض اراکین نے ہمارے خلاف اشارۃً وکنایتہً بہتان تراشی اور ساتھ ہی صراحتاً دشنام طرازی کو کام فرمایا۔ مگر میں ان جھوٹے الزاموں اور اس گالی گلوچ کے متعلق مزید کچھ نہیں کہوں گا۔ میں اراکین ایوان اور ممبران کانگریس کو (جن کے ساتھ ہم خوش قسمتی یا بدقسمتی سے متفق نہیں ہیں) یقین دلاتا ہوں کہ اس وقت ہمیں صرف ملکی مفاد ہند مدنظر ہے اور ہماری رائے کی کوئی اور چیز محرک نہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم اس معاملہ پر سکون خاطر، دلجمعی اور احتیاط کے ساتھ غور کریں۔

جناب والا! مجوزہ قانون کی بحث میں بہت سے زوائد شامل کیے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ پیرو، چین اور جاوا کا ذکر بھی آ گیا۔ نیز اور انواع واقسام کے معاملات پر بے کار بحث ہوئی ہمیں جذبات سے بیگانہ ہو کر یہ دیکھنا ہے کہ کیا حالات موجودہ اور اپنی حالت کے پیشِ نظر یہ قانون ضروری ہے یا نہیں؟ (حکومت کو مخاطب کر کے) کاش ہم اہلِ ہند کچھ کر سکتے۔ ہم آپ کی حکمت عملی بخوبی سمجھتے ہیں۔ بدقسمتی سے میں اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ نہ ان محرکات کو جو اس کی تہہ میں ہیں۔ مگر میں آپ کی دیانتداری تسلیم کرتا ہوں۔ آپ بھی مجھے دیانتدار مانیں۔ آپ اس قانون کو اپنے حق میں اچھا سمجھتے ہیں۔ میں اسے اپنے ملک کے حق میں برا قرار دیتا ہوں۔ بہر حال یہ لازم ہے کہ اس پر سکونِ خاطر، دلجمعی اور احتیاط کے ساتھ غور وفکر اور بحث ہو۔

جناب والا! ہمیں پہلے اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ اگر پنجاب کی صوبائی حکومت کو اس قانون کی ضرورت ہے تو اُسے اس کے وضع کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق میں نے حزبِ مخالف کے معزز لیڈر اور سرکاری ممبر قانون دونوں کی تقریریں بڑی احتیاط اور توجہ سے سنیں اور جہاں تک میں اس وقت سمجھتا ہوں ممبر قانون نے حکومت ہند کی طرف سے درست حالات پیش کیے مگر نمائندہ کانگریس نے

غلط اندازہ لگایا۔ ان کے دلائل بالکل بے معنی ہیں۔ مگر میری رائے ان کی رائے کی نسبت غلط ہے تو وہ اس کی اصلاح کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ حزبِ مخالف کے لیڈر نے مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں کے متعلقہ اختیارات قانون سازی (بروئے قانون حکومتِ ہند 1935ء کی صحیح ترجمانی نہیں کی) اس معاملہ میں قانون 1935ء بالکل واضح ہے۔ حکومت پنجاب کو اپنے خاص حالات کے پیشِ نظر اور ان خطرات سے عہدہ برا ہونے کے لیے جو پیدا ہو سکتے ہیں۔ قانون زیر بحث کی ضرورت تو بے شک ہے مگر وضع کرنے کا اختیار نہیں۔ یہ ہے میری رائے۔ اس دنیا میں کوئی چیز قطعی یقینی نہیں۔ اس لیے میں کوئی ایسی بات کہنا نہیں چاہتا جس کا پابند بنا دیا جاؤں اور جو آئندہ بطور نظیر میرے خلاف پیش کی جائے۔ بہر حال حکومت پنجاب کو یہ اختیار حاصل نہیں۔

جناب والا! حکومت ہند کی طرف سے ان کے ممبر قانون نے یہ بیان کیا ہے کہ جب تمام صوبائی حکومتوں سے رائے طلب کی گئی اور انھیں صورت حالات وواقعات سے آگاہ کیا گیا تو ان سب نے ان کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد حکومت پنجاب کی تائید کی اور اس قانون کے وضع کرنے کی رائے دی۔ اس کے متعلق جو خیالات وقتاً فوقتاً میرے ذہن میں آئے اور جس نتیجہ پر میں پہنچا پیش کرتا ہوں۔

جناب والا! مجھے سب سے پہلے اس سوال پر ذہن لڑانا تھا کہ اس قانون کی ضرورت بھی ہے یا نہیں؟ بلاشبہ یہ ایک نئے جرم کی تخلیق کرنا ہے اور ''کتاب قوانین'' میں ایک مکمل قانون سے اضافہ کرنا ہے۔ مگر ہم محض اس لیے اسے وضع نہیں کر سکتے کہ حکومت ہند کی خواہش یہی ہے۔ جب معزز ممبر نے جو اس کام پر مامور ہیں، اپنا مدعا اور مقدمہ پیش کیا تو مجھے آزادانہ طور پر کھل کر کہنا چاہیے کہ میرے ذہن نے مجوزہ قانون کو غیر ضروری قرار دیا۔ میں حیران ہو گیا۔ کیوں کہ میں دلائل سے باخبر نہ تھا۔ حکومت ہند کو لازم تھا کہ وہ شروع میں ہی اپنے تمام دلائل پیش کر دیتی۔ بہر حال بعد میں مَیں نے مجوزہ قانون کا مزید امتحان کیا۔ چناں چہ میں نے آنریبل ہوم ممبر کی تقریر اور بعض دوسری موافق اور تائیدی تقریریں انتہائی توجہ سے سنیں۔ امید ہے کہ آپ مجھے معاف کریں گے کیوں کہ میں کسی کو نہ ناراض کرنا چاہتا اور نہ مجھے کسی کا دل دکھانا منظور ہے۔ مگر انجام کار میرے سب شبہات دور ہو گئے اور میں نے تسلیم کر لیا کہ حکومت نے اس قانون کی ضرورت ثابت کر دی، لیکن جو رہا سہا شبہ آنریبل ہوم ممبر کے دلائل کے باوجود باقی رہ گیا تھا کہ فی الحال اور پہلی نظر میں ضرورت ثابت نہیں ہوئی اُسے کانگریسی ممبروں کی تقریروں نے کامل طور پر رفع کر دیا۔ ان لوگوں نے جائز یا ناجائز مگر قطعی اور صاف طور پر اس امر کا اعلان کیا کہ ہم فوج میں بھرتی ہونے کے خلاف تقریر کریں گے اور یہ تحریک جاری رکھیں گے۔ یہی نہیں بلکہ ہم فوجیوں اور نئے بھرتی ہونے والوں میں غدر اور حکم عدولی کے کاموں پر برانگیختہ کریں گے۔ (1)

مسٹر ایس ستیہ مورتی۔ کسی نے یہ بات نہیں کہی۔

مسٹر جناح۔ مجھے معلوم ہے کہ حضرات ممبران کانگریس کی تقریریں ایک دوسرے کی تردید اور تنسیخ کرتی رہی ہیں۔ میرے زیر نظر ایک یا دو تقریریں نہیں، معاف کیجیے گا۔ مگر میں ان سب کے مجموعی نتیجہ پر نگاہ ڈالتا ہوں۔ ایک ممبر صاحب نے کہا کہ ''ہم صلح جوئی کے حق میں ہیں۔'' امر واقعہ یہ ہے کہ ہر ملک میں ایسے دیوانے اور مراقی موجود ہیں جو کامل صلح کے طلبگار رہیں۔ میں ان ممبر صاحب کو معاف کرتا ہوں۔ ہر شخص کو اپنی ایک رائے رکھنے کا حق حاصل ہے۔ خود میں بھی کامل صلح اور ساری دنیا میں کامل صلح کا خواہش مند ہوں۔ جنگ نہیں ہونی چاہیے۔ ساری دنیا میں امن اور خوشحالی ہونی چاہیے۔ اگر جنگ قطعی طور پر ممنوع قرار دی جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میرے لیے یہ سوال حل طلب نہیں کہ صلح پر یقین رکھنا چاہیے یا نہ رکھنا چاہیے۔ میرا یقین تو یہ ہے کہ اگر خطرہ ہو تو جس طرح سے مجھے اپنی زندگی بچانا لازم ہے۔ میں کسی شخص کو ضرر پہنچانا نہیں چاہتا۔ میں ایک نیک کردار آدمی ہونا چاہتا ہوں، مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ دنیا کا ہر شخص نیک ہے اور مجھے ضرر پہنچانا نہیں چاہتا۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ یہ ''بہر حال و بہر طور صلح'' اور ''عدم صلح'' کا سوال نہیں بلکہ مردمانِ عمل ہونے کے لحاظ سے ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم اپنا بچاؤ کریں یا نہ کریں۔ میرا جواب یہ ہے کہ میں تو ضرور اپنے آپ کو بچاؤں گا۔ یہ ہے میری پہلی گزارش۔ میرے معزز دوست مسٹر ستیہ مورتی نے اس قانون کی منظوری کے لیے چھ شرائط لازم قرار دی ہیں۔ چھ نکات بیان کیے ہیں۔

ایک ممبر۔ کچھ اپنے اکیس نکات کے متعلق بھی تو ارشاد ہو۔

مسٹر جناح۔ مسٹر ستیہ مورتی نے سارے معاملہ کو چھ نکات پر محدود کر دیا ہے۔ مگر بعض دوسرے آنریبل ممبران حدود سے باہر بھی چلے گئے۔ انھوں نے چھ سے زائد چیزیں طلب کیں۔ جن سے میں مناسب وقت پر بحث کروں گا۔ سب سے پہلا اور اصولی سوال اس قانون کی ضرورت کا ہے۔ میرا خیال غلط ہو یا درست اور مجھے رنج ہوگا اگر میں آنریبل ممبرانِ کانگریس سے کوئی ایسی بات منسوب کروں، جو حقیقت میں انھوں نے پیش نہیں کی۔ مگر اس کا فیصلہ کرنا ایوان کا کام ہے کہ ان حضرات کا رجحان کیا ہے اور میں اس کے سمجھنے میں راستی پر ہوں یا نہیں؟

بہر حال ہمیں قانون مجوزہ پر غور کرنا ہے۔ میرے تجزیے کے مطابق دو بڑے بڑے امور بحث طلب ہیں اور ایک تیسرا بھی ہے مگر ممکن ہے کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے۔

پہلے یہ کہ وہ شخص مجرم ہوگا جو دیدہ و دانستہ اور بالارادہ کسی فرد یا پبلک کو ملک معظم کی بری، بحری یا فضائی لشکر میں شامل ہونے سے باز رکھنے کی کوشش کرے یہ ہے بھرتی کے متعلق۔

دوسرے یہ کہ وہ شخص مجرم ہوگا جو بغیر باز رکھنے کی کوشش کے پبلک یا کسی فرد کو جو فوج میں شامل ہو چکے ہیں۔ کسی ایسے جرم کے ارتکاب کے لیے برانگیختہ کرے جو بطور غدر یا عدم تعمیل حکم مستوجب سزا ہے۔ قانون کا یہ جزو ایک منظم یا غیر منظم تحریک یا شورش کے متعلق ہے جس کا مدعا فوجیوں کو غدر یا نافرمانی کے لیے اکسانا ہے۔ میں معزز ممبران سے یہ پوچھتا ہوں کہ آپ پہلے تو موجودہ حالات کو اچھی طرح زیر نظر رکھیں۔ پھر مجھے بتائیں کہ کیا میں اپنے ہم وطنوں کو یہ پیغام بھیجوں کہ فوج میں شامل ہونے سے باز رہیے اور اگر آپ شامل ہو جائیں تو غدر کیجیے اور احکام نہ مانئے۔ کیا میں ہندوستان کے عام سپاہیوں اور افسروں کو غدر کے لیے اکساؤں؟ کیا آپ موجودہ حالات میں یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے بہترین فوجیوں کی رہنمائی غدر اور نافرمانی کی جانب کی جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کی سفارش ماننے اور رہنمائی کے مطابق عمل کرنے والے لوگ وہی ہوں گے جو تمھارے بہترین لوگ ہیں۔ اس کا نتیجہ ان لوگوں کے حق میں کیا ہوگا؟ کیا ہم یہ پیغام اس ایوان سے بھیج کر خاموش رہیں گے یا اس کو جامۂ عمل پہنانے کے لیے ایک پروگرام اس شریر النفس حکومت کے خلاف مرتب کریں گے؟ کیا یہ بات ہمارے اختیار میں ہے؟ میں ایوان کو اس کے نتائج سے آگاہ کرتا ہوں۔ تین روز ہوئے مجھے ایک سابقہ قیدی کی دل خراش چٹھی ملی، جس میں اس نے مجھے اپنی درد بھری داستان سے آگاہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ کس مصیبت میں گرفتار ہے۔ میں یہ چٹھی کانگریس پارٹی کو دکھا سکتا ہوں۔ وہ خود اس کی تصدیق کر لیں کیا میں اپنے سپاہیوں کو جرائم فوجی پر آمادہ کروں تاکہ وہ اس قسم کے خطرات میں پڑیں اور یہ نتیجہ ہو کہ میری بات ماننے والے اپنی زندگی کے اشغال اور وسائل روزی کو برباد کر لیں۔ علاوہ بریں اگر ایسے لوگوں کے ہاتھوں کوئی بغاوت یا سرکشی حادث ہوئی تو نقصان جان یقینی ہے۔ فرمایئے تو کیا آپ موجودہ حکومت کی مشین توڑ سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ہم اس کے لیے تیار بھی نہیں۔ پس میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ حکومت کی اصلاح کرنے یا حکومت پر قبضہ پانے کے لیے آپ دیگر وسائل تلاش کیجیے اور کسی قابل عمل طریق پر توجہ مرتکز فرمایئے۔ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ آپ کا مدعا حاصل ہو جائے۔ میں انقلاب سے خائف نہیں ہوں۔ میرے خیال میں ہر ملک کو بغاوت یا سرکشی کا حق حاصل ہے لیکن میں آج اگر اپنی فوج کو اُکساؤں تو اس کا نتیجہ میرے حق میں تباہ کن ہوگا نہ کہ میرے مخالف کے حق میں جسے میں نقصان پہنچانا چاہتا ہوں۔ بالفاظ دیگر میں اپنے لیے ایک بیہودہ اور بے کار مصیبت پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے موجودہ رجحانات اختیار کرنے پر یہی ایک دلیل مجبور کرتی ہے۔

میرے معزز دوست مسٹر ستیہ مورتی اور دوسرے معزز ممبران نے ہندوستان کی شکایات اور حکومتِ برطانیہ کے جرائم کا ایک دفتر پیش کیا ہے۔ ان میں فرقہ واری کا ذکر بھی کیا ہے۔ مگر زیر بحث

قانون کو فرقہ واری سے یا کسی خاص فرقے سے کوئی دخل نہیں اس لیے میں اسے خارج از بحث رکھوں گا۔ لیکن اگر میرے اس خیال کی تائید میں کسی دلیل کی حاجت ہے تو سنیے۔ اہلِ کانگریس کبھی تو مذہب کا نام لے کر مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں اور کبھی ان کا رجحان یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف یا تو جبر سے کام لیں یا دھمکیاں دیں۔ موجودہ بحث میں کانگریسی ممبروں نے مسلم لیگ والوں کو متاثر کرنے کے لیے بلاشبہ یہ رجحان اختیار کیا۔ مسٹر گیڈگل (2) اور بعض دوسرے معزز ممبران نے فلسطین کا مسئلہ چھیڑا میں فلسطین اور وزیرستان کے متعلق ان کے نقطۂ نگاہ سے پوری طرح متفق ہوں۔ بہر حال اپنی نیک نیتی کے متعلق آپ کی تشفی کرنے کے لیے میں کہوں گا کہ ہم فلسطین اور وزیرستان کے باوجود قانون زیر بحث کے اصول سے متفق ہیں۔ چناں چہ کہا جا سکتا ہے کہ حکومت کے خلاف مسلمانوں کو کانگریس پارٹی کی نسبت کہیں بڑھ کر شکایات ہیں۔ اپنے ملک کی بہتری کے معاملے میں ہم سچے دل سے آپ کے ساتھ متفق ہیں۔ اس کے علاوہ ہم دنیا کے دیگر مسلمانوں کے حق میں جذباتِ ہمدردی رکھتے ہیں۔ کیوں کہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں۔ لیکن یہ بھی درست ہے کہ ہم فلسطین اور وزیرستان میں برطانوی حکمت عملی کو نامنصفانہ اور بے رحمانہ سمجھتے ہیں۔

الغرض ہماری شکایت سخت تر ہے اور آپ کی شکایات سے کہیں بڑھ کر ورنہ میں کوئی فرقہ وارانہ مسئلہ پیش نہیں کر رہا۔ اس قانون کی تائید سے ہمارا مدعا کیا ہے؟ بس یہی کہ بقول شخصے یہ دو خرابیوں میں سے کمتر خرابی ہے اور چوں کہ ناگزیر ہے اور بلحاظ عمل ضروری ہے اس لیے ہم مجبور ہو کر اس کے خلاف ہاتھ نہیں اٹھاتے۔

حکومت برطانیہ کی فہرست جرائم کے سلسلہ میں ایک معزز ممبر نے کہا کہ میں اس قانون کو ہرگز وضع نہ ہونے دوں گا۔ تاوقتیکہ حکومت برطانیہ آج اس ایوان میں اس امر پر رضامند نہ ہو جائے کہ ہم قانون حکومت ہند 1935ء منسوخ کرتے ہیں اور آپ کو وہی آئین دیں گے جو آپ چاہتے ہیں۔

جناب والا! مسٹر ستیہ مورتی نے بھی بہت کچھ کہا۔ میں ابھی ان کی بعض باتوں سے متفق ہوں۔ میں ان کی تقریر کے چند اقتباسات پڑھتا ہوں۔

اول بھرتی کے ضمن میں وہ اپنی مدد دینے کی پہلی شرط یہ قرار دیتے ہیں کہ قانون حکومت ہند 1935ء کی ترمیم کی جائے اور ملک کے ڈیفنس (دفاع) پر ایک ذمّہ دار وزیر مامور ہو۔ میری رائے میں یہ ایک مشکل کام ہے جسے وہ آسان سمجھ رہے ہیں۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ آپ یہ قانون نامنظور کرنے سے حکومت کو اپنی بات ماننے پر مجبور کر سکتے ہیں اور حکومت کو راہ پر لانے کے لیے اتنا زور کافی ہے؟ کیا حقیقت میں آپ کا یہی خیال ہے؟

جناب والا! اس کے بعد مسٹر ستیہ مورتی یہ بھی چاہتے ہیں کہ جہاں تک جلد سے جلد ممکن ہو برطانوی افواج اس ملک سے نکال دی جائیں۔ کیا ان کی شرط اجتماعِ ضدین کے برابر نہیں؟ ہم بھی واقعی ان افواج کا اخراج ہی چاہتے ہیں۔ یہی ہے وہ حکمت عملی جس پر ہم اصرار کے ساتھ قائم ہیں اور اس کے لیے ہمارے دلائل بھی ناقابلِ جواب اور ناقابلِ شکست ہیں، ماسوا اس کے کہ حکومت اس پر رضامند نہیں۔ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ افواجِ ہند کامل طور پر ہندوستانی ہوں اور برطانوی عنصر سے معرا ہوں۔ میں کئی سال سے اس کے لیے لڑ جھگڑ رہا ہوں مگر صرف معمولی کامیابی ہوئی ہو تو ہوئی ہو۔ (کانگریس ممبران کو مخاطب کرتے ہوئے) آپ اپنے بہترین لوگوں کو کیوں کہ وہی آپ کی بات پر کان دھریں گے، فوج میں عدم شمولیت کا پیغام بھیجنا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ صرف نالائق لوگ اور پیسے کے بندے ہی فوج میں داخل ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی آپ فی الفور یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ فوج قطعی طور پر ہندوستانی ہو، کیا یہ دونوں مطالبے ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں؟ اچھے سے اچھے اشخاص کو فوج میں شامل ہونے سے روکنا اور برے سے برے لوگوں کو اس کا موقع دینا قطعی طور پر اجتماعِ ضدین ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہم جائز اور بجا طور پر بے صبر ہو رہے ہیں۔ مگر قانون نامنظور کرنے سے کام نہ چلے گا۔ نتائج برے ہوں گے۔ مجھے بھی مجوزہ قانون سے الفت نہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ نامنظوری سے کس کا نقصان ہوگا؟

مسٹر ستیہ مورتی کا تیسرا نکتہ یا یوں کہیے کہ شرط یہ ہے کہ "حکومت برطانیہ صاف صاف طور پر اور دیانتداری کے ساتھ ایک لائحہ عمل منظور کرے جس سے زیادہ سے زیادہ بیس برس میں فوج کامل طور پر ہندوستانی ہو جائے۔"

میں صدق دل سے اس کی تائید کرتا ہوں۔ مجھے یاد نہیں کہ میں کتنی مدت سے اس تجویز کی وکالت کرتا رہا ہوں چناں چہ پہلی گول میز کانفرنس کی مجلس دفاع (ڈیفنس کمیٹی) میں مَیں نے اس کے متعلق ایک معمولی اور ہلکی سی تجویز پیش کی۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ ایک ہندوستانی ممبر نے بھی تو میری تائید نہ کی۔ میری تجویز فقط اتنی تھی کہ آئندہ افسروں کی بھرتی میں برطانوی نہ لیے جائیں اور صرف ہندوستانیوں تک محدود ہو۔ اگر یہ طریق اختیار کیا جائے تو پھر بھی اندازہ کیا گیا ہے کہ محض اور فقط ہندوستانیوں کو افسر بنانے کے لیے چالیس سال کی مدت درکار ہوگی۔ آپ روئیداد پڑھ کر دیکھیے کہ اس تجویز کے لیے میں تن تنہا جدوجہد کرتا رہا اور کسی ہندوستانی نے میرا ساتھ نہ دیا۔

مسٹر ستیہ مورتی کا چوتھا نکتہ یہ ہے کہ "ہندوستانی افسروں سے اچھا سلوک کیا جائے اور ان کا حوصلہ بڑھایا جائے۔" مگر اس مطالبے کے ساتھ ہی آپ غدر اور عدم تعمیل حکم کے لیے برانگیختہ کر رہے ہیں۔ حالاں کہ قانون زیر بحث کا منشا اسی کو روکنا ہے۔

مسٹر ستیہ مورتی کا پانچواں نکتہ یہ کہ قوائد ترتیب لشکر میں اس طرح اصلاح کرے کہ برطانوی اور ہندوستانی افسروں کو رتبہ مساوات حاصل ہو اور نسلی امتیاز برتری دور کر کے ہندوستانی افسران اعلیٰ کو یہ حق دیا جائے کہ وہ برطانوی افسران ادنیٰ کے حاکم ہوں۔ میں اس کی پوری طرح تائید کرتا ہوں۔

مسٹر ستیہ مورتی کی چھٹی شرط یہ ہے کہ ملک معظم کی حکومت کو صاف طور پر بتا دیا جائے کہ ہندوستانی سپاہی کسی ایسی جنگ میں حصہ نہ لیں گے جو ہندوستان کے مفاد و اغراض کے خلاف ہو۔

میں اس سے بھی کامل طور پر متفق ہوں۔ حکومت برطانیہ کہتی ہے کہ ہندوستانی فوج کا وجود اولاً اور زیادہ تر اغراض ہند کے لیے اور ملک کے اندرونی امن و امان اور سلامتی کے لیے ہے۔ مگر ان الفاظ میں ایک رخنہ ہے۔ میں ایک قدم آگے بڑھ کر یوں کہوں گا کہ ہندوستانی فوج اول سے آخر تک اور کامل طور پر ہندوستان کے مفاد اور اغراض کے لیے ہونی چاہیے اور اگر برطانوی حکومت علاوہ ازیں اس سے کام لے تو صرف ایسی جنگ میں اور ایسی تکلیف یا آفت کے وقت جب کہ ہندوستان کے مفاد و اغراض پر برا اثر ہونے کا اندیشہ ہو اور ہم برضا و رغبت خود حکومت کے ساتھ تعاون کریں اور اسے مدد دیں۔

بہر حال موجودہ آئین میں ایک رخنہ ہے اور ہندوستانی فوج ایسے ہاتھوں میں ہے اور اس سے کام لینے کے مختار وہ شخص ہیں جو ہمارے سامنے جواب دہ نہیں۔ اس کا کیا علاج کیا جائے؟

مسٹر ستیہ مورتی اور ایک اور صاحب نے فرمایا ہے کہ 1914ء (گزشتہ جنگ عظیم کا سال آغاز) کا ہندوستان 1938ء کے سال سے مختلف ہے۔ بہت اچھا، مگر اس وقت ہمیں یہ دیکھنا ہے۔ فرض کیجیے کہ ہم بھرتی کی منزل اور غدر پر برانگیختہ کرنے کی منزل سے گزر کر مجوزہ قانون کو وضع کر چکے ہیں اور جنگ جاری ہو گئی۔ اس کے پیش نظر مختارانِ برطانیہ ہماری فوج سے کیا اور کیوں کر کام لیں گے؟ یا ہم خود کس کام کے روادار ہوں گے اور اس کے متعلق کیا طریق چاہیں گے؟ خوب سمجھ لیجیے کہ ایک انگریز چاہے اس کا دماغ کتنا ہی بھدا کیوں نہ ہو، وہ جانتا ہے کہ اس قانون کی تدابیر کے باوجود ہندوستان کی رائے عامہ بھی ہے اور اس کا اثر اور زور بھی۔

میں نے اپنے معزز دوست لیڈر نیشنلسٹ پارٹی کی تقریر بڑے غور سے سنی ہے۔ جو کچھ انھوں نے فرمایا اور ثابت کرنے کی کوشش کی، قابلِ داد ہے۔ چاہے میں ان سے اتفاق کروں یا نہ کروں۔ انھوں نے ایک لیڈر کے وقار اور مقام کو قائم رکھا۔ میں ان کے دلائل کا زور تسلیم کرتا ہوں۔ اسی طرح میرے دوست ڈپٹی پریذیڈنٹ کے دلائل میں زور اور اثر تھا اور انھوں نے بھی ایک لیڈر کے وقار اور مقام کو قائم رکھا۔ میرا اور مسٹر اینے (3) کا مقصد اسی امر پر بحث کرنا تھا کہ جنگ کے حادثات ہونے سے پہلے نتائج پر غور کر لیا جائے۔ میری رائے میں اس وقت صورتِ حال یہ نہ ہوگی۔ اگر آپ نے مجوزہ قانون

منظور نہ کیا تو حکومت گزشتہ جنگ والا طریق اختیار کرے گی۔ چناں چہ اس نے ہنگامی قانون بطور فرمان وضع کیے تھے۔ قانون دفاع ہند بنایا تھا اور اسی قسم کے اور کام کیے تھے جو ایسے مواقع پر ہر ملک میں کیے جاتے ہیں۔ کیا آپ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات آ سکتی ہے کہ جنگ ہوئی تو یہ حکومت خاموش بیٹھی رہے گی؟ قیاس غالب تو یہ ہے کہ ہنگامی قانون ابھی سے تیار کر لیے گئے ہیں اور حکومت کے دفتر میں موجود ہیں۔ سزا کا خطرہ ابھی سے موجود ہے۔ ایک سال، دو سال، پانچ سال۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ یہ چیز ہماری راہ میں حائل ہو گی۔ البتہ یہ شرط ہے کہ ہم اپنے مقصد کے لیے صحیح طریق اختیار کریں۔ پھر خدا نے چاہا تو ہم ہنگامی قوانین اور اس کے پشتیبان نظام کے باوجود حکومت کو اگر اس نے ہماری متابعت نہ کی، ساکت اور مفلوج کر سکتے ہیں۔

مولوی عبدالرشید چودھری۔ بتایئے کیسے؟

مسٹر جناح: جب وقت آئے گا تو بتا دوں گا۔

جناب والا! یہ ہے اولین امر جس پر میں نے ترمیم میں اصرار کیا ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ فقط اور محض مقاصد زیر بحث کے موقع پر یہ قانون استعمال میں لایا جائے۔ اس کے علاوہ کوئی اور مطلب براری نہ کی جائے۔ اس لیے مقامی حکومت کی منظوری کے بغیر اس کے ماتحت کسی شخص کے خلاف استغاثہ دائر نہ کیا جائے اور سزا کی نسبت میرا خیال ہے کہ محض ایک سال کی مدت ہمارا مقصد حاصل کرنے کے لیے کافی ہو گی۔

حواشی

1۔ انڈیا ایکٹ (1935ء) کے مطابق قانون سازی کے اختیارات کی نوعیت یہ تھی:

(1) وہ قوانین جو صرف مرکزی حکومت بنا سکتی ہے۔

(2) وہ قوانین جن کی وضع و تشکیل کا اختیار صوبائی مجلس آئین ساز کو حاصل تھا۔

(3) وہ قوانین جو گو مرکز کے دائرہ اختیار سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن خاص ہنگامی اور ناگزیر حالات میں صوبائی حکومتیں بھی یہ اختیار رکھتی ہیں کہ انھیں وضع کر سکیں۔

اب صورت حال یہ تھی کہ دوسری جنگ عظیم کے آثار و علائم ظاہر ہو چکے تھے۔ ہر وقت جنگ چھڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ اس جنگ سے ہندوستان الگ نہیں رہ سکتا تھا اور ہندوستان میں پنجاب ہی وہ صوبہ تھا جو یہ بارِ عظیم اٹھا سکتا تھا۔ لیکن وہاں کانگریسی لیڈر اور کارکن جنگ و دفاع کے خلاف تقریریں کر رہے تھے، جس سے فضا مسموم ہوتی جا رہی تھی کیوں کہ کانگریس کی ہمدردیاں جرمنی اور جاپان کے ساتھ تھیں۔

ان حالات میں حکومت پنجاب نے حکومت ہند کی توجہ دلائی، حکومت ہند نے زیر بحث مسودہ قانون پیش کر دیا۔ کانگریس نے سر سکندر کی حکومت کو بدنام اور اس کے خلاف عوام کو مشتعل کرنے کے لیے یہ موقف اختیار کیا کہ یہ قانون خود پنجاب کو بنانا چاہیے۔ مگر قائداعظم اس پر بضد تھے کہ جنگ اور دفاع کے معاملات مرکز سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا مرکزی حکومت کو یہ کام کرنا چاہیے۔ مطلب یہ کہ اگر کانگریس آمادۂ شورش ہو تو صرف پنجاب زد میں نہ آئے، حکومت ہند سے مقابلہ ہو۔

2۔ پونہ کے مشہور کانگریسی لیڈر جو عرصہ تک آزادئ ہند کے بعد حکومت ہند کے وزیر اور ایک صوبہ کے گورنر بھی رہے۔ پھر مرہٹی صوبہ کے قیام پر اختلاف کے باعث مستعفی ہو گئے۔

3۔ کانگریس کے سابق صدر اور مہا سبھائی لیڈر جو کانگریس سے بغاوت کر کے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں بنے اور آزادی کے بعد اس غداری کا صلہ کانگریس نے یہ دیا کہ بہار کا گورنر بنا دیا۔

✵ ✵ ✵

سندھ مسلم لیگ کانفرنس کا خطبۂ صدارت

9 اکتوبر 1938ء

لیگ کا یہ اجلاس کراچی میں منعقد ہوا تھا اور اپنے نتائج و ثمرات کے اعتبار سے یگانہ اور منفرد ثابت ہوا۔

رئیس احمد جعفری

خواتین و حضرات! آل سندھ مسلم لیگ کانفرنس کی صدارت کا جو شرف آپ نے مجھے بخشا ہے، اس کے لیے میں آپ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ سندھ کے مسلمانوں کی تنظیم جس خوبی سے آپ نے کی ہے، اس کے لیے میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ سندھ کے مسلمانوں کی سیاسی بیداری عدیم المثال ہے۔ سندھ کو علیحدہ صوبہ قرار دیے جانے کے لیے آل انڈیا مسلم لیگ نے جو کوشش کی وہ آپ سے پوشیدہ نہیں۔ سخت مخالفت کے باوجود سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے ہندوستان کے دیگر صوبوں کے مانند آئین عطا کر کے ایک آزاد صوبہ قرار دیا جا چکا ہے۔ اب صوبے کی ترقی و فلاح و بہبود کی ساری ذمہ داری آپ کے سر پر ہے اور اگر آپ اپنے اختیارات استعمال کرنے کے لیے تیار ہو جائیں تو صوبائی مسلم لیگ اس صوبے کی عنانِ حکومت قطعاً حاصل کر لے گی۔ 1935ء کے آئین کی رُو سے جو حقوق عطا ہوئے ہیں، ان میں اگرچہ بہت سے قابلِ اعتراض ہیں، تاہم سندھ کے لوگوں اور خصوصاً مسلمانوں کی اقتصادی، اخلاقی، تعلیمی و سیاسی بیداری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سے مستفید ہونے کی کوشش کرنے کے لیے اسے استعمال کرنا ضروری ہے۔

یہ قسمت کی بدنصیبی ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ نے سندھ اور سرحد کے لیے انتہائی جدوجہد کی اور جانفشانی اٹھائی، مگر نتیجہ یہ ہے کہ یہ دونوں صوبے مسلم لیگ کے دائرہ سے باہر ہیں۔ (1) لیکن مجھے اس بات سے بے حد مسرت حاصل ہوئی کہ سندھ کے مسلمانوں کو اس کا احساس ہو گیا ہے اور اب تسلی بخش

علامات رونما ہو رہی ہیں، سب سے افسوسناک واقعہ سرحد کا رہ جاتا ہے، جس کے لیے مسلم لیگ کانگریس کی مخالفت کے باوجود اپنے اصلاحی مطالبات پر جمی رہی اور ہندوستان کے دیگر صوبوں کے مانند آخر سرحد میں بھی آئین واصلاحات کو جاری کرا ہی کے چھوڑا۔ (2) لیکن افسوس کہ آزاد ہونے پر اور سرحد واردھا کے نقش قدم کا مرید بنا ہوا ہے، (3) اس پر بھی مجھے کامل یقین ہے کہ سرحد کے مسلمان بہت جلد مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آ کر ہندوستان کے دیگر مسلمانوں کے مانند اپنے کو مسلم لیگ کا مطیع و فرمانبردار ثابت کر دکھائیں گے اور وہ لوگ جو پٹھانوں کو گمراہ کر رہے ہیں یا جنھوں نے گمراہ کر دیا ہے۔ ان کی قضا ان کے سروں پر منڈلا رہی ہے، جس کا وہ بہت جلد شکار بنیں گے۔

ہماری یہ جدوجہد وزارت یا اعلیٰ عہدے حاصل کرنے کے لیے نہیں ہے اور نہ ہم اپنے برادرانِ وطن کی تعلیمی واخلاقی واقتصادی ترقیات کے مخالف ہیں، جیسا کہ ہمارے خلاف غلط بیانی کی جا رہی ہے۔ ہم ہندوستان کے ہر فرد و بشر خصوصاً مسلمانوں کی فلاح و بہبود و ترقی کے لیے ہر قسم کی کوشش و قربانی کرنے کے لیے ہمیشہ تیار ہیں۔ مسلم لیگ کی پالیسی اور اس کے لیڈروں پر طرح طرح کی نکتہ چینیاں کی جا رہی ہیں۔ کانگریسی پریس اور محکمۂ اطلاعات میں حقیقت کو دبا کر جھوٹ اور لغویات کا انکشاف کیا جا رہا ہے۔ چھ صوبوں میں وزارت حاصل کرنے کے بعد سے کانگریس کی ہائی کمان نے آل انڈیا مسلم لیگ کے خلاف ایک زبردست وحشیانہ و ظالمانہ و معاندانہ طرز اور رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ وزارت قبول کرنے کے بعد سے کانگریس نے مجلس مقننہ کے لیگ پارٹی کے اراکین کو اچھوت قرار دیا (4) اور نیز یہ قرار دیا کہ ان صوبوں کی وزارتوں میں لیگ کے کسی نمائندے کو اس وقت تک شامل نہ کیا جائے گا جب تک کہ وہ بغیر کسی شرط کے کانگریس کی پالیسی پروگرام اور عہد نامے پر دستخط نہ کر دے۔ حقیقت یہ ہے کہ کانگریس حد درجہ متعصب ہے۔ کانگریس نے مجلس مقننہ میں آغاز کارروائی سے قبل بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دے کر اُسے گانا شروع کر دیا۔ بت پرستی کے علاوہ اس کے الفاظ مسلمانوں کے خلاف نفرت و حقارت کے خیالات سے پُر ہیں۔ (5) اگرچہ اب یہ تسلیم کیا جا رہا ہے کہ یہ قومی ترانہ نہیں ہے۔ (6) تاہم اسکولوں اور مجالس میں اس کو گانے کے لیے اسکول کے حکام کے نام برابر ہدایت نامے و تنبیہات جاری کی جا رہی ہیں۔ اگرچہ یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ کانگریس کا جھنڈا قومی جھنڈا نہیں ہے، تاہم سرکاری اور پبلک اداروں و عمارتوں پر بغیر کسی کے جذبات کا احساس کیے ہوئے عداوتاً اسے لہرایا جا رہا ہے۔ صوبوں کے تعلیمی طریقوں کی از سر نو تشکیل کی جا رہی ہے اور اسے واردھا اسکیم کے اصول پر جاری کیا جا رہا ہے، جس کا دوسرا نام ''وِدّیا مندر'' کہا جاتا ہے۔ مجلس میں مسلمانوں کی حقیقی نمائندگی کو شکست دینے یا مغلوب کرنے کے لیے اور ہر مسلمان کو کانگریس کا رُکن بنانے کے لیے اور کمیونل ایوارڈ (فرقہ وارانہ عطیہ) کا خاتمہ کرنے

کے خیال سے ''مسلم ماس کونٹیکٹ'' شروع کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی تہذیب و طاقت کو نیست و نابود کر دینے کے لیے اُردو کا خاتمہ کر کے سنسکرت آمیز ہندی ہندوستان کی عام زبان قرار دی جا رہی ہے۔ ملازمت صرف ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے جو لیگ سے علیحدگی اختیار کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ''ملکی آزادی'' کی تشریح نئے طریقوں سے کی جا رہی ہے۔ مسلم لیگ کے اراکین کے خلاف دفعہ 144 اور قانون فوجداری کی ترمیمی دفعہ آزادی کے ساتھ استعمال کی جا رہی ہیں۔ میونسپل و ڈسٹرکٹ بورڈ میں مسلمانوں کی نمائندگی کے خلاف ووٹ دینے کے اختیارات کے متعلق طرح طرح کے قوانین کا نفاذ کیا جا رہا ہے۔ مسلم پریس کو ضمانت کی ضبطی کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں اور بعض اُردو اخبار اور رسالوں کی ضمانتیں ضبط کر لی گئی ہیں۔ اب آپ ہی غور کیجیے کہ کیا یہی قومی پروگرام ہے؟ اسی پروگرام سے ہندوستان کی آزادی حاصل ہوگی؟ کانگریس اتنے ہی اختیارات کے نشہ میں اتنی بدمست ہوگئی ہے کہ میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔ اس حالت میں وہ مسلمانوں پر کیسے کیسے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے گی، جب حکومت ہند کے مکمل اختیارات اسے عطا کر دیے جائیں گے۔ اب تک میں نے ان مظالم اور غارت گریوں کا ذکر نہیں کیا ہے جن سے اخبارات کے مکمل کالم رنگے جا چکے ہیں۔ بہار، یوپی اور سی پی کانگریس کے جوش وغضب کے پورے شکار بنے ہوئے ہیں۔ ہم لوگوں نے اس سلسلہ میں جو کمیٹی مقرر کی ہے، اس کی رپورٹ غالباً مسلم لیگ کے دوسرے اجلاس کے موقع پر شائع ہو جائے گی۔

یہ عام تجربہ ہے کہ بہت سے کانگریسی اپنے آپ کو اس ملک کا حکمران دکھلاتے ہیں اور جیسا سلوک کہ برطانیہ نے ہندوستان کے ساتھ کیا ہے، اس سے بھی بدتر سلوک وہ مسلمانوں کے ساتھ روزانہ کر رہے ہیں۔

اب میں پنجاب، بنگال و آسام کے مسئلوں کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ان صوبوں کی وزارت میں مسلمانوں کا کافی اقتدار ہے اس لیے کانگریس کے سپہ سالار اعظم اُن کی معزولی کے لیے کسی حرکت اور کارروائی سے باز نہیں آتے۔ بنگال میں فضل حق کی وزارت کو شکست دینے میں انھیں سخت مایوسی ہوئی۔ پنجاب میں سر سکندر کی وزارت کو کمزور بنانے کے لیے انتہائی کوشش کی جا رہی ہے۔ سر سعد اللہ کی وزارت نے جیسے ہی استعفا داخل کیا، ویسے ہی صدر کانگریس ہمرکابوں کے ہمراہ اپنے عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھ کر پانچ میں سے تین نمائندے مسٹر خلیق الزماں،(7) مسٹر عبدالرحمٰن صدیقی(8) اور مولانا مظہرالدین(9) سمیت ہندوستان سے روانہ ہو گئے ہیں۔

برطانیہ سے وہی بازی لے جا سکتا ہے جس میں طاقت وقوت ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو برطانیہ نے بھیڑیوں کے حوالے کر دیا ہے۔

حواشی

1۔ اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ لیگ نے سرحد اور سندھ کے لیے حکومت سے بار بار جنگ کی تب جا کر ان دونوں کو صوبائی درجہ عطا ہوا، ورنہ سندھ بمبئی سے ملحق تھا اور سرحد چیف کمشنر کا صوبہ تھا۔ جہاں نہ کوئی قانون تھا، نہ دستور۔ لیکن اس کے باوجود آج جب یہ دونوں صوبے بن چکے ہیں، سندھ میں باہمی جنگ کے باعث اور سرحد میں عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان کی کانگریسیت کے باعث لیگ کی وزارت نہیں قائم ہوسکی۔

2۔ کانگریس نے نہرو رپورٹ میں اور اس سے پہلے مرکزی اسمبلی کے مباحثات میں نہ سندھ کو صوبائی درجہ دیے جانے کی حمایت کی، نہ سرحد کو بلکہ علانیہ مخالفت کی ایسے ہی ایک موقع پر، سیّد مرتضیٰ بہادر (مدراس) اور مولوی شفیع داؤدی (بہار) نے مرکزی اسمبلی کی کانگریس پارٹی سے استعفیٰ دے دیا تھا اور پارٹی لیڈر موتی لال نہرو کو صاف طور پر بتا دیا تھا کہ ایسی مسلم آزار روش میں وہ کانگریس کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اس واقعہ پر مولانا محمد علی نے بہت سخت مقالات روزنامہ ہمدرد میں کانگریسی قیادت کے خلاف لکھے تھے۔

3۔ ڈاکٹر خان اور خان عبدالغفار خان گاندھی جی سے ہدایات حاصل کر کے انھی پر عمل پیرا ہوا کرتے تھے۔

4۔ حالاں کہ انتخابات کے زمانے میں لیگ نے کانگریس کا ساتھ دیا تھا اور کانگریسی رکھتے ہوئے نئی کانگریسی وزارت کی پیدائش کے موقع پر اپنی حمایت کا یقین دلانے کے لیے گئے۔ لیکن وزارت قائم ہونے کے بعد مسٹر باردولی تین مسلم وزیروں میں سے ایک مسلم وزیر کے نام کا بھی اعلان نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ اسمبلی کو ملتوی کرانے کے لیے صدر کو جن جن طریقوں سے پھسلایا گیا وہ باعث ذلت ہے۔ کانگریس کے سپہ سالار اعظم مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرا کے مسلم لیگ کی طاقت کمزور بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں۔ اگر مسلمانوں کو اپنے عزائم اور مقاصد میں ناکامی ہوگی تو یہ مسلمانوں ہی کی دغابازی کے باعث ہوگی۔ جیسا کہ گزشتہ زمانہ میں ہو چکا ہے۔ میں دغابازوں کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتا، لیکن ہر انصاف پسند اور مخلص مسلمان سے میری یہ درخواست ہے کہ اپنی جماعت کی فلاح و بہبود کی غرض سے وہ متحد و متفق ہو کر لیگ کے پلیٹ فارم پر آ کر اس کے جھنڈے کے نیچے کام شروع کر دے۔

اس موقع پر میں یہ صاف طور سے بتا دینا چاہتا ہوں کہ میری جنگ تو ہندو جماعت کے خلاف ہے اور نہ ہندوؤں سے مجھے عداوت ہے۔

فلسطین کے المناک واقعوں کے متعلق مجھے کہنے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی

قرارداد کے مطابق 26 اگست کو سارے ہندوستان میں یوم فلسطین منایا گیا اور ہزاروں جلسے منعقد ہوئے، جن میں ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا گیا۔ عربوں کے اوپر جو ظلم وستم کیا جارہا ہے اس سے مسلمانوں کا دل پاش پاش ہو رہا ہے اور ساری اسلامی دنیا اس وقت برطانیہ کے طرزِ عمل پر نظر لگائے ہوئے ہے۔ غیر ممالک خصوصاً فلسطین وانگلینڈ میں سرکاری وفد بھیجنے کے مسئلہ پر غور وخوض کرنے کے لیے مسلم لیگ کونسل نے ایک خاص کمیٹی مقرر کی تھی جس نے آل انڈیا مسلم لیگ کی جانب سے پانچ نمائندوں کا انتخاب کیا۔ امیدواروں کے لیے کام کیا تھا۔ چناں چہ مولانا شوکت علی نے ڈاکٹر کچلو کے لیے کئی دورے کیے اوران کی حمایت میں تقریریں کیں۔

5۔ کانگریس کا اصول اور طے شدہ فیصلہ یہ تھا کہ وہ اسی صوبے میں وزارت بنائے گی جہاں اُسے واضح اکثریت حاصل ہوگی۔ مخلوط اور مشترک وزارت دوسری جماعتوں کے تعاون سے بنانے پر وہ تیار نہ تھی۔ آسام میں مسلم لیگ نے غیر کانگریسی جماعتوں کے تعاون سے سر سعد اللہ کی زیر قیادت وزارت بنالی، لیکن یہ وزارت کانگریس کو ایک آنکھ نہ بھائی، اسے توڑنے کے وہ درپے رہی۔ آخر جب پیہم سازشوں کے بعد وہ ٹوٹ گئی تو کانگریس نے اپنا اصول بھی توڑ دیا۔ آسام اسمبلی میں اسے اکثریت نہیں حاصل تھی مگر اس ڈر سے کہ کہیں مسلم لیگ پھر وزارت نہ بنالے، وہ مخلوط اور مشترک وزارت بنانے پر تیار ہوگئی۔ چناں چہ مسٹر باردولی نے یہ وزارت بنالی۔ اس موقع پر صدر کانگریس بہ نفس نفیس تشریف فرما تھے۔

6۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ طرح طرح کی رشوتوں کے باوجود آسام جیسے دوردست صوبے میں بھی کوئی مسلمان اپنی جماعت (لیگ) سے غداری کر کے وزارت قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ پھر آزادی کے بعد وہ زمانہ آیا کہ ڈاکٹر خان صاحب مغربی پاکستان کے قائداعلیٰ بنا دیے گئے۔ انھوں نے اپنی ری پبلکن پارٹی قائم کی اور رات بھر میں وہ مسلم لیگ کے غداروں سے آباد ہوگئی۔ وزارت کیا، لائسنس تک پر لوگ لیگ کو چھوڑ چھوڑ کر ری پبلکن پارٹی میں شرکت کرنے لگے۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

7۔ جو قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان مسلم لیگ کے پہلے صدر بنے۔

8۔ جو کچھ عرصہ تک مشرقی بنگال کے گورنر رہے۔

9۔ مسلم لیگ کے فدائی تھے اوراسی جرم میں دن دہاڑے اپنے دفتر میں قتل کر دیے گئے۔

❋❋❋

اجلاس مسلم لیگ منعقدہ پٹنہ کا خطبۂ صدارت!

ہم مضبوط ہیں!

26 دسمبر 1938ء

پٹنہ صوبہ بہار کا دارالحکومت ہے۔ یہاں مسلمانوں کی تعداد 90 لاکھ ہے۔ یہ مسلم اقلیت کا صوبہ ہے۔ جس طرح یو پی مسلم اقلیت کا صوبہ ہے۔ اگر چہ وہاں مسلمانوں کی تعداد ایک کروڑ سے زائد ہے۔

لیکن یو پی اور بہار کے مسلمانوں نے تحریک پاکستان کے لیے کسی قربانی سے گریز نہیں کیا۔ وہ اگر پاکستان کے سرگرم اور فعال حامی نہ ہوتے تو گڑھ مکتیشر (یو پی) وغیرہ میں (1946ء) پانی کی طرح ان کا خون نہ بہایا جاتا، اگر وہ پاکستان کے لیے سب کچھ نثار کر دینے کا تہیہ نہ کر چکے ہوتے تو صوبۂ بہار کے متعدد شہروں میں ان کے ہزارہا آدمی موت کے گھاٹ نہ اتار دیے جاتے، لیکن وہ طے کر چکے تھے کہ ہمارا حشر جو کچھ بھی ہو، ہم مسلم اکثریت کے علاقوں کو غلام نہیں رہنے دیں گے۔

قائداعظم نے یہ خطبۂ صدارت پٹنہ کے اجلاس مسلم لیگ میں ارشاد فرمایا تھا۔

رئیس احمد جعفری

خواتین وحضرات! مسلمانانِ پٹنہ و بہار نے جو شرف مجھے بخشا ہے میں اس کے لیے شکرگزار ہوں۔ میرے واسطے یہ امر کمال مسرت کا موجب ہے کہ بہار اور ہندوستان کے دوسرے حصوں سے مسلمان اتنی کثیر تعداد میں شرکتِ اجلاس کی غرض سے آئے ہیں۔ اس سفر میں جو زحمت انھوں نے گوارا کی ہے میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں ان لوگوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے یہ عجیب پنڈال بنایا ہے اور اجلاس کی کامیابی کے لیے شاندار انتظامات کیے ہیں۔

اس سے پہلے کہ میں مسائل حاضرہ پر روشنی ڈالوں، اپنی اور سب کی طرف سے مولانا شوکت علی کی وفات پر اظہار غم والم کرتا ہوں۔ مولانا شوکت علی مرحوم جلیل القدر انسان تھے اور اپنے نصب العین کے واسطے بڑی سے بڑی قربانی کے لیے تیار رہتے تھے۔ وہ میرے رفیق کار اور ذاتی دوست تھے۔ جو

جس قدر چاہے شور مچائے۔ کانگریس اخبار، صبح، دوپہر، شام اور رات کے ایڈیشن شائع کریں۔ کانگریسی لیڈر خواہ کتنا ہی شور مچا کر لکھیں کہ کانگریس قومی انجمن ہے۔ لیکن میں کہوں گا کہ یہ غلط ہے۔ کانگریس ایک ہندو جماعت ہے، یہ حقیقت ہے اور کانگریسی لیڈر اس سے واقف ہیں۔ ایسے چند مسلمانوں کی موجودگی جن کو گمراہ کیا گیا ہے یا ان مٹھی بھر مسلمانوں کی شرکت جو کانگریس میں ذاتی اغراض کی بنا پر شامل ہیں، کانگریس کو قومی جماعت نہیں بنا سکتی۔ کوئی شخص اس حقیقت سے انکار کرنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ کانگرس ہندو انجمن نہیں ہے؟

میں پوچھتا ہوں کہ کیا کانگریس مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے؟ (آوازیں، نہیں نہیں) میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا کانگریس عیسائیوں کی نمائندگی کرتی ہے؟ (آوازیں، نہیں نہیں) میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا کانگریس پسماندہ اقوام کی ترجمان ہے؟ (آوازیں، نہیں نہیں) میں کہتا ہوں کہ آیا کانگریس غیر برہمنوں کی نمائندہ ہے؟ (آوازیں، نہیں نہیں)

درحقیقت کانگریس تمام ہندوؤں کی بھی نمائندہ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ملک میں سب سے بڑی پارٹی ہے۔ لیکن اس سے زیادہ نہیں۔ وہ جو خطاب چاہے اپنے سے وابستہ کرے۔ کانگریس ہائی کمان شرابیوں کی طرح نشہ اقتدار میں مست ہو کر جو دعویٰ چاہے کرے، لیکن ان دعوؤں سے اس کی حقیقت نہیں بدل سکتی۔ وہ بدستور ہندو جماعت ہی رہے گی۔

ایسے دعوے چند اشخاص کو تھوڑی دیر کے لیے مبتلائے فریب کر سکتے ہیں، لیکن ہمیشہ سب لوگوں کو دھوکے میں نہیں رکھ سکتے اور مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونکی جا سکتی۔ مجھے یقین ہے اور غالباً آپ کو بھی یقین ہے کہ کانگریس قومی جماعت نہیں، جو لوگ اب غلط فہمی میں مبتلا ہیں اُن کی آنکھیں بھی جلد کھل جائیں گی۔ (ان لوگوں کی نہیں جو بے دیانتی سے کانگریس کو قومی جماعت سمجھتے ہیں)۔ یہ ملک کی بدقسمتی ہے کہ کانگریس ہائی کمان ہندوستان میں تمام جماعتوں اور ثقافتوں کو کچل کر ہندو راج قائم کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ نام تو قومی حکومت کا لیتے ہیں، لیکن اس سے مراد ہندو حکومت ہوتی ہے۔

واردھا کی تعلیمی اسکیم پر نظر ڈالیے۔ کیا اس کی ترتیب کے وقت مسلمانوں سے مشورہ کیا گیا؟ یہ تمام اسکیم مسلمانوں کی عدم موجودگی میں وضع اور مرتب کی گئی۔ اس کا بانی کون ہے؟ اس کے پیچھے کس کا دماغ کارفرما ہے؟ جناب گاندھی! مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ جس مقصد اور نصب العین کے پیش نظر کانگریس قائم کی گئی تھی، جناب گاندھی اس کو تباہ کر رہے ہیں۔ وہ کانگریس سے ہندوازم کی تجدید کا کام لینا چاہتے ہیں۔ مقصود ہندو مذہب کو تازہ اور ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنا ہے اور جناب گاندھی کانگریس سے اس مقصد کا کام لے رہے ہیں۔

جس قدر چاہے شور مچائے۔ کانگریس اخبار، صبح، دوپہر، شام اور رات کے ایڈیشن شائ
لیڈر خواہ کتنا ہی شور مچا کر لکھیں کہ کانگریس قومی انجمن ہے۔ لیکن میں کہوں گا کہ یہ غلط ۔
ہندو جماعت ہے، یہ حقیقت ہے اور کانگریسی لیڈر اس سے واقف ہیں۔ ایسے چند مسلم
جن کو گمراہ کیا گیا ہے یا ان مٹھی بھر مسلمانوں کی شرکت جو کانگریس میں ذاتی اغراض ک
کانگریس کو قومی جماعت نہیں بنا سکتی۔ کوئی شخص اس حقیقت سے انکار کرنے کی جرأت کر
ہندو انجمن نہیں ہے؟

میں پوچھتا ہوں کہ کیا کانگریس مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے؟ (آوازیں
دریافت کرتا ہوں کہ کیا کانگریس عیسائیوں کی نمائندگی کرتی ہے؟ (آوازیں، نہیں نہیں
چاہتا ہوں کہ آیا کانگریس پسماندہ اقوام کی ترجمان ہے؟ (آوازیں، نہیں نہیں) مید
کانگریس غیر برہمنوں کی نمائندہ ہے؟ (آوازیں، نہیں نہیں)

درحقیقت کانگریس تمام ہندوؤں کی بھی نمائندہ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ملک
بڑی پارٹی ہے۔ لیکن اس سے زیادہ نہیں۔ وہ جو خطاب چاہے اپنے سے وابستہ کر ۔
کمان شرابیوں کی طرح نشہ اقتدار میں مست ہو کر جو دعویٰ چاہے کرے، لیکن ان د
حقیقت نہیں بدل سکتی۔ وہ بدستور ہندو جماعت ہی رہے گی۔

ایسے دعوے چند اشخاص کو تھوڑی دیر کے لیے مبتلائے فریب کر سکتے ہیں، لیکن
کو دھوکے میں نہیں رکھ سکتے اور مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونکی جا سکتی۔ مجھے
آپ کو بھی یقین ہے کہ کانگریس قومی جماعت نہیں، جو لوگ اب غلط فہمی میں مبتلا ہیں اُن ک
کھل جائیں گی۔ (...)

مسلمانوں میں واردھا سکیم کا ردّعمل یہی ہو سکتا تھا جو ہوا۔ آپ نے پیرپور رپورٹ پڑھی ہوگی۔ اس پر اضافہ کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ صورت حال کو ایک جملہ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ ہندو ذہنیت اور ہندو نظریہ کی ترویج کی جارہی ہے اور مسلمانوں کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس کے قبول کرنے کے لیے مجبور کیا جارہا ہے۔ کیا مسلمانوں نے بھی کسی جگہ ایسی حرکت کی ہے۔ کیا انھوں نے کہیں ہندوؤں کو اسلامی ثقافت پڑھنے کی جدوجہد کی ہے؟ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں نے جہاں خفیف سی آواز اٹھائی کہ ہندو ثقافت کیوں ہمارے سر مڑھی جارہی ہے تو اُنہیں فرقہ پرست اور شورش انگیز ٹھہرایا گیا اور کانگریس کی جابرانہ قوت ان کے خلاف حرکت میں آ گئی۔ بہار کے واقعات کو ہی دیکھ لیجیے۔ کانگریسی حکومتوں میں کس کی ثقافت کو دبایا گیا؟ مسلمانوں کی ثقافت کو۔ کس کے خلاف جابرانہ احکام جاری ہوئے، کس کے خلاف امتناعی تدابیر اختیار کی گئیں؟ کن لوگوں کو گرفتار کیا گیا؟ مسلمانوں کو۔ مجھے ایک ایسا واقعہ بتایا جائے کہ گزشتہ ڈیڑھ سال میں مسلمانوں نے کسی جگہ ہندوؤں پر اپنی تہذیب عائد کرنے کی کوشش کی ہو۔ (آوازیں، کسی جگہ نہیں)

میں اس موضوع پر مزید روشنی ڈالنا نہیں چاہتا۔ کانگریس کے متعلق مجھے جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکا ہوں۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، آل انڈیا مسلم لیگ تبریک وتہنیت کی مستحق ہے کہ اس نے مسلمانوں میں قومی احساس پیدا کر دیا۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، مسلمان اس قوم کی مانند تھے جو اپنا اخلاقی ثقافتی اور سیاسی شعور کھو چکی ہو۔ ہنوز آپ نے اخلاقی، ثقافتی اور سیاسی شعور کا وہ درجہ حاصل نہیں کیا ہے۔ ابھی تو آپ بیدار ہوئے ہیں اور آپ کے سیاسی شعور میں حرکت پیدا ہوئی ہے۔ کانگریس کا دعویٰ غلط ہو، یا صحیح اس سے قطع نظر کرتے ہوئے آپ دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں نے اخلاقی، ثقافتی اور سیاسی شعور کے ضروری اوصاف پیدا کر لیے ہیں اور ان اوصاف نے ہندوؤں کے قومی احساس کی صورت اختیار کر لی ہے۔ یہی طاقت ان کے پسِ پشت کارفرما ہے۔ میں چاہتا ہوں مسلمان بھی یہ طاقت پیدا کر لیں۔ جب آپ یہ طاقت پیدا کر لیں گے تو جس چیز کے حصول کا ارادہ کریں گے وہ حاصل ہو جائے گی۔ سروں کا گننا (رائے شماری) اچھی بات سہی۔ لیکن گنتی قوموں کی تقدیر کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ ابھی آپ کو قومیت اور قومی انفرادیت پیدا کرنی ہے۔ یہ بڑا کام ہے اور ابھی آپ نے اسے شروع ہی کیا ہے، تاہم مجھے کامیابی کی قوی امید ہے۔ جو ترقی ہو چکی ہے وہ اعجاز سے کم نہیں۔ مجھے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ ہم ایسا حیرت انگیز مظاہرہ کر سکیں گے جو آج پیش نظر ہے، لیکن اس کے باوجود ہنوز کام کا آغاز ہے۔

دوسرا اہم مسئلہ جو سبجیکٹس کمیٹی میں پیش ہوگا، فلسطین کا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس مسئلہ نے مسلمانوں میں کس قدر اضطراب پیدا کر دیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ضرورت ہوئی تو مسلمان اعراب

فلسطین کی مدد کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ جو قومی آزادی کے لیے جنگ کر رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ عربوں کے ساتھ بے شرمانہ سلوک کیا گیا ہے۔ اپنی آزادی کے واسطے لڑنے والوں کو ڈاکو بتایا اور ہر قسم کی سخت گیری کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اپنے وطن کی حفاظت کے جرم پر انھیں بنوک سنگین مارشل لا جاری کر کے دبایا جا رہا۔ لیکن دنیا کی کوئی قوم جو زندہ رہنے کی مستحق ہے، کوئی بڑا کام ان قربانیوں کے بغیر نہیں کر سکتی جو اعراب فلسطین کر رہے ہیں۔ ہماری تمام ہمدردیاں ان بہادر غازیوں کے ساتھ ہیں جو غاصبوں سے حریت کی خاطر جنگ کر رہے ہیں۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ہمیں ریاستی باشندوں کے مقاصد سے پوری ہمدردی ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ریاستی باشندوں کی تائید و حمایت سے کانگریس کا وہ مقصود نہیں جو ظاہر کیا جاتا ہے؟ میں صرف ایک سوال کروں گا۔ ریاستوں میں یہ شورش کیوں ہے؟ حیدر آباد میں آریہ سماجیوں اور ہندو مہا سبھائیوں کی تمام طاقتیں کیوں جمع کی جا رہی ہیں۔ میں کانگریس سے پوچھتا ہوں کہ وہ کشمیر میں کیا کر رہی ہے۔ آریہ سماجی، ہندو مہا سبھائی کانگریسی قوم پرست اور کانگریسی اخبار یہ سب کشمیر کے معاملہ میں کیوں چپ سادھ رہے ہیں۔ کیا اس وجہ سے کہ کشمیر ہندو ریاست ہے؟ کیا اس وجہ سے کہ کشمیر کی آبادی میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ (2)

دوسرا مسئلہ فیڈریشن کا ہے جس پر غور کیا جائے گا۔ کانگریس کو کہنے دیجیے کہ فیڈریشن قبول نہیں کیا جائے گا۔ میں کانگریس کے اعلانات پر یقین نہیں رکھتا۔ کانگریس فیڈریشن کو بھی اسی طرح قبول کرے گی جس طرح اس نے آئین کے صوبائی حصہ کو منظور کر لیا تھا۔ (3) سبھاش چندر بوس نے نہایت بلند آہنگی سے کل ہی یہ اعلان کیا ہے کہ انفرادی طور پر کانگریسی لوگ خواہ کچھ کہیں، کانگریس کلیتاً فیڈریشن کو مسترد کر دے گی۔ میں ایسے اعلانات پر اعتماد نہیں کرتا۔ مجھے معلوم ہے کہ ایک کانگریسی لیڈر نے یہ بھی کہا کہ ہم نظر ثانی اور ترمیم سے مطمئن ہو جائیں گے۔ اگر انتخابی اصول تسلیم کر لیا گیا تو کانگریس اس سے خوش ہو جائے گی۔ ایک اور کانگریسی لیڈر نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر فیڈریشن کی سکیم میں اس طرح ترمیم کر دی جائے کہ اس سے جوہر آزادی حاصل ہو سکے تو کانگریس اس کو قبول کر لے گی اور اس طرح ناخوشگوار اور ناممکن العمل سکیم خوشگوار اور قابلِ عمل بن جائے گی۔ میں کہتا ہوں کہ کانگریسی لیڈر پھر ایک بار مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ لیکن میں اعلان کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ مسلمان وہ نہیں جو آج سے تین سال پیشتر تھے۔ کانگریس کا مقصود اس ناقص اور قابلِ اعتراض آئین میں ٹھوس اکثریت حاصل کرنا ہے۔ اگر اکثریت حاصل ہو جائے تو وہ بڑی خوشی سے اس کو منظور کر لے گی اور اس کے بعد اسلامی تہذیب اور تنظیم کو تباہ کرنے کے لیے اپنی سکیم پر عمل پیرا ہو گی اور کانگریس فسطائی نوعیت کی واحد

جماعت بنانے کی کوشش کرے گی۔ اس طرح ہندوستان میں ہندوراج قائم کیا جائے گا۔

کانگریسی لیڈر اپنے مقاصد کو جانتے ہیں۔ سات صوبوں میں انھیں اکثریت حاصل ہے اور حکومتیں قائم ہیں۔ صرف چار صوبے رہ گئے ہیں۔ (4) اب وہ ان پر بھی للچائی ہوئی نظریں ڈال رہے ہیں۔ گاہ گاہ یہ شور مچاتے ہیں کہ ان چار صوبوں کی حکومتیں ٹوٹنے والی ہیں اور اکثریت کے باوجود قائم نہیں رہ سکتیں۔ کانگریسی لیڈر جانتے ہیں کہ ان چار صوبوں میں وزارتیں بہت مستحکم ہیں۔ پھر بھی وہ چاہتے ہیں کہ ان میں سے کسی صوبہ کے اندر کانگریسی حکومت قائم ہو جائے۔ لیکن کانگریس کے منصوبوں کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔ مجھے صوبہ سرحد کے دوستوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انھوں نے بتایا کہ سیدھے سادے پٹھانوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ کانگریس عوام کی بہبودی اور فلاح چاہتی ہے اور مسلم لیگ ملوکیت کی حامی اور حلیف ہے۔ اس سے بڑا جھوٹ نہیں ہو سکے گا۔ مجلس وضع آئین کے اندر یا باہر میں نے کبھی کسی موقع پر بھی ملوکیت کی حمایت کی ہے؟ چہ جائیکہ مجھے ملوکیت کا حلیف ثابت کیا جائے۔ (آوازیں، نہیں نہیں)

شاید پیشتر کچھ ایسے مسلمان تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ برطانوی ملوکیت سے مل کر اپنے مقاصد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن اب یہ غلط فہمی دور ہو چکی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مسلم لیگ کسی کی حلیف نہیں بنے گی۔ مسلمانوں کے مفاد کے لیے ضروری ہوا تو شیطان سے بھی اتحاد کر لے گی۔

(اس وقت اجلاس میں کامل سکوت طاری ہو گیا)۔

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد قائداعظم نے فرمایا، ہمیں ملوکیت سے محبّت نہیں لیکن سیاسیات میں اسی طرح چالیں چلنی پڑتی ہیں جس طرح شطرنج کی بساط پر مسلمانوں اور مسلم لیگ کا اتحادی مسلم قوم کے سوا کوئی نہیں۔ وہ خدائے واحد ہے جس کی طرف اعانت کے لیے مسلمانوں کی نظریں اٹھتی ہیں۔ (نعرہ ہائے تحسین)

فیڈریشن کے متعلق کانگریس کا کھیل صاف ہے۔ اگر حکومت پر کانگریس کا قابو ہو گیا تو وہ ان بالواسطہ یا بلاواسطہ اختیارات سے جو فیڈرل حکومت کو حاصل ہوں گے۔ آنریبل فضل الحق صاحب کی حکومت کو بنگال اور آنریبل سر سکندر حیات خان کی حکومت کو پنجاب میں نہ ہونے کے برابر کر دے گی۔ اس طرح کانگریس کی سات صوبوں میں خداداد تحفہ کے طور پر عظیم اکثریت حاصل ہو جائے گی اور باقی چار صوبے کانگریس ہائی کمان کے باج گزار بن جائیں گے۔ (5)

آج صبح چند نوجوان میرے پاس آئے اور کہا کہ فلاں فلاں اشخاص لیگ میں نہیں ہونے چاہئیں۔ میں ان نوجوانوں اور دوسرے لوگوں سے کہتا ہوں کہ لیگ ابھی وہ نہیں جو اس کو ہونا چاہیے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ایسے لوگ لیگ میں شامل ہیں جو سچے لیڈر نہیں لیکن مسلم لیگ تمام مسلمانوں کی

جماعت ہے۔ میں اپنے نوجوان دوستوں سے کہتا ہوں کہ اگر لیگ کو بلند ترین مقام پر پہنچانا ہے تو باہر رہ کر اعتراض نہ کیجیے، اس میں شامل ہو جایئے اور اس کی اصلاح کیجیے۔ (نعرہ ہائے تحسین) میں ہر ایک مسلمان سے درخواست کرتا ہوں کہ مسلم لیگ میں شامل ہو جاؤ۔ یہ آپ کی جماعت ہے یہ کسی کی جائیداد یا ملکیت نہیں، آپ اس کو جیسا چاہیں بنائیں۔

قائداعظم نے اُردو میں تقریر کرتے ہوئے مسلمانوں کو اپنے اختلافات دور کرنے کی نصیحت کی اور کہا کہ جب کانگریس نے مسلمانوں سے رابطہ پیدا کرنے کی تحریک شروع کی تھی تو اس وقت عام مسلمان اس کے ساتھ تھے۔ لیکن یوپی اور ہزاری باغ کے ضمنی انتخابات نے کانگریس کے چیلنج کا موزوں جواب دے دیا اور اب یہ حال ہے کہ مولانا شوکت علی مرحوم کی وفات سے مرکزی اسمبلی میں جو نشست خالی ہوئی تھی کانگریس نے اس کے لیے اپنا امیدوار کھڑا ہی نہیں کیا۔ اب کانگریس کی مسلم رابطہ عام کمیٹی کہاں ہے؟ اب کانگریس کو یہ ربط چھوڑ دینا چاہیے۔

حواشی

1۔ حیدرآباد میں جو مسلم ریاست تھی ہندوؤں کو ''ظلم'' سے بچانے کے لیے تحریک ستیہ گرہ شروع کر دی گئی۔ لیکن کشمیر میں جو ہندو ریاست تھی اور جہاں مسلمانوں پر ایک صدی سے قیامت کے مظالم توڑے جارہے تھے۔ کوئی ستیہ گرہ نہیں کی گئی۔

2۔ صوبائی آزادی (پراونشل اٹانومی) کو کانگریس نے رد کر دیا تھا، لیکن انتخاب میں حصہ لیا اور وزارتیں بنائیں۔ کیا یہی وہ مرکزی (فیڈریشن) آئین کے نفاذ کے موقع پر نہ کرتی؟

3۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ چند حسب دلخواہ ترمیموں کے بعد کانگریس ضرور مطمئن ہو جاتی اور فیڈریشن قبول کر لیتی، جس کے بعد مسلمانوں پر اُسے آقایانہ اختیارات حاصل ہو جاتے اور پنجاب، بنگال، سرحد، سندھ، بلوچستان، سب اس کے تابع ہو جاتے۔

4۔ یعنی پنجاب، بنگال، سرحد اور سندھ۔

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی!

اقبال

1939ء

جب ایک نئی قوم تشکیل پا رہی تھی۔
جب اس نئی قوم کی تقدیر بدل رہی تھی۔

دفعتہً جس سے بدل جاتی ہے تقدیرِ امم
ہے وہ قوت کہ حریف اس کی نہیں عقلِ سلیم
ہر زمانے میں دگرگوں ہے طبیعت اس کی
کبھی شمشیرِ محمدؐ ہے، کبھی چوبِ کلیمؑ

ایک مخلص، نڈر اور بیباک ساتھی کا تذکرہ!

مولانا شوکت علی کی یاد!

1939ء

مولانا شوکت علی مسلمانانِ ہند کے محبوب ترین زعیم تھے۔ ان کی لازوال خدمات، ان کے وقیع کارنامے، ان کی یادگار قربانیاں اور سب سے بڑھ کر ان کی باعظمت شخصیت، کون تھا جو اُن کے آگے سر نیاز خم کرنے پر مجبور نہ ہو جاتا۔

مولانا شوکت علی میں بہت سی خوبیاں تھیں اور سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ان میں انانیت نام کو نہ تھی۔ قوم اور ملت کے مفاد کا جب مرحلہ پیش آ جائے پھر وہ ہر چیز کو، حتیٰ کہ اپنی شخصیت تک کو، اپنے وقار تک کو، فراموش کر دیتے تھے۔

ہندوستان کے مسلمان زعما میں صرف مولانا شوکت علی ایک ایسے شخص تھے جو قائداعظم کے حریف بن سکتے تھے۔ قائداعظم سے ٹکر لے سکتے تھے، بلکہ ان کی قیادتِ عظمیٰ کی راہ میں کانٹے بچھا سکتے تھے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جس طرح گاندھی جی کی مہاتمائیت کو فروغ دینے میں شوکت کا غیر معمولی حصہ تھا، اسی طرح قائداعظم کو نشوونما دینے میں ان کا غیر معمولی حصہ تھا، ان دونوں موقعوں پر انھوں نے اپنی شخصیت فنا کر دی اور جسے اپنے سے بہتر قوم کا سالار سمجھا، اس کے نقیب بن گئے اور اس کے عروج و فروغ کے لیے ہمہ تن وقف ہو گئے۔

یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ شوکت صاحب کے دیرینہ نیاز مند اور عقیدت کیش کبھی انفرادی صورت میں اور کبھی جتھے کی صورت میں بپھرے ہوئے خشمگیں اور برہم خلافت ہاؤس آتے اور اس بات پر لڑتے کہ ہم آپ کو شروع سے مدتِ مدید سے اپنا قائد اور سالارِ کارواں مانتے چلے آ رہے ہیں اور مانتے رہیں گے، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ جناح صاحب کی قیادت ہم پر تھوپ دیں اور ہم مان لیں، آخر آپ مسلم لیگ کا کام خلافت کمیٹی سے کیوں نہیں لیتے؟

لیکن شوکت صاحب برہم ہو کر جواب دیتے، اگر تم مجھے اپنا لیڈر سمجھتے ہو تو جناح کی قیادت کے

سامنے تمھیں سرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ میرے پاس عمل اور تنظیم کی جتنی بھی قوت ہے وہ جناح کے لیے وقف ہے۔ کیوں کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر مخلص، دیانتدار، راست گو اور ہندو سیاست کو سمجھنے اور اس کا ترکی بہ ترکی جواب دینے والا سارے ہندوستان میں کوئی نہیں ہے۔ کیا تم مجھے اکسا کر مسلمانوں کی کشتی ڈبونا چاہتے ہو؟ کیا تم خلافت کا نام لے کر مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہو؟ خلافت کمیٹی زندہ ہے اور زندہ رہے گی، لیکن وہ مسلم لیگ کی جگہ نہیں لے سکتی، دونوں کو اپنے اپنے حدود میں کام کرنا پڑے گا۔

قائداعظم شوکت صاحب کے اس ایثار و خلوص اور صداقت کے دل و جان سے قائل تھے۔ ان کی آنکھیں کبھی پرنم نہیں ہوئیں۔ لیکن شوکت کے مرنے پر روئے، وہ کسی لیڈر سے ملنے اس کے گھر نہیں گئے، لیکن شوکت کی عیادت کو بارہا آئے۔ پٹنہ کے اجلاس میں انھوں نے جو خراجِ تحسین شوکت کو پیش کیا، وہ ان کے دل کی آواز تھی اور اینگلو عربک کالج دہلی، میں شوکت کی تصویر کی نقاب کشائی کرتے ہوئے جو ذیل کی تقریر کی وہ اس کی آواز بازگشت تھی۔

رئیس احمد جعفری

قائداعظم نے مولانا شوکت علی مرحوم کی ان ملّی خدمات پر خراجِ عقیدت ادا کرتے ہوئے فرمایا، ''وہ جس راستے کو اپنے خیال میں صحیح سمجھتے اس پر گامزن ہوجاتے اور ان کے پائے ثبات میں یک سرمو تزلزل نہ ہوتا تھا۔ وہ سچے اور ایمان والے تھے۔ انھوں نے آخر وقت تک ''بشرط استواری'' اسلام سے وفا کی، کوئی لالچ ان کو اپنے راستے سے ایک انچ بھی نہیں ہٹا سکتا تھا۔ ان کا طریق عمل صحیح ہو یا غلط، لیکن جب انھیں ایک دفعہ یقین ہوجاتا تھا کہ یہ راستہ اسلام کی ناموری کا ہے تو پھر وہ بلا خوف و تامل اس پر چل پڑتے تھے۔

ماہ اپریل 1936ء میں جب مسلم لیگ کی تجدید ہوئی تو مولانا شوکت علی نے ارادہ کرلیا تھا کہ وہ لیگ کے ذریعہ سے مسلمانوں کی خدمت کریں گے اور انھوں نے آخر وقت تک لیگ کا ساتھ دیا۔ اپریل 1936ء سے مجھے ایک باوفا رفیق ملا تھا۔ ہر چند کہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن میں مایوس نہیں ہوں کہ ابھی تو کام کا آغاز ہوا ہے۔ یہ کام بہر صورت جاری رہے گا، خواہ کتنی ہی طویل مدت کیوں نہ ہو۔ میں ہر زن و مرد سے خواہش کرتا ہوں کہ وہ اس صورت حال کو سمجھیں جو انھیں درپیش ہے اور محض چلتے ہوئے فقروں اور نعروں میں نہ بہ جائیں۔

آپ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کا موازنہ کرتے ہوئے بتایا کہ مجھے روزانہ ہر طبقہ و خیال کے

اشخاص سے سابقہ پڑتا ہے۔ مجھے ہندوؤں اور مسلمانوں کی وجاہت میں ایک بین فرق معلوم ہوتا ہے۔ جہاں مسلمانوں کا روشن طبقہ بے سروپا تخیلات رکھتا ہے اور چلتے ہوئے فقروں میں بہہ جاتا ہے۔ وہاں ہندو مرد و عورت، بلکہ ان میں بعض غیر تعلیم یافتہ بھی، جو مجھ سے ملتے ہیں، مسلمانوں سے میلوں آگے ہیں۔

میں ہندوؤں کی برائی نہیں چاہتا۔ مجھے مسرت ہے کہ ہندو زیادہ مستعد اور تیار ہیں۔ مجھے ہندوؤں سے کوئی بغض وعداوت نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ مسلمان کئی لحاظ سے ہندوؤں سے پیچھے ہیں۔ وہ تعداد میں کم ہیں، اگرچہ میں تسلیم نہیں کرتا کہ کسی قوم کے اعداد و شمار ہی اس کی طاقت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

پھر آپ نے مسلمانوں کی حالتِ زار کو اجمالی طور پر اس طرح بیان کیا کہ مسلمان اقتصادی حیثیت سے دیوالیہ، معاشی اعتبار سے صفر اور تعلیمی لحاظ سے تا حال مبتدی ہیں۔ اگر مسلمان اپنا صحیح مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر انہیں اس کی اہلیت پیدا کرنی چاہیے۔ ان مسائل کی پیچیدگیوں کو سمجھنا اور اس کی تحقیق کرنا چاہیے جو انھیں درپیش ہیں۔ یہ استدلال صحیح نہیں ہے چوں کہ مسلمانوں نے عہد رفتہ میں صدیوں اس ملک پر حکومت کی ہے اس لیے اب بھی انھیں حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔ ایسی باتوں سے لطف اندوز ہونے میں کوئی فائدہ نہیں۔ آج جس چیز کی ضرورت ہے وہ جفاکشی، انتھک کوشش ذمہ داری اور شعور فرائض ہے۔

دولت برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتی ہے اور گاندھی جی مسلم ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم دونوں کو اپنے پر حکومت نہ کرنے دیں گے...... خواہ دونوں متفق ہو کر یا تنہا کوشش کر دیکھیں۔ ساری دنیا مان چکی ہے اور حکومت برطانیہ بھی فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے یہ تسلیم کر چکی ہے کہ مسلم لیگ ہی مسلم ہندوستان کا جائز واحد نمائندہ ادارہ ہے۔ لیکن تا حال سیوگاؤں میں روشنی طلوع نہیں ہوئی اور ابھی تک مسٹر گاندھی اندھیرے میں ٹٹول رہے ہیں۔

لیگ کے معمولی ذرائع کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اورنگ زیب روڈ پر میرا مکان خانگی حیثیت سے قابلِ رشک ہی سہی لیکن معتمدی فوج کا دفتر کہاں ہے؟ میری ساری کائنات ایک اٹیچی کیس، ایک ٹائپ رائٹر اور ایک ذاتی مددگار پر مشتمل ہے۔ میں مشکلات کا غلط اندازہ کرنے کے خلاف ہوں، لیکن اس کے ساتھ ہی میں شکست خوردہ ذہنیت بھی نہیں رکھتا، مجھے مسلمانوں پر کامل یقین ہے۔

ان تمام دشواریوں کے باوجود میرا ایقان ہے کہ مسلمان کسی دوسرے فرقہ کی نسبت ''بہتر سیاسی دماغ'' رکھتے ہیں، ادراکِ سیاسی مسلمانوں کے خون میں ملا ہوا ان کی رگوں اور شریانوں میں دوڑ رہا ہے اور اسلام کی باقی ماندہ عظمت ان کے دلوں میں دھڑک رہی ہے۔ مسلم لیگ نے انھیں ایک پرچم، ایک

لائحہ عمل اور ایک حکمت عملی دی ہے۔اب مسلمان اپنی تنظیم کو وسیع اور استوار کریں۔

جب میں محسوس کروں گا کہ جو فیصلہ کرنا چاہتا ہوں، اس پر صرف چند لوگ ہی نہیں بلکہ سارے مسلمان بحیثیت مجموعی لبیک کہنے کو تیار ہیں تو پھر بڑی خوشی سے آگے بڑھنے کا حکم دوں گا۔

میں ''کامل اتفاق آرا'' پر مصر نہیں ہوں کیوں کہ ایسا ہونا کسی قوم میں بھی ممکن نہیں ہے۔ میں بہر صورت اپنی قوم کی اکثریت کی باشعور اور ٹھوس حمایت چاہتا ہوں۔اگر یہ حاصل ہوئی تو پھر میں بندوق کی گولیوں کے سامنے بھی کھڑا ہونے پر تیار ہوں۔لیکن آگے بڑھنے سے پہلے اس پر مطمئن ہونا چاہتا ہوں۔

حاشیہ

1۔ گاندھی جی کا ہیڈکوارٹر۔

***

4۔ داخلی ڈاک کی شرح

5۔ محصول آمدنی وزائد محصول

بحیثیت موجودہ میں اس موازنے کو بنظر پسندیدگی نہیں دیکھ سکتا، کیوں کہ اس میں ہمارا کوئی دخل یا اختیار ہوتا تو ہم اس کی ترتیب کسی دوسری ہی اساس و بنیاد پر کرتے۔ لیکن موازنہ بہرحال ایوان کے روبرو آ گیا ہے اور ہم صرف اس پر غور کر رہے ہیں کہ مجوزہ محصولات میں کوئی تخفیف یا ترمیم ہو سکتی ہے۔

اس ایوان میں مسلم لیگی جماعت کی حیثیت بالکل انوکھی ہے۔ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے ہمیں اس ایوان میں پاسنگ کی حیثیت حاصل ہے۔ اگر ہم نے حکومت کی تائید کی تو میرا خیال ہے کہ رکن مالیات پوری طمانیت کے ساتھ بحفاظت تمام اس مسودہ کو آگے بڑھاتے ہوئے بغیر کسی ردوبدل کے منظور کرا لیں گے۔ چناں چہ وہ قدرتی طور پر ہماری جماعت سے استدعا کریں گے کہ ہم اس کی حمایت کریں۔

ہم ایک عرصۂ دراز سے اس اصول پر عمل پیرا رہے ہیں کہ اگر حکومت نے کوئی ایسا ضابطہ پیش کیا جو عوام کی بہبودی کے لیے ہے تو ہم اس کی حمایت کریں اور اگر وہ مفاد عامہ کے خلاف ہوا تو اس کی مخالفت کریں۔

لیکن جناب میرا خیال ہے کہ اب اس حکمتِ عملی میں ردوبدل ہونا چاہیے۔ اس کا تو یہ مطلب تھا کہ جب کانگریس راستی پر ہو تو کانگریس کی حمایت کرو...... جب حکومت راستی پر ہو تو حکومت کی حمایت کرو...... لیکن جب ہم راستی پر ہوں تو ہماری حمایت کوئی نہ کرے۔ اب ہم یہ سمجھتے ہیں...... بلکہ میں حکومت سے پوچھتا ہوں کہ تمھاری حکمتِ عملی کیا تھی؟ تمھاری روش کیسی تھی؟ اور میری جماعت کے ساتھ تمھارا کیا عمل رہا؟

مجھے مسرت ہوئی کہ رکن مالیات نے اپنی طویل تقریر میں کہا...... "کان پور (1) کو یاد رکھیے، بنارس (2) اور بدایوں (3) کو یاد رکھیے۔"...... لیکن میں ایوان کو بتا سکتا ہوں کہ ملک میں ایسے بہت سے مقامات ہیں جہاں مسلمانوں کے ابتدائی حقوق بھی پامال کیے جاتے ہیں...... مگر حکومت نے اس کے لیے کیا کیا؟ مجھے یاد ہے، بہت زیادہ دن نہیں گزرے کہ میں نے مسٹر ولبھ بھائی پٹیل کی ایک تقریر پڑھی تھی۔ انھوں نے کہا تھا:

> "ان سارے الزامات، ان ساری بدسلوکیوں، ناانصافیوں، مظالم اور اذیتوں کی کوئی بنیاد نہیں ہو سکتی۔ اس کے بے بنیاد ہونے کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو گورنر یقیناً مداخلت کرتے۔" (4)

قانونِ مال گزاری

22 مارچ 1939ء

قائداعظم کا یہ اصول تھا کہ وہ حکومت یا کسی دوسری جماعت کی طرف سے پیش کردہ ہر مسودۂ قانون پر اچھی طرح غور کرتے تھے۔ اس کے ایک ایک حرف کا مطالعہ کرتے تھے۔ اس کے تمام پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ اس کے جملہ متعلقات کی چھان بین کرتے تھے، اس کے بارے میں جتنی معلومات بھی ممکن ہو سکتی تھیں، حاصل کرتے تھے اور پھر اپنی بے لاگ، دوٹوک اور بے لوث رائے ایوان کے سامنے پیش کر دیتے۔ خواہ کسی کو بُری لگے یا بھلی۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق

یہ تھا اُن کا اصول جس میں کبھی لچک نہیں پیدا ہوئی۔

مسودۂ قانون مال گزاری ایک خشک سا موضوع تھا۔ لیکن دیکھیے اس میں بھی قائداعظم کے سحرِ کلام نے کیسی کیسی گل کاریاں کی ہیں؟

رئیس احمد جعفری

مسٹر جناح۔ میں نے اس بحث میں معمول سے کسی قدر پہلے شرکت کی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں مسلم لیگ پارٹی کی حیثیت اچھی طرح واضح کر دوں۔

صرف یہی ایک ترمیم نہیں ہے جس سے ایوان کو عہدہ برآ ہونا ہے۔ مسودہ کی رُو سے اس کے پانچ مدات ہیں:

1۔ محصول نمک
2۔ شکر کی چنگی (قبل فروخت)
3۔ محصول درآمد (روئی)

مجھے خیال ہے کہ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے بھی حال ہی میں ایک تقریر کی تھی اور انھوں نے بھی یہی دلیل پیش کی تھی کہ:

''اگر ان تمام بے بنیاد الزامات میں (جو ہم لگا رہے ہیں) صداقت کا شائبہ بھی ہوتا تو گورنر فوراً مداخلت کرتے اور اس طرح خاموش و ساکت نہ بیٹھے رہتے۔''

گورنروں نے مداخلت نہیں کی۔ اس لیے میرے معزز دوست مطمئن ہیں......

جناب! میں کہہ رہا تھا کہ ہماری یہ حالت ہے...... فلسطین (5) میں کیا ہوا، وزیرستان (6) میں کیا ہوا؟ جے پور (7) میں کیا ہوا؟ اقتدارِ اعلیٰ کہاں ہے؟ (8)

بھائی پرمانند۔ (مغربی پنجاب، غیر مسلم) اور حیدرآباد میں بھی!

مسٹر جناح۔ جب آپ کی باری آئے تو اپنی جماعت کی روش واضح کر دیجیے۔ اس وقت تو میں اپنی جماعت کی روش کی وضاحت کر رہا ہوں...... بغیر کسی تنبیہ اور بغیر کسی وجہ کے گولی چلائی گئی!

کہاں ہے اقتدارِ اعلیٰ؟ کیا کر رہا ہے وہ؟ میں یہ نہیں کہتا کہ ہندوستانی ریاستوں پر دباؤ ڈال کر یا ان کو مجبور کر کے دستوری اصلاحات کو منوانے کے لیے آپ کو مداخلت کرنی چاہیے۔

لیکن یہ مہذب نظم و نسق کے قیام کا اساسی و بنیادی اصول ہے۔ کیا شہریوں کے ابتدائی حقوق کے ساتھ عدل و انصاف ہو رہا ہے؟ میں تو ایسی مثالوں پر مثالیں دیتا چلا جاؤں، لیکن ایوان کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے علاوہ یہ موقع و محل بھی نہیں ہے۔

تم ہم سے یہ توقع کیوں رکھتے ہو، میں حکومت سے پوچھتا ہوں؟ تمھیں یہ امید ہی کیوں ہے کہ ہم تمھارے لیے گل چینی کریں گے اور اپنے دست و دامن کے لیے کانٹوں کا خطرہ مول لیں گے؟ تم ہم سے کیوں متوقع رہتے ہو کہ ہم تمھارے نظر فریب چشم و ابرو کے اشاروں پر چلتے رہیں گے؟

جہاں تک حکومت کا تعلق ہے ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ اس مسودہ قانون مال گزاری کی حد تک تمھیں کوئی امداد نہ دیں...... اور دوسری طرف جہاں تک کانگریس کا تعلق ہے...... میں اس وقت تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ کانگریسی جماعت مسلم لیگ کے خلاف نہ صرف معاندانہ اور مخاصمانہ روش اختیار کیے ہوئے ہے بلکہ وہ بداندیش اور ضرر رساں بھی ہے اس لیے میں ان سے کہتا ہوں کہ تمھارے اور ہمارے مابین اشتراکِ عمل ممکن نہیں ہے۔

شاید وہ یہ کہیں کہ ''بہت اچھا! ہماری تعداد یہاں سب سے زیادہ ہے۔''

تمھاری تعداد سب سے زیادہ ہوا کرے! تم ترقی یافتہ اور تمھاری اقتصادیات مستحکم ہی سہی! اور تم

سمجھا کرو کہ سروں کی گنتی ہی آخری فیصلہ ہے!...... لیکن میں تمھیں بتائے دیتا ہوں...... تم دونوں کو، کہ تم تنہا...... یا یہ ادارہ تنہا...... یا تم دونوں متفق ہو کر بھی ہماری روح کو فنا کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے، تم اس تہذیب کو مٹا نہ سکو گے۔ اس اسلامی تہذیب کو جو ہمیں ورثہ میں ملی ہے، ہمارا نورِ ایمان زندہ ہے، زندہ رہا ہے اور زندہ رہے گا۔ تم ہمیں مغلوب کرو، ہم پر ظلم و تعدی کرو، ہمارے ساتھ بدترین سلوک روا رکھو، ہم ایک نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں اور ہم نے یہ سنگین فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر مرنا ہی ہے تو لڑتے لڑتے مر جائیں گے۔

اس ایوان سے ایک حتمی احتجاج اور اعلان ہے کہ مسودہ قانون مال گزاری کے متعلق ہماری روش کیا ہو گی۔ ہمارے قلوب سلگ رہے ہیں۔ ان میں آگ لگی ہوئی ہے۔ ہمارا خون کھول رہا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمیں مبتلائے مصیبت ہونا اور اس آگ سے گزرنا ہے، ہم جو روش اختیار کرنے والے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم کسی ترمیم کی تحریک نہیں کریں گے۔ تم اپنے مسودہ کو جو چاہو کرو۔

ہم کانگریسی جماعت کی یا کسی جماعت کی تحریک ترمیم کی حمایت بھی نہیں کریں گے۔ غالباً اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ کانگریس کو فتح اور حکومت کو شکست ہو جائے گی۔ کیوں کہ میں جانتا ہوں اگر ہم غیر جانبدار رہے اور ہم غیر جانبدار ہی رہیں گے تو انھیں کافی اکثریت حاصل ہو جائے گی...... لیکن میں اپنے کانگریسی دوستوں کو بتا دوں کہ تمھاری یہ فتح اس چھوٹے سے کمرے کے باہر نہ جانے پائے گی جو غلام گردش کہلاتا ہے۔

اگر فتح پا جانے میں تمھیں اطمینانِ نفس حاصل ہوتا ہے تو اسے لے لو، تمھاری سچی جیت اور حقیقی فتح اسی وقت ہو گی جب تم اپنا ہاتھ بڑھاؤ گے اور اس خلیج کو پاٹ دو گے جو اِس جماعت اور اُس جماعت کے درمیان حائل ہے۔

ہم نے یہ قطعی طور پر طے کر لیا ہے کہ ہم کسی ترمیم پر رائے نہ دیں گے، خواہ اس کا کوئی محرک کیوں نہ ہو۔ ہم حکومت کی تائید نہیں کریں گے، کیوں کہ حکومت برطانیہ ہمیں معمولی اور ابتدائی شہری حقوق بھی دلوانے میں ناکام رہی ہے اور گورنر جنرل اور گورنروں کے وہ اختیارات خصوصی جن کو اقلیتوں کے امن و محافظین کا روپ دیا گیا تھا، محض ایک سازش ثابت ہوئے ہیں بلکہ سازش سے بھی بدتر......

حواشی

1۔ کانپور کے ہولناک اور خونریز ہندو مسلم فساد کی طرف اشارہ ہے۔

2۔ بنارس میں بھی مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی تھی۔

اَوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے

13 نومبر 1939ء

یومِ عید کے موقع پر قائداعظم نے اپنی ملت کے نوجوانوں کو مخاطب کیا تھا اور انھیں بتایا تھا کہ اسلام کی اصل روح کیا ہے اور اس کو بروئے کار لا کر وہ کس طرح ملک و ملت اور انسانیت کی خدمت بجالا سکتے ہیں۔

قائداعظم کا یہ پیام عید اتنا موثر تھا کہ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم تک اس سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ گاندھی جی نے اسے پڑھتے ہی مبارکباد کا ایک تار بھیجا اور ان خیالات کی گیرائی اور گہرائی اور صداقت و حقیقت کا برملا اعتراف کیا۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ قائداعظم نے اس پیام میں اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے۔

رئیس احمد جعفری

میں آج رات ہو سکے تو اپنے نوجوانوں کے قلوب کے نئے نئے وجد آفریں تاروں کو چھیڑوں گا کیوں کہ اب سے انھیں کو ہماری تمناؤں کا بوجھ اٹھانا ہے۔

رمضان المبارک کا ضبطِ صوم وصلوٰۃ آج خداوند تعالیٰ کے حضور قلب کے لازوال عجز وانکسار کے ساتھ اختتام کو پہنچ رہا ہے، لیکن اسے کمزور قلب کا عجز وانکسار ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ جو ایسا کریں گے وہ خدا اور رسول ﷺ کے مجرم ہیں کیوں کہ تمام مذاہب میں یہ ایک حقیقت موجود ہے جو اگرچہ بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتی مگر ہے بالکل درست کہ عاجز ومتواضع ہی قوی وطاقتور ہوں گے اور یہ حقیقت مذہب اسلام میں خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہے۔

قرآن حکیم کی رُو سے عبادت اور زندگی میں بہت گہرا اور حقیقی تعلق ہے۔ تمھیں معلوم ہوگا کہ تمھارے مذہب نے تمھیں انسانی برادری سے میل ملاپ رکھنے، ان کی تحقیق کرنے، انھیں سمجھنے اور جب

3۔ بدایوں میں بھی اکثریت نے اقلیت کا زندہ رہنا دوبھر کر دیا تھا۔

4۔ انڈیا ایکٹ (35ء) کی رُو سے جو صوبائی آزادی ملی تھی، اس کی رُو سے گورنروں کو اختیار تھا کہ ہنگامی حالات میں یا عدل و انصاف کی خاطر وہ منتخب وزارت کے معاملات میں مداخلت کریں اور حالات کو روبراہ کریں۔

لیکن کانگریس نے کئی مہینے تک وزارت نہ قبول کر کے آئین کو معطل کر دیا۔ اس کی شرط یہ تھی کہ جب تک یہ یقین نہ دلا دیا جائے کہ گورنر مداخلت نہیں کریں گے اس وقت تک وزارت قبول نہیں کی جا سکتی۔ آخر بعد از خرابیِ بسیار حکومت نے یہ وعدہ کر لیا اور ہندو اکثریت کے صوبوں میں کانگریسی وزارتیں بن گئیں۔ ان وزارتوں نے مسلمانوں پر زیادتی کی انتہا کر دی، نہ ان کی فریاد سنی گئی، نہ مداوا کیا گیا، گاندھی جی سردار پٹیل کی طرف اشارہ کر دیتے تھے۔ وہ کوئی بات سننے اور ماننے کو تیار نہیں تھے۔ گورنروں سے عرض و معروض کی جاتی تو وہ رسمِ وفا نباہتے ہوئے عدم مداخلت پر کاربند رہتے۔ مسلمان نپٹتے رہے لیکن نہ کانگریس کو رحم آیا، نہ انگریز گورنروں کی رگِ انصاف پھڑکی، قائداعظم نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

5۔ فلسطین میں مسلمانوں کے قتل عام کی طرف اشارہ ہے جو یہودیوں کی خاطر انگریز حکومت نے کیا تھا۔

6۔ وزیرستان کے قبائل پر حکومتِ ہند نے مسلسل بم باری کو اپنا شعار بنا لیا تھا، قائداعظم کا یہ احتجاج اسی سے متعلق ہے۔

7۔ جے پور میں مسلمانوں کی ایک خوبصورت اور قدیم مسجد تھی، جس میں ہمیشہ سے نماز ہوتی چلی آ رہی تھی۔ اس مسجد کا دروازہ سڑک کی طرف نہیں تھا، بلکہ ایک گلی میں تھا، کیوں کہ مہاراجہ کی حکومت اسے گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ مسجد کا دروازہ شاہراہ کی طرف کھلے۔ ایک عرصے تک مسلمان عرض و معروض کرتے رہے لیکن شنوائی نہ ہوئی۔ آخر انھوں نے دروازے کا رُخ سڑک کی طرف کر دیا۔ اس پر حکومت کی مشینری حرکت میں آ گئی۔ لاٹھیاں برسیں اور گولیاں چلیں۔ سیکڑوں مسلمان آن کی آن میں ہلاک اور مجروح ہو گئے۔

8۔ مگر ''اقتدار اعلیٰ''، یعنی حکومت برطانیہ یا وائسرائے کی طرف سے کوئی مداخلت یا باز پرس اس ظلم عام کے خلاف نہ ہوئی۔

سمجھ چکیں تو پھر اُن کی خدمت کرنے کے کتنے عجیب مواقع عطا کیے ہیں۔تم دیکھو گے کہ یہ سارے مواقع آئینِ عبادت وضع کر کے پیدا کیے گئے ہیں۔

دن میں پانچ مرتبہ ہم کو اپنے محلہ کی مسجد میں جمع ہونا پڑتا ہے۔ ہفتہ میں ایک مرتبہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں ہمارا اجتماع ہوتا ہے۔ پھر ہم سال میں ایک دفعہ عید کے دن شہر کے باہر عیدگاہ میں اکٹھے ہوتے ہیں اور سب سے آخر میں حج ہے جہاں اطرافِ عالم سے مسلمان کم از کم اپنی زندگی میں ایک مرتبہ خانۂ خدا سے رجوع ہونے کے لیے آتے ہیں۔تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ ہماری عبادت کی یہ ترتیب اور طریقِ عمل ہمیں لازماً نہ صرف مسلمانوں سے ربط رکھنے کا موقع دیتا ہے بلکہ دورانِ سفر میں دوسرے مذاہب کے لوگوں سے بھی تعلقات قائم کرنے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ میں نہیں باور کرتا کہ ہماری عبادت سے متعلق یا حکام محض ایک خوشگوار اتفاق ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی تشکیل اسی غرض سے کی گئی ہے کہ مسلمانوں کی سماجی روح نمو پاتی اور تسکین کرتی رہے۔

کلام اللہ میں انسان کو خدا کا خلیفہ کہا گیا ہے۔ اگر انسان کی اس تعریف میں کچھ معنویت ہے تو پھر ہم پر قرآن کی اتباع کا فرض عائد ہوجاتا ہے اور ہم پر یہ لازم ہوجاتا ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں جیسا کہ خدا بنی نوع انسان کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ فرض وسیع معنوں میں صرف محبّت کرنے اور شاکر رہنے کا فرض ہے۔ یقین کیجیے کہ یہ فرض منفی نہیں بلکہ اثباتی ہے۔

ہمارے دلوں میں خلق اللہ کے لیے خواہ وہ کسی عقیدہ کے کیوں نہ ہوں، اگر کوئی محبّت اور رواداری کا جذبہ ہے تو اس کا عملی اظہار ہمارے روزمرہ کے معمولی فرائض کے دوران میں ہونا چاہیے۔ سعادت مندی اور خداترسی سے ہونا چاہیے۔ صوم وصلوٰۃ کی ریاضت سے ہماری اندرونی کیفیات تابندہ ہوگئی ہیں اور اس ارادے سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں کہ آج ہم اپنے گھر میں اپنی قوم میں اور اپنے ملک میں جہاں مختلف اعتقاد و مذاہب کے لوگ بستے ہیں، کامل ارتباط اور میل ملاپ سے رہیں اور ہم ایسے کام نہ کریں، خواہ وہ خانگی ہوں یا عامۃ الناس سے متعلق کہ جس کے نتائج خودغرضی پر مبنی ہوں بلکہ وہ اہل ملک کی فلاح و بہبود اور آخر میں ساری دنیائے انسانیت کی بھلائی کے لیے ہوں گے۔

یہ ایک بہت بلند تصور ہے اور اس کے لیے بڑی کوششوں اور قربانیوں کی ضرورت ہے۔ تمھارے دلوں پر بسا اوقات خوف و بیم کے بادل چھا جائیں گے، نہ صرف مادی آویزشیں ہوں گی جس پر شاید تم ہمت و ارادے سے قابو پاسکو گے، بلکہ روحانی تصادم بھی ہوں گے۔ ہمیں ان سب کا مقابلہ کرنا ہے اور اگر آج جب کہ ہمارے قلوب عجز و انکسار کے جذبات سے مملو ہیں، ہم نے اس علوہمتی کے اثر کو قبول نہ کیا تو پھر ہم کبھی اس کے قابل نہ ہوں گے۔

ہمارے ہندو مسلم رہنما دونوں فرقہ وار تنازعات سے ملول ہیں۔ میں اس کے اسباب اور وجوہات کی تاریخ میں نہیں جاؤں گا۔ لیکن کچھ لمحات ایسے آئیں گے جب کہ لوگوں کے دل مکدر ہوں گے اور اختلافات تصادم کی صورت اختیار کریں گے۔ میں تم سے کہوں گا کہ ایسے لمحات میں تم عید کی نمازوں کو یاد کرلیا کرو اور ان ہدایتوں کی روشنی میں جو قرآن حکیم نے تمھیں دی ہیں اور اس جذبۂ عظیم کے تحت جو عین اسلام ہے، ذرا دیر کے لیے سوچو۔ یاد رکھو کہ ہمارے رسول پاک ﷺ کے نزدیک خدمت خلق اور رواداری سے بڑھ کر کوئی طریقِ عمل دیندارانہ اور مستحسن نہیں ہے۔ ہماری سماجی کامرانیاں اور سیاسی آزادیاں اسی پر منحصر ہیں۔ یہی زندگی کا اصل مفہوم ہے اور یہی حقیقت کبریٰ روح، اسلام بلکہ عین اسلام ہے۔

عظیم الشان جلسوں اور معرکہ آرا تقریروں ہی سے سیاست کی تعمیر نہیں ہوتی۔ مجھ سے بہتیرے نوجوان یہ پوچھنے آتے ہیں کہ وہ کس طرح اپنے ملک کی خدمت کر سکتے ہیں۔ میرے نوجوان دوستو! اگر آج رات میں سیاست پر کچھ کہوں گا تو وہ صرف ایک کلمۂ نصیحت ہوگا۔

مستقبل کے ہندوستان میں ہمارے کچھ حقوق اور دعاوی ہیں لیکن ہم اس میں تمرد نہ کریں گے کیوں کہ تمرد سے ان جذباتِ محبّت اور احساسِ مروت کی نفی ہوتی ہے جن کا آنحضرت ﷺ نے حکم دیا ہے اور جس پر ہم آج عید کے دن عمل پیرا ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص اگر اپنی ہی تنظیم کر لے تو یہی ملک کی خدمت ہوگی اور تنظیم وضبط ہی آج کی ساعت مسعود کی جان ہے۔

کیا ہر شخص کے اطوار میں باقاعدگی اور نظم ہے؟ کیا ہر ایک مناسب وقت پر سوتا ہے؟ کیا ہر ایک سڑک کے بائیں جانب چلتا ہے یا سڑک پر کوڑا کرکٹ پھینکنے سے احتراز کرتا ہے؟ کیا ہر ایک اپنا کام مستعدی اور دیانت سے کرتا ہے؟ کیا ہر ایک دوسرے کو اتنی امداد دیتا ہے جتنی کہ دے سکتا ہے؟ کیا ہر ایک متحمل اور بردبار ہے؟ یہ ساری باتیں بیک نظر معمولی ہوتی ہیں، لیکن ان میں تنظیم مضمر ہے جو برتر ہندوستان کی تعمیر میں تمام قوموں اور فرقوں کی متفقہ کوششوں سے بیش قیمت ثابت ہوں گی جو تم کو سیاسی شہرت تو نہ عطا کریں گی لیکن جب تمھیں اس کا احساس ہوگا کہ تم نے سیاست دانوں کے کام کو ہلکا کرنے میں کس قدر حصہ لیا ہے تو تمھارے دلوں کو ایک ابدی سکون بخشیں گے۔

ہمیں قرآنی دلائل کی روشنی میں اپنے اخلاق وعقائد کو درست کرنا چاہیے اور اسی روشنی میں حق وصداقت کی جستجو بھی۔ اگر ہماری صداقت پرستی بے لاگ ہے تو ہم ضرور اپنے طریقہ پر منزل کو جالیں گے۔ راہِ راست اور صداقت پر چلتے ہوئے ہمیں اتنے ہی حصہ پر قناعت کرنی چاہیے جس کو ہم دوسروں کی حق تلفی کے بغیر حاصل کر سکتے ہیں اور سب سے آخر میں میری اس تاکید کو نہ بھولنا کہ ''اسلام ہر مسلمان سے متوقع ہے کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر اپنا فرض ادا کرے۔''

زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

اقبال

1940ء

جب قائداعظم نے
مسلمانوں کو سیسہ پلائی دیوار بنادیا

ما ز نعمت ہائے او اخواں شدیم
یک زباں و یک دل و یک جاں شدیم

کانگریس: سست بنیاد بھی ہے، آئینۂ دیوار بھی ہے

ہندوستان کے دستوری مسائل

19 جنوری 1940ء

قائداعظم نے مسلم لیگ کے تن بے جان میں ایک نئی روح پیدا کردی۔ اُسے ایک نئی زندگی سے آشنا کر دیا۔ اسے نئے اور جوان حوصلوں سے معمور کر دیا اور دیکھتے دیکھتے یہ جماعت...... جس کی کہیں پوچھ نہ تھی، جس کی کوئی وقعت نہ تھی، بازار سیاست میں جو کھوٹے سکے کی حیثیت رکھتی تھی، جسے انگریز منہ لگاتے ہوئے اپنی توہین محسوس کرتے تھے جس کو ایوان کانگریس میں قدم رکھنے کی جرأت نہ تھی، جو عامۃ المسلمین کی نظر میں ایک جسدِ بے گور و کفن تھی، مسلمانوں کی آنکھ کا تارا بن گئی۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم اور نمائندہ جماعت بن گئی۔ انگریز حکومت کے لیے ناممکن ہو گیا کہ اسے نظر انداز کر دے۔ کانگریس کے ارباب کار مجبور ہو گئے کہ اس کی طرف دستِ صلح بڑھائیں۔

حالات کا یہ انقلاب چشم زدن میں ہوا۔ افراد اور اشخاص کی زندگی میں بھی تین چار سال کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ لیکن قوموں اور ملتوں کی زندگی میں تو یہ مدت چند لمحات سے زیادہ نہیں ہے۔ اس مختصر مدت میں ایک علیحدہ جماعت زندہ ہوئی اور اس کی سطوت و شوکت اور قوت و طاقت زلزلہ فگن بن گئی۔

اب تک مسلمانوں کی طرف سے بہت معمولی مطالبات پیش ہو رہے تھے۔ مسجد کے سامنے باجہ نہ بجایا جائے۔ بقرعید کی قربانی میں مداخلت نہ کی جائے۔ مرکزی اسمبلی میں 33 فیصدی نشستیں دی جائیں۔ سندھ اور سرحد کو وہی صوبائی رتبہ دیا جائے، جو برطانوی ہند کے دوسرے صوبوں کو حاصل ہے، لیکن یہ معمولی مطالبات بھی جنھیں معروضات کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ پائے حقارت سے ٹھکرا دیے گئے۔

لیکن اب؟

اب مسلم لیگ کا مطالبہ تھا...... پاکستان!

ناقابلِ مفاہمت مطالبہ!

اس مطالبہ نے سارے ہندوستان کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ غیر ممالک بھی

چوکنے ہوئے۔ غیر ممالک کے نمائندگان صحافت نے بھی مسلم لیگ کی اہمیت سمجھی اور اس کے بعد قائداعظم کے پاس پنسل کاغذ لے کر ان کے افکار و تاثرات نوٹ کرنے کے لیے پہنچنے لگے۔

یہ بیان قائداعظم نے لندن کے ممتاز صحیفے ٹائم اینڈ ٹائیڈ میں دیا تھا، جو نمایاں طور پر اس میں شائع ہوا۔

رئیس احمد جعفری

ہندوستان کا سیاسی مستقبل کیا ہے؟ برٹش گورنمنٹ نے اس ارادے کا اعلان کر دیا ہے، جلد سے جلد مدت میں جو عملی طور پر ممکن ہے، ہندوستان کو نوآبادیات کا درجہ دے دیا جائے، یہ درجہ ویسٹ منسٹر اسٹے ٹیوٹ کے مطابق ہوگا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے قدرتی طور پر برٹش گورنمنٹ چاہتی ہے کہ ہندوستان میں ایک جمہوری نظام حکومت قائم ہو۔ یہ نظام وہ نظام ہے جس سے برٹش گورنمنٹ اچھی طرح واقف ہے اور اس کو سب سے بہتر نظام تصور کرتی ہے۔ اس نظام میں طریقہ کار یہ ہے کہ ملک کی حکومت انتخاب کے نتیجہ کے مطابق سیاسی جماعتوں میں سے ایک جماعت کے سپرد کر دی جاتی ہے۔

مگر ممبران برٹش پارلیمنٹ حالات ہندوستان سے اس قدر ناواقف ہیں کہ باوجود گزشتہ تجربات کے وہ اب تک یہ نہیں سمجھے اس قسم کی حکومت ہندوستان کے لیے نامناسب ہے۔ ان دونوں قوموں کے قانون اور کلچر پر ہی ان کا مذہب ساری و طاری نہیں، بلکہ ان کی سوشل زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ ایسے مذاہب کے پیرو ایک دوسرے سے علیحدہ رہیں گے اور ان میں فکر و خیال کی وہ وحدت و ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکتی، جس پر مغربی جمہوریت کی بنا ہے اور سوسائٹی کی تقسیم اوپر سے نیچے تک علیحدہ علیحدہ ہو گئی نہ کہ متوازی طریقے پر جس کا تصور مغربی جمہوریت میں کیا گیا ہے۔

ایک ہوشیار اور زیرک پالیٹیشن یعنی مہاتما گاندھی کی زیر ہدایت کانگریس نے جو قریب قریب ہندو جماعت ہے۔ مدتوں پہلے اس کو سمجھ لیا تھا کہ مغربی نظامِ جمہوریت کے ذریعہ ہی یہ امید و تمنا پوری ہو گی کہ تمام ہندوستان پر انھی کا غلبہ ہو، لہٰذا ان کی ساری جد و جہد ان کی ساری کوششیں اس کے لیے وقف کر دی گئیں کہ ہندوستان میں جمہوری نظامِ حکومت قائم کیا جائے۔

لہٰذا کانگریس چیختی اور چلاتی تو یہ رہی کہ جدید کانسٹیٹیوشن بالکل خراب ہے اور وہ ایسے ہرگز قبول نہ کریں گے، مگر ساتھ ہی اس نے یہ فیصلہ کیا کہ الیکشن لڑے جائیں۔ ہندوستان کے چھ ہندو صوبوں میں یعنی بمبئی، مدراس، یوپی، بہار اور اُڑیسہ میں ان کی زبردست مجارٹی رہی۔ ایسا ہونا لازم تھا اور غیر متوقع نہ تھا۔ لیکن جیسی کامیابی کانگریس کو ان چھ ہندو صوبوں میں ہوئی ویسی ہی ہندوستان کے پانچ مسلم صوبوں

میں یعنی بنگال، پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد اور آسام میں زبردست شکست ہوئی اور ہندو صوبوں میں بھی غیر ہندو حلقہ انتخابات میں، بالخصوص مسلم حلقہ ہائے انتخاب میں کانگریس کو کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

ایک ایسی پارٹی کے لیے جس نے اپنا نام خود ہی نیشنل پارٹی رکھ لیا تھا۔ یہ صورت حالات اطمینان بخش نہ تھی۔

کانگریس کا ایک ہندو جماعت ہونا تمام وکمال ظاہر ہو گیا تھا۔ نیز مخالف پارٹی کو جس کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی، کچل دینا اور اس کی رائے کی مطلق پروا نہ کرنا، اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ گورنروں کو اختیار خصوصی حاصل تھے کہ وہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کریں۔

اس کا اندازہ کر کے کانگریس نے بازی پر ترپ کا پتہ لگا دیا۔ اس نے حکومت کی ذمہ داری لینے اور قلمدان وزارت سنبھالنے سے انکار کر دیا۔ اب وہ ہوا جس سے تمام مسلمان اور دوسری اقلیتیں حیرت زدہ اور سراسیمہ ہو گئیں۔ یعنی وائسرائے اور گورنر خوشامد کرنے اور پرچانے پر اُتر آئے۔ وہ کانگریس سے پوچھنے لگے، ''فرمایئے آپ کو کیا چاہیے، کیا حکم ہے کس کس بات کا آپ ہم سے اطمینان چاہتے ہیں؟ کانگریس کا جواب تیار تھا اور وہ یہ تھا: ''وعدہ کرو کہ تم اپنے اختیارات خصوصی کا استعمال نہ کرو گے۔ تب زمامِ حکومت ہم اپنے ہاتھ میں لیں گے۔''

بہ سرعت تمام وہ جو اقلیتوں کے حقوق کے قانوناً محافظ قرار دیے گئے تھے، اپنی مفوضہ امانت کو چھوڑ کر اور اس کا قلع قمع کر کے آ کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کے پولیٹکل حلیف بن گئے۔

مگر وہ خار اب بھی کھٹک رہا تھا یعنی حکومت اگر صرف ہندو حکومت ہوئی اور سب وزیر ہندو ہی ہوئے تو وہ نیشنلزم کا ڈھونگ جو رچایا گیا تھا، وہ کھل جائے گا، کیوں کہ ان چھ صوبوں میں کانگریس کے ٹکٹ پر ایک مسلمان بھی منتخب نہ ہوا تھا اور باقی صوبوں میں بہت سے بہت دو یا تین کانگریس کے ٹکٹ پر اسمبلی یا کونسل میں داخل ہوئے تھے، مگر کیا پروا ہے؟ ان مسلمان ممبروں میں کم سے کم ایک ممبر تو ایسا ضرور مل جائے گا، جسے وزارت کا لالچ جادہ استقلال سے منحرف کر دے گا۔ وہ اسے وزارت کا چارہ دیں گے، بہ شرطیکہ وہ کانگریس ''پلیج'' پر دستخط کر دے، یعنی یہ وعدہ کرے کہ آئندہ سے جو کانگریس کا سیاسی مذہب وہی میرا مذہب۔

مگر سوال یہ تھا کہ کیا گورنر واقعات کو اس طرح چھپا کر اور اصلی رنگ کو دبا کر دوسرے رنگ میں ظاہر کرنے پر راضی ہو جائیں گے؟

ملک معظم کی جانب سے جو ہدایات گورنروں کو دی گئی تھیں، ان میں کیا تحریر تھا؟ یہ کہ ''ہم اپنے

گورنر صاحبان کو حکم دیتے ہیں کہ مجلسِ قانون ساز کے ممبران کی اکثریت کا جس شخص کو اعتماد حاصل ہو، اس کا مشورہ لے کر ایسے شخصوں کو عہدۂ وزارت کے لیے منتخب کیا جائے، جس پر بحیثیت مجموعی قانون ساز کو بھروسہ ہو، ان وزرا میں جہاں تک ممکن ہو، اہم اور معتبر اقلیتوں کے ممبر بھی وزیر بنائے جائیں۔ تقرر وزرا کے وقت گورنر صاحبان اس کا بھی خیال رکھیں کہ وزرا میں مشترک ذمّہ داری کا احساس پیدا کیا جائے۔''
ورکنگ کمیٹی نے ان ہدایات کے مطالب پر بہت تعمق کے ساتھ غور کیا۔ یہ ہدایت دو حصوں پر مشتمل تھیں۔

ان الفاظ میں جو معنی، جو روح پنہاں ہے، وہ صاف ہے۔ ہدایت یہ تھی کہ وہ اہم اقلیتوں میں سے بھی ایسے وزیر منتخب کریں جن پر ان کو بھروسہ ہو اور چوں کہ لیگ اور کانگریس کے پولیٹکل پروگرام میں بہت فرق نہ تھا، اس لیے کوئی وجہ نہ تھی کہ کوئی مسلم لیگی ممبر وزیر مقرر نہ کیا جا سکے۔

مگر ہدایت کی آخری سطر پر بھی تو نظر ڈالنی چاہیے۔

''تقرر وزرا کے وقت گورنر صاحبان اس کا بھی خیال رکھیں کہ وزرا میں مشترک ذمّہ داری کا احساس پیدا کیا جائے۔''

یہ ہدایت اپنی مطلب برآری کے لیے کام میں لائی جا سکتی تھی، بہ شرطیکہ ہدایت ثانی جو محض بطور مشورہ تھی اور ہدایتِ اول سے بالاتر قرار دینے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔

یہ مشترک ذمّہ داری نہیں لی جا سکتی، تاوقتیکہ مسلم وزیر ورکنگ کمیٹی کے حکم کی تعمیل نہ کرے۔ دعویٰ پیش کرتے ہی قضیہ کانگریس کے حق میں فیصل ہو گیا۔ گورنر صاحبان نے نہایت اطاعت مندانہ طریقے سے سر تسلیم خم کر دیا۔ اس غرض سے کہ کانگریس پبلک کو دھوکا دے کر یہ کہہ سکے کہ وہ نیشنل اور قوم کے ہر جز کا یعنی اقلیتوں کا بھی خیال رکھتی ہے، اس لیے اس نے مجلسِ وزرا میں مسلمان وزیر کو بھی رکھ لیا، مگر یہ مسلمان وزیر جو مسلمانوں کے نمائندے بنا کر رکھے گئے تھے۔ وہ تھے جو کسی عنوان نمائندے نہ کہے جا سکتے تھے۔ (1) یہ مسلمان وزیر، کانگریس ''پلیج'' پر دستخط کر کے ورکنگ کمیٹی کے حلقہ بگوش بن گئے اور اسی کے احکام کی بجا آوری ان پر فرض تھی۔

ایسی آسانی سے جو کامیابیاں حاصل ہوئیں تو کانگریس کا دماغ چل گیا۔ وہ قوت و طاقت کے نشہ میں مست ہو گئی۔ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے اپنے تئیں وہ حیثیت دے لی گویا وہ ایک دوسری مرکزی حکومت اور اصلی مرکزی حکومت اسی کے ہم عنان چل رہی ہے اور صوبوں کی حکومتیں اس کے حضور میں جواب دہ ہیں۔ ہر حصۂ ملک کے لیے ڈکٹیٹر مقرر کیے گئے۔ وزرا ڈکٹیٹروں کے حکم پر چلتے تھے، جن کی منظوری کے بغیر کوئی قانون پاس نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مخالف پارٹی کی نحیف آواز کو بھی اس کے بعد انھوں نے دبانا چاہا، انگریزوں سے سمجھ لینے کے بعد وہ مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

تمام ہندوستان میں مسلمانوں پر حملے شروع کیے گئے۔ مسلمان صوبوں میں جو وزارتیں مختلف پارٹیوں کو ملا کر قائم کی گئی تھیں، مگر جس میں شریک غالب مسلمان تھے، انھیں شکست دینے کی کوشش کی گئی اور سیاسی منافع کا لالچ دے دے کر لوگوں کو ان وزارتوں کے خلاف بھڑکایا گیا اور آخر کار صوبہ سرحد اور آسام میں کانگریسی وزارتیں قائم ہو گئیں۔ (2)

ان چھ ہندو صوبوں میں ہندو کلچر کے لیے جنگ شروع کر دی گئی۔ یہ کوشش کی گئی کہ کانگریس پارٹی کا راگ یعنی بندے ماترم قومی ترانہ قرار دیا جائے۔ پارٹی کا جھنڈا قومی مانا جائے اور حقیقی قومی زبان اُردو کی جگہ ہندی لے لے۔ (3)

کانگریس حکومتوں نے جس وقت استعفے دیے، اس سے عین قبل کی کیفیت وہ تھی جس کا خاکہ اوپر کھینچا گیا ہے۔

مناسب ہوگا اگر اہلِ انگلستان ان حالات پر غور کریں۔ کیا وہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان ٹوئے لی ٹیرین ہندو سلطنت ہو جائے (یعنی ایسی سلطنت جس میں حاکمِ وقت ایک آمرو ڈکٹیٹر کی حیثیت رکھتا ہو اور اہلِ ملک کو امور سلطنت میں کوئی دخل نہ ہو) جس میں مرکزی حکومت اور صوبے کی حکومتیں مجالسِ قانون ساز کے سامنے اور حلقۂ رائے دہندگان کے سامنے جواب دہ نہ ہوں، بلکہ ان پر ایک ایسی ٹولی کا حکم چلتا ہو جس کا ذکر آئین میں کہیں نہیں۔ یہ ٹولی یہ جماعت کانگریس کی ورکنگ کمیٹی ہے، میں انگریزوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر کانگریس کا مطالبہ کہ ہندوستان کا دستور ایک کانسٹیٹیوئیٹ اسمبلی تیار کرے۔ منظور ہوا تو ایسی ہی جبر و استبداد کی حکومت قائم ہو جائے گی۔

اب تک ہم نے مرض اور اس کے آثار کو تشخیص کیا۔ اس کا علاج کیا ہے؟

1۔ برطانوی لوگوں کو اس امر کا احساس کرنا چاہیے کہ ہندوستان کے حالات مغربی جمہوریت کے لیے کسی طرح سازگار نہیں ہیں اور اس بارہ میں ان کی تمام جدوجہد محض لایعنی اور بے سود ہے۔

2۔ ہندوستان میں پارٹی گورنمنٹ کسی طرح درست نہیں۔ تمام حکومتیں عام اس سے وہ مرکزی ہوں یا صوبوں کی ایسی ہونی چاہیے جو باشندگان ملک کے تمام طبقوں کی صحیح نمائندگی کر سکیں۔ (4)

اسی ضمن میں آل انڈیا مسلم لیگ نے حسب ذیل اصول مقرر کیے ہیں:

1۔ برٹش گورنمنٹ کو چاہیے کہ وہ ہندوستان کے مجوزہ قانون اساسی پر از سر نو غور کرے۔

2۔ مسلم لیگ کا مقصد اول اور منزلِ آخر ایک آزاد ہندوستان ہے۔ مگر وہ ایسے فیڈرل مطمح نظر کے سخت مخالف ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ جو فرقہ جو قوم اکثریت میں ہو، حکومت اسی کے ہاتھ میں ہو۔ گو دکھانے کو جمہوریت یا پارلیمنٹری کا روپ دھارا جائے۔ (5)

حواشی

1۔ کیوں کہ نہ اسمبلی کے مسلم ممبروں کا اعتماد انھیں حاصل تھا، نہ اپنے حلقۂ انتخاب کی نیابت کر رہے تھے یا تو یہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے اور اس سے غداری کر کے کانگریس میں شریک ہو گئے، یا اپنی جوڑ توڑ سے اسمبلی میں پہنچ گئے۔ لیکن اپنی قوم کے اعتماد سے محروم رہے۔

2۔ صوبہ سرحد میں خان عبدالغفار خان برسوں سے کانگریس کے لیے کام کر رہے تھے۔ ان کے برادر بزرگ ڈاکٹر خان صاحب میں اتنی سکت نہ تھی کہ مسلم ممبروں کو ملا کر وزارت بنا سکتے، لہٰذا انھوں نے ہندو اور سکھ ممبران کی پشت پناہی سے انھیں فائدہ پہنچا کر اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر وزارت بنائی۔ مسٹر مہر چند کھنہ موجودہ وزیر بحالیات حکومتِ ہند انھی ڈاکٹر خان صاحب کی ''دریافت'' ہیں۔ آسام میں بھی یہی چال چلی گئی۔

3۔ قائداعظم کے الفاظ غور طلب ہیں۔ متحدہ ہندوستان میں بیٹھ کر وہ اُردو زبان کو ''حقیقی قومی زبان'' فرما رہے ہیں۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد یہاں کے سیاست دانوں نے اس لیے کہ وہ قائداعظم کی طرح عوام پر اثر نہیں رکھتے تھے اور اپنی وزارت قائم رکھنے کے لیے شورش پسندوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اُردو کو ''حقیقی قومی زبان'' بنانے کی جرأت نہ کر سکے۔

4۔ یعنی جو لوگ وزیر بنائے جائیں، وہ اپنی قوم کے ممبران اسمبلی کا اعتماد رکھتے ہوں۔ غداری کو ختم کرنے کی اس سے بہتر تدبیر ممکن ہی نہ تھی۔

5۔ آزادی کا جہاں تک تعلق تھا، مسلم لیگ اور کانگریس، گاندھی جی اور قائداعظم میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

***

برطانوی پالیسی پر قائداعظم کی کڑی نکتہ چینی

لیگ کے مطالبات انگریزوں سے!

25 فروری 1940ء

دوسری جنگ عظیم پوری شدت کے ساتھ جاری ہے۔ اتحادی اور محوری طاقتیں ایک دوسرے کو فنا کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ بظاہر اتحادی کمزور ہیں اور محوری شہ زور، ہٹلر کی تر کتازیاں جاری ہیں، وہ آدھے سے زیادہ یورپ پر قبضہ کر چکا ہے۔ مسولینی اس کا رفیق ہے۔ روس بھی ابھی تک ہٹلر کا دوست اور ساتھی اور اتحادی ہے۔

حکومت برطانیہ اس جنگ کو جیتنے کے لیے ہندوستان کا تعاون ضروری سمجھتی ہے۔ وہ کانگریس اور مسلم لیگ کی طرف دست تعاون بڑھاتی ہے۔ دونوں سے مساعی جنگ میں رفاقت کی متمنی ہے۔

اس سلسلے میں مسلم لیگ کے مطالبات کیا تھے؟ اور حکومت نے کیا روش اختیار کی۔ قائداعظم نے لیگ کونسل کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے یہی بات بتائی ہے۔

رئیس احمد جعفری

وائسرائے کو وقتاً فوقتاً مجلس عاملہ کے فیصلے بھیجے جاتے رہے۔ ان مراسلات کا اختتام 3 فروری 1940ء کی قرارداد پر ہوا، جس میں انھوں نے ساری خط و کتابت پر غور کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ مجلسِ عاملہ کی وہ قرارداد بھی ان کے پاس 6 فروری کو بھیج دی گئی تھی، جس میں بے اطمینانی کا اظہار کرتے ہوئے ان سے کہا گیا تھا کہ وہ سارے معاملہ پر نظر ثانی فرمائیں۔ اس نوبت پر سارا معاملہ ملتوی ہوگیا ہے اور ہم اس انتظار میں ہیں کہ دیکھیں وہ اس کے بعد کیا قصد رکھتے ہیں۔

لیگ کے پنجگانہ مطالبات کے سلسلہ میں آپ نے بتایا کہ جناب وائسرائے کے پاس سے کیا جواب وصول ہوا ہے۔ ان مطالبات میں سے ایک کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وائسرائے کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ لیگ کا مطالبہ تھا کہ ہندوستانی افواج کو ہندوستان کے باہر کسی اسلامی طاقت یا ملک کے

خلاف استعمال نہ کیا جائے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہندوستانی افواج کو مدافعت میں استعمال نہ کیا جائے۔ اگر کوئی ملک ہندوستان پر حملہ کردے تو یقیناً ہندوستانی فوجوں کو ہندوستانی سرحدوں کے تحفظ کے لیے لڑنا پڑے گا۔

لیگ کا مطالبہ تھا کہ حکومت اپنی طرف سے یہ اعلان کردے کہ موجودہ قانون 1935ء کو یکسر ختم کردیا جائے گا اور دستوری اصلاحات کی پوری تجویز کو ڈھائی سالہ حاصل شدہ عملی تجربے کی روشنی میں اور اس تجربے کی روشنی میں جو اس کے بعد حاصل ہوا، ازسرِ نو جانچا جائے گا۔

وائسرائے نے اس مطالبے کا تسلی بخش جواب دیا اور یہ یقین دلایا کہ قانون 1935ء کی ساری تجویز اور اس کے ساتھ ہی اس کی حکمت عملی اور ان خاکوں کو بھی جانچا جائے گا، جن پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

مسلم لیگ کا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ وہ کسی اعلان یا دستور کے نفاذ کو اس وقت تک قبول نہ کرے گی جب تک کہ قبل از قبل لیگ کی رضامندی نہ حاصل کرلی جائے اور نہ دباؤ ڈال کر یا کسی دوسری جماعت کی اجازت سے خواہ وہ کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو، مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر کوئی عارضی تصفیہ ہو سکے گا۔

اس معاملہ میں بھی وائسرائے نے یقین دلایا تھا کہ ہز مجسٹی کی حکومت مسلمانوں کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہے اور کوئی ایسا تصفیہ جس میں انھیں نظرانداز کیا گیا ہو، ناقابلِ قیاس ہے۔

چوتھا مطالبہ عربوں سے متعلق تھا۔ قائداعظم نے مسلم لیگ کی طرف سے توجہ دلائی کہ ''تصفیہ پر پہنچنے کی کوشش سے'' کچھ نہیں ہو سکتا بلکہ حکومت برطانیہ کو چاہیے کہ وہ فی الفور کوئی ایسا تصفیہ کردے جو عربوں کے اطمینان کا باعث ہو۔ لیگ کا آخری مطالبہ کانگریس کے زیر اقتدار صوبجات میں مسلمانوں کی شکایت پر مشتمل تھا۔ یہ صحیح ہے کہ جب کانگریسی وزارتوں کا وجود ہی نہ ہو تو گورنر جنرل مداخلت نہیں کر سکتے تھے۔

اس مسئلہ کے دو جزو ہیں۔ پہلا جزو تو یہ ہے کہ ہم نے پوری طرح واضح کردیا تھا کہ کانگریس کے زیر حکومت صوبوں میں مسلمانوں پر جبر و ظلم ہو رہا ہے اور لیگ کے اراکین خاص طور پر نشانۂ ستم بنائے جا رہے ہیں۔

کانگریسی ہائی کمان نے ان بیانات کو غلط بتایا ہے، لیکن وہ ایک عدالتی تحقیق پر رضامند تھی۔ یہ تجویز مہمل تھی جس کے وجوہات پہلے ہی بتائے جا چکے ہیں۔ دوسری طرف میں نے یہ تجویز قبول کرنے کی پیشکش کی تھی کہ ایک شاہی کمیشن بلایا جائے جو برطانوی عدالت العالیہ کے دو جج اور ایک پریوی کونسل کے لارڈ کی صدارت پر مشتمل ہو۔ کیوں کہ ایک ایسی ہی عدالت انصاف کر سکتی تھی جو ملک کی مسموم فضا

سے متاثر نہ ہوئی ہو اور جو گواہوں کی حلفاً جانچ پڑتال کرنے اور دستاویزات کو برآمد کرانے کے ضروری اختیارات رکھتی ہو۔ (2)

لیکن کانگریس نے یہ کہہ کر اس تجویز کا مضحکہ اڑایا کہ ہم اپنے گھریلو معاملات میں غیر ملکی امداد و اعانت کا جادو جگا رہے ہیں۔ گویا ان کے (کانگریس کے) مجوزہ سرمورس گوئر خالص سودیشی تھے یا انھوں نے وردھا میں جنم لیا تھا۔

اس کا دوسرا جزو یہ ہے کہ آیا کانگریسی ہائی کمان کی بزعکی وزارتیں دوبارہ برسراقتدار لائی جائیں گی! یوم نجات کے مظاہروں سے یہ پورے طور پر واضح کیا گیا تھا کہ ہر فرقہ سے تعلق رکھنے والے اشخاص جو کانگریس سے باہر ہیں، کانگریسی راج کے کس قدر خلاف ہیں۔ اس میں ایسے ہندو بھی شامل تھے جو ہندو مہاسبھا کے رکن ہیں۔ انھوں نے لیگ کے پلیٹ فارم سے ہمارے ساتھ مل کر دعائیں کیں تھیں۔

اس کے بعد دوسرا سوال اقلیتوں کی حفاظت کا ہے۔ مسٹر گاندھی نے سکھر کے ہندوؤں کو نصیحت کی تھی کہ وہ اپنی مدافعت عدم تشدد سے کریں اور اگر ضرورت پڑے تو تشدد بھی روا رکھیں۔ (3)

مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو بھی ایسی ہی نصیحت کی تھی۔ اگر اس نصیحت پر عمل کیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اقلیتوں کو اپنی خانگی فوج پر انحصار کرنا پڑے گا۔ کیوں کہ حکومت انھیں نہیں بچا سکتی۔

1925ء سے مسٹر گاندھی اور ان کی ہندو مسلم اتحاد کی مبینہ کوششوں کا حوالہ دیتے ہوئے آپ نے کہا کہ گاندھی جی بعض اوقات تاریکی دیکھتے ہیں اور بعض اوقات روشنی، لیکن وہ کبھی اصل سوال کے قریب نہیں آتے۔

ان کے اس اعتراف سے مسلم لیگ سے گفت وشنید کرنے کے لیے ہندو مہاسبھا جائز ادارہ ہے۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کانگریس کس کی نمائندگی کرتی ہے؟ کیا وہ مسلمان کی نمائندہ ہے؟ مسٹر گاندھی اور کانگریس کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمان ایک اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم ہیں۔

آخر میں قائداعظم نے فرمایا کہ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہمارا مقصد کیا ہے، اگر اب بھی تم نے ہمارا مقصد نہیں سمجھا تو میں کہوں گا کہ تم کبھی نہ سمجھو گے۔ یہ بالکل صاف ہے۔ برطانیہ عظمیٰ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔ مسٹر گاندھی اور کانگریس مسلمانوں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم نہ برطانیہ کو اور نہ مسٹر گاندھی کو مسلمانوں پر حکومت کرنے دیں گے، ہم آزاد رہنا چاہتے ہیں

حواشی

1۔ یہ بھی کانگریس کی ایک چال تھی۔ وہ سر مارس گائر کو یہ تحقیقات سونپنا چاہتی تھی جو فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے چیف جسٹس تھے اور علانیہ طور پر کانگریس کے دوست تھے۔ گاندھی نے جب راجکوٹ میں مرن برت رکھا تو یہی سر مارس گائر تھے جنھوں نے گاندھی جی کی طرفداری کی اور ان کے موقف کی تائید کی۔ تقسیم ہند کے بعد بھی یہ دلی یونیورسٹی کے چانسلر کی حیثیت سے ہندوستان میں عرصۂ دراز تک مقیم رہے۔

2۔ اس کے برعکس اگر غیر جانبدار ججوں کی عدالت اس اہم ترین مسئلہ کا فیصلہ کرتی تو ضرور غیر جانبداری کے ساتھ حالات کا جائزہ لیتی اور پھر فیصلہ صادر کرتی۔

3۔ وہ وزارتیں جو کسی جماعت کے زیر انتداب قائم ہوں اور وہی ان کے اعمال وافعال کا محاسبہ کرے اور وقتاً فوقتاً پالیسی کے سلسلے میں ان کی رہنمائی کرتی اور ہدایات دیتی رہے۔

***

لاہور کے تاریخی اجلاس کا خطبۂ صدارت!

یہ ہے منزل!

مارچ 1940ء

پاکستان کا ایک مبہم سا تصور تقریباً نصف صدی پیشتر سب سے پہلے جسٹس میاں شاہ دین (جن کی یادگار کے طور پر عرصہ تک ان کے صاحبزادے میاں بشیر احمد رسالہ ہمایوں نکالتے رہے) نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا خطبۂ صدارت دیتے (شاید بہ مقام آگرہ) مسلمانوں کے سامنے پیش کیا تھا، جس میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک وحدت بنا دینے کی تجویز پیش کی تھی، لیکن اسے کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔

پھر کیمبرج یونیورسٹی کے ایک طالب علم رحمت علی صاحب نے ''پاکستان'' کے نام سے ایک تجویز مرتب کی، لیکن وہ مجذوب کی بڑ سمجھی گئی۔

پھر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد کی صدارت کرتے ہوئے علامہ اقبال نے پاکستان کا نام لیے بغیر تقسیم ہند کا ایک خاکہ پیش کیا۔ لیکن اس پر بھی کسی نے توجہ نہ کی۔ کچھ دنوں تک پریس میں غوغا رہا، پھر سب خاموش ہو گئے...... حتیٰ کہ علامہ تک!

پھر 1940ء میں یہی نعرہ قائداعظم کی زبان سے نکلا اور آن کی آن میں سارے مسلم ہندوستان کا مطالبہ بن گیا...... نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔

مسلم لیگ کی تاریخ میں یہ اجلاس ناقابلِ فراموش تاریخی اہمیت اور عظمت کا حامل ہے۔ اس اجلاس کے بعد مسلم لیگ میں جو قوت پیدا ہوئی، مسلمانوں میں جو اتحاد ہوا اور کامیابی کے ساتھ مسلمانوں کا قافلہ حریت جس طرح منزل پاکستان کی طرف گامزن ہوا، اس کی مثال دنیا کی کوئی غلام قوم نہیں پیش کر سکتی، یہ مسلمانانِ ہند کا قابلِ فخر کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا!

رئیس احمد جعفری

خواتین وحضرات! آج پندرہ مہینوں کے بعد یہ اجلاس ہو رہا ہے، اس کی تنظیم نے گزشتہ پندرہ مہینوں کے اندر بہت ترقی کی ہے۔ میں آپ کو یہ مسرت آمیز اطلاع دیتا ہوں کہ ہم نے ہر ایک صوبہ میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم کر دی ہیں۔ دوسرا بڑا کام یہ تھا کہ لیجسلیٹو اسمبلی کے ہر ایک ضمنی انتخاب میں ہم نے طاقتور مخالفوں کا مقابلہ کیا۔ میں مسلمانوں کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے تمام آزمائشوں میں کمال جرأت و ہمت سے کام کیا۔ کئی ایک جگہ بھی مسلم لیگ سو فیصدی کامیاب ہوئی۔

ہمیں جنوری 1939ء سے آغازِ جنگ تک بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ناگپور میں ودیا مندر سکیم اور ہندوستان کے تمام حصوں میں واردھا سکیم کے مسئلہ پر ہماری توجہ مرکوز تھی۔ (1) کانگریسی حکومتوں کے صوبوں میں ستایا اور دبایا جا رہا تھا۔ ریاست جے پور اور پہاڑ نگر (2) میں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک ہو رہا تھا، اس نے ہماری توجہ اپنی طرف جذب کر رکھی تھی۔ راجکوٹ (3) کی مختصر سی ریاست میں ایک اہم مسئلہ پیدا ہو گیا تھا اور ہمیں اس سے عہدہ برا ہونا تھا۔ راجکوٹ کے معاملہ کو کانگریس نے ایک آزمائشی مسئلہ بنا لیا تھا۔ جو ایک ثلث ہندوستان پر اثر انداز تھا۔ اس طرح مسلم لیگ جنوری 1939ء سے جنگ کے آغاز تک بہت اہم مسائل سے دوچار ہوئی۔ جنگ کے آغاز سے پہلے ہندوستان کو سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ مرکزی حکومت میں فیڈرل سکیم نافذ کر دی جائے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس معاملہ میں کیا ریشہ دوانیاں ہو رہی تھیں، لیکن مسلمان ہر طرح سختی سے ان کی مخالفت کر رہے تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ مرکزی فیڈرل حکومت کی خطرناک سکیم جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء میں درج ہے، ہرگز منظور نہیں کرنی چاہیے۔ برطانوی حکومت کو مرکزی فیڈرل حکومت کی سکیم سے دست برداری کی ترغیب میں ہم نے کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ اس امر کو برطانوی حکومت کے ذہن نشین کرانے میں بھی مسلم لیگ کا حصہ کچھ کم نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ انگریز ضدی ہیں اور قدامت پسند اور چالاک ہونے کے باوجود دیر فہم ہیں۔ جنگ چھڑ جانے کے بعد وائسرائے نے مسلم لیگ سے مدد کی درخواست کی اور اسی وقت اسے معلوم ہوا کہ مسلم لیگ ایک طاقت ہے۔ اس لیے کہ جنگ چھڑنے سے پہلے تک وائسرائے نے مجھے کبھی یاد نہیں فرمایا، بلکہ گاندھی اور صرف گاندھی کو یہ شرف حاصل ہوتا رہا۔ میں لیجسلیچر میں کافی عرصہ تک ایک اہم پارٹی کا لیڈر رہ چکا ہوں جو موجودہ پارٹی سے (جس کی قیادت کی عزت مجھے حاصل ہے) بھی بڑی تھی۔ یعنی مرکزی اسمبلی کی مسلم لیگ پارٹی۔ لیکن اس کے باوجود وائسرائے نے اس سے پہلے مجھے کبھی یاد نہیں فرمایا۔ جس وقت جناب گاندھی کے ساتھ مجھے وائسرائے کا دعوت نامہ وصول ہوا تو میں حیران ہو گیا۔ یکایک یہ ترقی کیسے بخشی گئی ہے۔ پھر سوچا کہ یہ سب کچھ مسلم لیگ کی وجہ سے ہے، جس کا صدر حسنِ اتفاق سے میں ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس سے کانگریس ہائی کمان کو سخت صدمہ پہنچا ہے اور کیوں نہ پہنچتا،

میرا ابلایا جانا ہندوستان کی واحد نمائندگی کے حق کے متعلق کانگریس کے دعوے کو ایک چیلنج تھا۔

مسلمانوں کو ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ جو کچھ دیکھا اور سنا ہے، اس کی بنا پر مجھے یقین ہے کہ مسلم ہندوستان ہوشیار اور بیدار ہو گیا ہے اور مسلم لیگ نے ایک ایسے طاقت وارادے کی حیثیت اختیار کر لی ہے کہ اس کو کوئی شخص فنا نہیں کر سکتا۔ آدمی آئیں گے اور جائیں گے لیکن لیگ ہمیشہ قائم رہے گی۔

جنگ چھڑ جانے کے بعد ہماری حالت یہ تھی کہ ایک طرف کنواں تھا اور دوسری طرف کھائی تھی۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ جنگ کے ساتھ ہی یہ حالت بھی ختم ہو جائے گی۔ بہر حال ہم نہایت واضح طور پر ہندوستان کی آزادی کے طالب ہیں۔ لیکن یہ آزادی تمام ہندوستان کی آزادی ہونی چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ ایک جماعت کو برتر صورت میں یعنی کانگریس کو آزادی مل جائے اور مسلمان ودیگر اقلیتیں غلام بنی رہیں۔

ہم ہندوستان میں رہتے ہیں اور کانگریسی صوبوں میں کانگریس کی اڑھائی سالہ حکومت کے دوران میں نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے۔ اب ہم بہت بدگمان ہو چکے ہیں اور کسی پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہر شخص کے لیے بہتر اصول ہوگا کہ کسی پر بہت زیادہ اعتبار نہ کرے۔ بعض اوقات ہمیں اعتبار کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص غداری کرے تو اس غداری سے یہ سبق لینا چاہیے کہ آئندہ غداری کرنے والوں پر اعتبار نہ کیا جائے۔

خواتین وحضرات! ہم کبھی یہ خیال نہیں کر سکتے تھے کہ کانگریس ہائی کمان وہ کام کرے گی جو اس نے کانگریسی صوبوں میں کیے۔ میں خواب میں بھی گمان نہیں کر سکتا کہ وہ اس حد تک پستی میں اتر آئے گی۔ میں یقین نہیں کر سکتا تھا کہ کانگریس اور انگریزوں کے درمیان کوئی شریفانہ معاہدہ ہو سکتا ہے اور معاہدہ بھی ایسا مستحکم کہ ہم چیختے چلاتے رہے، لیکن نہ گورنروں نے یہ چیخ وپکار سنی، نہ گورنر جنرل نے دخل دیا۔ ہم نے انھیں یاد دلایا کہ آپ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے مفاد اور تحفظ کا حلف اٹھا چکے ہیں۔ لیکن وہ تمام عہد و پیمان تقویم پارینہ بن چکے تھے۔ آخر قسمت ہماری امداد کے لیے آئی۔ وہ ''شریفانہ معاہدہ'' پارہ پارہ ہو گیا اور کانگریس نے عہدے چھوڑ دیے۔ (4) میں سمجھتا ہوں کہ عہدے چھوڑ دینے کا بہت قلق ہے۔ ان کی فوں فاں ختم ہو گئی۔ اچھا ہوا۔ ان واقعات کے پیشِ نظر میں آپ سے پوری سنجیدگی کے ساتھ اپیل کرتا ہوں کہ اپنی تنظیم اس طور پر کیجیے کہ کسی پر مدار کار رکھنے کی ضرورت نہ رہے۔ یہی آپ کا واحد اور بہترین تحفظ ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ ہم کسی کے خلاف جذبۂ بدخواہی یا عناد رکھیں۔ اپنے حقوق اور مفاد کے تحفظ کے لیے وہ طاقت پیدا کر لیجیے کہ آپ اپنی مدافعت کر سکیں۔ میں صرف اسی بات پر زور دینا چاہتا ہوں۔

آئندہ آئین کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ جونہی حالات اجازت دیں یا زیادہ سے زیادہ

جنگ کے فوراً بعد ہندوستان کے آئین کے مسئلہ پر نظر ثانی کی جائے اور ایکٹ 1935ء کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔ ہم اس بات کے قائل نہیں کہ برطانیہ سے اعلانات کرنے کا مطالبہ کیا جائے۔ ان اعلانات کا درحقیقت کوئی فائدہ نہیں۔ آپ اعلانات کا مطالبہ کر کے برطانوی حکومت کو اس ملک سے نہیں نکال سکتے۔ بہرحال کانگریس نے وائسرائے سے اعلان کا مطالبہ کیا۔ وائسرائے نے جواب دیا کہ ''میں اعلان کر چکا ہوں۔'' کانگریس نے کہا، نہیں نہیں ہم دوسری قسم کا اعلان چاہتے ہیں، آپ کو اسی وقت اور ابھی یہ اعلان کر دینا چاہیے کہ ہندوستان آزاد اور خودمختار ملک ہے اور حق رائے دہی بالغان یا اس سے بھی فروتر معیار رائے دہی پر ایک دستوری اسمبلی کے ذریعہ اپنا آئین مرتب کر سکتا ہے۔ یہ دستوری اسمبلی اقلیتوں کے جائز مفاد کو مطمئن کر دے گی۔ جناب گاندھی فرماتے ہیں کہ اگر اقلیتیں مطمئن نہ ہوں تو ایک اعلیٰ قسم کا اور غیر جانبدار ٹربیونل اس قضیہ کو فیصل کرنے کے لیے مقرر کر دیا جائے۔ اول تو یہ تجویز ہی ناقابلِ عمل ہے۔ دوسرے تاریخی اور آئینی طور پر حکمران طاقت سے یہ مطالبہ کرنا لغویت ہے کہ آئینی اسمبلی کے حق میں حکومت سے دست بردار ہو جائے۔ ان امور سے قطع نظر فرض کیجیے۔ ہم حق رائے دہی کے اس معیار سے مطمئن نہیں، جس کی بنا پر مرکزی اسمبلی کا انتخاب ہونا ہے۔ یا فرض کیجیے کہ مسلم نمائندوں کی جماعت دستوری اسمبلی میں اکثریت سے متفق نہیں ہوتی تو اس صورت میں کیا ہوگا۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ آپ اس اسمبلی میں ان امور کے سوا جو اقلیتوں کے تحفظ کے لیے ضروری ہوں، ہندوستان کے قومی آئین کی ترتیب کے متعلق کسی مسئلہ سے اختلاف رائے کا حق نہیں رکھتے۔ اس طرح ہمیں صرف یہ رعایت دی جا رہی ہے کہ صرف اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے متعلق اختلاف رائے کا اظہار کر سکیں۔ ہمارے ساتھ یہ رعایت بھی روا رکھی جا رہی ہے کہ اپنے نمائندہ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب سے بھیج سکیں۔

مذکورہ بالا تجویز کی بنیاد اس مفروضہ پر ہے کہ جونہی یہ آئین مرتب ہوگا، برطانوی حکومت ہندوستان میں ختم ہو جائے گی۔ بصورتِ دیگر یہ تجویز بے معنی ٹھہرتی ہے۔ جناب گاندھی فرماتے ہیں کہ آئین ہی اس امر کا فیصلہ کرے گا کہ آیا برطانوی حکومت ہندوستان میں کلیتاً یا کسی خاص حد تک ختم ہو جائے۔ پہلے اعلان کر دیجیے کہ آپ آزاد اور خودمختار ہیں۔ اس کے بعد میں سوچوں گا کہ آپ کو کیا چیز واپس دے دوں۔ کیا جناب گاندھی ایسی باتیں کرتے وقت درحقیقت کامل آزادی چاہتے ہیں؟ برطانوی حکومت ختم ہو نہ ہو ہندوستانیوں کو بہرصورت وسیع اختیارات منتقل کیے جائیں گے۔ دستوری اسمبلی کی اکثریت اور مسلمانوں میں اختلاف رائے ہوا تو ٹربیونل کون مقرر کرے گا۔

فرض کیجیے ٹربیونل کا قیام ممکن ہے اور فیصلہ بھی سنا دیتا ہے، لیکن اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ اس کے فیصلہ کو نافذ یا اس کی شرائط پر عمل کیا جائے گا اور اس امر پر کون نگاہ رکھے گا کہ ٹربیونل کے فیصلہ کا احترام

کیا جائے گا۔ اس لیے کہ ہم سے کہا جاتا ہے کہ برطانیہ کے اختیارات کلیتاً ختم ہو جائیں گے۔ اس صورت میں کون سی طاقت ٹربیونل کے فیصلہ کو نافذ کرائے گی؟ ان سوالات کا جواب صرف ایک ہے، ''ہندو اکثریت''۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ فیصلہ کا نفاذ برطانوی سنگینیوں کی مدد سے ہوگا یا جناب گاندھی کی ''اہنسا'' کے زور سے۔ کیا ہم ان پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ سماجی ربط کے متعلق اس نوعیت کے سوال کا فیصلہ جس پر ہندوستان کے آئندہ آئین کی بنیاد رکھی جائے اور جو نو کروڑ مسلمانوں پر اثر انداز ہوتا ہو، کوئی جوڈیشنل ٹربیونل کر سکتا ہے؟ تاہم کانگریس کی تجویز یہی ہے۔

حال ہی میں مسٹر گاندھی نے جو کچھ فرمایا تھا، اس پر اظہار خیال کرنے سے پہلے میں دوسرے کانگریسی رہنماؤں کے اعلانات پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں جو مختلف خیالات ظاہر کرتے ہیں۔ راجکو پال اچاریہ (سابق وزیر مدراس) کہتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلاف و افتراق کے درد کی واحد دوا مخلوط انتخاب ہے۔ کانگریس کے ایک بڑے ڈاکٹر کی حیثیت سے یہ ان کی تجویز ہے۔ (قہقہہ) اس کے برعکس بابو راجندر پرشاد نے چند روز پیشتر کہا تھا کہ ''مسلمان اب اور کیا چاہتے ہیں؟'' بابو صاحب نے اقلیتوں کے سوال پر رائے زنی کرتے ہوئے پیشگوئی کی کہ ''اگر برطانیہ ہمیں حق خود اختیاری دے دے تو یہ اختلافات ختم ہو جائیں گے۔'' میں پوچھتا ہوں کس طرح ختم ہو جائیں گے؟ بابو صاحب نے اس پر روشنی نہیں ڈالی۔ لیکن جب تک ہندوستان میں برطانیہ اور اس کا اقتدار موجود ہے، اختلافات رہیں گے۔ کانگریس نے واضح کر دیا ہے کہ آئندہ آئین صرف کانگریس ہی نہیں بلکہ تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے نمائندے مرتب کریں گے۔ اگرچہ کانگریس جداگانہ انتخاب کو برا سمجھتی ہے۔ تاہم اس نے یہ اعلان بھی کر دیا ہے کہ اقلیتیں اپنے نمائندے جداگانہ انتخاب سے بھیج سکتی ہیں۔ دستوری اسمبلی بلالحاظ سیاسی وابستگی و مذہب اس ملک کے تمام باشندوں کی نمائندہ ہوگی اور آئین کا فیصلہ کرنے میں صرف ایک یا دو پارٹیوں کا ہاتھ نہ ہوگا۔ اس سے بہتر ضمانت اقلیتوں کو اور کیا مل سکتی ہے؟ بابو راجندر پرشاد کا خیال ہے کہ ہم اسمبلی میں داخل ہوتے ہی اپنے سیاسی مذہبی اور دیگر تمام رجحانات اور اُمور کو فراموش کر دیں گے۔ بابو راجندر پرشاد نے یہ خیالات 18 مارچ 1940ء کو ظاہر کیے تھے۔ اب جناب گاندھی کی رائے سنیے جو انھوں نے 20 مارچ 1940ء کو ظاہر کی:

> ''میرے لیے ہندو، مسلمان، پارسی اور ہریجن سب برابر ہیں۔ میں بے تکی باتیں نہیں کرتا۔ قائداعظم کا ذکر کرتے وقت میں سطحی باتیں نہیں کرتا۔ وہ میرے بھائی ہیں۔''

فرق صرف یہ ہے کہ بھائی گاندھی کے تین ووٹ ہیں اور میرا صرف ایک ووٹ (قہقہہ)۔

جناب گاندھی نے مزید فرمایا کہ ''اگر قائداعظم مجھے اپنی جیب میں رکھ لیں تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔''(5) میں نہیں سمجھ سکتا کہ جناب گاندھی کی اس تازہ پیشکش کے متعلق کیا کہوں۔ جناب گاندھی نے آگے چل کر فرمایا، ''ایک وقت ایسا بھی تھا کہ مجھے تمام مسلمانوں کا اعتماد حاصل تھا لیکن یہ میری بدقسمتی ہے کہ آج ایسا نہیں ہے۔'' مسلمانوں کا اعتماد کیوں کھودیا؟

''اُردو اخباروں میں جو کچھ شائع ہوتا ہے وہ سب میری نظر سے نہیں گزرتا۔ غالباً مجھے ہدفِ طعن و تشنیع بنایا جاتا ہے، میں اس سے رنجیدہ نہیں۔ آج بھی میری رائے یہی ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے سمجھوتا کے بغیر سوراج نہیں مل سکتا۔''

جناب گاندھی یہی بات بیس سال سے کہہ رہے ہیں۔

جناب گاندھی نے مزید کہا:

''آپ پوچھیں گے کہ اس صورت میں کشمکش کا ذکر کیوں کیا جاتا ہے؟ یہ ذکر میں اس لیے کرتا ہوں کہ دستوری اسمبلی کے لیے ایک کشمکش ہونے والی ہے۔''

جناب گاندھی برطانیہ سے الجھے ہوئے ہیں لیکن میں ان سے اور کانگریس سے دریافت کرتا ہوں کہ آپ دستوری اسمبلی کے واسطے برطانیہ سے الجھ رہے ہیں، جس کو مسلمان قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس اسمبلی میں مسلمانوں کو تین سے مقابل ایک ووٹ حاصل ہوگا اور اس طرح سر گننے سے کبھی کوئی مخلصانہ مفاہمت نہ ہو سکے گی، جس سے مسلمان دوستانہ حیثیت میں تعاون کر سکیں۔ ان وجوہ سے دستوری اسمبلی کی تجویز قابلِ اعتراض ہے، لیکن جناب گاندھی مسلمانوں کے ساتھ نہیں بلکہ اسمبلی کے واسطے برطانیہ سے الجھ رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''میں یہ اس واسطے کر رہا ہوں کہ دستوری اسمبلی کے واسطے ایک کشمکش ہونے والی ہے۔ ان الفاظ پر غور کیجیے جو مسلم ووٹوں کے ذریعے آئینی اسمبلی میں آئیں گے۔''

جناب گاندھی پہلے ہمیں اسمبلی میں شامل ہونے کے لیے مجبور کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں:

''یہ اعلان کردو کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی چیز مشترک نہیں۔ اس کے بعد میں امید کو خیرباد کہہ دوں گا۔ لیکن اس وقت بھی میں ان کے ساتھ اتفاق کروں گا اس لیے

کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور میں نے بھی اس کتاب مقدس کے کچھ حصہ کا مطالعہ کیا ہے۔'' (قہقہہ)

جناب گاندھی مسلمانوں کے ووٹ لینے کے واسطے دستوری اسمبلی چاہتے ہیں۔ اگر مسلمان اس سے متفق نہ ہوں تو وہ امید کو خیرباد کہہ دیں گے۔ لیکن اس وقت بھی وہ ہم سے اتفاق کریں گے (قہقہہ)۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتا کی حقیقی خواہش کے اظہار کا یہ طریقہ ہے؟ (آوازیں، نہیں نہیں)

میں کئی بار کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ جناب گاندھی دیانتداری سے تسلیم کرلیں کہ کانگریس ہندو جماعت ہے اور وہ صرف ہندوؤں کے نمائندہ ہیں۔ جناب گاندھی کیوں یہ بات فخریہ نہیں کہتے کہ:

''میں ہندو ہوں اور کانگریس کو ہندوؤں کی حمایت حاصل ہے۔''

مجھے تو یہ کہنے میں کہ میں مسلمان ہوں، شرم محسوس نہیں ہوتی (سنیے سنیے)۔ مجھے امید ہے کہ اب ایک اندھا آدمی بھی یقین کے ساتھ یہی کہے گا کہ مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہند کی پوری تائید حاصل ہے (سنیے سنیے)۔ پھر حقیقت حال پر پردہ ڈالنے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟ یہ جوڑتوڑ کیوں ہو رہے ہیں؟ مسلمانوں کو دبانے کے لیے برطانیہ پر کیوں زور ڈالا جا رہا ہے؟ عدم تعاون کا یہ اعلان کیوں ہو رہا ہے؟ سول نافرمانی کی دھمکی کیوں دی جا رہی ہے اور دستوری اسمبلی کے واسطے جدوجہد کیوں کی جا رہی ہے؟ اس امر سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ مسلمان دستوری اسمبلی کی تجویز سے متفق نہیں (سنو سنو)۔ ہندو لیڈر اور ہندوؤں کے نمائندہ کی حیثیت میں آؤ اور مجھ سے باتیں کرو کہ میں مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی کروں (سنیے سنیے)۔ میں کانگریس کے متعلق بس اسی قدر کہنا چاہتا ہوں۔

جہاں تک برطانوی حکومت کا تعلق ہے، ہماری گفت وشنید ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ ہم نے چند امور کے متعلق یقین دلائے جانے کے لیے کہا تھا، ان میں سے ایک امر کے متعلق کچھ طے ہوا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء سے جداگانہ ہندوستان کے آئندہ آئین کے مسئلہ پر ازسرنو غور کیا جائے۔ وائسرائے نے حکومت برطانیہ کی منظوری سے 23 دسمبر کو اس کا جو جواب دیا، اسے میں انھی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں:

''آپ کے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ 13 اکتوبر گزشتہ کو میں نے حکومت برطانیہ کی منظوری سے جو جواب دیا تھا، اس سے ایکٹ 1935ء کا کوئی حصہ یا وہ پالیسی اور

تجاویز مستثنیٰ نہیں، جس پر وہ مبنی ہے۔''

الفاظ ''مستثنیٰ نہیں'' پر غور کیجیے۔ (آوازیں، سنو سنو)

جہاں تک دوسرے مسائل کا تعلق ہے، گفت و شنید جاری ہے۔ اہم مسائل یہ ہیں:

1۔ حکومت برطانیہ مسلمانوں کی منظوری اور تائید کے بغیر ہندوستان کے آئندہ آئین کے متعلق کوئی اعلان نہ کرے (سنیے سنیے) اور مسلمانوں کی شرکت اور تائید کے بغیر کسی پارٹی سے کوئی سمجھوتا نہ کیا جائے (سنیے سنیے)۔ حکومت برطانیہ...... خواہ اس امر کا یقین دلائے یا نہ دلائے، لیکن وہ یہ تو ضرور سمجھتی ہے کہ یہ مطالبہ معقول اور منصفانہ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نو کروڑ مسلمانوں کے مستقبل کو کسی دوسرے منصف کے ہاتھوں میں نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ہم اپنے معاملہ میں خود ہی ثالث بننا چاہتے ہیں۔ یقیناً یہ مطالبہ مبنی بہ انصاف ہے ہم یہ نہیں چاہتے کہ برطانیہ کوئی ایسا آئین مسلمانوں کے سر منڈھ دے، جس کو وہ منظور نہ کرتے ہوں۔ ان حالات میں حکومت برطانیہ کے لیے یہی بہتر ہے کہ مسلمانوں کو اس امر کا یقین دلا دے اور انھیں پورے طور سے مطمئن کر کے اپنا دوست بنا لے جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ برطانیہ ایسا کرے یا نہ کرے مسلمانوں کو اپنی ہی طاقت پر اعتماد کرنا پڑے گا اور میں اس پلیٹ فارم سے واضح کیے دیتا ہوں کہ اگر کوئی اعلان یا سمجھوتا درمیانی عرصہ کے لیے ہماری مرضی اور رائے کے بغیر کیا گیا تو مسلمانانِ ہند اس کی مزاحمت کریں گے (سنیے سنیے)۔ اس معاملہ میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔

دوسرا مسئلہ فلسطین کا ہے۔ ہم سے کہا گیا ہے کہ اعراب فلسطین کے معقول قومی مطالبات کو منظور کر لینے کے لیے سرگرمی سے کوشش کی جا رہی ہے۔ ہم ان سرگرم مخلصانہ اور بہترین کوششوں سے مطمئن نہیں (قہقہہ)۔ ہم چاہتے ہیں کہ برطانیہ عملاً اعراب فلسطین کے مطالبات کو منظور کرے (سنیے سنیے)۔

دوسرا مسئلہ افواج کو باہر بھیجنے کا تھا۔ ہم برطانوی حکومت سے اس امر کا یقین حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ ہندوستانی افواج کو کسی مسلمان ملک یا طاقت کے خلاف جنگ کرنے کے لیے نہیں بھیجا جائے گا (سنو سنو)۔ امید ہے کہ برطانوی حکومت اس معاملہ میں صورت حال کو اور واضح کر دے گی۔

جہاں تک اپنی داخلی حالت کا تعلق ہے، ہم اس پر غور کر رہے ہیں۔ متعدد باخبر اداروں اور دیگر اشخاص نے جو ہندوستان کے آئندہ آئین کے مسئلہ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ چند اسکیمیں بھیجی ہیں اور ہم نے ان اسکیموں کی تفصیلات پر غور کرنے کے لیے ایک سب کمیٹی مقرر کر دی ہے لیکن یہ حقیقت واضح ہے۔ اس معاملہ میں ہمیشہ غلطی کی جاتی ہے کہ مسلمان اقلیت ہیں۔ اقلیت کا لفظ اتنی مدت تک استعمال کیا گیا ہے کہ اس کے اثرات کا زائل کرنا بعض اوقات مشکل ہو جاتا ہے۔

مسلمان اقلیت میں نہیں ہیں۔ ہر ایک اعتبار سے مسلمان ایک قوم ہیں۔ برطانیہ اور کانگریس کی طرف سے اس طرح خطاب کیا جا رہا ہے۔

بہر حال آپ اقلیت ہیں۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟ جیسا کہ بابو راجندر پرشاد نے فرمایا: ''اقلیتیں اور کیا چاہتی ہیں؟'' لیکن یقیناً مسلمان اقلیت نہیں ہیں۔ ہندوستان کے برطانوی نقشہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اس ملک کے وسیع علاقے مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔ جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ مثلاً بنگال، پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان۔

اب سوال یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اس اختلاف کا حل کیا ہے؟ ہم غور کر رہے ہیں اور جیسا کہ میں نے کہا، اس مسئلہ کے متعلق مختلف تجویزوں پر غور کرنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کر دی گئی ہے۔

آئین کی آخری سکیم خواہ کچھ ہو، میں اپنا نظریہ بیان کرتا ہوں اور ایک خط سناتا ہوں جو لالہ لاجپت رائے نے سی آر داس کے نام بھیجا تھا۔ یہ خط آج سے چودہ یا پندرہ سال پیشتر لکھا گیا تھا اور اسے حال ہی میں ایک شخص مسمی اندر پرکاش نے شائع کیا ہے۔ لالہ لاجپت رائے کٹر ہندو مہاسبھائی اور محتاط سیاستدان تھے۔ ان کا مکتوب سنانے سے پہلے میں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ''اگر آپ ہندو ہیں تو ہندو پن سے بچ نہیں سکتے (قہقہہ)۔ اب لفظ ''قوم پرست'' سیاسیات کی دنیا میں لوگوں کا تکیہ کلام بن گیا ہے۔

لالہ لاجپت رائے فرماتے ہیں

> ''مجھے ایک مسئلہ نے چند روز سے الجھن میں ڈال رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس پر غور کریں۔ یہ مسئلہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد کا ہے۔ میں گزشتہ چھ ماہ سے اس مسئلہ پر غور کر رہا ہوں۔ اسلامی تاریخ اور اسلامی قانون کا مطالعہ کیا ہے اور اب یہ خیال کرتا ہوں کہ اتحاد نہ ممکن ہے اور نہ قابلِ عمل۔ اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے کہ مسلم رہنماؤں نے عدم تعاون کی تحریک میں نہایت اخلاص سے حصہ لیا ہے۔ میری رائے ہے کہ مسلمانوں کا مذہب ایسے معاملات (اتحاد) میں ایک موثر رکاوٹ ہے۔
>
> آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے کلکتہ میں آپ کو وہ باتیں سنائی تھیں جو حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر کچلو سے ہوئیں۔ ہندوستان میں حکیم اجمل خاں سے بہتر مسلمان نہیں، لیکن کیا کوئی قرآن کی خلاف ورزی کر سکتا ہے۔ میں یہی خیال کر سکتا ہوں کہ شاید میں نے اسلامی

قانون کو صحیح طور سے نہیں سمجھا اور مجھے صرف اسی تصور سے تسلی ہو سکتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگرچہ ہم انگریزوں کے خلاف متحد ہو سکتے ہیں۔ لیکن برطانیہ کے طریقوں پر ہندوستان میں حکومت کرنے کے لیے متفق نہیں ہو سکتے۔ ہم جمہوری اصول پر ہندوستان میں حکومت قائم نہیں کر سکتے۔''

خواتین اور معززین! جب لالہ لاجپت رائے نے یہ خیالات ظاہر کیے کہ ہم جمہوری اصول پر ہندوستان میں حکومت قائم نہیں کر سکتے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا، لیکن جب میں نے آج سے 18 ماہ پیشتر حقیقت کے اظہار کی جرأت کی تو اعتراضوں کی بھرمار اور نکتہ چینیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ لالہ لاجپت رائے نے آج سے پندرہ سال پیشتر کہا تھا کہ ہم جمہوری اصول پر ہندوستان میں حکومت قائم نہیں کر سکتے، اب چارۂ کار کیا ہے؟

کانگریس کے نزدیک اس کا علاج یہ ہے کہ اقلیت کو اکثریت کی حکومت کے تحت رکھا جائے۔ لالہ لاجپت رائے اپنے مکتوب میں مزید فرماتے ہیں:

''پھر اس کا علاج کیا ہے؟ میں سات کروڑ مسلمانوں سے خوفزدہ نہیں، لیکن میں سات کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کو افغانستان کے مسلح قبائل کے ساتھ ملا کر دیکھتا ہوں۔ وسطی ایشیا، عرب، عراق اور ترکی کے مقابلہ میں مزاحمت نہیں کی جا سکے گی۔ (قہقہہ)

''ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے اتحاد کی نسبت میرا دیانتداری اور صدق دل سے یقین ہے کہ یہ نہ صرف پسندیدہ اور مرغوب ہے بلکہ ہمیں اس کی حاجت بھی سخت ہے۔ میں مسلمان رہنماؤں پر اعتبار کرنے کو تیار ہوں، مگر قرآن شریف اور حدیث کے احکام کے متعلق کیا کیا جائے؟ خود اسلامی رہنما ان کو پس پشت نہیں ڈال سکتے۔ نہ ان کے خلاف چل سکتے ہیں۔ کیا ہماری قسمت میں تباہی لکھی ہے؟ مجھے امید ہے کہ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے آپ جو صاحبِ فہم و ذکا ہیں، دانا ہیں، کوئی نہ کوئی راہ پیدا کر لیں گے۔''

خواتین اور حضرات! پندرہ سال ہوئے۔ یہ الفاظ ایک بہت بڑے ہندو رہنما نے اپنے ہی جیسے ایک ہندو بزرگ کو خط میں لکھے تھے۔ اب میں ان پر نظر بحالاتِ موجودہ اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔

حکومت برطانیہ، پارلیمان برطانیہ، بلکہ قوم برطانیہ کی تعلیم و تربیت ہندوستان کے مستقبل اور آئین کے ضمن میں برطانیہ کے اپنے آئینی اصولوں کی بنیاد پر ہوئی ہے۔ بیسیوں سال سے اہلِ برطانیہ کو بتایا جا رہا ہے کہ ہندوستان کے لیے بھی وہ طرزِ حکومت موزوں ہے جو ہمارے ہاں ایوان ہائے پارلیمان اور ''طریق کابینہ'' کے وسائل سے عمل پذیر ہے۔ چناں چہ باشندگانِ برطانیہ اس حکومت کو دنیا کے ہر ایک ملک کے لیے بہترین قرار دیتے ہیں۔ جو پارٹی گورنمنٹ کہلاتی ہے اور محض سیاسی نقطۂ نگاہ سے حکومت کا کام کرتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ برطانیہ کے بڑے سے بڑے مدبر جو ان اصولوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بارہا اپنے اس یقین کا اعلان کر چکے ہیں کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا، ہندوستان کے ان عناصر میں ہم آہنگی پیدا ہوتی جائے گی، جو اس وقت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

قانون حکومت ہند 1935ء کے متعلق ٹائمز جیسے چوٹی کے برطانوی اخبار نے یوں اظہار رائے کیا ہے:

> ''اس میں شبہ نہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین اختلاف محض مذہب تک محدود ہیں، بلکہ اس میں قانون اور تہذیب و تمدن یہاں تک شامل ہیں کہ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی علیحدہ اور امتیازی تہذیب کے پیروکار ہیں۔ پھر بھی ہمیں امید ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ یہ اوہام مردہ ہو جائیں گے اور ہندوستان صرف ایک قوم واحد کے سانچے میں ڈھل جائے گا۔''

خواتین و حضرات! اس کے یہ معنی ہوئے کہ لندن ٹائمز کی رائے میں ہماری مشکلات محض اوہام ہیں اور ہمارے وہ بنیادی اور شدید اختلافات جو روحانی اور اخلاقی بھی ہیں اور ہماری زندگی کے اقتصادی، تمدنی، معاشرتی اور سیاسی وغیرہ سب شعبوں اور حلقوں پر بھی حاوی ہیں، صرف وہم کا درجہ رکھتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے ''قومی تصور'' اور ہندو دھرم کے ''سماجی ڈھنگ اور وضع'' کے باہمی اختلاف کو محض وہم و گمان بتانا، ہندوستان کی تاریخ کو جھٹلانا ہے۔

ایک ہزار سال سے ہندوؤں کی تہذیب اور مسلمانوں کی تہذیب ایک دوسری سے دوچار ہیں اور دونوں قومیں آپس میں میل جول رکھتی چلی آئی ہیں۔ مگر ان کے اختلافات اسی پرانی شدت سے موجود ہیں۔ ان کی نسبت یہ توقع رکھنا کہ ان میں محض اس وجہ سے انقلاب آ جائے گا اور ہندو اور مسلمان ایک قومِ واحد بن جائیں گے کہ ان پر ایک جمہوری آئین کا دباؤ ڈالا گیا، سراسر غلطی ہے۔

جب ہندوستان میں ڈیڑھ سو سال سے قائم شدہ برطانوی وحدانی حکومت اس کام میں کامیاب نہ ہو سکی تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہندوستان کی مرکزی حکومت میں اجتماعی یا فیڈرل نظام کے جبری قیام سے وہ کامیابی عرصۂ شہود میں آجائے گی۔

ہندوستان کا سیاسی مسئلہ فرقوں سے متعلق نہیں۔ بلکہ قوموں سے متعلق ہے۔ بلاشبہ اسے ایک بین الاقوامی مسئلہ قرار دینا چاہیے اور اسی نقطۂ نگاہ سے اس کا حل تلاش کرنا لازم ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اس بنیادی امرِ واقعہ کی صحت تسلیم کریں۔ جب تک ہم اسے درست نہ مانیں گے، ہمارا ہر ایک وضع کردہ آئین ناکام رہے گا اور تباہی لائے گا۔

اگر حکومت برطانیہ سچی ہے اور دلی ذوق اور سرگرمی کے ساتھ خواہشمند ہے کہ اس براعظم تحتی کے باشندے امن و امان کے ساتھ ایک خوشحال زندگی بسر کریں تو ان کے لیے سیدھی راہ یہی ہے کہ وہ ہندوستان کی بڑی بڑی اقوام کے لیے سرزمین ہند کے علیحدہ علیحدہ منطقے مقرر کردے، جو اُن کے وطن ہوں اور پھر اس مطلب کے حصول کے لیے ملک کو چند خود مختار قومی ریاستوں میں منقسم کردے۔

اس تقسیم سے یہ امر نسبتاً زیادہ آسان ہو جائے گا کہ دوستانہ سمجھوتوں کے وسیلے سے اقلیتوں کے لیے تحفظِ حقوق کا سامان بہم پہنچایا جائے اور ہندوؤں کے ہندوستان اور مسلمانوں کے ہندوستان کے مابین ایسے ملکی انتظامات کردیے جائیں جن کے طفیل مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے اغراض و مفاد کی حفاظت موجودہ حالت سے کہیں بہتر طریق سے ہو جائے اور یہ حفاظت ہو بھی کافی و وافی۔

اس امر کا سمجھنا نہایت مشکل ثابت ہو رہا ہے کہ ہمارے ہندو دوست کیوں اسلام اور ہندو دھرم کی حقیقی نوعیت کا درست اندازہ کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

اسلام اور ہندو دھرم محض اور فقط مذاہب نہیں ہیں بلکہ درحقیقت وہ دو مختلف اور متمیّز معاشرتی نظام ہیں۔ چناں چہ اس خواہش کو خواب و خیال ہی کہنا چاہیے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق کر سکیں گے۔

ہندوستان میں مشترکہ قومیت کا تصور حد سے بہت دور نکل گیا ہے اور ہماری اکثر و بیشتر مشکلات کا باعث بن رہا ہے اور بن چکا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ہم جلد ہی اس خیال کی اصلاح نہ کریں گے تو تباہ ہو جائیں گے اور ہندو اور مسلمان دو مختلف مذہبی معتقدات، دو مختلف ادبیات اور دو مختلف النوع معاشرتی اطوار کے ماتحت ہیں۔

یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے، نہ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں اور یہ بھی اصرار کے ساتھ کہیے کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے واسطہ رکھتے ہیں اور ان تہذیبوں کی بنیاد ایسے تصورات اور حقائق پر

رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں بلکہ اکثر متصادم ہوتے رہتے ہیں۔

حیاتِ انسانی کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اور تصورات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی تمنائے ترقیات کے لیے مختلف تاریخوں سے شغف رکھتے ہیں۔ ان کے تاریخی وسائل اور ماخذ مختلف ہیں۔ دو قوموں کی رزمیہ نظمیں ان کے سربرآوردہ بزرگ اور قابلِ فخر تاریخی کارنامے سب مختلف اور الگ الگ ہیں۔ اکثر اوقات ایک قوم کا زعیم اور رہنما دوسری قوم کے بزرگ اور برتر ہستیوں کا دشمن ثابت ہوتا ہے۔ ایک قوم کی فتح، دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔ ایسی دو قوموں کو ایک ریاست اور حکومت کی ایک مشترکہ گاڑی کے دو بیل بنانے اور ان کو باہمی تعاون کے ساتھ قدم بڑھانے پر آمادہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں کے دلوں میں بے صبری روز بروز بڑھتی رہے گی جو انجام کار تباہی لائے گی۔ خاص کر اس صورت صورت میں کہ ان میں سے ایک قوم تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں ہو اور دوسری کو اکثریت حاصل ہو۔ ایسی ریاست کے آئین کا عمل خاک میں مل کر رہے گا۔

تاریخ اس قسم کے بہت کوائف پیش کرتی ہے۔ مثلاً آئرلینڈ اور برطانیہ کی متحدہ ریاست، چیکوسلاویکیا اور پولینڈ۔

تاریخ ایسے جغرافیائی منطقے بھی پیش کرتی ہے جو مجموعی طور پر ہندوستان سے بہت ہی کم وسیع ہونے کے باوجود اتنی ہی قوموں کے وطن ہیں جتنی قومیں اس میں بستی ہیں۔ یہ ملک تقسیم کر دیے گئے ہیں اور ان کے ہر حصے کا نام الگ ہے۔ اگر قوم ایک ہوتی تو ملک بھی ایک ہی نام سے پکارا جاتا۔

جزیرہ نمائے بلقان میں الگ الگ نام کی سات آٹھ خودمختار ریاستیں ہیں۔ اسی طرح ہم یورپ کے جزیرہ نما آئی بیریا کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ یہ سرزمین دو مختلف ممالک یعنی پرتگال اور اسپین میں منقسم ہے۔

اس کے مقابلے میں ہندوستان کو ایک مرکزی حکومت کے ماتحت رکھنے کے لیے ایک متحدہ قوم اور فقط ایک جغرافیائی ہستی کا بہانہ ڈھونڈا جاتا ہے۔ حالاں کہ گزشتہ بارہ سو برس کی تاریخ اس امر واقعہ کی گواہ ہے کہ اس طویل مدت کے دوران میں ہندوستان کو واحد حیثیت کبھی حاصل نہیں ہوئی اور یہ ملک ہمیشہ اسلامی ہند اور ہندو ہند میں منقسم رہا ہے۔ موجودہ مصنوعی وحدانیت کی تخلیق اس وقت ہوئی جب کہ برطانیہ نے ہندوستان کو فتح کر لیا۔ پھر اس وحدانیت کے قیام کا انحصار برطانیہ کی شمشیر حکومت پر ہے۔ مگر وہ برطانوی راج جسے ختم کر دینے کا ارادہ ملک معظم کے تازہ اعلان میں مضمر ہے۔ جب واقعی ختم ہوگا تو ملک پارہ پارہ ہو جائے گا اور یہاں ایسی آفت آئے گی کہ اس کی مثال مسلم راج کے گزشتہ ایک ہزار سال کی

تاریخ نہیں پیش کر سکے گی۔

مجھے یقین ہے کہ برطانیہ ہمیں اپنی ایک سو پچاس برس کی بادشاہت سے یہ وراثت نہ دے گا اور ہندو اور مسلمان بھی ایسی یقینی تباہی اور بربادی کا خطرہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہوں گے۔

ہم مسلمانوں کو گزشتہ دو اڑھائی سال میں اس امر کا کافی و وافی تجربہ ہو چکا ہے کہ کس طرح صوبوں میں حکومت خود اختیاری عمل پذیر رہی۔ اگر ایسی حکومت ایک بار پھر قائم کی گئی تو اس کا نتیجہ خانہ جنگی ہوگا اور ایسے پرائیویٹ لشکر مرتب کیے جائیں گے جن کی سفارش مہاتما گاندھی نے سکھر کے ہندوؤں سے کی اور ان کو کہا کہ تشدد ہو یا عدم تشدد، مگر آپ لوگوں کے لیے یہ امر بہر حال لازم ہوگا کہ اپنی حفاظت کا فرض خود انجام دیں۔ اگر دشمن ایک ضرب لگائے تو اس کا جواب ضرب سے ہی دیں (6) اور اگر یہ نہ ہو سکے تو نقلِ مکانی کر جائیں۔

قومیت کی تعریف چاہے جس طرح کی جائے۔ مسلمان اس تعریف کی رُو سے ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لیے اس بات کے مستحق ہیں کہ ملک میں ان کی اپنی الگ مملکت اور اپنی جداگانہ خود مختار ریاست ہو۔ ہم مسلمان چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر ہم ایک آزاد قوم بن کر اپنے ہمسایوں کے ساتھ ہم آہنگی اور امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ ہماری تمنا ہے کہ ہماری قوم اپنی روحانی، اخلاقی، تمدنی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کو کامل ترین نشوونما بخشے اور اس کام کے لیے وہ طریقِ عمل اختیار کرے جو اس کے نزدیک بہترین ہو اور ہماری رائے میں ہمارے عطیات قدرتی اور نصب العین سے ہم آہنگ ہو۔

دیانتداری کا یہ تقاضا ہے اور ہماری ملت کے کروڑوں افراد کے اغراض و مفاد کا مطالبہ یہی ہے کہ ہم ایک ایسے باوقار عزت مند اور پُرامن سمجھوتا کی تلاش کو اپنا ایک پاک فرض قرار دیں جو باقی اقوام کے حق میں عین منصفانہ بھی ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی لازم و لابد ہے کہ ہم دوسروں کی دھمکیوں اور جبر و تشدد کے سبب راہِ راست سے ہرگز ہرگز نہ بھٹکیں اور نہ اپنے مدعا سے دست کش ہو جائیں۔ ہمیں تمام مشکلات ممکنہ اور نتائج کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا ہوگا اور اُس منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لیے ہر ہر قسم کا ایثار کرنا پڑے گا۔ کوئی قربانی ایسی نہ ہونی چاہیے جو ہماری راہ کی روکاٹ بن سکے۔

اے خادمانِ اسلام! اپنے اربابِ ملت کو اقتصادی، سیاسی، تعلیمی اور معاشرتی تمام پہلوؤں سے منظم کرو۔ پھر تم دیکھو گے کہ تم یقیناً ایک ایسی قوت بن گئے ہو جس کی طاقت ہر شخص تسلیم کرے گا۔ (نعرہ ہائے تحسین)

حواشی

1۔ واردھا اسکیم جو گاندھی جی کی رہنمائی میں، تعلیمی اصلاحات کے لیے بنی تھی، ودیا مندر اسکیم اسی کا حصہ تھی، اسے مسٹر شکلا وزیراعظم سی پی نے سب سے پہلے......شاید تجربہ کے طور پر......اپنے صوبے میں جبری طور پر نافذ کیا، مسلمانانِ ناگپور نے نواب صدیق علی خان کی قیادت میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ ہزاروں مسلمان گرفتار ہوئے اور جیل گئے۔ کانگریس اس جوابی حملہ کی تاب نہ لاسکی اور صلح پر مائل ہوئی۔ قائداعظم کے ایما پر نواب زادہ لیاقت علی خاں سیکریٹری مسلم لیگ پہنچے اور مفاہمت اس بات پر ہوگئی کہ جہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو وہاں ''ودیا مندر'' کے بجائے ''بیت العلوم'' کا لفظ استعمال کیا جائے۔

2۔ مسلمانانِ جے پور جامع مسجد کا دروازہ بنانے کے سلسلے میں جدوجہد کر رہے تھے۔ حکومت جے پور نے اندھا دھند گولی چلا دی تھی، جس سے کئی مسلمان شہید ہوگئے۔

3۔ راجکوٹ ایک چھوٹی سی ریاست ہے جو کاٹھیاواڑ میں واقع تھی، گاندھی جی کا یہی آبائی وطن ہے۔ مہارانا راجکوٹ اور سردار پٹیل سے چل گئی، جس پر گاندھی جی نے مرن برت رکھ لیا، لیکن یہ مرن برت درحقیقت سبھاش چندر بوس کے خلاف تھا، جو ان کی مرضی کے خلاف اور ان کے نامزد امیدوار اپٹابھی سیتارامیہ کو شکست دے کر ہری پور کانگریس کے دوبارہ صدر منتخب کیے گئے تھے۔

4۔ ایک طرف گاندھی جی یہ فرماتے تھے کہ اگر ہٹلر کی فوجیں یا جاپان کی فوجیں ہندوستان میں آگئیں تو ہم ستیہ گرہ سے ان کا مقابلہ کریں گے۔ ہتھیار نہیں اٹھائیں گے۔ وائسرائے سے بھی انھوں نے یہی کہا تھا کہ عدم تشدد میرا مسلک ہے، لہٰذا جنگ میں کس طرح حکومت کا ساتھ دے سکتا ہوں، لیکن سکھر کے ہندوؤں کو مشورہ دے رہے ہیں کہ اگر مسلمان تم پر حملہ کریں تو تم بھی مارو اور اگر ایسا نہ کر سکو تو ترکِ وطن کر جاؤ۔

***

قائداعظم طلبائے مسلم یونیورسٹی کے اجتماع میں

خطاب بہ نژادِنو

6مارچ 1940ء

قائداعظم کو مسلم یونیورسٹی کے نونہالوں سے بڑی امیدیں تھیں۔ وہ جب موقع ملتا، وقت نکال کر وہاں جاتے اور سیاسیاتِ حاضرہ پر اپنے افکاروخیالات کا اظہار فرماتے۔

چناں چہ ذیل کی تقریر بھی انھوں نے یونین کے جلسہ میں کی تھی اور وقت کے اہم ترین مسائل کا تجزیہ کر کے ان کی رہنمائی کی تھی۔

جو مسائل اس وقت خاص طور پر زیر بحث تھے، ان میں ایک تو مجلس دستور ساز کا مطالبہ تھا جس کی علمبردار کانگریس تھی۔ دوسرا ہندو مسلم مفاہمت کا معاملہ تھا، جس پر ہر طرف سے چیخ و پکار ہو رہی تھی اور تیسرا اہم ترین سوال جس نے سارے ہندوستان کو بلکہ ساری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا تھا، یہ تھا کہ مسلمان اقلیت ہیں یا ایک مستقل قوم؟

رئیس احمد جعفری

منٹو مارلے اصلاحات کے بعد سے اکثر اشخاص نے یہ خیال کر لیا تھا کہ مسلمان ایک اقلیت ہیں اور ان کے حقوق کی حفاظت کے لیے تحفظات کی ضرورت ہے۔ لیکن جب ہم نے یہ اصطلاح استعمال کی تھی تو اس سے ہمارا کچھ اور ہی مفہوم تھا۔ مسلمان ایک وحدت ہیں۔ ان کا ایک سیاسی وجود ہے، جسے ہر قیمت پر محفوظ رکھنا ہے۔ جداگانہ انتخاب مسلمانوں کے اسی اندرونی جذبہ کی طرف اشارہ ہے۔ میثاق لکھنؤ کی تکمیل بھی اسی احساس پر مبنی تھی، اس میثاق کا بنیادی اصول یہ تھا کہ دو جداگانہ اور ممتاز وجود ایک باہمی سمجھوتا کر رہے ہیں، لیکن بدقسمتی سے اس میثاق کے معنی ہندوؤں نے کچھ اور لیے اور ہمارا مقصد کچھ اور تھا۔

انھوں نے سمجھا کہ مسلمان محض ایک اقلیت ہیں جن پر ہندو اکثریت کو حکومت کرنا چاہیے اور ادھر

مسلمان ایک جھوٹے احساسِ سلامتی میں مسلسل مبتلائے فریب رہے اور اقلیت کی اصطلاح کو تاریخی دستوری اور قانونی سمجھا جانے لگا۔ لیکن مسلمان کسی حیثیت سے بھی ممالک یورپ کی اقلیتوں کی طرح نہیں ہیں۔

جب موجودہ دستور کی تدوین ہو رہی تھی تو مسلمانوں نے سندھ کی علیحدگی اور شمال مغربی سرحدی صوبے میں مساوی اصلاحات کے نفاذ پر زور دیا۔ لیکن ہندوؤں نے بشمول کانگریس اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ ہمارا مطمح نظر یہ تھا کہ کم از کم ان خاص علاقوں میں جہاں ہم اکثریت میں ہیں ہمیں حقیقی اقتدار ملنا چاہیے۔

ایک موقع پر یہی سوال معرضِ بحث میں تھا۔ مولانا محمد علی بھی تھے۔ وہ ہندوؤں کی غیر معقولیت سے بیزار ہو چکے تھے۔ ان کی بے جا مخالفت پر بھڑک اٹھے اور پکار کر کہا، ''میں اس پر اصرار کروں گا۔ کیوں کہ کراچی سے کلکتہ تک میری ایک غلام گردش ہے۔''

ایک چیز قطعی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم کسی طرح اقلیت نہیں ہیں بلکہ ہمارے اپنے ایک نصب العین کے ساتھ ہم بجائے خود ایک علیحدہ اور ممتاز قوم ہیں۔ (نعرۂ تحسین)

میں نے مختلف موقعوں پر اس کا اعلان کیا ہے کہ مسلمان ایک قوم ہیں، لیکن جب میں نے یہی بات اپنے ایک حالیہ خط میں مسٹر گاندھی کو لکھی تو انھوں نے کہا کہ اس سے ان کی ہندو مسلم اتحاد کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ سوال یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کی کیا امیدیں تھیں اور ہندو مسلم اتحاد سے ان کا مقصد کیا ہے؟ مسٹر گاندھی کی امیدیں یہ ہیں کہ وہ مسلمانوں کو ہندو راج کا حلقہ بگوش اور باجگزار بنا دیں۔ میں نے اپنی ساری قوت سے جو میں مجتمع کر سکتا تھا، اس کی مدافعت کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ملک کے بدترین مسلمان کی حیثیت سے مجھے ملامت کی جاتی ہے۔

اگر مسٹر گاندھی کو آزاد چھوڑ دیا جاتا اور وہ اپنی من مانی کر پاتے تو آج بہت زیادہ تباہ کاریاں ہوتیں۔ آج ہم کم از کم کسی واضح اور قطعی مقصد کے لیے لڑ تو رہے ہیں۔ بہت سے لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہندو مسلم سمجھوتا کیوں نہیں ہوا۔ میں کہوں گا کہ مسٹر گاندھی کی شرائط پر کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکتا، مساوی شرائط اور بالکلیہ مساوات کی بنیادوں ہی پر سمجھوتا ممکن ہے۔ (نعرۂ تحسین) اس ملک کی حکومت میں حصہ لینے کا مجھے اسی قدر حق حاصل ہے جس قدر ایک ہندو کو۔ ہم نے ہندو مسلم سمجھوتا کے سلسلہ میں کبھی کوئی ایسی روش اختیار نہیں کی جسے معاندانہ یا مخالفانہ سمجھا جائے۔

کانگریس کو چند صوبوں میں اقتدار ملتے ہی اسے کچھ نشہ سا ہو گیا اور سارے ملک پر کامل ہندو اقتدار کے خواب دیکھنے لگی۔ بزمِ کانگریس کی یہی وہ روش ہے جس نے ہندو مسلم سمجھوتا کو روک رکھا ہے

اور ملک کی ترقی میں رکاوٹ بن رہی ہے۔ کانگریس کی ہائی کمان اپنی روش سے خود ہندوؤں کو سخت ترین نقصان پہنچا رہی ہے۔

دو سال پہلے میں نے شملہ میں کہہ دیا تھا کہ جمہوری پارلیمانی طرز کی حکومت ہندوستان کے لیے ناموزوں ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں نے تعلیماتِ اسلامی کو ضرر پہنچانے کا جرم کیا ہے کیوں کہ اسلام جمہوریت پسند ہے۔

جہاں تک میں نے اسلام کو سمجھا ہے، وہ کسی ایسی جمہوریت کی تلقین نہیں کرتا، جس کی بنیاد پر مسلمانوں کی قسمت کے فیصلوں کا اختیار غیر مسلم اکثریت کے ہاتھ میں چلا جائے۔ ہم کسی ایسی طرزِ حکومت کو قبول نہیں کر سکتے کہ جس میں غیر مسلم محض عددی اکثریت کی وجہ سے ہم پر قبضہ و اقتدار حاصل کر کے حکومت کر سکتے ہوں۔ مجھ سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ اگر میں جمہوریت نہیں چاہتا تو پھر کیا چاہتا ہوں...... فاسطیت، نازیت یا آمریت؟ میں کہتا ہوں، ان بھگتوں اور جمہوریت کے پرستاروں نے کیا کیا ہے؟ انھوں نے چھ کروڑ انسانوں کو تو اچھوت بنا رکھا ہے اور ایسے اصول کھڑے کیے ہیں، جو فاسطی مجلسِ اعلیٰ کے سوائے اور کچھ نہیں ہیں۔ ان کا آمر کانگریس کا چار آنہ کارکن بھی نہیں ہے۔ انھوں نے ایسی کٹھ پتلی وزارتیں بنائی ہیں جو مجلس قانون ساز یا رائے دہندگان کو نہیں، بلکہ مسٹر گاندھی کی ایک منتخب بزمک کو جوابدہ ہیں۔

مغرب کے مختلف ممالک میں بھی عام طور پر مختلف نوع کی جمہوریت ہوتی ہے۔ چناں چہ میں اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان میں جہاں کے حالات یورپ سے مختلف ہیں، برطانوی جماعتی طرز حکومت اور نام نہاد جمہوریت قطعی ناموزوں ہے۔

اب صورت حال کیا ہے؟ آپ کو یاد ہوگا کہ جب جنگ چھڑی تھی تو مسٹر گاندھی وائسرائے سے ملنے گئے تھے۔ وہ وہاں بہت دل شکستہ ہوئے۔ پارلیمنٹ اور ویسٹ منسٹر ایبے کی عمارتوں کی ممکن تباہی کا تصور کر کے ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

انھوں نے کہا کہ اگر انگلستان اور فرانس کو شکست ہو گئی تو ہندوستان کی آزادی کا کیا فائدہ! انھوں نے یہ سمجھ کر کہا تھا کہ اگر حکومت برطانیہ ہندوستان سے چلی گئی تو انھیں آزادی نہیں مل سکتی۔ لیکن سیوگاؤں پہنچتے پہنچتے ان کا خیال بدل گیا۔

اس کے بعد ہی ہندوستان کی آزادی اور ایک ایسی مجلس دستور ساز تشکیل دینے کے اعلان کا مطالبہ کیا گیا، جس کی بنیاد عام حق رائے دہی بالغان پر رکھی گئی ہو اور جو مستند اور مسلمہ اقلیتوں کے لیے چند تحفظات کے ساتھ ہندوستان کا دستور مرتب کرے۔

ہندو مسلم سمجھوتے کی آنکھ مچولی کھیل کر مسٹر گاندھی ایک ہی جست میں اس مجلس دستور ساز کے نئے کھیل پر پہنچے ہیں اور اس کے متعلق ان کا ادعا ہے کہ یہ ہر مرض کی دوا ہے۔ فرض کیجیے کہ اقلیتیں غیر مطمئن ہوں تو کیا ہوگا؟ وہ کہتے ہیں کہ اس کو اعلیٰ ترین عدالت میں پیش کیا جائے گا، میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس مسئلہ کو عدالتوں میں حل کرایا جا سکتا ہے؟ یہ کروڑوں اشخاص کے لیے ایک دستور مدون کر کے ایک سماجی ربط قائم کرنے کا مسئلہ ہے۔ اسے کسی قانونی عدالت میں فیصل نہیں کیا جا سکتا اور اگر ایسا ہو بھی تو اس عدالت کے فیصلوں کا نفاذ اور اس کی تعمیل کون کرائے گا؟ یہ سوائے ایک نقاب کے اور کچھ نہیں ہے۔ جس کی اوٹ میں وہ اپنے اصلی ارادے چھپانا چاہتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی اعتراضات ہیں۔ تاریخی اور سیاسی اعتبار سے یہ ایک لغو تجویز ہے۔ کسی غیر ملکی حکومت سے یہ کہنا کہ وہ ایسی مجلس دستور ساز تشکیل دے اور پھر اس مجلس کے مدوّنہ دستور کو نافذ کر کے ملک سے چلی جائے، لغویت کی انتہا ہے۔

ایک مجلسِ دستور ساز اس وقت وجود میں آتی ہے، جب کہ عوام کے ہاتھوں میں شاہی اختیارات منتقل ہو گئے ہوں۔ اس کے بعد مسٹر گاندھی نے رخ بدل کر کہا کہ وہ کسی ایسے ہی مساوی حل پر بھی مطمئن ہوں گے لیکن اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ اس کا بدل کیا ہو؟ مسٹر راج گوپال اچاری کہتے ہیں کہ صوبائی مجالس قانون ساز کے تازہ انتخابات کیے جائیں اور اس طرح جو اراکین منتخب ہوں، ان کی مجلس دستور ساز بنائی جائے۔ لیکن مونجے اور ساور کر اس کو پسند نہیں کرتے کیوں کہ موجودہ مجالس، میں ان کی کوئی آواز نہیں ہے۔

کیا یہ حضرات کسی معاملہ میں بھی سنجیدگی سے گفتگو کرتے ہیں؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ برطانوی حکومت کو دق کرنا اور دھمکی دے کر اس سے کچھ لے مرنا چاہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ برطانوی حکومت یہاں سے چلی جائے۔ وہ تو صرف اسے دم دلاسے دے کر، اس پر دباؤ ڈال کر ایسی چیز حاصل کر لینا چاہتے ہیں، جس کے وسیلہ سے برطانیہ کے سایہ ہی میں مسلمانوں کو محکوم بنا سکیں۔ اس وقت مسلم لیگ کو کیا صورت حال درپیش ہے؟ ہم کنویں اور خندق کے درمیان ہیں۔ ہندوؤں یا مسلمانوں کو حکومت سونپنے کی برطانیہ کو کوئی جلدی نہیں ہے۔ برطانوی حکومت سے اعلانات کا مطالبہ کرنے اور کہتے رہنے سے کہ ہمیں آزادی دے دو، کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ وہ کبھی نہیں دیں گے۔ برطانوی حکومت کے اعلانات میں کہیں نہ کہیں ایک روزن ہمیشہ رہے گا۔

دوسری طرف ہم ایک قطعی مطالبہ کر رہے ہیں کہ قانون 1935ء منسوخ کر دیا جائے اور اس بدنصیب ''صوبجاتی خودمختاری'' کے تجربات اور اس کے بعد کے تغیرات کی روشنی میں دستور ہند کے

سارے مسئلہ کو ازسرِنو جانچا جائے۔ اس کے متعلق ہمیں چند تشریحات بھی وصول ہوئی ہیں۔ وائسرائے کہتے ہیں کہ اس حکمت عملی اور خاکوں کی دوبارہ جانچ پڑتال جس پر دستور کی بنیاد رکھی گئی ہے، ان کے اعلان سے خارج نہیں ہے۔

لیکن اس عرصہ میں برطانوی حکومت مسٹر گاندھی کو سمجھا بجھا کر عالمِ تصورات کی بلندیوں سے اتار کر حقیقت کی دنیا میں لانا چاہتی ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم واقعیت پسندی سے اس مسئلہ پر نظر ڈالنے کے لیے تیار ہیں، لیکن ہمیں ایک حقیقی تشویش لاحق ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے برطانوی حکومت مسٹر گاندھی کے لیے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو تابع فرمان کرنے اور ان کو مٹا دینے کی تجویزوں کو روبہ عمل لانے کا موقع نہ فراہم کردے۔ میں اپنی امکانی طاقت اور زور سے برطانوی حکومت سے کہتا ہوں کہ اگر وہ کانگریس سے کوئی ایسا تصفیہ کررہی ہے یا آئندہ کرنے والی ہے جو مسلمانوں کے لیے ضرررساں ہو تو ہم اسے قائم نہ رہنے دیں گے۔ ہم برطانوی حکومت سے مطالبہ کررہے ہیں کہ کسی دستور کا نفاذ یا کوئی ہنگامی تصفیہ مسلمانوں کی مرضی اور اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ اگر ہمارے اندیشے صحیح ثابت ہوئے تو متعلقہ اشخاص کو معلوم ہوجائے گا کہ مسلمان ممکنہ ذرائع سے اس کی مدافعت کریں گے اور تصفیہ کو ناقابلِ عمل بنا کر رکھ دیں گے۔

کسی پر تکیہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہم کو اپنے آپ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ میں ہر شخص کا دوست بننے پر رضامند ہوں، لیکن بھروسہ اپنی ہی طاقت پر کروں گا۔ لیگ نے تاحال بہت معقول کام کیے ہیں لیکن ابھی اس کا آغاز ہی ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہندوستان میں بھی درحقیقت جنگ ہورہی ہے۔ میں تم سے اپیل کرتا ہوں کہ شانہ سے شانہ ملا کر لیگ کی صفوں میں کھڑے ہوجاؤ۔

(فلک شگاف نعرے)

حواشی

1۔ ڈاکٹر مونجے مہا سبھا کے زعیم کبیر۔

2۔ ڈاکٹر ساورکر، جو کبھی آزادئ ہند کے علمبردار، زبردست انقلاب پسند اور مخلص محب وطن تھے۔ بعد میں کٹر مہا سبھائی بن گئے۔

***

ہمارا مقصد اٹل، ہماری منزل متعین ہے

قراردادِ لاہور پر اصرار

مارچ 1940ء

پاکستان کی تجویز لاہور کے اجلاسِ عام نے جیسے ہی منظور کی، سارے ہندو پریس نے بالعموم اور شمالی ہند کے ہندو اخبارات نے بالخصوص آسمان سر پر اُٹھالیا۔

اب تک وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ مسلمان جائیں گے کہاں؟ انھیں اس دیس میں رہنا ہے، ان کی تعداد ہمارے مقابلے میں بہت کم ہے۔ یہ جمہوریت کا زمانہ ہے جس میں

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اور جب بھی گنتی ہوگی، کامرانی کا سہرا ہمارے سر پر بندھے گا، اقلیت یعنی مسلم قوم منہ دیکھتی رہ جائے گی اور اکثریت یعنی ہندو قوم سب کچھ لے جائے گی۔ لیکن پاکستان کے نعرہ نے یہ طلسم توڑ دیا۔ اب مسلمان اپنا الگ وطن بنانے پر مصر تھے۔

خونِ اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسمِ سامری!

اب یہ طلسم کے ٹوٹنے کا وقت آ گیا تھا۔

پاکستان کا نام سنتے ہی ہندو پریس نے ایک قیامتِ کبریٰ برپا کر دی، گفتنی اور ناگفتنی سب ہی کچھ کہہ ڈالا۔ اتہام اور غلط بیانی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

قائداعظم نے ایک معاملہ فہم اور دور اندیش سیاست داں کی طرح ضروری سمجھا کہ اگر واقعی کوئی غلط فہمی ہے تو وہ رفع کر دی جائے۔

رئیس احمد جعفری

مجھے اب بھی توقع ہے کہ سمجھدار ہندو ہماری تجاویز پر سنجیدگی سے غور و فکر کریں گے کیوں کہ اس

میں بعجلتِ ممکنہ ہندوستان کی آزادی کا حصول مضمر ہے اور اس آزادی کو ہم داخلی اور خارجی طور پر امن کے ساتھ برقرار رکھ سکیں گے۔

سب سے پہلا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلم اقلیتوں کو ڈرانے کے لیے یہ جھوٹی شہرت اور غلط تصور عام کیا جارہا ہے کہ ان کو جماعتی اور اجتماعی طور پر ہجرت کرنی ہوگی، میں اپنے مسلمان بھائیوں کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس گمراہ کن تشہیر میں کوئی اصلیت نہیں ہے، البتہ ہندوستان کی قدرتی تقسیم کے مدنظر تبادلۂ آبادی کے قابلِ عمل امکانات پر غور کیا جائے گا۔

دوسرے مسلم اقلیتوں کو غلط باور کرایا گیا ہے کہ ہندوستان کی کسی تجویز تقسیم یا علیحدگی سے وہ بڑے گھاٹے میں رہیں گے اور بے سہارا چھوڑ دیے جائیں گے۔ میں یہ واضح کر دوں کہ ایک متحدہ ہندوستان میں یا ایک مرکزی حکومت کے تحت مسلمان جہاں بھی اقلیت میں ہوں، اپنے موقف کو بہتر نہیں بنا سکتے۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، وہ محض ایک اقلیت ہی رہیں گے۔ البتہ وہ ایسے تمام تحفظات کا بجا طور پر مطالبہ کر سکتے ہیں جو کسی مہذب حکومت میں رائج ہیں۔ لیکن تقسیم ہند کے سنگِ راہ بن کر وہ اپنے موقف کو بہتر نہیں بنائیں گے اور نہ بنا سکتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ اپنی مخالفانہ روش سے اسلامی وطن اور اس کے چھ کروڑ مسلمانوں کو ایک ایسی حکومت کے تحت لا سکتے ہیں جہاں یہ ایک دوامی حقیقت سے زیادہ اور کچھ نہ ہوں گے۔

اس حقیقت کے مدنظر ہندوستان کی مسلم اقلیتوں نے قرارداد لاہور کی بلا تامل تائید کی۔ ہندو ہندوستان کی مسلم اقلیتوں کے سامنے سوال یہ ہے کہ آیا سارا مسلم ہندوستان نو کروڑ مسلمانوں کے ساتھ ہندوا کثریت کے راج کے تحت چلا جائے یا کم از کم چھ کروڑ مسلمان جہاں وہ اکثریتی حلقوں میں ہیں، اپنا وطن بنا لیں اور اس طرح اپنے فہم و ادراک کے مطابق اپنی روحانی، ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی زندگی کو ترقی دینے اور اپنے مستقبل کو بنانے کا ان کو موقع ملے؟ اس کے ساتھ ہی ہندوؤں اور دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنے کا اختیار ہو؟ مسلم ہندوستان میں ہندوؤں اور دوسرا اقلیتوں کا یہی موقف ہوگا۔

میں نے ہمیشہ سکھ فرقہ کا احترام ملحوظ رکھا ہے اور ان کی قدر کی ہے۔ سکھ دوستوں سے میری خواہش ہے کہ وہ ہندوستان کے موجودہ دستوری مسئلہ کا عمیق مطالعہ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ایک متحدہ ہندوستان میں یا ایک مرکزی حکومت کی بہ نسبت شمال مغربی مسلم منطقوں میں بدرجہا بہتر رہیں گے۔ کیوں کہ ایک مرکزی حکومت کے اندر ان کی صدا نقار خانے میں طوطی کی آواز ہوگی۔

بہرصورت پنجاب ایک خودمختار اور مطلق العنان وحدت ہوگا اور انھیں بھی بہر حال پنجاب میں رہنا ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ ایک متحدہ ہندوستان میں جہاں وہ ایک عالم کسمپرسی میں ہوں گے، مسلم ہندوستان کے مغربی منطقوں میں جو خودمختار وفاقی ریاستوں پر مشتمل ہوگا اور جس میں پنجاب کی مطلق

العنان ریاستیں بھی شامل ہیں۔ سکھ ہمیشہ ایک باعزت مقام پر رہوں گے اور انھیں کافی اثر و رسوخ حاصل رہے گا۔

ایک خاص قسم کی تنقید کانگریسی مسلمانوں کی طرف سے ہوئی ہے۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کے منہ میں کسی اور کی زبان ہے اور ان کی گفتگو ان کے آقاؤں کی صدائے بازگشت ہوتی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی کو اس پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک اور قسم کی تنقید چند کانگریسی قائدین کے ہفوات ہیں جو ذرا بھی وقیع نہیں ہیں۔

قرارداد لاہور پر اگر کسی شخص نے سنجیدگی سے کوئی تنقید کرنے کی کوشش کی ہے تو وہ مسٹر راج گوپال اچاریہ ہیں۔ وہ بھی بہرحال اپنی ہی سیاست کے معیار سے دوسروں کو جانچتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، ہم وہ چاہتے ہیں جو نہیں کہتے۔ یعنی جو کچھ مسٹر جناح چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ان نام نہاد مسلم صوبوں کی ترقی کا ایک حل ڈھونڈنے کے لیے انتہائی وسعتیں دی جائیں جس میں کسی ایسی مرکزی حکومت کی مداخلت نہ ہو سکے گی جو ہندوستان کی آبادی کے تناسب و ترتیب اور دوسری سیاسی قوتوں کے روبہ عمل آ جانے سے پیدا ہونے والے حالات کے تحت کام کر رہی ہو۔ وہ ہندستان کو دو حصوں میں کاٹنے کے علاوہ جو کہ قرونِ وسطیٰ کے تصور پر مبنی ہے، اپنی اس مستحسن خواہش کی تکمیل کے لیے یقیناً اور بہت سی چیزوں کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

حضرت سلیمان (علیہ السلام) اور بچے کو تقسیم کرنے کی حکایت کا استدلال مسٹر راج گوپال اچاریہ کے عقل و شعور کی ساری بلندیوں سے بھی ورے ہے۔ اس قیاسی حکایت کو وہ ہماری تجویز پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں۔ یقیناً سارا ہندوستان کانگریس کی ملکیت نہیں ہے اور اگر اس کے حقیقی باشندے کو پوچھتے ہو تو وہ ڈراوڑی ہیں اور ان سے بھی آگے قدیم ترین جنگلی باشندے ہیں۔ یہ نہ آریائی ہوں گے اور نہ ہی مسلمان! ہندوستان سے متعلق آریاؤں کے دعاوی مسلمانوں سے قوی نہیں ہیں، سوائے اس کے وہ ایک وقتِ خاص پر اُن سے پہلے آئے تھے۔

حواشی

1۔ اگر سکھ بھائیوں نے یہ حقیقت سمجھ لی ہوتی تو آج سیاسی حیثیت سے وہ کہیں زیادہ مضبوط ہوتے۔

2۔ ہندوستان کے ہندو سیاستدانوں میں مسٹر راج گوپال اچاریہ سلجھے ہوئے خیالات کے بزرگ ہیں۔ انھوں نے اکثر و بیشتر مسلمانوں کے موقف کی۔ حتیٰ کہ پاکستان کی کسی نہ کسی حد تک بے خوفی، جرأت اور دلیری کے ساتھ تائید کی اور کانگریس ہائی کمان سے اس کی سزا بھی بھگتی اور اب تک بھگت رہے ہیں!

پہلے مانو، پھر سوال کرو!

17 اپریل 1940ء

پہلے تو تقسیم ہند کو مان لینا چاہیے، بعد ازاں صرف یہی سوال باقی رہ جاتا ہے کہ کس حیثیت سے عملی صورت دی جائے۔ تفصیلات کا سوال بعد کو پیدا ہوگا۔ حسب ضرورت اور حسب منشا تدبر اور مفاہمت سے کام لیا جائے گا۔ پہلے تو ہمیں تیقنات کے بارے میں رجائی بن جانا چاہیے، ارادے اپنی راہ آپ پیدا کر لیتے ہیں۔

''ہے کوئی ایسی مثال کہ کسی اصول کے مان لینے سے قبل اس کی تفصیلات پر بحث کی گئی ہو، مشترک خاندانوں کی تقسیم کے معاملہ میں بھی تو پہلے سمجھوتا اور اتفاق ہو جاتا ہے اور بعد کو تقسیم جائیداد کے بہتر طریقہ پر غور کیا جاتا ہے۔

تاریخ کی تازہ ترین مثال آئر لینڈ ہے۔ منطقوں کی تقسیم کے اصول و بنیاد کا فیصلہ ہونے کے بعد شمالی اور جنوبی آئر لینڈ کے مسئلہ کو قطعی طور پر مان لیا گیا۔ برما کے ساتھ بھی یہی ہوا، بالکل اسی طرح پہلے علیحدگی سندھ کا تصفیہ ہوا اور بعد ازاں تفصیلات پر غور کر کے عملی جامہ پہنایا گیا۔''

***

......کاش خانہ جنگی نہ ہو!

26 مئی 1940ء

بمبئی پریزیڈنسی مسلم لیگ کانفرنس کا عظیم الشان اجتماع راجہ صاحب محمود آباد کی زیر صدارت ھبلی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں شرکت کی دعوت قائداعظم کو بھی دی گئی تھی، مگر بعض ناگزیر مصروفیات کے باعث وہ شریک نہ ہو سکے، البتہ اپنی طرف سے ایک روح پرور پیام بھیج دیا، جو اپنی افادیت اور معنویت کے اعتبار سے غیر معمولی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں وقت کے بعض اہم مسائل پر انھوں نے حسب عادت دوٹوک رائے ظاہر کی ہے اور بعض ایسی باتیں ارشاد فرمائی ہیں جو یادگار حیثیت رکھتی ہے۔

پاکستان کی تجویز مسلم لیگ منظور کر چکی ہے، سارے ہندوستان میں تہلکہ، شور و شر اور ہنگامہ مچا ہوا ہے۔ ہندو جماعتوں، کانفرنسوں اور پریس نے ایک قیامتِ عظیم برپا کر رکھی ہے۔ ہندو جماعتوں نے خاص کر کانگریس نے ہاؤ ہو کا عالم پیدا کر رکھا ہے۔ مگر اس شور و شر کے باوجود قائداعظم اپنے مسلک پر چٹان کی طرح جمے ہوئے ہیں، ان کے پائے ثبات میں کہیں لغزش نظر نہیں آتی!

رئیس احمد جعفری

جنوبی ڈویژن کے مسلمانوں کی خدمت میں مَیں چند الفاظ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مسلمانانِ ہندوستان کی مسلم لیگ نے صحیح رہنمائی کی ہے۔ اس نے مسلمانوں کو ایک پرچم، ایک پلیٹ فارم ایک سوچا سمجھا ہوا لائحۂ عمل اور ایک پالیسی دی ہے اور بالآخر گزشتہ مارچ میں لاہور کا ریزولیشن پاس کر کے اس نے مسلمانوں کے سامنے ایک معین نصب العین اور ایک مطمح نظر صحیح طور پر پیش کر دیا ہے۔

اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو جدوجہد کرنی چاہیے۔ اس کے لیے انھیں قربانیاں کرنی چاہئیں، کیوں کہ ان کی نجات اسی مقصد کے حصول سے وابستہ ہے، مجھ سے سوال کیا جاتا ہے کہ انگریز لاہور ریزولیشن کے بنیادی اصول سے اتفاق کر سکتے ہیں کہ ہندوستان کے شمال و مغرب کے

علاقوں میں آزاد مسلم حکومتیں قائم کر دی جائیں؟ وہ اتفاق کریں یا نہ کریں، ہم اس کے لیے آخری قطرۂ خون تک لڑیں گے، آخری خندق سے لڑیں گے۔ مجھے علم ہے کہ انگلستان کے سیاستدان، انگلستان کے اخبارات اور پبلک سب اسی خیال کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں کہ ہندوستان ایک ہے اور وہاں کی قوموں میں اتحاد ہو جائے گا، مگر مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ کانگریس ہائی کمان یہ چاہتا ہے کہ اس ملک میں ہندو راج قائم ہو اور اس راج کے قائم کرنے میں انگریزوں کی فوجی قوت مدد دے۔ مگر یہ کبھی خیال میں نہیں آسکتا کہ انگریز اپنی فوجی قوت کی مدد مسلمانوں کو زیر کرنے کے لیے کانگریس کے ہائی کمان کو دیں گے۔ کانگریس ایک جوا کھیلنا چاہتی ہے کہ شاید پانسا ٹھیک پڑ گیا تو کامیابی حاصل ہو جائے گی، مگر اسے یقیناً ناکامیابی ہوگی۔ حیرت ہے کہ مسٹر گاندھی اور گوپال اچاریہ جیسی ہستیاں لاہور کے ریزولیشن کے متعلق ان الفاظ میں ذکر کریں۔

''ہندوستان کو جیتے جی ٹکڑے ٹکڑے کیا جا رہا ہے۔''

''بچے کے دو ٹکڑے کیے جا رہے ہیں۔''

قدرت نے پہلے ہی سے ہندوستان تقسیم کر رکھا ہے اور اس کے حصے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ہندوستان کے نقشے پر مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان پہلے ہی سے موجود ہیں۔ نہ معلوم اس کے متعلق اتنا واویلا کیوں کیا جاتا ہے، وہ ملک ہے کہاں جس کے ٹکڑے کیے جائیں گے؟ اور وہ قوم ہے کہاں جس کی قومیت فنا کی جانے کو ہے؟

وہ طاقت جس کے قبضۂ قدرت میں آج ہندوستان ہے، وہ انگریزوں کی طاقت ہے اور یہ جو ایک خیال دماغوں میں بیٹھ گیا ہے کہ ہندوستان ایک متحدہ ملک ہے اور اس کی ایک حکومت ہے، وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ انگریز اس سارے ملک پر حکمران ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ہمارا مطالبہ فرقہ پرستی کے لیے دوآتشہ ہے، فرقہ پرستی کا نچوڑ ہے، کیوں؟ اس لیے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہندو اور مسلمانوں کے علیحدہ علیحدہ حصہ ہائے ملک قائم کیے جائیں اور وہ دو معزز قوموں کی طرح اور اچھے ہمسایوں کی طرح ان میں زندگی بسر کریں۔ نہ اس طرح کہ ہندو تو غالب اور اعلیٰ ہوں اور مسلمان مغلوب اور پست اور ان دونوں کو غیر قدرتی طور پر ایک دوسرے سے باندھ دیا جائے اور ہندوؤں کی مذہبی مجارٹی، مسلم ہندوستان پر رہے اور وہ مسلمانوں پر حکومت کریں اور مسلط رہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ اسکیم قابلِ عمل بھی نہیں۔ کیوں نہیں؟ اس وقت بھی موجودہ کانسٹی ٹیوشن کے ماتحت خود مختار صوبے موجود ہیں، ان صوبوں میں کہیں مسلمانوں کا غلبہ ہے اور کہیں ہندوؤں کا۔ ایسے جغرافیائی قطعات کو معرضِ وجود میں لانا، جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں، جن میں ایک قسم کی

آبادی ہو اور دوسری نوع کی وحدت ہو اور یہ قطعات خود مختار بھی ہوں، بالکل ممکن اور مناسب اور قابلِ عمل ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس اسکیم پر ایمانداری سے غور و خوض کیا جائے، لیکن اگر کانگریس کا یہی ارادہ ہے کہ مسلمانوں کو بہ جبر ہندوستان کے ماتحت رکھا جائے اور ایک ایسی مرکزی حکومت قائم کی جائے، جہاں ہندوؤں کی مجارٹی ہمیشہ رہے تو بے شک یہ اسکیم نا قابلِ عمل ہے۔ سب سے آخر میں ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اسکیم خود مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہے۔ یقیناً یہ امر مسلمانوں ہی کے فیصلے کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ خود اس کا فیصلہ کریں کہ یہ اسکیم مفید ہے یا مضر یہ وہی پرانی فرسودہ دلیل ہے جو ہمارے حاکم یعنی انگریز پیش کیا کرتے تھے۔ جب ہندوستانی اپنے مطالبات پیش کرتے تھے اور انگریزوں کو کوئی جواب دیتے نہ بن پڑتا تھا تو یہی دلیل لا کر کھڑی کرتی جاتی کہ ان مطالبات کو پورا کرنا خود ہندوستان کے حق میں مضر ہوگا۔

جب لاہور کے ریزولیشن کا ذکر کیا جاتا ہے، یہ نہایت شرارت کی بات ہے۔ کوئی تصادم نہ ہوگا اور نہ ہونا چاہیے۔ یہ اور بات ہے کہ کانگریس خود تصادم اور جھگڑے کی خواہاں ہو۔ نہ بدنظمی ہوگی، نہ گڑبڑ ہوگی۔ ہاں یہ سب کچھ ہوگا۔ اگر مسٹر گاندھی اپنے عدم تشدد کے ہتھیار مسلمانوں کو حصول مرام کے باز رکھنے کے لیے استعمال کریں گے۔

مسٹر گاندھی کا جو تازہ ترین آرٹیکل 19 مئی کو شائع ہوا ہے، اس میں وہ فرماتے ہیں کہ:

> ''اور اگر یہ نہ ہوا اور ہندوستان کی تقسیم کا خیال عام ہو گیا تو دو راستے ہوں گے۔ ایک یہ کہ بمقابلہ غیر ملکی حکومت کے ہم تقسیم قبول کر لیں۔ دوسرا یہ کہ ہم آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں یا ان دونوں شکلوں کے علاوہ یہ شکل ہوگی کہ ہم میں خانہ جنگی ہوگی۔''

میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مسٹر گاندھی کی پیشین گوئی غلط ثابت ہو اور ہندو اور مسلمانوں کی عقل سلیم لاہور والے ریزولیشن کے راستے کو پسند کرے۔ (1)

حاشیہ

1۔ قائداعظم کی دل سے نکلی ہوئی اس دعا سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خانہ جنگی کو کس درجہ ناپسند کرتے تھے اور کانگریس اس بات سے مایوس ہو کر کہ انگریز مسلمانوں کی قسمت اور ہندوستان کی حکومت غیر مشروط طور پر اسے سونپنے کو تیار نہیں ہیں۔ خانہ جنگی تک پر تیار ہو گئی تھی۔ گاندھی جی جیسا عدم تشدد کا پرستار تک جب یہ کہہ سکتا تھا تو دوسروں کے بارے میں آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے خیالات و تاثرات اس باب میں کیا ہوں گے۔

ہمارا نصب العین

26 مئی 1940ء

''ہمارا نصب العین اور ہماری جدوجہد کسی فرقے اور قوم کو نقصان پہنچانا نہیں ہے اور نہ دوسروں کی ترقی اور مفاد میں روڑا ڈالنا ہمارا منشا ہے، بلکہ ہم اپنی حفاظت آپ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس ملک میں باعزت اور آزاد انسانوں کی طرح زندہ رہنا چاہتے ہیں اور آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام کی تمنا رکھتے ہیں۔''

***

ریاستیں اور مسلم ہندوستان

19 جولائی 1940ء

"بعض اہم اور بڑی ریاستیں مشرق میں نہیں، بلکہ وہ شمال مغربی منطقے میں ہیں اور یہ کشمیر، بہاولپور اور پٹیالہ وغیرہ ہیں۔ اگر یہ ریاستیں بخوشی مسلم ہندوستان کے وفاق میں شریک ہونا چاہتی ہیں تو ہم ان سے موزوں مفاہمت اور باعزت سمجھوتے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ہم کسی طرح بھی انھیں مجبور کرنا نہیں چاہتے اور نہ ہی ان پر دباؤ ڈالنا پسند کرتے ہیں۔"

صحافتی بیان برائے ڈان

✱✱✱

حکومت ہند اور حکومت برطانیہ کا احتساب

شیر کی گرج!

19 نومبر 1940ء

مجالس آئین ساز میں حکومت کی پالیسی پر ردّوکد، بحث وگفتگو، تنقید وتنقیص اور نکتہ چینی کا بہترین وقت وہ ہوتا ہے، جب میزانیہ پیش کیا جائے، یا کوئی مالی مسئلہ درپیش ہو اس موقع پر بڑی آسانی سے حکومت کی غلط کاریوں کا پردہ فاش کیا جا سکتا ہے اور ایک ایک مصرف کو زیر بحث لا کر اس کی خودرائی اور مطلق العنانی کو بریک لگایا جا سکتا ہے۔

قائداعظم ایسے مواقع پر جو تقریر کرتے تھے، وہ اپنی معنویت اور گیرائی کے لحاظ سے اپنا جواب آپ ہوتی تھی۔ یہ تقریر بھی اسی موقع کی ہے۔

رئیس احمد جعفری

مسٹر ڈپٹی پریذیڈنٹ! میں احساسِ غم کے ساتھ اس بحث میں حصہ لیتا ہوں۔ میری رائے میں ہم سب کو یقین ہے کہ یہ جوکھوں کی گھڑی ہے۔ سنجیدہ غور وفکر کا وقت۔ ہم نے پچھلے چھ دنوں میں مختلف تقریریں سنی ہیں، ان میں جواب مضمون۔ پند وموعظت لیکچر، بعض تاریخی، بعض اخلاقی ومذہبی سبھی شامل تھے۔ مگر میں ایک معمولی انسان ہوں اور وہ فصاحت و بلاغت پیش نہیں کر سکتا، جس سے اس ایوان کی ضیافت طبع ہو چکی ہے۔ میں اپنی بحث کو محدود کر دوں گا اور سیدھے سادھے طریق سے محض سیاسیات اور قانون سازی سے مطلب رکھوں گا۔ میرے تصور کے مطابق یہ ساری صورت حالات تین حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے، یعنی ماضی، حال اور مستقبل۔

جناب والا! کیا اس امر سے کچھ حاصل ہو سکتا ہے کہ گزشتہ واقعات دہرائے جائیں اور تلخ بہتان اور الزام اور لڑائی جھگڑے کی یاد تازہ کی جائے؟ کیا یہ موزوں وقت ہے کہ ہم ایک دوسرے کو مجرم ٹھہرائیں، برا بھلا ٹھہرائیں اور یوں پکاریں کہ یہ ہیں تمھاری بداعمالیاں۔ پھر فریق مقابل کہے کہ نہیں ہیں

تمھارے کرتوت۔ اس طرح تلخیوں میں اضافہ ہوگا۔ اس طرح وہ مسئلہ جو پہلے ہی بے حد پیچیدہ اور مشکل ہے، مشکل تر ہو جائے گا اور اس مقام سے دور ہی دور ہٹتا چلا جائے گا۔ جہاں کہ اس کا حل حاصل کر لینا ممکن ہے۔ الغرض میں پچھلی باتوں میں نہیں پڑتا۔ ہم ان کا مطلب خوب سمجھتے ہیں اور ان سے آگاہ ہیں۔

جنگ میں ہندوستان کی شمولیت کے اعلان کے وقت بھی حکومت نے ہم سے مشورہ نہیں کیا تھا۔ اس کے متعلق بڑے آئینی اور قانونی مباحث ہو چکے ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ یہ فریق سچا ہے یا وہ فریق غلطی پر ہے، مگر یقیناً ہم سب اور میرے معزز دوست سر راما سوامی مدالیر (1) جانتے ہیں کہ ہماری حکومت ہند کی حالت برطانوی سلطنت کی دیگر مملکتوں سے قطعاً مختلف ہے جن کو قانون ویسٹ منسٹر کی رُو سے کامل آزادی حاصل ہے۔ ہم مسٹر گرفتھس کی طرح ظاہر داری اور بناوٹ سے کیوں کام لیں۔ میری رائے میں ان کا یہ بیان دانائی سے بعید تھا کہ جب کانگریس کے ممبر اس ایوان میں حاضر نہیں ہوتے تو وہ ملک کے نمائندہ نہیں رہتے۔ (2) غور کیجیے، اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ باقی ممبران کسی گنتی میں شمار نہیں۔

مسٹر گرفتھس: میرا مطلب یہ تھا کہ کُل کی نمائندگی ایک جزو نہیں کر سکتا۔

مسٹر جناح: درست! اگر ایک بڑا حصہ موجود نہ ہو تو حالت یہی ہوتی ہے، مگر اس حقیقت سے اس رائے کا جواز نہیں ملتا کہ حکومت نے ایوان کو غیر نمائندگی کی حالت کے سبب ہم سے مشورہ نہ کیا۔ مگر پھر بھی میں پوچھتا ہوں کہ کیوں نہ کیا؟ سنیے! اصل وجہ یہ ہے کہ حکومتِ ہند کو اور اس ایوان کو بھی یہ کہنے کا اختیار حاصل نہیں کہ ''ہم ہندوستان کو جنگ میں شامل نہیں کرتے اور اسے ایک متخاصم فریق نہیں بناتے۔'' سنیے! یہ بات بری ہو تو ہو مگر آئینی، قانونی اور عملی حقیقت یہی ہے کہ ہندوستان ایک مملکتِ محروسہ ہے اور برطانیہ کے قبضہ میں۔ اس سے راہِ فرار ممکن ہی نہیں۔ کیا آپ ایک لمحہ کے لیے بھی یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ خود جناب یا نمائندہ تاج برطانیہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس مجلس قانون ساز سے مشورہ کریں اور مزید برآں جنگ میں شامل ہونے یا نہ ہونے کے متعلق ہمارے فیصلہ پر عمل پیرا ہوں؟ پھر بہانہ سازی کیوں؟ غلط رہنمائی کس لیے؟ بہر صورت جنگ میں ہندوستان کی شمولیت کا اعلان ہو چکا ہے اور یہ گزشتہ تاریخ سے متعلق ہے۔ میں پچھلے واقعات پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ملک معظم کی حکومت بلالحاظ اس بات کے کہ ہندوستان کو پسند ہے یا ناپسند، وہ رضامند ہے یا نارضامند، جنگ کا اعلان اور شمولیت ہند کا اعلان کر چکی ہے۔ یہ ہے صورت حالات جس سے ہم دوچار ہیں۔ آنریبل اراکین اسے پیشِ نظر رکھیں۔ اچھا تو اب کیا کیا جائے؟

جناب والا! مجھے افسوس ہے کہ اس جانب سے اور اس طرف سے ایسی دلیلیں دی جا رہی ہیں جن

کو واقعیت سے کوئی واسطہ نہیں تو کیا کیا جائے؟ اگر حکومت مجھے خوفزدہ کرنے کے لیے یہ دلیل پیش کرے کہ انگلستان کی شکست کی صورت میں ہندوستان جرمنی کا غلام بن جائے تو میں کہوں گا کہ میں انگلستان کی شکست نہیں چاہتا۔ مگر میں یہ ضروری کہوں گا کہ اس صورت میں انگلستان کو زیادہ اور مجھے کم نقصان پہنچے گا۔ انگلستان اپنی آزادی کھو بیٹھے گا اور نہ صرف نازی اسے پامال کریں گے، بلکہ اس کے پاس کچھ باقی نہ بچے گا۔ پس میں حکومت کو کہتا ہوں کہ مجھ سے بڑھ کر تم خطرے میں ہو۔ لیکن جناب والا! اس کہنے سننے سے ہمیں حاصل کیا ہوگا، کچھ نہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ حکومت ہند ہمارے ملک کے نادانوں اور بے خبروں کو پروپیگنڈا کی غرض سے یہ کہے کہ "اگر انگلستان کو شکست ہوئی تو تمہاری آزادی یا تمنائے آزادی اور ذمہ دارانہ حکومت کے حصول کی خواہش یہاں تک کہ تمھارے مذاہب، گرجا، مندر، مسجدیں سب فنا ہو جائیں گے۔" اگر ہم اسے درست بھی تسلیم کرلیں تو اس سے حکومت کو کیا فائدہ ہوگا۔ میں اس کے جواب میں پھر بھی یہ کہہ سکوں گا کہ ہندوستان سے بڑھ کر انگلستان خطرے میں ہے۔

جناب والا! حکومت کے رفقا ایک خاص دلیل مسلمانوں کے غور کے لیے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلامی ممالک خطرے میں ہیں۔ ہاں بے شک ہیں، اس سے کسی کو انکار نہیں، مگر حکومت کو لازم ہے کہ ذمہ دارانہ طریق سے سوچے ان دلائل اور اس پروپیگنڈا سے کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ پروپیگنڈا بہت کچھ کرسکتا ہے۔ لیکن بعض کام ایسے ہیں کہ لوگوں کو محض خوفزدہ کرنے سے سرانجام نہیں ہو سکتے۔ جناب والا! میں حکومت ہند کی جنگی کوششوں اور سارے ہندوستان سے متحدہ طور پر امداد مانگنے کے ضمن میں مسلم لیگ کی نسبت کہہ سکتا ہوں اور بلا خوفِ تردید کہتا ہوں۔ عین آغاز جنگ سے اس وقت تک ہم نے حکومت کی راہ میں کوئی مشکل حائل نہیں کی، نہ اسے تنگ کر کے شش و پنج میں ڈالا ہے۔ 4 ستمبر 1939ء سے ٹھیک آج 29 ستمبر سال رواں تک ایک برس کی مدت میں ہم نے اس قول و قرار اور ان مذاکرات کی راہ میں بھی کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی جو حکومت مختلف پارٹیوں سے بدیں غرض کر رہی ہے کہ جملہ جماعات، تمام طبقات اور سارے فرقے متحد ہو کر ہماری انتہائی مدد کریں۔ میں اس سلسلے میں ایوان کے سامنے بڑے بڑے واقعات کا ذکر جلد جلد کیے دیتا ہوں۔

جب جناب وائسرائے بہ حیثیت نمائندہ تاج برطانیہ اس ملک کے بہت سے سرکردہ لیڈروں کے ساتھ ملاقات کر چکے تو یکایک مجھے اور مسٹر گاندھی (3) اور اس وقت کے صدر کانگریس بابو راجندر پرشاد (4) کو بلایا۔ یہ اکتوبر 1939ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت ہم میں سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ ہم کیوں بلائے گئے؟ بہر حال وائسرائے نے ایک تجویز پیش کی۔ آپ سب اس سے آگاہ ہیں۔ مگر میں اس کی تشریح کرتا ہوں۔ وائسرائے نے کہا کہ صوبائی حکومتوں کے متعلق اگر دونوں بڑی بڑی پارٹیاں یعنی

مسلم لیگ اور کانگریس آپس میں کوئی قرارداد کرلیں تو میں اپنی مرکزی مجلس منتظمہ کی توسیع کے لیے تیار ہوں۔ قانون نے اس کے ممبروں کی تعداد محدود نہیں کی۔ اس توسیع کے معاملہ میں دونوں پارٹیوں کی خواہشات جہاں تک مجھ سے ممکن ہے زیادہ سے زیادہ پوری کی جائیں گی۔

اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ مجھے امید ہے کہ آنریبل ممبروں کو میرا یہ بیان سمجھنے میں غلط فہمی نہ ہوگی کہ جب ہم نے وائسرائے کی پیشکش کے جواب میں اپنے اپنے مطالبات پیش کیے تو ہمارا یہ خیال نہ تھا کہ وہ سب کچھ دے دیا جائے جو کانگریس مانگ رہی ہے یا جس کا مطالبہ مسلم لیگ کر رہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود جو جواب وائسرائے نے دیا، ہم دونوں پارٹیوں نے اپنی اپنی جگہ غیر تسلی بخش ہی قرار دیا۔ بہر حال اصل نکتہ یہ ہے کہ میں نے عین ملاقات کے وقت اپنی ذمہ داری پر کہہ دیا تھا کہ ہم مسلمان وائسرائے کی تجاویز پر غور کرنے کے لیے تیار ہیں مگر مسٹر گاندھی نے فی الفور یہ کہا کہ ہمیں تجاویز قطعاً منظور نہیں اور ہم ان پر غور کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔ غرض کچھ وقت کے لیے یہ بحث یہیں ختم ہوئی۔ اس کے بعد فروری میں یہ بات ایک بار پھر چھیڑی گئی۔ مجھے اس کا علم نہیں کہ کیا حالات پیش آئے سوائے ان کے جن کا ذکر میں نے اخبارات میں پڑھا۔ بہرصورت جناب وائسرائے نے اپنی اورینٹ کلب کی تقریر میں مسٹر گاندھی کو اشارہ کیا کہ ایک عزت مندانہ قول وقرار کا بیج ابھی تک موجود ہے۔ اس پر ایک اور کوشش فروری میں کی گئی مگر نتیجہ اس کا بھی وہی ہوا۔ مجھے اس کی خبر نہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ملک معظم کی حکومت کے ایما سے حکومت ہند نے خاموشی اختیار کرلی۔ کیوں کہ اصل بات تو یہی ہے کہ نمائندہ تاج برطانیہ کا فرض برطانوی حکومت کے احکام پر عمل کرنا ہے اور بس! جب صورت حالات یہ ہو تو مسلم لیگ کو مطعون کرنا کیا معنی؟ جون میں لیگ نے ایک قرارداد منظور کی، میں اس کا ایک پیراگراف سنا کر اس کے رجحان پر روشنی ڈالتا ہوں۔ سنیے:

''دنیا کی موجودہ پُر اندیشہ حالت اس امر کا تقاضہ کرتی ہے کہ ہر ہندوستانی اپنے ملک کی حفاظت کے لیے سخت سے سخت کوشش کرے اور مجلس عاملہ حکومت ہند سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ آنے والے ہر ایک واقعہ سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ملک کو ایک منظم طریق سے تیار کرے۔ یہ کمیٹی مجبور ہو کر کہتی ہے کہ دفاعِ ہند کی وہ تجاویز جو جناب وائسرائے اور جناب کمانڈر اِن چیف (سپہ سالار) اور بعض صوبائی گورنروں نے اپنے بیانات میں درج کی ہیں، موجودہ حالت کی لازم ولابد ضرورتوں سے نپٹنے کے لیے قطعاً ناکافی ہیں۔ اس لیے یہ کمیٹی اپنے صدر کو اس امر کے لیے اپنا مجاز اور مختار بناتی ہے کہ وہ جناب

وائسرائے کے ساتھ مذاکرات اختیار کرے۔ ان کا مقصد یہ ہو کہ جنگی کوششوں کو قوی سے قوی تر بنانے کے لیے اور دفاعِ ہند کے لیے ملک کے ان تمام وسائل کے امکانات کی تحقیقات کی جائے جن سے ہماری قوتیں یکجا ہو جائیں اور حصولِ مدعا کے لیے فوری اور پُراثر طریق اختیار کیے جا سکیں۔ کمیٹی کی یہ رائے بھی ہے کہ ہم کُل ہند کو کامل باہمی تعاون کی بنیاد ٹھہرائیں نہ کہ مختلف صوبے اپنی اپنی جگہ الگ الگ کوشش کریں اور اس طرح حکومت اور مسلم لیگ، نیز وہ دوسری پارٹیاں جو رضامند ہو سکیں، مل کر میدانِ عمل میں آئیں اور موجودہ فوری خطرہ کے پیشِ نظر حفاظت ملک کی ذمہ داری قبول کریں۔ اگر یہ طریق کار اختیار نہ کیا تو ہم اپنے اصل مقصد کے لیے نہ پوری کوشش کر سکیں گے اور نہ اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔''

جناب والا! یہ 17 جون کا واقعہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اس بیان کا ایک اثر ہوا، اگرچہ مجھے اس بات کا پورا علم نہیں، مگر میں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ صدر مقام میں ہماری اس قرارداد کے پہنچتے ہی ایک بار پھر باہمی سمجھوتا کی تحریک شروع ہو گئی۔ مگر بدقسمتی سے نتیجہ اس مرتبہ بھی یہی ہوا کہ کانگریس اپنی جگہ پر قائم رہی اور اس وقت بھی اس کی حالت وہی ہے۔ رہی مسلم لیگ۔ ہماری حالت کا اظہار ہماری قرارداد سے ہوتا ہے۔

جناب والا! مسٹر جیمز کی تقریر نہایت شاندار تھی۔ وہ اور مسلم لیگ تعاون کے متعلق ہم خیال ہیں۔ ہم نے اصول تعاون منظور کر لیا ہے اور انھوں نے اس کی نسبت بجا طور پر کہا ہے کہ ''حکومت اور رضامند پارٹیوں اور باہمی تعاون کے معنی یہ ہیں کہ مرکزی حکومت میں اور اسی طرح صوبائی حکومتوں میں ان پارٹیوں کو اختیارات حاصل ہوں۔'' اس کے بعد مسٹر جیمز ہمیں کہتے ہیں کہ ''اپنی حالت کی وضاحت کرو۔'' میں جواب دیتا ہوں کہ خود ان کی رائے کے مطابق جیسا کہ ان کی تقریر سے واضح ہوتا ہے۔ مسلم لیگ نے ملک معظم کی حکومت کے اس بیان کو اصولاً منظور اور تسلیم کر لیا ہے کہ ''ہم بعض تحفظات کے ماتحت ہندوستان کے سرکردہ لوگوں کو حکومت میں اختیارات دینے کے لیے تیار ہیں۔ اس کے باوجود مسٹر جیمز ہم سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کی یہ منظوری قطعی ہے؟ اور پھر خود ہی کہتے ہیں کہ جب آپ نے اصول مان لیا تو کیا اسے محض تفصیلوں کی عدم قبولیت کے سبب رد کر دیں گے؟''

جناب والا! ہم نے اصول بے شک تسلیم کر لیا ہے مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تفصیلات کے طے کرنے میں خود اصول تلف ہو جائے یا عمل میں لانے کے دوران میں اس کی حیثیت صفر کے برابر رہ

جائے، یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ ''اصول'' اور ''تفصیلات عملی'' میں تمیز نہیں کی جا سکتی۔ ہم اصول کو حماقت کے درجے تک گرا سکتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر میں آپ کو ایک مثال دے کر اپنے منشا سے آگاہ کرتا ہوں۔ سنیے!

''مجھے آپ کی امداد کی ضرورت ہے۔ آپ خطرے میں ہیں اور میں بھی۔ میں اپنے تمام ذرائع ایک مشترکہ وسیلے میں شامل کرنے پر رضا مند ہوں۔ چناں چہ میں کہتا ہوں کہ میں تیار ہوں، آئیے ہم دونوں مل کر اس مصیبت کا۔ اس خطرے کا مقابلہ کریں۔ پھر ڈوب جائیں تو اکٹھے۔ تیریں تو دونوں۔ یہاں تک معاملہ صاف ہے۔ مگر یہ بھی تو بتائیے کہ مجھے ان سب ذرائع کے استعمال میں جن کو میں نے مشترکہ وسائل میں کیا ہے کوئی اختیار حاصل ہوگا؟ رہے وہ فوائد جو فتح سے حاصل ہوں گے، ان کی نسبت میں فی الحال کچھ نہیں کہتا۔ ہاں مجھے اس مشترکہ کوشش میں کوئی اختیار نہ ہوگا؟ میری رائے کو کوئی وزن دیا جائے گا؟ اس پر آپ مجھے جواب دیتے ہیں کہ ''نہیں نہیں، سارا کام ہم خود کریں گے۔'' اب میں ضد کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ''نہیں صاحب میں تو ضرور اپنا مناسب حصہ لینا اور رائے دینا چاہتا ہوں۔'' آپ کہتے ہیں کہ ''بہت خوب! تمھاری رائے لی جائے گی۔ تم ہمارے حصہ دار ہو گے۔ میں پوچھتا ہوں، ''میرا حصہ کیا ہوگا؟'' آپ جواب دیتے ہیں کہ ''ہم تمھارے نمائندوں کو دو عہدے عطا کریں گے۔'' میں سوال کرتا ہوں کہ ''کاروبار حکومت کون کون سے حصوں میں منقسم ہو جائے گا؟'' آپ کا جواب یہی ہوتا ہے کہ ہم نہیں بتا سکتے۔'' میری رائے میں آپ کی ان سب باتوں کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنا حصہ دار بنائیں گے مگر روپے میں سے فقط ایک پائی دیں گے۔ میں انجام کار کہتا ہوں کہ ''جب آپ کا یہ خیال ہے تو آپ میری نام نہاد شراکت کیوں طلب کرتے ہیں؟ کیا آپ اسے کہیں گے بیوپار، اسے کہیں گے کاروبار؟''

جناب والا! مسٹر جیمز نے یہ بھی کہا ہے کہ ''مسلم لیگ نے جنگ کی جدوجہد کے متعلق اپنا خیال اور طریق عمل واضح کر دیا ہے۔'' میں خوش ہوں کہ انھوں نے یہ بات تسلیم کر لی۔ اس کے بعد مسٹر جیمز میری ایک تقریر کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ ''مسٹر جناح نے اپنی عید کی تقریر میں بیان کیا ہے کہ برطانوی حکومت کی بداعمالیاں چاہے کچھ ہوں، مگر مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ ہندوستان کے مفاد کی خاطر حکومت کو امداد دیں اور اس کے ساتھ تعاون کریں۔ مگر میں نے لفظ ''فرض'' استعمال نہیں کیا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ مسلمان دیانتداری کے ساتھ یقین رکھتے ہیں کہ حکومت برطانیہ سے تعاون کرنا چاہیے تا کہ ہم اپنی جان و مال و آبرو کی حفاظت کر سکیں۔''

''میں نے عید کی تقریر میں کہا تھا کہ ہم مسلمان دیانتداری کے ساتھ یہ یقین رکھتے ہیں کہ حکومت

برطانیہ کی گزشتہ بداعمالیاں چاہے کچھ ہوں، ہمیں اس کی مدد کرنا اور اس کے ساتھ تعاون لازم ہے کیوں کہ اس وقت ہم دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ نیز یہ کہ اگر ہندوستان کے ساحلوں تک جنگ آن پہنچے تو ہمیں اپنی جان و مال و آبرو کی حفاظت کی خاطر ہر ممکن تیاری کرنی چاہیے۔ مسلم لیگ روز اول سے یہ حقیقت واضح کرتی چلی آئی ہے کہ ہم اپنے آدمی، خون، روپیہ سب کچھ دینے پر رضامند ہیں۔ مگر برطانوی حکومت کی یہ حالت ہے کہ اب ہمارا تعاون مع اختیارات حاکمانہ نہیں چاہتی اور پھر اختیارات میں ہماری شرکت کے متعلق حکومت برطانیہ کی پیشکش صرف نام اور دکھاوے کی پیشکش ہے۔ یہ ہے مشکل جو ہماری راہ میں حائل ہے اور جس کے سبب ہم اسلامیانِ ہند کو راغب و آمادہ نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ وہ حکم تو ماننے سے رہے کہ جنگ کی جدوجہد میں کامل امداد کریں۔

جناب والا! حکومت شاید اس وجہ سے ہمارے ساتھ مناسب طریق اختیار نہیں کرتی کہ وہ کانگریس سے ڈرتی ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حکومت ہم پر اعتبار نہیں کرتی اور جیسا کہ ایوان کے لیڈر نے کہا، یہ سب بھی ہوسکتا ہے کہ "انگلستان کو ہندوستان پر پورا قابو حاصل ہے اور اس لیے ہم حکومتِ ہند کی جنگی کوششوں میں نہ تو کچھ مدد دے سکتے ہیں، نہ ان میں رکاوٹ ڈالنے کی طاقت رکھتے ہیں اس لیے مدد مانگنے کی ضرورت ہی نہیں۔" مگر یہ سب میرے قیاسات ہیں اور صرف خدا کو خبر ہے کہ ہمارے ساتھ تسلی بخش طریق سے پیش نہ آنے کی اصل وجہ کیا ہے؟

جناب والا! ہم نے اپنی حالت بتا دی۔ اب ہم سے کہا جاتا ہے کہ جنگی اخراجات کی منظوری کے لیے رائے دیں۔ ظاہر ہے کہ جنگ جب تک جاری رہے گی اور حکومت ہند جنگی کوشش کرے گی، روپے کے بغیر کام نہ چلے گا۔ ہم شکر گزار ہیں کہ مطالبہ صرف چھ کروڑ روپیہ کا ہے، مگر ہم اس مالی مسودہ قانون کی موزونیت کی تحقیقات نہیں کر سکے۔ ہمارے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ حکومت یہ روپیہ کس طرح خرچ کرے گی اور اخراجات کے لیے کون سے وعدے کیے جا چکے ہیں۔ اس میں ہماری آواز یا رائے یا حصے یا اختیار وغیرہ کو کوئی دخل نہیں۔ ہم نہیں پوچھ سکتے کہ حکومت کیا کر چکی ہے یا کیا کرے گی۔ ہمیں محکمہ فوج اور ساز و سامان مہیا کرنے والے محکمے اور دوسرے محکموں کے متعلق متعدد شکایات ہیں کہ ان میں کیا ہو رہا ہے ممکن ہے کہ یہ بے بنیاد ہوں یا سچی ہوں۔ بہرحال شبہ اور بے اعتباری موجود ہے اور لوگ تعجب کر رہے ہیں کہ حکومت پس پردہ کیا کر رہی ہے۔

جناب والا! میں پوچھتا ہوں کہ ایسے نازک اور فیصلہ کن وقت میں بھی حکومت سچے دل سے اور سنجیدگی کے ساتھ ہمارے تعاون اور ہماری مدد کی طلبگار ہے؟ اگر واقعی ہے تو اس کی بنیاد باہمی اعتماد پر رکھے۔ اگر مسٹر ایمری وزیر ہند کے قول کے مطابق یہ بات صحیح ہے کہ وائسرائے کی مجلسِ منتظمہ کی توسیع کا

اصل مقصد سیاسی ادارت ہند کے نمائندوں کی شمولیت ہے تو بہت خوب! اس سے پبلک کا بھروسہ بحال ہوجائے گا اور یہی نمائندگان اس ایوان میں اور اس کے باہر بھی لوگوں کو آزادی کے ساتھ بتا سکیں گے کہ واقعات کی رفتار کیا ہے، مگر موجودہ صورت میں حکومت اور اس کے انتظامات کی حیثیت ایک سربہ مہر لفافہ کی ہے۔

''جناب والا! مسٹر ایمری (5) کہتے ہیں۔ وائسرائے ہند کی پیشکش رہنمایانِ ہند کے لیے یہ موقع بہم پہنچاتی ہے کہ وہ حکومت ہند میں اہم اور پُروقار حصہ لیں اور کوئی ناگوار پابندی اختیار کیے بغیر جنگ کی جدوجہد میں اپنی طاقت اور اثر و رسوخ کو پورا کام میں لائیں۔ اگر وہ اس پیشکش کو قبول کرتے تو انھیں موجودہ یا آئندہ زمانے کے لیے کوئی سیاسی وعدہ نہ کرنا پڑتا۔ سوائے اس کے کہ ہم موجودہ ضرورت کے وقت ہندوستان کی سلامتی اور سود و بہبود کے لیے اور مشترکہ مدعا کے لیے جس کی راستی پر ہم سب یقین رکھتے ہیں، مل کر کام کریں گے۔''

جناب والا! عین یہی رائے مسلم لیگ کی ہے۔ کیا آپ ہم سے یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ ہم ایسے روپے کی بہم رسانی کی منظوری دیں، جس کے خرچ میں ہماری آواز رائے، مشورے، حصے یا اختیار کو کوئی دخل نہیں؟ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کس طرح حامیانِ حکومت ممبر محض جذبات کو اپیل کرنے کے لیے تقریر پر تقریر کر سکتے ہیں اور زبانِ نصیحت کھول سکتے ہیں۔ میں اراکینِ حکومت کو اور یورپین ممبروں کی پارٹی کو کہتا ہوں کہ آپ کیوں باہمی مشورہ کر کے، حکومت، مختارانِ کار اور افسرانِ مجاز کو کچھ عقل نہیں سکھاتے۔ میرے معزز دوست سر ہنری گڈنی (6) نے بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ مجھ سے اپیل کی ہے۔ انھوں نے مجھے ایک برقی پیغام بھیج کر یہ یقین دلایا تھا کہ حکومت کے ساتھ اس سیاسی معرکہ میں آخری خندق تک میں تمھارا ساتھ دوں گا۔ انھوں نے اب پھر یہی کہا ہے مگر اپنی تقریر سے تو انھوں نے مجھے ابھی سے آخری خندق تک پہنچا دیا۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ آیئے اور پہلی خندق میں قدم رکھیے اور مجھ سے اپیل کرنے کی بجائے مختارانِ حکومت کا مقابلہ کیجیے۔

سر ہنری گڈنی: میں ان کا مقابلہ کر چکا ہوں۔

مسٹر جناح: نہیں۔ آپ نے نہیں کیا۔ آپ انھیں صاف صاف کہیے۔

سر ہنری گڈنی: میں کہہ چکا ہوں۔

مسٹر جناح: اس ایوان میں کھڑے ہوکر کیوں نہیں کہتے؟

سر ہنری گڈنی: میں یہ بھی کر چکا ہوں۔

مسٹر جناح: نہیں آپ نے نہیں کیا۔ میں اول سے آخر تک آپ کی تقریر کے دوران میں یہاں

موجود تھا۔

جناب والا! کمزور پارٹی کو پند و نصائح کرنا رواج ہو گیا ہے کیوں کہ طاقت ور یہ توفیق رکھتا ہے۔ میں مسٹر جیمز کو بتا چکا ہوں اور ایک بار پھر بتاتا ہوں کہ ہماری قرارداد نے وہ خاص پیشکش جس کا مقصد مدد لینا اور اختیارات نہ دینا تھا، مسترد کی تھی، ورنہ مسلم لیگ مذاکرات کے لیے اب بھی حاضر ہے مگر ہمارے لیے یہ امر واقعی ممکن نہیں کہ ایسے اخراجات کی منظوری کے لیے رائے دیں جن میں ہماری مرضی، حصے اور اختیار کو کوئی دخل نہیں۔ حامیانِ حکومت ایک اور دلیل بھی پیش کرتے ہیں (میرے نزدیک باقی سب دلائل مثلاً ہندوستان خطرے میں ہے وغیرہ بے معنی اور لچر ہیں) وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بل، یہ مطالبہ نامنظور کیا گیا (اور ظاہر ہے کہ کانگریس اس کو شکست دینے کا عزم بالجزم کر چکی ہے) تو اس کا اثر بیرونی ممالک کی حکومتوں پر کیا ہوگا؟ ہاں بہت برا ہوگا۔ مگر جن لوگوں نے مطالبہ نامنظور کرنے کا تہیہ کیا ہے۔ انھوں نے اپنی کامیابی کا انتظام بھی بڑی باریک بینی اور خوبی کے ساتھ کر رکھا ہے جیسے ریاضی کے کسی مسئلے کو حل کریں۔ مگر جناب والا! اس میں میرا کیا قصور ہے۔ یہ قصور ہے اس آئین کا جسے خود برطانوی حکومت نے مرتب کیا اور جس پر حکومت ہند، بے سمجھ پرانی لکیر کی فقیر حکومت بیس تیس سال سے عمل پیرا ہے۔ دو متضاد چیزوں کا بیک وقت طلب کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ چپڑی اور دو دو نہیں ملا کرتیں۔ میں حکومت ہند کو کہوں گا کہ ''شکست تو شکست آپ کو فتح سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اگر آپ چند آرا کی اکثریت سے یہ تجویز منظور بھی کرا لیں، اگر مسلم لیگ آپ ہی کے حق میں رائے دے تو پھر بھی اس بات کا کیا علاج کہ آپ کے مخالفوں نے بیرونی ممالک کو پہلے ہی آگاہ کر رکھا ہے کہ پبلک کے انتخاب کردہ نمائندوں کی اکثریت اس کے خلاف ہے۔ امریکا یا جرمنی میں کوئی ایسا احمق ہے جو مروجہ آئین ہند کی ماہیت اور خصوصیتوں سے واقف نہیں؟ ایسا کوئی شخص موجود ہے جو مضطرب و مشوش ہو کر کہے گا کہ مالی مطالبہ کی نامنظوری کے سبب اور بیرونی ممالک پر اُس کے برے اثر کی وجہ سے برطانیہ کو جنگ میں شکست ہوگی؟ میں بغرض دلیل فرض کرتا ہوں کہ مسلم لیگ کی مخالفانہ رائے آپ کے لیے باعث شش و پنج ہوگی، حالاں کہ ایسا نہیں ہوگا اور آپ محض مبالغہ کرتے ہیں اور ہماری مخالفت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اچھا یوں بھی سہی کہ واقعی آپ اس سے تنگ نہ ہوں گے، مگر آپ ہم سے توقع رکھ سکتے ہیں کہ ہم آپ کی تائید کریں۔ یاد رکھیے، میری تسلی اس بات سے نہیں ہوئی کہ آپ نے گورنر جنرل کی مجلس منتظمہ کی توسیع کا اصول تسلیم کر لیا ہے۔ مگر میری تسلی زیر بحث نہیں۔ کسی شخص کو روپے میں سے سولہ آنے نہیں ملا کرتے۔ جب ہم سب خطرے میں ہیں تو کسی پارٹی کا غیر معمولی مطالبہ کرنا دانائی نہیں۔ کیوں کہ یہ ٹھیک نہیں۔ اسے کاروبار یا بیوپار نہیں کہہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمانوں نے امداد دینے کی شرط یہ نہیں قرار دی کہ پاکستان کا

مطالبہ پہلے منظور کیجیے، پھر مدد لیجیے۔ حالاں کہ یہ امر واقع ہے (چاہے اس کے متعلق میرے کانگریسی دوست کچھ ہی کیوں نہ کہیں کہ ہم نے قطعی طور پر اور ہمیشہ کے لیے پاکستان کو اپنی منزل مقصود بنالیا ہے اور ہم اس کے لیے لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔ اس کے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی کو دل میں جگہ نہ دیجیے گا۔ وہ جمہوریت جو مسٹر ڈیسائی کے ذہن میں ہے، ہلاک ہو چکی ہے۔ ہم تعداد میں کم ہو سکتے ہیں، کم ہیں، مگر میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ہم مسلمان اگر چاہیں اور ارادہ کر لیں تو آپ کو کانگریس سے سوگنا زیادہ تکلیف دے سکتے ہیں۔ آپ اس حقیقت سے بے خبر ہوں تو ہوں مگر میں بخوبی آگاہ ہوں۔ میں نے یہ بات دھمکی کے لیے نہیں، محض آپ کی آگاہی کے لیے کہی۔ بہر حال آپ اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہم آپ کو تکلیف دینا نہیں چاہتے۔ اس وقت بھی نہیں۔ یہ مسلم لیگ کی موجودہ حالت جہاں تک کہ آپ کو (حکومت کو) دخل ہے۔ رہا آئندہ زمانہ جب وہ آئے گا اور جو کچھ اپنے ساتھ لائے گا، دیکھا جائے گا۔

جناب والا! اب میں اپنے کانگریسی دوستوں کو مخاطب کر کے یوں عرض کرتا ہوں۔ ''آپ مجھ سے متفق ہوں یا نہ ہوں، مگر بقول مسٹر ڈیسائی ہمیں واقعات اور حقائق کا سامنا کرنا چاہیے۔ صورت حالات مختصراً یہ ہے۔ مسٹر ڈیسائی نے اپنی تقریر کے دوران میں کانگریس کی مجلس عاملہ کی وہ قرارداد پڑھ کر سنائی جو بتاریخ دس ستمبر منظور کی گئی۔ اس کے بعد آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اس کے مطابق ایک قرارداد منظور کی۔ ان کی رُو سے کانگریس نے اعلان کیا ہے کہ ہندوستان کو آزادی حاصل ہونی چاہیے اور ہندوستان کو یہ حق حاصل ہو کہ اپنی حکومت کا آئین خود مرتب کرے۔ اس مقصد کے لیے ایک مجلس دستور ساز بنائی جائے، جس کے جملہ اراکین کو تمام بالغ ہندوستانی خود اپنی رائے سے بطور نمائندگان انتخاب کریں۔ مگر اقلیتوں کے لیے حق رائے دہندگی کی شرائط خاص ہوں۔ نیز یہ کہ اس جدید آئین میں اقلیتوں کی تسلی اور تشفی کے مطابق ان کے لیے بعض تحفظات وضع کیے جائیں۔''

جناب والا! وقت کی قلت کے باوجود میں اس ایوان کو اور اپنے کانگریسی دوستوں کو بتاتا ہوں کہ اہلِ کانگریس کے ذہن سے ابھی تک دور نہیں ہوا کہ محض کانگریس ہی ملک ہند اور قوم ہندو باشندگان کی نمائندہ ہے اور ان کی طرف سے بات کرنے کی مجاز و مختار ہے اور مسلمان اور دوسرے سب اقلیتیں ہیں۔ میں اس ایوان کے سامنے صاف صاف کہتا ہوں کہ یہی وہ سبب ہے جس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین اس وقت تک کوئی سمجھوتا نہیں ہونے دیا۔ کوئی مستقل قرارداد باہمی طے نہیں پائی۔ کانگریس کے لیڈر مجھے معاف کریں مگر مجھے مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ چاہے ان کا اپنا خیال کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مگر کانگریس دراصل ہندوؤں کی ایک انجمن ہے اور کانگریسی اور دوسرے ہندو لیڈر یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کانگریس کے حیطۂ نظر کے اندر اور ہندو راج کے زیر اثر لازم آنا ہے۔ کیوں کہ وہ ایک اقلیت ہیں اور

بس۔ البتہ مسلمان اگر کسی مطالبہ پر زور دینے کا انصافاً حق رکھتے ہیں تو یہ کہ ان کے حقوق کی حفاظت کے لیے تحفظات مرتب کیے جائیں۔

جناب والا! میں اس کے متعلق کانگریس اور نیشنلسٹ پارٹی کے اراکین کی خدمت میں عرض کروں گا کہ مسلمانوں کے ذہن میں ہمیشہ یہ بنیادی خیال راسخ رہا ہے اور گزشتہ پچیس برس کے دوران میں اس میں کوئی ردوبدل نہیں ہوا کہ وہ ایک علیحدہ ہستی ہیں، ایک جدا اور وحدانی وجود۔

مسٹر ایم ایس اینے: مگر 1920ء سے پہلے تو مسٹر جناح کی یہ رائے نہ تھی۔

مسٹر جناح: 1916ء سے ہے۔ اس وقت سے ہے جب کہ دو جدا جدا ہستیوں کے بنیادی اور لازمی اصول پر معاہدہ لکھنؤ مرتب اور منظور کیا گیا۔

مسٹر ایم ایس اینے: میں وہاں موجود تھا۔

مسٹر جناح: آپ وہاں ہوں گے مگر اس وقت کسی نے آپ کا نام تک نہ سنا تھا۔ الغرض مسلمانوں کے دل و دماغ میں یہی خیال چلا آیا ہے اور دوسرا خیال ہندوؤں کا ہے۔ ان دونوں کی بنیادیں مختلف ہیں۔ میں ایک ثبوت پیش کرتا ہوں۔ مسلمانوں نے سندھ کی علیحدگی پر کیوں اصرار کیا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس وقت مولانا محمد علی کانگریس کے پرستار تھے، مگر وہ مجبور ہو کر پکار اٹھے کہ ''مجھے (یعنی مسلمانوں کو) کراچی سے کلکتہ تک راہ گزر درکار ہے۔'' یاد ہے آپ کو یہ بات؟ کانگریس نے اور ہندوؤں نے علیحدگی سندھ کی مخالفت جوش و خروش کے ساتھ کیوں کی؟ بلاشبہ اس کی ظاہری وجوہات مختلف ہیں، مگر اصلی اسباب سے آپ آگاہ ہیں۔ دکھاوے کے لیے کبھی مالیات کا عذر، کبھی یہ بہانہ، کبھی وہ حیلہ تراشا جاتا تھا اور مخالفین کہتے تھے کہ مالی لحاظ سے سندھ کا بمبئی میں شامل رہنا ہی بھلا، سندھ علیحدہ ہو گیا تو اس کے اپنے مفاد کو نقصان پہنچے گا۔

مسٹر لال چند نول رائے: کیا اب سندھ کو اسی بدقسمتی سے واسطہ نہیں؟ متوقع نقصان کیا نہیں ہو رہا؟

مسٹر جناح: میرے دوست! سندھ کی بدقسمتی ہم سب کی بدقسمتی ہے اور اس وقت تو کوئی بھی خوش قسمت نہیں۔ میں صرف علامات کی طرف اشارہ کر رہا ہوں، جن سے اہلِ ہنود اور اہلِ اسلام کے نقطہ ہائے نظر کی وضاحت مقصود ہے۔ جن کے اختلاف کے سبب اس وقت تک مسلمان اور ہندو کوئی قرارداد باہمی طے کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ میں کانگریس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر مسٹر ستیہ مورتی کا ایک قول پیش کرتا ہوں۔ مسٹر ایمری وزیر ہند کے بیان کے بعد حال ہی میں یعنی سالِ رواں کے مئی میں مسٹر ستیہ مورتی نے بھی ایک بیان شائع کیا۔ یہ قول اس میں شامل ہے۔ وہ یوں فرماتے ہیں:

''مسٹر ایمری اپنی قابلیت، تدبر اور صداقت و گرم جوشی کا صحیح ثبوت یوں دے سکتے ہیں کہ اس شدید اور کامل امتحان میں پورے اتریں، یعنی مسلم لیگیوں کو صاف طور پر متنبہ کریں اور کہیں کہ پاکستان نہیں دیا جائے گا۔ جملہ فرقوں کی مشترکہ وزارتیں نہیں ملیں گی۔ بعید از امکان تحفظات کی امیدیں بے کار ہیں۔ تم مسلمانوں کو لازم ہے کہ اکثریت کے ساتھ اپنا معاملہ طے کر لو۔ اگر مسٹر ایمری ایک بار یہ کہہ ڈالیں تو باقی سب کچھ آسان ہو جائے گا۔''

ایک آنریبل ممبر: یہ کس نے کہا؟

مسٹر جناح: مسٹر ستیہ مورتی نے کہا اور مشترکہ وزارتوں اور تحفظات کے وجود میں لانے سے انکار کیا۔ پھر اکثریت کے ساتھ معاملہ طے کرنے کا اور مسلمانوں کو مجبور کرنے کا مطالبہ کیا۔ میرے یہ شفیق چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے رحم و کرم کے حوالے کیا جائے۔

میرے کانگریسی دوستو! آپ شدید ترین غلطی کر رہے ہیں۔ ایسی غلطی آپ نے کبھی نہیں کی۔ مسٹر ایمری سے ستیہ مورتی کی فرمائش اور سفارش نے تو مجھے وزیر ہند سے بھی خوفزدہ کر دیا۔ کیوں کہ اہلِ کانگریس چاقو تیز کر رہے ہیں۔ عدم تعاون تو کر ہی رہے تھے، اب سول نافرمانی کا آغاز کریں گے۔ میں کہوں گا کہ اس سے حکومت ہند اور حکومت برطانیہ کے ہوش خطا ہونے لگے ہیں۔ میں بھی خوفزدہ ہوں۔ کانگریس کا خیال ہے کہ حکومت اپنی ضد اور خودرائی کے باوجود سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور کی جا سکتی ہے۔

کانگریس فی الحقیقت آزادئ ہند کی طلبگار نہیں۔ میں ابھی مسٹر گاندھی کے بیان سے اس کا ثبوت دوں گا۔ کانگریس چاہتی ہے کہ برطانیہ کے زیر سایہ اس کو حاکمانہ اختیارات حاصل ہوں اور ایسی طاقت کہ جس کی چاہے رعایت اور حمایت کر سکے۔ نیز یہ کہ وہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں پر فوقیت پائے، ان پر حکومت کرے۔ مسٹر گاندھی کا 29 اکتوبر کا مضمون اس حقیقت کا شاہد صادق ہے۔ یہ درست ہے کہ ہم مسٹر گاندھی کے مضمونوں میں جس بات کی چاہیں تائید تلاش کر لیں۔ وہ یونان کے مندر ڈیلفی کی آواز غیب کی مثال ہیں کہ ہر شخص اس کا مطلب اپنے مقصد کے مطابق سمجھ سکتا ہے۔ واقعی مسٹر گاندھی کا مفہوم سمجھنے کے لیے عمیق مطالعہ کی حاجت ہے۔ جناب وائسرائے کی پیشکش رد کرنے کے بعد مسٹر گاندھی نے پچھلے سال بتاریخ 29 اکتوبر فرمایا کہ ''اگر آج برطانوی اس ملک سے نکل جائیں تو پنجابی (یعنی فی الحقیقت مسلمان) اور گورکھے ہندوستان میں تنگ و تاز کرنے لگیں گے۔ اس لیے اگر کوئی شخص ہندوستان میں برطانوی فوقیت اور حکومت قائم رکھنے کا خواہشمند ہے تو وہ صرف کانگریس ہی ہو سکتی ہے۔'' یہ الفاظ خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں۔

ایک آنریبل ممبر: پڑھتے جائیے۔

مسٹر جناح: میں پڑھ رہا ہوں۔ میں نے آپ سے کہیں بڑھ کر اس کا مطالعہ کیا ہے۔ اب میں اس بیان کا موثر جزو پیش کرتا ہوں۔ ''محض کانگریس ہی باشندگان ہند کی اور ان ہندوؤں کی نمائندہ ہے جو اپنی اکثریت کے باوجود کمزور ہیں۔'' میں اس ایوان سے پوچھتا ہوں۔ ہر ذی فہم شخص سے پوچھتا ہوں کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ دسویں اکتوبر کو آل انڈیا کانگریسی کمیٹی ایک قرارداد منظور کرتی ہے۔ اس میں آزادی اور تعمیر آئین کے لیے مجلس باشندگان مانگی جاتی ہے جسے جملہ بالغان انتخاب کریں اور بیس روز بعد مسٹر گاندھی مذکور مضمون لکھتے ہیں۔ اس کے معنی فقط یہ ہو سکتے ہیں کہ مسٹر گاندھی حکومت برطانیہ کو کہتے ہیں کہ سارا معاملہ مجھ سے طے کرو۔ میں پنجابیوں اور گورکھوں سے بڑھ کر تمھاری فوقیت کے قیام کا طالب ہوں۔'' اب سنیے کہ جب اس فریب کاری سے کاربراری نہ ہوئی تو مسٹر گاندھی دس اکتوبر والی قرارداد کے نو مرید ہو گئے۔ یہاں تک کہ اب ان کو اس قرارداد کی مجلس باشندگان اور اس کے اختیارات آئین سازی میں ہی وہ علاج نظر آنے لگا، جسے انھوں نے ہندوستان کے ہر درد کا دارو قرار دیا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا۔ تا آنکہ مجلس باشندگان مار مار کر ہلاک کر دی گئی۔ اس کے بعد کانگریس کی قرارداد دہلی کی باری آتی ہے۔ آج اس ایوان میں حزبِ مخالف کے لیڈر نے اپنی تقریر میں اسی پر شد و مد کے ساتھ اصرار کیا ہے۔ مگر صرف ایک جزو کا ذکر کیا۔ انھوں نے پہلے جزو پر کچھ بہت زیادہ زور نہیں دیا، پہلا جزو اعلان کرتا ہے (اور اگر میں صحیح نہیں کہہ رہا تو صحیح کر دیجیے) کہ ''ہندوستان کے لیے کامل آزادی ہو اور غیر حکومت سے مخلصی، رہائی، نیز مجلس باشندگان کے وسیلے سے تعمیر آئین کا حق اور مرکز میں ایک عارضی قومی حکومت جو اس ایوان کے منتخب اراکین کے سامنے جوابدہ ہو۔'' واضح ہو کہ عارضی قومی حکومت کے مطالبہ سے پہلے لفظ ''اور'' ہے نہ کہ ''یا''۔ واہ وا، کیا کہنے ہیں۔ یقین کیجیے گا۔ یہ بات آپ سے کہیں بڑھ کر میرے دل لگتی ہے۔ جب میں اکیس برس کا لڑکا تھا تو اس کے خواب دیکھا کرتا تھا مگر ملک بھر میں اور ایوان میں صورت حال دگرگوں ہو گئی ہے۔ حزبِ مخالف کے لیڈر نے کہا کہ ''قومی حکومت'' کے معنی جمہوریت اور اکثریت کی حکومت نہیں۔ انھوں نے اس کی تشریح بھی کر دی۔ اگرچہ یہاں لفظ ''قومی'' درست رہنمائی نہیں کرتا۔ بہرحال میں اس بحث میں نہیں پڑتا۔ بات یہ ہے کہ جب کانگریس قراردادیں منظور کرتی ہے تو قدیم ہند کے شارحین قانون کی مثال آج کل بھی بڑے بڑے فاضل تفسیر اور شرح کرنے لگتے ہیں اور کیے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اصل قانون فراموش ہو جاتا ہے۔ اہلِ کانگریس نے کہا کہ قومی حکومت سے ہماری مراد مرکب (کمپوزٹ) حکومت سے ہے۔ کہیے میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی: ہاں!

مسٹر جناح: آپ چاہیں تو اُسے کولیشن ہی کا نام دیجیے۔ مطلب دونوں کا یہی ہے کہ وہ حکومت

جس میں سب پارٹیاں شامل ہوں۔

مسٹر ڈیسائی: کولیشن کی اصطلاح مسٹر ایمری نے برطانوی حکومت کو زیر نظر رکھتے ہوئے استعمال کی۔ کم سے کم یہ مشابہت انھی کی پیدا کردہ ہے۔

مسٹر جناح: مسٹر ایمری نے اسی تقریر میں یہ بھی کہا کہ ''برطانوی حکومت کی ایسی حکومت ہندوستان کو نہیں مل سکتی۔ ہندوستان کو ان معانی اور مفہوم کے مطابق ایک وحدانی وجود حاصل نہیں جو انگلستان کو ہے۔ ہندوستان مستقبل کے محل آزادی میں بہت سے مکانات کی گنجائش ہے۔ ہاں تو کہیے کہ قرارداد زیر نظر کا پہلا حصہ رخصت ہوا؟ کیا آپ فوری آزادی کے اعلان اور حق تعمیر آئین بذریعہ مجلس باشندگان کے طلبگار نہیں رہے؟

میں یہ بھی کہتا ہوں کہ کوئی حکومت کسی غیر ملک کے باشندوں پر اپنا تسلط جاری نہیں رکھ سکتی۔ اگر یہ لوگ حلقہ حکومت اپنی گردن سے اتار پھینکنے کے قابل ہوں۔

اگر آپ کو کامل آزادی پر یقین ہے تو میں آپ کی عزت کرتا ہوں۔ اپنے ارادے پر قائم رہیے۔ پھر حکومت برطانیہ کے ساتھ قول وقرار کرنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ برطانویوں سے یہ مانگنے سے کیا حاصل کہ پہلے آپ ہمیں ایک مجلس دستور ساز دیجیے جو آئین تیار کرے؟ میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ حکومت برطانیہ کو یہ عزت، یہ استحقاق اور یہ منصب دینا چاہتے ہیں کہ جو آئین خود آپ کی مجلس دستور ساز وضع کرے۔ اسے وہ انگلستان کی کتاب قوانین میں درج کرلے، یہ کیوں ہو؟ آپ کے مطالبہ آزادیٔ کامل کی بنا پر برطانیہ کو تو ہندوستان سے واسطہ ہی نہ رہا۔ پس آزادی پکاریئے اور صاف صاف اس کی خواہش ہے تو جملہ اہل ملک سے فیصلہ حتمی طلب کیجیے۔ اگر یہ بات نہیں اور آپ کا اصل مطلب جو میرا بھی ہے، یہ ہے کہ حکومت برطانیہ فی الفور اختیاراتِ حکومت کا ایک معقول حصہ ہمارے حوالے کرے تو یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ برطانوی حکومت اور برطانوی پارلیمان ایک قانون وضع کریں اور اس کی رُو سے اختیارات حکومت باشندگان ہند کے نمائندوں کو منتقل کر دیں۔ ہاں یہ ہے وہ تجویز جسے میں سمجھ سکتا ہوں، کیوں کہ ہم اس کو مذاکرات کی بنیاد بنا سکتے ہیں۔

الغرض اگر آپ اپنی قرارداد کے پہلے حصہ کو چھوڑ دیں اور سب پارٹیوں کی ایک مشترکہ اور عارضی حکومت مانگیں جو ہماری اس مجلس قانون ساز کے منتخب نمائندوں کے سامنے جواب دہ ہو تو میں کہوں گا کہ ہمیں اپنا احساسِ تناسب و موزونیت نہ کھونا چاہیے۔ میں کانگریس پارٹی کے معزز اراکین سے کہتا ہوں کہ چاہے آپ کچھ ہی کیوں نہ کہیں مگر ہم سب خطرے میں ہیں۔ ہم اس وقت بے پروا نہیں رہ سکتے اور اگر آپ کے پاس واقعی کوئی قابلِ عمل تجویز ہے جو سب ہوش مند معقولات پسند پارٹیوں کے لیے قابلِ قبول

ہوتو آپ اس کے متعلق کیوں ایک صحیح راستہ، مناسب طریق کار اور موزوں دستورِ عمل تیار نہیں کرتے؟ برطانویوں کو مخاطب کرنے سے کیا حاصل؟ تجویز کو برطانوی اخبار ڈیلی ہیرلڈ میں طبع کرانے میں کیا فائدہ؟ سنیے یہ لوگ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ مسٹر راج گوپال اچاریہ نے اک فراخ دلانہ پیشکش اختراع کی ہے۔ اس کی تعریف و توصیف ہمارے فاضل اور قابل اہل صحافت نے بھی خوب کی ہے۔ ان کی ایک کثیر تعداد اس وقت یہاں نظر آرہی ہے۔ مگر مسٹر راج گوپال اچاریہ کی تجویز کو جامۂ عمل پہنانے پر حکومت برطانیہ غور نہیں فرمارہی۔ سنیے وہ مختصر الفاظ میں یہ کہتے ہیں:

''اقلیتوں کے متعلق مسٹر ایمری کی مشکلات کے جواب میں میری فراخدلانہ پیشکش یہ ہے کہ اگر ملک معظم کی حکومت ایک عارضی قومی حکومت فی الفور مرتب کرنے پر رضامند ہو تو کانگریس کے مختاران کار کو اس امر پر راضی کرنے کا ذمہ لیتا ہوں کہ مسلم لیگ کو وزیر اعظم نامزد کرنے کی دعوت دی جائے جو قومی حکومت کے دیگر اراکین کا تقرر جس طرح بہتر سمجھے، عمل میں لائے۔

جناب والا! مسٹر راج گوپال اچاریہ ڈیلی ہیرلڈ میں لکھنے کی بجائے آئندہ وزیر اعظم بننے والے شخص کو اپنے ساتھ بات چیت کرنے کے لیے کیوں نہیں بلاتے اور کہتے ہیں کہ ''میں کانگریس کی مجلس عاملہ کے اراکین کو اس امر پر آمادہ کرلوں گا کہ میں جو کچھ کہوں، مان لیں۔'' میں اپنے آنریبل دوستوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ ہے کاروباری طریق؟ پھر آج مسٹر راج گوپال اچاریہ اس بات کو جائز ٹھہراتے ہیں کہ انھوں نے مسلم لیگ کو پیشکش نہ بھیجی۔ میں حیران ہوں کہ ان کے دماغ کا طریقِ فکر کیوں تعجب انگیز ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ بہرحال وہ اس وقت یوں فرماتے ہیں اور اس ضمن میں مسلمانوں کی تعریف کرتے ہیں کہ وہ باقی سب ہندوستانیوں سے بڑھ کر آزادی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ میں خوش ہوں کہ......

سر رضا علی: جناب پر یہ کب روشن ہوا؟

مسٹر ستیہ مورتی: آپ سے پہلے۔

مسٹر جناح: ہاں تو مسٹر راج گوپال اچاریہ فرماتے ہیں کہ ''میری فراخدلانہ پیشکش کو برطانوی حکومت نے قابلِ التفات نہ سمجھا۔ بعض نکتہ چیں کہتے ہیں کہ برطانوی حکومت کی بجائے مسٹر جناح کو پیشکش بھیجنی چاہیے تھی۔ مگر میں نے برطانوی حکومت کو یہ پیشکش ہرگز نہیں دی۔ البتہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس نے اسے دل میں جگہ دی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اگر میں سب سے پہلے یہ پیشکش مسٹر جناح کو دیتا تو یہ غیر مناسب ہوتا۔ وہ جائز طور پر خیال کرتے ہیں کہ ہماری ہتک کی گئی ہے اور کہتے کہ میں عہدوں کا خواہش مند نہیں ہوں۔''

میں پوچھتا ہوں کہ اگر مسٹر ایمری یہ پیشکش قبول کر لیتے اور اس کے بعد یہ میرے پاس آتی تو کیا

میں پھر بھی وہی جواب نہ دے سکتا تھا؟ کیوں کہ پیشکش بھی وہی اور اس کی شرائط بھی وہی تھیں۔ چناں چہ میں بقول مسٹر راج گوپال اچاریہ اب یوں کہتا ہوں کہ ''لیجیے مسٹر ایمری اور مسٹر راج گوپال اچاریہ دونوں نے مل کر میری توہین کی ہے اور مجھے عہدوں کا متلاشی قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ دوسروں کی نسبت کچھ تھوڑا سا تو مان لیجیے کہ وہ فہم عامہ رکھتے ہیں۔ بتایئے تو کہ کیا یہی ہے تشریح اس طریقِ عمل کی جو پیش کش کے متعلق اختیار کیا گیا۔

ایک آنریبل ممبر: باقی حصہ بھی پڑھ ڈالیے۔

مسٹر جناح: سنیے وہ یوں کہتے ہیں کہ ''اگر مسٹر جناح اسے قبول کر لیتے تو اسے عمل میں لانا ان کے اختیار میں اسی وقت ہوتا جب کہ برطانوی حکومت پہلے اس امر کا عہد کر لیتی کہ ہم اختیارات منتقل کرنے کے لیے تیار ہیں۔ الغرض ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر مسٹر جناح اسے مان لیتے تو مجھے یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ اسے عمل میں لا سکتا۔'' اس پر بھی میری عرض یہ ہے کہ اختیار نہ تو مسٹر راج گوپال اچاریہ کو حاصل تھا اور نہ مجھے۔ بہرحال برطانوی حکومت کا تازہ ترین فرمان یہ ہے کہ ''اگر آپ دونوں یعنی ہندو اور مسلمان باہمی قول و قرار کے بعد ایک متفقہ فیصلہ منظور کریں تو ہم اس پر غور کرنے کو تیار ہیں۔ جب صورت حال یہ ہے تو مسلم لیگ سے بالا بالا یہ پیشکش برطانوی حکومت کے سامنے لانے سے کیا فائدہ ہوا؟

ایک آنریبل ممبر: ہم باہمی اتفاق و اتحاد کر سکتے ہیں، بشرطیکہ حکومت برطانیہ اختیارات منتقل کرنے پر رضامند ہو۔

مسٹر جناح: میں کہوں گا کہ اختیارات دے ڈالنے کے متعلق برطانوی حکومت اس حد تک نہیں گئی۔ جہاں تک آپ پہنچنا چاہتے ہیں۔ مگر اتنا تو برطانوی مختارانِ کار نے کہہ دیا ہے کہ ''ہم جملہ سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں کو حکومتِ مرکزی میں شامل کرنے پر رضامند ہیں تاکہ وائسرائے کی مجلس منتظمہ کی توسیع کر کے نمائندگانِ ہند کو حکومت ہند میں ایک اہم حصہ دے دیں۔''

میرے نزدیک یہ آخری لفظ ہرگز نہیں، اس میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاسیات میں حرفِ آخر کبھی زبان پر نہیں لایا جاتا۔ ہاں اگر آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ آپ کو ایک ایسا ہی کورا چیک دے دیں جیسا کہ مسٹر گاندھی مجھے پچیس سال سے دے رہے ہیں تو یہ خیال بے کار ہے۔ اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن اگر آپ کوئی قابلِ عمل تجویز کریں تو ہم ایک متفقہ مطالبہ مسٹر ایمری یا یوں بھی کہیے کہ برطانوی پارلیمان یا برطانوی قوم سے کر سکتے ہیں۔

ایک آنریبل ممبر: کانگریس پارٹی تو خاموش ہے۔

مسٹر جناح: بات یہ ہے کہ نہ تو مجلس دستور ساز اور نہ کامل آزادیٔ ہندوستان کے تمام امراض کا

علاج ہے۔ میری شکایت یہ ہے کہ آپ اپنی اس بات پر قائم نہیں ہیں۔ اگر ہوں تو میں کہوں گا کہ وہ خدا کا فضل تمھارے شاملِ حال ہو۔ ہاں دیانتداری کے ساتھ قائم رہیے۔ اس میں آپ سے اتفاق کروں یا نہ کروں، مگر آپ کی عزت اور توقیر کروں گا۔ اگر آپ اس پر قائم رہنا نہیں چاہتے تو اس مطالبے کے آسمان سے اتر کر زمین پر آیئے اور پھر ہم سب بقول مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی اہل عمل بن کر واقعات اور حقائق کا سامنا کریں گے اور بقول برطانوی اخبار ''مانچسٹر گارڈین'' ہندوستان کی محکومیت جاری رہے گی۔ اخبار مذکور کہتا ہے کہ ''سچی بات تو یہ ہے کہ ہم برطانویوں کی حکومت اور فوقیت کی حالت ہندوستان کے اندر اس سبب سے قائم ہے کہ دوسرے لوگ غلطیاں کرتے ہیں اور کرتے رہے ہیں۔ یہ ہے موجودہ صورت حالات ہندوستانی یعنی خود میں آئندہ کے متعلق کیا نہیں کہتا۔ اب میں ایک آخری فقرہ کہہ کر اپنی بات ختم کروں گا۔ جب ہم اس معصوم بچے کی نسبت باتیں کرتے ہیں جو پیش کیا جا رہا ہے۔ یعنی یوں کہتے ہیں قومی حکومت مرتب کی جائے اور یہ حکومت ہندوستان کی مجلس قانون ساز کے منتخب ممبروں کے سامنے جواب دہ ہو تو بعض اہم امور فراموش کر دیتے ہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ جب آپ مطالبہ مذکور کی تفصیلات کا امتحان کریں گے تو نہایت دور رس ضرورتیں پیدا ہوں گی۔ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ کے مطالبے کے مطابق نئی حکومت یا کابینہ مرتب کرنے کے لیے آئین موجودہ میں بہت سی تبدیلیاں کرنی پڑیں گی۔ صرف اس صورت میں یہ عارضی قومی حکومت صرف منتخب ممبروں کے سامنے جواب دہ ہو سکے گی۔ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے اپنی تقریر کے دوران میں دو امور پر زور دیا یعنی جمہوریت، جمہوریت پکارتے رہے اور ایک عارضی قومی حکومت مانگتے رہے مگر اس سے کیا حاصل ہوگا؟ نئی حکومت نئی کابینہ چاہے کیسی ہی ہو اور وہ ذمہ دار بھی ہو اس مجلس قانون ساز کے سامنے، مگر پھر بھی یہ مجلس ایسی ہوگی جس کے دو تہائی منتخب ممبر مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی یا کانگریس کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کریں گے۔ میرے نزدیک وہ شخص قابل رحم ہوگا جو اس کابینہ حکومت میں تو شامل ہو مگر کانگریس کے احکام اور کانگریس کے فرمان کی متابعت نہ کرے۔

حواشی

1۔ ہندوستان کے مشہور سرکار پرست سیاست دان۔

2۔ وزیر مالیات۔

3۔ اشارہ ہے کانگریس کے پارلیمانی سرگرمیوں سے قطع تعلق کی طرف۔

4۔ گاندھی جی مساعی جنگ میں صرف اس طرح حکومت سے تعاون کرنے پر آمادہ تھے کہ ہندوستان کو غیر

مشروط طور پر آزاد کردے اور اقلیتوں کا مسئلہ خود نہ طے کرے بلکہ اسے آزاد ہندوستان کی صواب دید پر چھوڑ دے۔

5۔ اب ہندوستان کے صدر مملکت ہیں۔ راجندر پرشاد کی تعلیم و تربیت پر اسلامی اثرات بہت نمایاں ہیں، جس کا اعتراف خود انھوں نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں کیا ہے۔ ان کی سیاسی تربیت بھی ایک مسلمان زعیم مسٹر (پھر مولانا) مظہر الحق کی رہین منت ہے۔ صوبہ بہار میں آزادی کا بیج انھی نے بویا تھا۔ اپنی ہزار ہا روپے کی پریکٹس ترک کر کے اور اعلیٰ درجہ کے یورپین ملبوسات چھوڑ کر کھدر کا لباس پہن کر اور فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر کے خدمت ملک و قوم کے لیے میدان میں آ گئے، جیل گئے، سختیاں جھیلیں، دکھ اٹھائے، مگر راہِ صواب سے منہ نہ موڑا۔ مظہر الحق نے بہت سے ہندو مسلم نوجوانوں کی تربیت کی۔ انھی میں بابو راجندر پرشاد بھی ہیں، جس کے وہ معترف بھی ہیں۔ پٹنہ کے کانگریس ہاؤس کا نام انھوں نے ''صداقت آشرم'' رکھا تھا، جو اب تک چلا آ رہا ہے، ابھی کچھ عرصہ ہوا، جب راجندر پرشاد نے اعلان کیا تھا کہ اب وہ صدارت کا انتخاب نہیں لڑیں گے بلکہ صداقت آشرم میں اپنی باقی ماندہ زندگی گزار دیں گے۔

6۔ مسٹر ایمرے جو اس زمانہ میں وزیر ہند تھے اور مسٹر چرچل کے دست راست!

7۔ سر ہنری گڈنی...... اینگلو انڈین جماعت کے قائد اور رہنما۔

8۔ دیرینہ کار سیاسی رہنما عرصہ تک جنوبی افریقہ میں حکومت کے ہائی کمشنر رہے۔ مسلم لیگ سے آخر وقت تک وابستہ رہے۔ تحریک پاکستان میں بھی حصہ لیا۔ تقسیم ہند کے بعد کراچی آ گئے اور اپنے داماد مسٹر ابوطالب نقوی سیکریٹری محکمہ دفاع (بعد میں چیف کمشنر کراچی) کے ہاں مقیم ہوئے۔ یہیں قلب کے مرض میں انتقال ہوا۔ اُردو ادب سے غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے۔ اپنی ایک بڑی دلچسپ سوانح عمری ''اعمال نامہ'' کے نام سے لکھی، جو بہت مقبول ہوئی۔ ان کی یادگار میں ''رضا علی کالج'' کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ بھی کراچی میں قائم ہے۔

کانگریس کے حربے

نومبر 1940ء

کانگریس نے جب دیکھا کہ حکومت اسے اقلیتوں پر بالادستی نہیں عطا کرتی تو سول نافرمانی کی تحریک شروع کردی اوراس طرح حکومت کومرعوب کرکے اپنا مطالبہ منوانا چاہا۔
قائداعظم نے اسی ذہنیت اورصورت حال پر عربک کالج دہلی کے طلبہ کے ایک اجتماع میں اپنے خیالات کا اظہارفرمایا تھا۔

رئیس احمد جعفری

حضرات! کانگریس کا یہ ادعا ہے کہ تحریک ستیہ گرہ (سول نافرمانی) ہندوستان کی آزادی اور خودمختاری کے لیے جاری کی گئی ہے، کیا فی الحقیقت تحریک کا یہی مقصد ہے؟ گاندھی جی نے سال گزشتہ 29اکتوبر کو لکھا تھا کہ:

''اگر انگریز ہندوستان سے چلے گئے تو پنجابی اور گورکھے شمال سے نکل کر ملک کو تاخت وتاراج کریں گے۔''

پنجابی سے ان کی مراد یقیناً مسلمان ہیں۔ انھوں نے اس کے بعد لکھا تھا کہ:

''اگر ہندوستان میں برطانیہ کا اقتدار کوئی قائم رکھنا چاہتا ہے تو وہ کانگریس ہے جو باشندگانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔''

میں اسے تسلیم نہیں کرتا کہ ہندو اور کانگریس ملک کی خودمختاری اور آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ انھوں نے تحریک ستیہ گرہ کیوں آغاز کی۔ برطانوی حکومت بھی جانتی ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ وہ برطانوی حکومت پر دباؤ ڈال کر یہ منوالینا چاہتے ہیں کہ کانگریس ہی ہندوستان کے باشندوں کی مقتدر اور واحد نمائندہ جماعت ہے۔ کانگریس (حکومت سے) کہتی ہے کہ ہم سے سمجھوتا کرلو، ہم تمھارے

دوست ہیں۔ ہم اس ملک میں تمھارا اقتدار چاہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ چند شرائط طے کرلو۔ مسلمان اور دوسری اقلیتوں کو نظر انداز کردو۔

کہا جاتا ہے کہ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے مسٹر گاندھی سے گفتگو کرنے کے بعد مسلمانوں اور غیر کانگریسیوں سے اپیل کی کہ ان کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا کریں۔ انھوں نے کم و بیش یہ کہا کہ ''کانگریس کو اپنے طریقہ پر جدوجہد کرکے حاصل کر لینے دو۔'' کیا میں کانگریس ہائی کمان سے پوچھ سکتا ہوں جس کے ایک رکن مسٹر ڈیسائی بھی ہیں اور وہ مقننہ میں کانگریسی جماعت کے قائد بھی ہیں...... کہ برطانیہ کے خلاف کانگریس کے جنگی مقاصد ہمیں یہی معلوم ہوتے ہیں کہ حکومت پر ممکنہ دباؤ ڈال کر انھیں رضامند کرلیا جائے تاکہ وہ ہمیں نیچے گرادیں اور بھیڑیوں کے آگے ڈال دیں۔ کانگریس کا یہی مقصد ہے، میں ان سے پوچھتا ہوں کہ انھوں نے یہ خود فریبی کیوں اختیار کر رکھی ہے؟ ہم تو دھوکا نہیں کھائیں گے! کانگریس کی ساری جدوجہد اس چمگادڑ کی سی معلوم ہوتی ہے جو کمرے میں چاروں طرف اڑتی ہوئی دیواروں سے ٹکراتی رہتی ہے مگر یہ نہیں دیکھ سکتی کہ دروازہ بالکل کھلا ہوا ہے۔

اس لیے یہ ناممکن ہے کہ ہم اس تحریک کو خاطر جمعی سے دیکھیں اس کو ہمارے لیے ایک گہری تشویش کا باعث ہونا چاہیے۔ میں مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ اس مہیب صورت حال میں نہ پھنسیں جس کی ساری ذمہ داری کانگریس پر عائد ہوتی ہے، لیکن جب ہمیں معلوم ہوجائے کہ ہمارے مفادات کو خطرہ لاحق ہوگیا ہے تو ہم محض ایک تماشائی کی حیثیت سے خاموش نہیں رہ سکتے بلکہ ہم اپنا فرض ادا کریں گے اور اگر ضرورت ہو تو اس میں مداخلت بھی کریں گے۔ اس تنبیہ کو وہ خوب سمجھ لیں!

پھر قائداعظم نے کانگریسیوں کے متعدد بیانات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا...... کانگریسی رہنما کہتے ہیں کہ ہم مسٹر جناح یا مسلم لیگ کے کسی نامزد کو ہندوستان کا وزیراعظم بنانے پر تیار ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اختیارات نہیں چاہتے۔ مسلمان سارے اختیارات لے سکتے ہیں۔ ہم انگریزی راج کے بہ نسبت مسلم راج کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیا کوئی شخص جس میں شمہ برابر بھی عقل و تمیز ہو اس پر یقین کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں! مسلمان اب باشعور ہوگئے ہیں، ان میں آج سے تین سال پہلے کی نسبت فرق ہوگیا ہے۔ کامل فرق، اساسی و بنیادی فرق، اور مجھے یقین ہوگیا ہے۔ ایسا ہی یقین جیسا کہ اس وقت آپ کے روبرو میرے زندہ کھڑے ہونے کا کہ پانچ برس بعد یہ فرق اور بھی بڑھ جائے گا۔

اس تین سال کے عرصہ میں لیگ نے بڑی طاقت حاصل کرلی ہے اور اس کی وجہ سے اس پر ایک اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس ذمہ داری سے اس طرح نام لیں کہ مسلم لیگ دن بدن طاقت ور بنتی اور کامیابی پر کامیابی حاصل کرتی، منزل مقصود تک پہنچ جائے۔

ہمارا منشور پاکستان!

2 نومبر 1940ء

مسلم یونیورسٹی یونین کے ایک اجتماع میں قائداعظم کا ارشاد:

حضرات! میں مسلمانانِ علی گڑھ اور طلبائے جامعہ کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے انتہائی خلوص و محبّت سے میرا خیر مقدم کیا، اس سے میری حوصلہ افزائی ہوئی، کیوں کہ اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ آپ نہ صرف میری شخصی طور پر عزت افزائی فرما رہے ہیں بلکہ کل ہند مسلم لیگ کی حکمت عملی اور لائحہ عمل کی توثیق بھی کر رہے ہیں۔ (نعرے) مجھے توقع ہے کہ یہ دیکھ کر دنیا کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ لیگ کی پشت پر کتنی بڑی طاقت موجود ہے۔

مسلمانوں کے حقیقی احساسات کے اظہار کی ہم مقدور بھر کوشش کر رہے ہیں تاکہ ساری دنیا پر روشن ہو جائے کہ ہمارا مدعا کیا ہے؟ اس کے دوران میں دوسری مرتبہ علی گڑھ آیا ہوں۔ اس درمیانی وقفہ کے واقعات ممکنہ اختصار کے ساتھ پیش کروں گا۔ میں بے سروپا اور پامال فقرے نہیں دھراؤں گا کہ ''آج کے نوجوان کل کے قائد ہیں۔'' وغیرہ بلکہ میں کہتا ہوں کہ عملی آدمیوں کی طرح تم پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ مستقبل قریب ہی میں نوجوانوں کو اس جدوجہد کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔

اولین اور اہم ترین امر، تنقیح طلب امر یہ ہے کہ دستوری تغیرات کے سلسلہ میں ہمارا موقف کیا ہے؟ تم جانتے ہو کہ میرے اور وائسرائے کے درمیان ایک دراز عرصہ تک ملاقاتوں اور گفت وشنید کا سلسلہ جاری رہا۔ اس سلسلہ میں مسلم لیگ کی عاملہ اس کی کونسل اور اس کے جلسۂ عام میں کئی قراردادیں منظور ہوئیں۔ مختصر الفاظ میں ہمارا موقف یہ تھا کہ جیسے ہی حالات اجازت دیں یا جنگ کے فوراً بعد سارے دستور کی ازسرنو تنقیح کی جائے۔ 8 اگست 1940ء کے اعلان کی بنا پر دستور کا سارا باب تنقیح مکرر کے لیے کھل گیا ہے۔ وزیر ہند کی تشریح و اعلان سے یہ امر واضح ہوگیا ہے کہ حکومت برطانیہ اس دستور کو ہندوستان میں نافذ نہیں کرے گی اور تاوقتیکہ اس ملک کی بڑی جماعتوں میں اتفاق نہ ہو، کسی دستور کی

تدوین نہیں ہوگی۔

اس کے یہ معنی ہیں کہ کوئی دستور اس وقت تک ہم پر عائد نہ کیا جائے گا، جب تک ہم اس پر رضامند نہ ہوں، اس حد تک ہمارا مطالبہ منظور کرلیا گیا۔ دوسرا امر یہ ہے کہ جنگ کے بارے میں ہمارے رجحانات کیا ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم بھی ایک حقیقی خطرے میں ہیں۔ عملی آدمیوں کی طرح مسلم لیگ کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان کے مفادات کے لیے سعی جنگ کو تیز تر کردینا چاہیے اور ملک کے دفاع میں ہمیں بھی حصہ ملنا چاہیے۔

اگست 1940ء کے اعلان کے بموجب بڑی سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کو اس تجویز میں شامل کیا جائے گا اور انھیں حکومت میں اقتدار و اختیار بھی حاصل رہے گا۔ لیکن جب اس کے اصول کا انضمام ہو رہا تھا، اس کا اصل مقصد فوت ہوگیا۔ وائسرائے نے گفت و شنید کے دوران میں کہا تھا کہ:

> ''میں نہیں کہہ سکتا کہ میری کابینہ کی تعداد کتنی ہوگی، میں یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ اس میں اور کتنے ارکان کا اضافہ ہوگا، حکومت کے کون سے قلمدان کن ارکین کے سپرد کیے جائیں گے۔ کون سی دوسری جماعتیں کابینہ میں آرہی ہیں۔ درحقیقت میں آپ کو کچھ بھی نہیں بتا سکتا۔ بس اتنا سن لیجیے کہ آپ کو دو نشستیں دوں گا۔''

ہر وہ شخص جس میں ذرہ برابر بھی عقل ہو، سمجھ سکتا ہے کہ ہمارے تعاون عمل کہ پیشکش کی کوئی قدر نہیں کی گئی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کوئی خوددار جماعت حکومت کی تجویز کو قبول نہیں کرسکتی تھی۔ فرض کیجیے کہ کانگریس بھی (کابینہ میں) شمولیت اختیار کرتی تو پھر مسلم لیگ اور اس کے دو نمائندوں کی کیا حیثیت ہوتی؟ وائسرائے نے اس کو بھی یہی جواب دیا کہ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔''

''کیا ہم صرف تختۂ مشق بننے کے لیے ہیں؟ کیا ہمارا کام محض خانہ پری ہے؟ یاد رہے کہ تاحال کانگریس نے ستیہ گرہ کی ابتدا نہیں کی ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا کر بیٹھیں گے۔ اگر حکومت اور کانگریس کے درمیان بعض شرائط طے ہوگئیں تو صورت حال کیا ہوگی؟ اگر کانگریس کابینہ میں شریک نہ ہوئی تو خارجی دفاع اور داخلی بندوبست کا بار زیادہ تر مسلمانوں پر پڑے گا۔ تو پھر کیا میرا یہ کہنا غلط ہے کہ ان حالات کے تحت مکرر تشکیل پائی ہوئی کابینہ میں مجھے اکثریت ملنی چاہیے؟

میں اپنی اس خواہش کا علانیہ اظہار کرتا ہوں کہ ہندو کانگریس بھی کابینہ میں آجائے اور اپنے گھروں اور بال بچوں کی حفاظت کے لیے ہم سے اشتراک عمل کرے۔ اگر مسلمان کانگریس کے ساتھ مل کر کسی خطرے کی مدافعت میں برابر کے شریک ہیں اور اپنی جان و مال قربان کرنے کا اقرار کررہے ہیں تو

پھر ہندو اور مسلم ارکان کی تعداد مساوی ہونی چاہیے۔ یہ محض تعداد کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس ملک کے دفاع اور جنگ کو کامیابی سے چلانے کے لیے موجودہ دستور کے اندر مرکزی اور صوبجاتی ذمہ داریوں میں اشتراک کا مسئلہ ہے۔

خواتین و حضرات! حکومت برطانیہ ایک سال تک سوتی رہی۔ اس کے بعد وہ دفعتاً جاگ پڑی ہے۔ 22 جولائی 1941ء کو حکومت نے وزرا کی توسیع اور نام نہاد مجلس دفاع کی تشکیل کے فیصلہ کا اعلان کیا۔ حکومت نے ہماری مخالفت کے باوجود اس تجویز کو ہم پر نافذ کر دیا۔ انھوں نے جوڑ توڑ کرنے کی کوشش کی اور ہمارے بعض ارکان کو اس تجویز میں شامل کر کے ہم سے منقطع کر دینے کی تدبیریں نکالیں۔ ان میں صوبجاتی وزرا اعظم بھی شامل تھے، جن میں دو مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ (1)

آپ سب جانتے ہی ہیں کہ اس کا کیا انجام ہوا۔ مجھے اس سے مسرت ہوئی اور ہمیں فخر ہے کہ حکومت برطانیہ کو ایک اچھا سبق مل گیا۔ کبھی شر سے خیر بھی پیدا ہوتا ہے۔ مسلم ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک مظاہرے کیے گئے اور ثابت کیا گیا کہ مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ مستقبل میں ہمارے مخالفین کو معلوم ہو جائے گا کہ ہماری صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرنا لاحاصل ہے۔ لیجیے اس باب کا یوں اختتام ہوا۔

دوسرا اَمر مجلسِ قانون ساز میں ہمارا طریق عمل ہے۔ مسلم لیگ کے موقف کی کوئی پروا کیے بغیر مرکزی حکومت کی دوبارہ تشکیل کو مسلم ہندوستان پر جبراً عائد کیا گیا، جس کی بنا پر مسلم لیگ کی جماعت بطور احتجاج مرکزی مقننہ سے باہر نکل آئی۔ کسی مخالف جماعت کے لیے یہ طریق عمل قطعی آئینی اور جائز ہے۔

اب آپ دریافت کریں گے کہ اس کے بعد کیا ہوا؟ آیئے اس ملک کے دیگر نزاعی امور پر غور کریں۔ ممالک اسلامیہ سے متعلق برطانوی حکمتِ عملی سے نازک حالات پیدا ہو گئے ہیں اور بیم و اندیشوں کی نشوونما ہو رہی ہے کل ہند مسلم لیگ کونسل کے گزشتہ اجلاس کی روئیداد آپ نے پڑھی ہوگی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ اگر حکومت برطانیہ نے اسلامی حکومتوں کے بارے میں اپنے ارادوں کی وضاحت نہ کی اور اس کی بھی صراحت نہ کر دی کہ ان کی فرمانروائی اور خودمختاری کے خلاف انھوں نے کوئی منصوبے نہیں گانٹھے ہیں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ مسلم ہندوستان کو قابو میں رکھنا سخت مشکل ہو جائے گا۔

پاکستان کے مخالف حکومت برطانیہ سے کہتے ہیں کہ اگر پاکستان وجود میں آیا تو آسام میں ایک خفیہ سی سرگوشی انقرہ اور استنبول میں گونج پیدا کر دے گی اور یہ کہ پاکستان ہندوؤں سے زیادہ برطانیوں کے لیے خطرناک ہے چناں چہ وہ حکومت کو مشورہ دیتے ہیں کہ:

شدید ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی ممالک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں اگر تم نے انھیں

کاٹ کر رکھ دیا تو پھر پاکستان گہری قبر میں دفن ہو جائے گا۔ پھر تم اور ہم ہندوستان پر حکومت کریں گے۔

یہ ایک نہایت احمقانہ مشورہ ہے۔ کیا وہ نہیں سمجھ سکتے کہ اسلامی حکومتوں کے بربادی کے معنی ہمیشہ کے لیے سارے باشندگان ہند کی غلامی کے ہیں؟

ہمیں بتایا گیا ہے کہ اگست 1940ء کے اعلان کی رُو سے مسلم لیگ کو اختیار تنسیخ ملا ہے۔ وہ اسے طوطے کی طرح دہرایا کرتے ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر نو کروڑ مسلمانوں نے مخالفت کی تو کوئی دستور روبہ عمل لایا جا سکتا ہے؟ سب سے پہلے تو یہ کہ اگر حکومت برطانیہ نے صرف ہندوؤں کے مشورہ سے کوئی دستور مرتب کر کے ہمارے سر تھوپ دیا تو وہ بہت ہی احمق ہو گی۔ پھر دستور کا نفاذ کون کرے گا؟ اس کو کس کی منظوری حاصل کرے گی؟ اور اسے کس طرح چلایا جائے گا؟ بے شک اقتدار کی ایک مقدار منتقل ہو جائے گی جس کا یہ مطلب ہے کہ برطانوی اقتدار اُٹھ جائے گا، پھر یہاں کون ہو گا؟ اقتدار خود بخود ہندوؤں کے ہاتھ میں چلا جائے گا۔ بہر حال برطانوی حکومت نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ مسلم ہندوستان اس ملک کا ایک دستوری عنصر ہے اور ہندوستان کی قومی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے۔

سیاسی صورت حال کے متعلق مسٹر گاندھی نے کہا تھا کہ:

> ''اس منزل پر فرقہ وارانہ اتحاد کے بغیر کوئی عام کارروائی کرنا خانہ جنگی کو دعوت دیتا ہے۔ اگر خانہ جنگی ہمارے مقدر ہی میں ہے تو وہ ہو گی، لیکن اگر میں کانگریس سے پوری واقفیت رکھتا ہوں تو کہوں گا کہ یہ (خانہ جنگی) کانگریس کی خواہش یا دعوت پر نہ ہو گی۔''

میرا خیال ہے کہ مسٹر گاندھی کے اس یقین دلانے سے مسلم ہندوستان کو بڑا اطمینان ہو رہا ہو گا (قہقہہ)۔ لیکن خانہ جنگی کا ذکر ہی کیوں کیا جائے؟ تم عملی آدمیوں کی طرح دماغ سے کیوں کام نہیں لیتے؟ بات یہ ہے کہ کانگریسی ہندوستان کی مفروضہ وحدت کے لیے ایک دستور حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں، جس میں مسلمانوں کے ساتھ محض ایک اقلیت کا برتاؤ کیا جا سکے گا۔ جس کو مسلمان کبھی قبول نہیں کر سکتے۔ ہم اپنی مدافعت کر رہے ہیں، کسی پر حملہ نہیں کرتے۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ ہم اس ملک کی حکومت کو ایک ایسے نظام کے تحت لانا چاہتے ہیں۔ جسے ہم دونوں چلا سکیں۔ آخر ایسے نظام سے کیوں چمٹے رہیں جو ایک ربع صدی سے ناکام ثابت ہو رہا ہے؟

ہماری ناکامیوں کی وجہ ہمارے اصولوں کا بنیادی اختلاف ہے، جب دو بھائی آپس میں مل کر نہیں رہ سکتے تو کیا ہوتا ہے؟ وہ علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں اور چین سے رہتے ہیں۔ تجویز پاکستان کے تحت ہم بھی یہی کرنا چاہتے ہیں۔

خواتین و حضرات! ہندو زعما کیا کہہ رہے ہیں؟ ایک ممتاز سابق کانگریسی اور ایک سابق وزیر داخلہ مسٹر منشی کی تقریر کا ایک فقرہ سناتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ:

> ''تجویز پاکستان کے تحت جو ریاست ہوگی وہ ایسی ملکی حکومت نہ ہوگی جو سارے فرقوں پر مشتمل ایک مجلس قانون ساز کو جواب دہ ہو اور بلکہ ایک ایسی مذہبی ریاست ہوگی جس نے اپنی مذہبی تعلیمات کے مطابق حکومت کرنے کا حلف اٹھایا ہو۔
>
> اس طرح اس کا ضمنی پہلو یہ ہے کہ دوسرے اشخاص کو جو اس مذہب کی پیروی نہیں کرتے، حکومت میں شرکت سے خارج رکھا جائے۔ مسلمانوں کی اس مذہبی ریاست کی حفاظت میں ایک کروڑ تیرہ لاکھ سکھ اور ہندوؤں کی ایک اقلیت چلی جائے گی۔ ہندو اور سکھ پنجاب میں مجبور و لاچار ہو جائیں گے اور ہندوستان کے اندر رہ کر بھی غیر ملکی ہوں گے۔''

کیا یہ سکھوں اور ہندوؤں کو اُکسانا نہیں ہے؟ ان سے یہ کہنا کہ یہ ایک مذہبی ریاست ہوگی جس میں انھیں کوئی اختیار نہ ہوگا، سراسر جھوٹ ہے۔ غالباً وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ پاکستان میں غیر مسلموں سے اچھوتوں کا سا سلوک کیا جائے گا!

مسٹر منشی سے مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ چھوت چھات صرف انھیں کے مذہب اور فلسفہ میں جائز ہے۔ ہمارے ہاں ایسی کوئی بات نہیں۔ اسلام، انصاف، مساوات، معقولیت اور رواداری کا حامل ہے بلکہ جو غیر مسلم ہماری حفاظت میں آ جائیں، ان کے ساتھ فیاضی کو بھی روا رکھتا ہے۔ یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں اور اس ریاست میں وہ شہریوں کی طرح رہیں گے۔ (نعرۂ تحسین)

جہاں تک مسلم ہندوستان کا تعلق ہے ہم نے خود ہی ایک منشور ترتیب دے لیا ہے اور وہ پاکستان ہے (نعرہ ہائے تحسین)۔ ہم اپنے منشور کے بارے میں یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ ہمارے مخالفین اپنے دل و دماغ سے یہ خیال نکال دیں کہ یہ کوئی بازاری لین دین ہے یا کوئی چلتا ہوا فقرہ ہے۔

1939ء میں مسٹر گاندھی نے کہا تھا کہ مسلم لیگ زیادہ بولی لگانے والے کے ہاتھ بک جائے

دہلی مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے پہلے اجتماع میں قائداعظم کی ایک ولولہ انگیز تقریر!

ہمارا مطالبہ

نومبر 1940ء

حضرات! ہم محسوس کرتے ہیں کہ صرف برطانیہ ہی نہیں بلکہ ہندوستان بھی خطرے میں ہے۔ ہمیں موجودہ حالات میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر برطانیہ عظمیٰ کو شکست ہوگئی اور حکومت ہند کا نظام ٹوٹ گیا تو فی الحقیقت ہم سب کو خطرہ لاحق ہوجائے گا۔ چند ایسے ہی وجوہ کی بنا پر ہم نہیں چاہتے کہ اس جنگ میں نازیوں کی فتح ہو۔ ہماری خواہش ہے کہ برطانیہ کو اس جنگ میں کامیابی ہو۔ آقاؤں کی تبدیلی کا کوئی سوال نہیں ہے۔ ہم برطانیہ عظمیٰ سے اپنی آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ابتدا سے برطانیہ کے راستہ میں رکاوٹیں نہیں ڈالیں، مثلاً باوجود اس کے کہ پاکستان ہی ہماری کشتی کا لنگر ہے۔ ہم نے حکومت برطانیہ کی حمایت کے لیے پاکستان کو شرط اول قرار نہیں دیا۔ ہم نے طلب کیا تو صرف یہ یقین کہ حکومت برطانیہ کانگریس سے کوئی قطعی یا عارضی سمجھوتا کر کے ہمارا ساتھ نہ چھوڑ دے۔

یہ دورانِ جنگ کا ایک اقرار تھا، جس سے فریقین کی موجودہ یا آئندہ حیثیتیں متاثر نہ ہوتی تھیں۔ ہم آدمی، روپیہ اور سامان کی بڑی مقدار دینے کا اقرار کرتے ہیں۔ نو کروڑ مسلمانوں کی پوری امداد! میں یہ سب مشترک سرمائے میں لگا دینے پر تیار ہوں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اختیارات میں میرا بھی مساوی اور موثر حصہ ہو۔ عالمگیر تغیرات کو قبول نہ کرنے والی اس دقیانوسی حکومت کے عذر خواہ اس کو ''مسٹر جناح کی غیر مصالحانہ تجاویز'' کہتے ہیں۔ وہ محض اس اقرار پر ہماری حمایت اور امداد کے خواہاں ہیں کہ جنگ کے بعد ہمیں زیادہ سے زیادہ وفادار ملازموں کی طرح یاد رکھا جائے گا۔ بلکہ کچھ بخشش دی جائے گی۔

کانگریس کا حوالہ دیتے ہوئے قائداعظم نے کہا کہ ہر دیانت دار مسلمان کو یقین ہو گیا ہے کہ کانگریس ایک ''ہندو ادارہ'' ہے اور کانگریسی ہائی کمان کا واحد مقصد ہندوستان میں ''ہندو راج'' قائم کرنا اور مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں پر اقتدار حاصل کرنا ہے۔

آپ نے ڈاکٹر مونجے اور مسٹر ساورکر کے بیانوں کی طرف توجہ دلائی، جس میں انھوں نے کہا تھا

گی۔ یہ ایک قابلِ نفرین جھوٹ ہے۔ ہم نے جو موقف حاصل کیا ہے۔ اس سے ایک انچ بھی ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ہمیں اپنے مقصد کے حصول سے کوئی شے منحرف نہیں کرسکتی۔ ہم نے اپنے مفادات کی نگرانی اور حفاظت کا تہیہ کرلیا ہے اور ہم دوسروں سے علیحدہ رہ کر بطور خود اس کی پوری اہلیت رکھتے ہیں۔

(بلند اور طویل نعرے)

حاشیہ

1۔ اشارہ ہے سر سکندر حیات خان وزیراعظم پنجاب، سر سعداللہ وزیراعظم آسام اور مسٹر فضل الحق وزیراعظم بنگال کی طرف۔ وائسرائے نے دھوکا دے کر ان تینوں حضرات کو نیشنل ڈیفنس کونسل میں شریک کرلیا، حالاں کہ مسلم لیگ اپنے ممبروں کو شرکت کی اجازت دینے سے انکار کرچکی تھی۔ یہ مسئلہ جب ورکنگ کمیٹی میں پیش ہوا تو سر سکندر اور سر سعداللہ نے فوراً وائسرائے کو استعفیٰ لکھ کر بھیج دیا۔ مسٹر فضل الحق اڑے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم لیگ سے نکال دیے گئے۔

***

کہ مسلمان جرمنی کے یہودیوں کی طرح ہیں اور ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہونا چاہیے اور یہ کہ کانگریس کی قومیت ایک گمراہ قومیت ہے۔ اگر وہ اپنی نام نہاد قومیت کے ادعا سے دست کش ہو جائے تو دوسرے فرقوں کے بہت سارے ''مداری کے چھوکروں'' کے لیے اس کے اندر کوئی گنجائش نہ رہے گی۔

کانگریس آزادی چاہتی ہے اور اس کے لیے حکومت برطانیہ سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اس کا اعلان کر دے۔ کیا تاریخ میں کسی ایسے ملک یا قوم کی مثال ہے جس کو آزادی و خود مختاری ایک غیر معمولی حکومت کے اعلان سے ملی ہو؟ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرنے ہی سے خود مختاری مل سکتی ہے۔ اسے زور لگا کر لینا اور اس پر قبضہ کرنا پڑتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کانگریس برطانوی سنگینوں کے سائے میں ہندوستان پر اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہے۔ وہ دوسرے فرقوں پر جبر و استبداد کرنے کے لیے قوت و توانائی کی آرزومند ہے۔

آج وہ برطانیہ پر اس لیے زور ڈال رہی ہے کہ وہ دب کر صلح کر لے۔ یہ پُرکاری اور فریب مذموم کا ایک نمونہ ہے۔ حکومت اس سے آگاہ ہے اور ہم واقفیت رکھتے ہیں۔ لیکن حکومت مسلمانوں کو کانگریسیوں یا ہندوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑنے کی جسارت نہیں کر رہی ہے اور اگر کبھی وہ ایسی جرأت کرے تو حکومت کو پشیمانی ہوگی۔

مسلمان کیا چاہتے ہیں؟ گزشتہ پچیس سالوں میں انھوں نے باعزت سمجھوتوں کی متعدد کوششیں کیں اور باوجود کانگریس اور ہندوؤں کی مبینہ خواہش کے تا حال کوئی سمجھوتا نہیں ہوا۔ ہر چند کہ ہندو مسلم اتحاد کانگریس کے تعمیری لائحہ عمل کا اہم ترین جزو ہے، لیکن بجائے اتفاق و اتحاد کے دونوں ایک دوسرے سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کانگریس اور ہندو ایک ایسا سمجھوتا چاہتے ہیں کہ جس کی بنا پر سارے ہندوستان کا اقتدار انھیں مل جائے۔ دوسری طرف مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ انھیں آزادی اور ہندوستان کی آئندہ حکومت میں مساوی حصہ ملے۔ ہندو مسلم نقطۂ نظر میں بھی بنیادی فرق ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم برطانیہ سے ایک ذمہ دار مشترکہ حکومت کے حصول میں ناکام رہے۔

ہم ہندو بھائیوں کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ آیئے دیانتدار اور عملی مدبرین کی طرح گزشتہ 25 سال کے تجربہ سے فائدہ اٹھائیں۔ مصالحت کے نقاط پر غور کریں۔ ہندوؤں کو چاہیے کہ وہ ہندو راج کے خواب دیکھنا چھوڑ دیں اور ہندوستان کو مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان میں تقسیم کرنے پر راضی ہو جائیں۔

❋❋❋

مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن احمد آباد کے اجتماع میں بہ مقام احمد آباد قائداعظم کی حیات آفریں تقریر

ہندوستان کو تقسیم کر دو

28 دسمبر 1940ء

حضرات! ہندوستان کو تقسیم کر دینا چاہیے تا کہ ہندو اور مسلمان اچھے پڑوسیوں کی طرح رہ سکیں اور بقدر شعور و صلاحیت ترقی کر سکیں۔ اگر ہندوؤں نے سارا ہندوستان لینے کی کوشش کی تو وہ سارے کا سارا کھو دیں گے۔ لیکن اگر انھوں نے ایک تہائی مسلمانوں کو دے دینے پر رضامندی ظاہر کی تو انھیں دو تہائی مل جائیں گے۔

ہندو صوبوں کی مسلم اقلیتیں اپنی تقدیر پر شاکر رہیں۔ لیکن وہ مسلم اکثریتی صوبوں کی آزادی میں کبھی مزاحم نہ ہوں گی۔ قیام پاکستان کے بعد میں ہندو اکثریتی صوبوں کی مسلم اقلیتوں کو ہجرت عام کی رائے نہیں دوں گا۔ میں جو کچھ چاہتا ہوں وہ صرف یہ کہ مسلم اکثریتی صوبوں میں جہاں اس وقت بھی پاکستان موجود ہے۔ مرکزی حکومت کا اقتدار ہندو اکثریت کے ساتھ نہ ہونے پائے ایک متحدہ مرکزی حکومت کے تخیل کا خاتمہ ہو چکا ہے لیکن اگر اس کی تجدید کی کوشش کی گئی تو مسلمان اس کی مدافعت کریں گے کیوں کہ مسلم صوبوں میں ہندو اقلیتیں، مرکزی ہندو اکثریت کی پشت پناہی اور اعانت سے کاروبار حکومت کو ناممکن بنا دیں گی۔

فی الحقیقت ہر حیثیت سے مسلم اکثریت، مرکزی حکومت کی جاگیر ہو جائے گی۔ ہندو مہا سبھا نہایت بے تکے پن سے علی الاعلان سارے اقلیم ہند پر ہندو راج کی فکر کر رہی ہے۔ کانگریس کی زبان پر جمہوریت، مشترکہ انتخاب اور ایک ایسی قومی حکومت ہے جو مجلس قانون ساز کے منتخب اراکین کو جواب دہ ہو۔ لیکن جمہوریت معنوی اعتبار سے دنیا کے کسی حصہ میں موجود نہیں ہے۔ حتیٰ کہ انگلستان میں بھی اونچا طبقہ حکومت کرتا ہے، لیکن ہندوستان میں تو ایسی جمہوریت کا بھی امکان نہیں ہے۔ مذہب کا تو کیا ذکر،

ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین تہذیبی یا معاشرتی کوئی چیز بھی مشترک نہیں ہے۔ یہاں قوم کی اصل اور اس کے عناصر ترکیبی کہاں ہیں کہ جس کی بنا پر ہم ہندوستان میں انگلستان جیسی نام نہاد اور کمزور سی جمہوریت ہی اختیار کر لیں۔

ایک قومی حکومت جو مجلس آئین ساز کے منتخب ارکان کو جواب دہ ہو صرف ایک ہندو اکثریت کے تابع فرمان ہو کر ہی تشکیل پا سکتی ہے۔ اس میں مسلمان اور دوسری اقلیتیں قطعی ہندو راج کے رحم و کرم پر ہوں گی۔

اکثر اوقات ایک مشترک خاندان میں دو بھائیوں کے لیے مل کر رہنا ناممکن ہو جاتا ہے اور ان کی علیحدگی ہی سے ان کے مابین امن و سکون اور بہتر روابط قائم ہوتے ہیں۔ پھر ہندوستان کی تقسیم سے کیوں انکار کیا جائے۔ جب کہ وہ جانتے ہیں اور انھیں کامل یقین ہے کہ تہذیب، مذہب اور معاشرتی زندگی کے مہلک اختلافات اور چشمک کے مدنظر جو ایک ہی خاندان کے دو بھائیوں سے کہیں زیادہ ہیں، وہ آپس میں امن و چین سے نہیں رہ سکتے!

***

1941ء

جب پاکستان کی تجویز حقیقت کی دنیا میں داخل ہو رہی تھی۔
جب قائداعظم نے مسلمانوں کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔

جوہرِ ما با مقامے بستہ نیست
بادۂ تندش بہ جامے بستہ نیست
ہندی و چینی سفال جامِ ماست
رومی و شامی گل اندامِ ماست

قلب او از ہند و روم و شام نیست
مرز بومِ او بجز اسلام نیست

نوجوانانِ بمبئی (ممبئی) کے ایک اجتماع میں قائداعظم کی اہم تقریر!

مسلم اکثریت کے علاقے

3 جنوری 1941ء

حضرات! ہمارے مطالبہ پاکستان کے ضمن میں اہم ترین سوال یہ ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ سارے ہندوستان کے لیے ایک وحدانی مرکزی حکومت قائم کی جا سکے جو چالیس کروڑ انسانوں پر حکومت کرے۔ اس قسم کے نظام حکومت کے ماتحت آبادی تین ہندوؤں اور ایک مسلمان کی نسبت سے ہوگی۔ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہندوؤں کے حکم اور فرمان کی تعمیل پر سب مجبور ہوں گے۔ اس ملک کے اندر جمہوریت اور جملہ بالغان کے لیے حق رائے دہندگی سے ہندوراج مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی ضرورت لاحق ہوئی، مگر اس سے مسلمانوں کا یہ مقصد نہیں کہ فریب کاریوں اور حیلوں کے ذریعے سے سارے ملک پر فوقیت حاصل کریں۔ مسلم لیگ فقط یہ چاہتی ہے کہ مسلمانوں کو ان دو طبقات ملک میں حکمرانی اور اپنی تہذیب و تمدن کے نشوونما کا موقع مل جائے، جنھیں وہ اپنا وطن سمجھتے ہیں۔ چناں چہ ہم ہندوؤں سے کہتے ہیں کہ دوسرے حصوں میں آپ اپنی حکومتیں قائم کیجیے اور اپنی فطرت و جبلت کے مطابق ترقی کیجیے۔ خدا آپ کی کوششوں کو بارآور کرے۔

ان مسلمان بھائیوں کے متعلق ہمیں کوئی تشویش نہ ہونی چاہیے۔ جو اقلیت کے صوبوں میں رہتے ہیں۔ غور طلب یہ مسئلہ ہے کہ اگر ساڑھے چھ کروڑ مسلمانوں کو جو اکثریت کے منطقوں میں ہیں۔ ایک کل ہند متحدہ حکومت کے تابع کر دیا جائے تو باقی ماندہ ڈھائی کروڑ مسلمانوں کو جو دیگر صوبہ جات میں ہیں، کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

میں جس صوبہ میں اقلیت میں ہوں، وہاں اپنی قسمت پر شاکر ہو کر اپنا فرض ادا کروں گا۔ لیکن میں ان مسلمانوں کو جو اکثریتی صوبوں میں ہیں، دوامی اقلیت اور ہندوؤں کے اقتدار سے آزاد کراؤں گا۔

مسٹر گاندھی کانگریس اور ہندو مہاسبھا سارا ہندوستان حاصل کر لینا چاہتے ہیں، لیکن انھیں یہ کبھی نہ ملے گا۔ البتہ انھوں نے زیادہ حرص و ہوس سے کام نہ لیا اور ہمیں ایک تہائی دے دیا تو پھر شاید انھیں دو تہائی ملے گا اور قضیہ ختم ہو جائے گا۔

اسلام کا نام لینے والوں سے ایک سوال

2 مارچ 1941ء

''میں کوئی مولوی ہوں نہ مولانا اور نہ مجھے یہ ادعا ہے کہ میں اخلاقیات کا فاضل اجل ہوں، لیکن مجھے اپنے عقائد کا تھوڑا بہت علم ضرور ہے اور میں اپنے عقیدے میں راسخ الاعتقاد ضرور ہوں، خدا کے لیے یہ بتا دو کہ قرارداد لاہور کو اسلام دشمنی سے کیا تعلق ہے؟ کیوں آخر یہ اسلام کے منافی ہے؟''(1)

وفاق مسلم طلبہ پنجاب

2 مارچ 1941ء

حاشیہ

1۔ اشارہ ہے جمعیۃ علما، مجلس احرار اور نیشنلسٹ مسلمانوں کی طرف۔

***

اس کی مثال مسلمانوں کی گزشتہ دو صدیوں کی تاریخ میں نہیں ملے گی۔ (نعرۂ تحسین) اسے ایک معجزہ یا کرامت کہیں تو غلط نہ ہوگا۔ ہمارے تمام دشمنوں اور مخالفوں کا پختہ خیال تھا اور انھیں امید تھی کہ اسلامیانِ ہند متحد نہ ہوں گے اور آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں گے۔ چناں چہ انھوں نے اسے ایک تبلیغی فرض قرار دے رکھا تھا کہ جس طرح ہو مسلمانوں کے مابین افتراق پیدا کریں اور وہ بہت سے حصوں میں منقسم ہو جائیں۔ مگر آج کی سنیے کہ ان لوگوں نے اپنی اس کوشش سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ (نعرۂ تحسین) میں اس کی ایک حالیہ مثال پیش کرتا ہوں۔

مرکزی اسمبلی میں حلقہ روہیل کھنڈ کی نشست خالی ہوئی۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ یہ نشست کانگریس کے قبضہ میں ہے۔ مگر جب ہم نے نوابزادہ لیاقت علی خاں کو اپنی طرف سے امیدوار پیش کیا تو دنیا نے دیکھا کہ کانگریس نہ زمین پر ہے نہ افق آسمان پر۔ (قہقہہ) یہ ہے بہت سی مثالوں میں سے فقط ایک۔

آج اسلامی ہند دفتری حکومت کے پنجے سے آزاد ہے۔ چناں چہ وہ لوگ جنھیں ہم مسلمان طوعاً و کرہاً اپنا لیڈر سمجھتے تھے اور وہ اکڑ اکڑ کر چلتے پھرتے تھے، مگر درحقیقت دفتری حکومت کے کارکن تھے۔ اپنی قوت کھو چکے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی جو گاندھی ٹوپی پہن کر کانگریس کے پلیٹ فارم پر رعونت کے ساتھ اینٹھتے تھے، بے یار و مددگار ہو گئے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔ (نعرۂ مسرت)

ایک قوم کے لیے ایک وطن یا مملکت بھی لازم ہے۔ اپنے آپ کو ایک قوم قرار دینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کوئی قوم ہوا میں نہیں بستی۔ وہ زمین پر زندگی بسر کرتی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی زمین یا مملکت کی حاکم ہو۔ اس کے قبضے میں ایک خودمختار ریاست اور علاقہ ہونا چاہیے۔

خوب یاد رکھیے کہ یہ ایک معمولی سا کام نہیں جو آپ نے اختیار کیا ہے۔ یہ ایک بہت ہی بڑا کام ہے، جو آپ نے سلطنت مغلیہ کے زوال سے لے کر آج تک اپنے ذمّہ لے لیا ہے۔ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے آپ کو تمام وسائل متعلقہ کی ضرورت ہے۔

میرے نوجوان دوستو! سب سے پہلے آپ کو تعمیر قوم کے ادارات میں محنت کی داد دینی ہوگی۔ آپ پوچھیں گے کہ یہ ادارات کون سے ہیں اور کیا ہیں؟ لیجیے میں آپ کو بتاتا ہوں۔ دنیا میں کم سے کم تین ستون رکن ایسے ہیں جو کسی قوم کو صاحب مملکت اور لائق حکومت بننے کا حقدار ٹھہراتے ہیں۔ ان میں سے ایک تعلیم ہے۔ تعلیم کے بغیر آپ اسی حالت میں ہوں گے، جیسا کہ کل رات پنڈال کے اندر اندھیرے میں تھے اور اگر تعلیم ہوگی تو آپ کی کیفیت اس وقت کی سی ہوگی کہ روزِ روشن میں بیٹھے ہیں۔

ہمیں اس بات کی ضرورت نہیں کہ دوسروں کو دھمکیاں دیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ سنیے۔ یہ ایک سیدھا سا معاملہ ہے۔ ہم نے اپنے مدعا کی بنیاد دیانت، انصاف اور صداقت پر رکھی ہے۔ یہ تو ہوئی پہلی

پنجاب اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا خطبہ صدارت!

پاکستان ہمارا مقصد ہے

2 مارچ 1941ء

اس خطبہ میں قائداعظم نے پاکستان کے سلسلہ میں کانگریسی قائدین کی ذہنیت بے نقاب کرتے ہوئے ان کے اعتراضات و ایرادت کی نفسیاتی تحلیل بھی بڑی خوبی سے کی ہے اور مسائل حاضرہ پر بھی گہرافشانی فرمائی ہے۔

رئیس احمد جعفری

خواتین اور حضرات! اس وقت میرا پہلا کام یہ ہے کہ آپ کا ایک بار پھر شکریہ ادا کروں کہ آپ نے مجھے ''پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن'' کی اس کانفرنس کی صدارت کی عزت بخشی۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، صدارت کی یہ دعوت ایک بلاوا تھا، جو میرے ہم خیال اور ہم نفس مہربانوں نے بھیجا، اس لیے اسے قبول کرنے میں مجھے بے حد خوشی حاصل ہوئی۔

میں کل یکم مارچ سے آپ کا مہمان ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ کس عمدگی سے آپ نے اس کانفرنس کی تنظیم کی ہے۔ میں نے آپ کے مباحثات بھی سنے ہیں، جن پر میں آپ کو صدقِ دل سے مبارکباد کہتا ہوں۔ (نعرہ ہائے تحسین)

میں نہ صرف ان نوجوانوں کو جو آج یہاں جمع ہیں بلکہ لاہور کے بہت سے مسلمانوں کو اور ان کو جو پنجاب کے مختلف حصوں سے آئے ہیں۔ بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے اس امر کا کامل احساس ہے اور اس سے مجھے بے حد مسرت ہوئی ہے کہ اب پنجاب کے مسلمان بیدار ہو گئے ہیں اور اس وقت یہاں مسلمان نوجوانوں کا ایک ایسا چھوٹا سا گروہ موجود ہے جس نے اس کانفرنس کی ترتیب و تنظیم میں بڑی جانفشانی سے محنت کی ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں ان کارکنوں کو یہ دیکھ کر کہ ان کی کوشش و کاہش بارآور ہوئی ہے۔ اطمینان حاصل ہوگا۔ یہی ان کا انعام ہے۔ (نعرۂ تحسین)

وجہ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو طاقتور ہوتے ہیں، اپنے آپ پر بھروسہ کرنا سیکھ لیتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ کامیاب ہو سکتے ہیں۔ دشمن کے خلاف کسی قسم کی غیر ضروری دھمکیوں سے اجتناب کرتے ہیں اور پُرغرور باتوں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ہمارے دلائل وترغیبات ہمیشہ کارگر نہیں ہو سکتیں۔ مگر ہمیں لازم ہے کہ اس قسم کی ہر ممکن کوشش کیے جائیں۔ ہم پر واجب ہے کہ ان لوگوں کے خلاف کوئی غیر ضروری تلخی نہ پیدا ہونے دیں جو اس وقت ہماری قرارداد پاکستان کے مخالف ہیں۔

ہمیں اس کی بھی ضرورت نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ خود ان مخالفین کو بھی انجام کار یہ احساس ہو جائے گا کہ ہندوستان کے اس انتہا درجے کے شدید مسئلے کا ایک حل، بلکہ اس مشکل کا بہترین حل یہی ہے جو ہم پیش کر رہے ہیں۔

میں برطانوی حکومت کا وکیل نہیں ہوں اور مجھے برطانیہ اور اس کے رفقا کے جذبات کی پاسداری بھی مدنظر نہیں ہے، مگر ان سب حالات کے پیش نظر مسلم لیگ اس امر پر رضامند تھی کہ حکومت برطانیہ کی پوری مدد اور صدق دل سے اس کے ساتھ تعاون کرے۔ بشرطیکہ اس امر پر باہمی رضامندی اختیار کر لی جائے کہ ہم نہ صرف ذمہ داری کا بار سر پر اٹھائیں بلکہ اس کے ساتھ ہی ہمیں موجودہ آئین کے اندر رہ کر حکومت اور صوبوں کی حکومتوں میں معقول اور حقیقی اختیار حاصل ہو، تاکہ ہم سچی اور کارگر امداد کر سکیں۔

اس اصول کی صحت کو خود برطانوی حکومت نے درست تسلیم کیا ہے کہ ذمہ داری اور اختیار لازم وملزوم ہے۔

اس سے کسی کو انکار نہیں، لیکن جب اصول کو عمل میں لانے کا وقت آیا تو لارڈ لن لتھگو یا مسٹر ایمری یا دونوں نے خبر نہیں کہ حقیقت میں کس نے ایک ادنیٰ سا اختیار دے ڈالنے کی پیشکش کی اور بغیر کسی قسم کی تفصیل کے صرف اتنا کہا کہ ہم آپ کو مرکزی مجلس منتظمہ میں دو نشستیں دیتے ہیں۔ (قہقہہ) اس طرح آغاز کار میں ہی اس اصول کی نفی کر دی گئی جو کسی طمطراق سے پیش کیا گیا تھا اور اس اصول کی توہین بھی کی گئی حالاں کہ اس کا وجود دانائی اور فیاضی کا مرہون منت قرار دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے اور آپ تسلیم کریں گے کہ اس قسم کی پیشکش کو کوئی ذمہ دار اور منظم جماعت قبول نہیں کر سکتی۔ چناں چہ آل انڈیا مسلم لیگ نے اسے رد کر دیا۔

یہ تو سب کچھ ہوا دورِ حاضر کے متعلق۔ اب مستقبل پر غور وفکر کی باری ہے۔

خواتین وحضرات! میں نے دور آئندہ کو اپنی پوری سے پوری توجہ دی ہے اور بغیر تعصب یا ہٹ دھرمی کے ہر ممکن طریقے سے کوشش کی ہے کہ لاہور کی قرارداد ''پاکستان'' کے خلاف تمام دلائل و

براہین کا غور سے مطالعہ کروں اور ان کا امتحان لوں۔

ہم اپنی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ ہم ہر حال میں قرارداد لاہور کی تائید و تصدیق کرتے ہیں۔ (نعرۂ تحسین) اور جہاں تک حالات اجازت دیں، ہم اسے فی الفور یا جنگ کے بعد عمل میں لانا چاہتے ہیں۔ یہ ہے ہمارا مطالبہ۔ ہم اسے ہندوؤں سے نہیں کرتے۔ کیوں کہ ہندو کبھی سارے ہندوستان پر قابض نہ تھے۔ البتہ مسلمانوں نے سارے ہندوستان میں سات سو برس تک حکومت کی۔ اہلِ برطانیہ نے یہ ملک مسلمانوں سے لیا۔ اس لیے ہم ہندوؤں سے مطلق کچھ نہیں مانگتے۔ ہمارا مطالبہ برطانویوں سے ہے، کیوں کہ اس وقت قبضہ انھی کا ہے۔ یہ کہنا کہ ہندوستان ہندوؤں کی ملکیت ہے۔ قطعاً حماقت ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان بھی کسی زمانہ میں ہندو تھے۔ ہندو لیڈر یہ اور ایسے ہی دوسرے احمقانہ دلائل پیش کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ فرض کرو، ایک انگریز جو انگلستان میں رہتا ہے اور مسلمان ہو جاتا ہے، مگر وہ پاکستان کا مطالبہ نہیں کرتا۔ کیا آپ کے پاس دیکھنے کو آنکھیں اور سمجھنے کو دماغ نہیں کہ اگر انگلستان میں ایک انگریز اپنا مذہب تبدیل کرتا ہے تو وہ اس کے باوجود اپنے سماج کا ممبر رہتا ہے اور پہلے کی طرح اسی تہذیب، نظامِ معاشرت اور ثقافت اور تحصیلاتِ علمی سے تعلق رکھتا ہے۔

اس کے خلاف کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ جب ایک ہندو اسلام اختیار کرتا ہے۔ چاہے یہ واقعہ آج سے ایک ہزار سال پہلے پیش آیا ہو۔ تو ایک ہندو نہیں بلکہ اکثر و بیشتر سب ہندو جو مسلمان بن گئے، ہندوؤں کے نزدیک ملیچھ ٹھہرے۔ ذات سے خارج کیے گئے اور ہندوؤں نے ان لوگوں سے کسی قسم کا دینی اور تمدنی واسطہ نہ رکھا۔ چناں چہ تبدیلیٔ مذہب کے ساتھ ہی ان مسلمانوں نے ہندوؤں سے ایک جداگانہ دنیا میں رہنا شروع کیا اور ایک ایسے دینی، تمدنی، معاشرتی نظام کے پابند ہو گئے جو ہندوؤں سے مختلف تھا، بلکہ اہلِ ہنود اور اہلِ اسلام کے نظام میں ہمیشہ تصادم قائم رہا۔ فلسفہ علمی تحصیلات مذہب اور معاشرت سب کے لحاظ سے یہ اختلاف ہزار سال سے چلا آتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ان حقائق کا مقابلہ اس بیوقوفانہ دعویٰ سے کریں کہ محض تبدیلیٔ مذہب کو مطالبۂ پاکستان کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا ہے۔''

آپ بنیادی اختلاف کو نہیں دیکھتے؟ میں اس لیے دعویٰ کرتا ہوں کہ کوئی دیانتدار آدمی اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا کہ مسلمانانِ ہند ہندوؤں سے قطعی طور پر ایک جداگانہ قوم ہیں۔ اسے لاکھوں ہندو دوست تسلیم کرتے ہیں اور سیکڑوں ہندوؤں نے خود مجھ سے اپنے اس خیال کا اظہار کیا اور مان لیا کہ قرارداد لاہور ہمارے مسئلہ کا ایک اور اکیلا حل ہے۔ اندریں حالات اس مسئلہ پر مزید بحث سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ مگر اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کے خلاف پروپیگنڈا کس طرح کیا جاتا ہے۔ میں نے اس کے سمجھنے اور مخالفین کے دلائل پر غور کرنے میں ہر انسانی اور امکانی کوشش کی ہے۔

اب دلائل کی سنیے۔ مہاتما گاندھی کہتے ہیں کہ یہ ہندوستان کو چیرنے پھاڑنے کے برابر ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ ہندوستان کو کب ایک وحدانی حیثیت حاصل تھی؟ کبھی نہیں۔ پھر چیرنے پھاڑنے اور پارہ پارہ کرنے کے الفاظ کا استعمال بے معنی ہے۔ مگر مہاتما گاندھی کے چیلے مسٹر راج گوپال آچاریہ ان سے بھی ایک قدم آگے نکل گئے ہیں کہ پاکستان بنانا کسی بچے کو دو ٹکڑے کر ڈالنے کے مترادف ہے۔ میں ان سے عرض کروں گا کہ دیکھوں تو بچہ کہاں ہے؟

ہاں! اس کے معنی صرف یہ ہو سکتے ہیں کہ اب ان کے پاس کوئی پُراثر دلیل نہیں رہی اور وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت پیش کرنے سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ یہ تو خود اسلام کے بھی خلاف ہے۔ (قہقہہ)

ایک اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اقتصادی پہلو سے ہماری تجویز ناقابلِ عمل ہے۔ اس کے متعلق جو کچھ ہندو لیڈروں نے لکھا اور کہا ہے، میں نے قریباً سب کا سب پڑھا ہے، مگر انھوں نے کوئی خاص دلائل پیش نہیں کیے۔ انھوں نے صرف یہ دلچسپ دعویٰ بار بار دہرایا ہے کہ اقتصادی لحاظ سے پنجاب، سندھ، بلوچستان اور صوبہ سرحدی، سب دیوالیہ صوبے ہیں اور اس لیے پاکستان کی تجویز عمل میں نہیں لائی جا سکتی۔

ہاں آپ ہمارے لیے پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ اگر ہمارے صوبوں میں مالی حالات نے بدترین سے بدترین صورت بھی اختیار کر لی تو ہم اپنے چغہ کی کتر بیونت اتنے ہی کپڑے سے کریں گے جو ہمارے پاس ہے۔

اب اسلامی منطقوں میں ہندوؤں کی اقلیت کا مسئلہ غور طلب ہے۔ اس کی نسبت آپ کیا رائے دیں گے؟ ہندو لیڈر تو کچھ نہیں بتاتے۔

اس کے ساتھ ہی ہندو منطقوں میں مسلم اقلیتوں کا سوال ہے ان کے متعلق میں اپنی رائے عرض کرتا ہوں کہ مسلم منطقوں میں ہندو اقلیتوں کے بطور اقلیت کامل تحفظات ہونے لازم ہیں۔ اسی طرح ہندو منطقوں میں مسلم اقلیت کی حفاظت بطور اقلیت ہونی چاہیے۔

میں قریب قریب ان تمام دلائل کا امتحان کر چکا ہوں، جو اس وقت تک پیش کیے جا چکے ہیں۔ اگر ہم تقسیم پر رضامند ہو جائیں گے اور مجھے یقین کامل ہے کہ بروئے دلائل ان کی پوری تائید ہوتی ہے تو مسلمان اور ہندو بطور ہمسایہ و دوست بڑی صلح اور آشتی کے ساتھ اس ملک میں زندگی بسر کریں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ اسلامی ہند اس ملک کی سرحدوں کا محافظ ثابت ہو گا۔ کیا آپ ایک لمحہ کے لیے بھی خیال کر سکتے ہیں کہ افغانستان اپنے لیے ایران کی حکومت تسلیم کرے گا یا

افغانستان اور ایران دونوں اپنے ملک میں ترکی کی بادشاہت تسلیم کرلیں گے؟ کیا آپ ایک لمحہ کے لیے بھی تصور کر سکتے ہیں کہ عرب جیسے چھوٹے سے براعظم میں جہاں یمن، سعودی عرب، عراق وغیرہ کتنی ہی خودمختار مملکتیں ہیں۔ کوئی آزاد حکومت اپنی آزادی اور حقوق شاہی سے کسی دوسرے کے حق میں دست بردار ہوجائے گی؟ جب یہ بھی نہیں ہوسکتا تو پھر آپ یہ بات کیوں فرض کر لیتے ہیں کہ جب مسلمان اپنی آزاد خودمختار شاہی حکومت مثلاً شمال مغربی منطقے میں قائم کرلیں گے تو وہ کسی غیر حکومت کو اس امر کی دعوت دیں گے کہ آیئے اور ہم پر حکومت کیجیے کیوں کہ جب تک آپ ہماری مملکت کے بادشاہ نہ بنیں گے، آپ ہندوؤں کے ہندوستان پر قابض نہ ہوسکیں گے۔

خواتین و حضرات! اب مجھے ایک اور بات کو توجہ دینا ہے جو سکھوں کے فرقے سے متعلق ہے۔ اس بات کو سمجھنا کسی حد تک مشکل ہے کہ ہمارے سکھ بھائی اپنے دل میں خوف و ہراس اور اضطراب کو کیوں جگہ دیتے ہیں۔ میں ان سے عرض کرتا ہوں کہ آپ اس تجویز کا امتحان ٹھنڈے دل سے اور بڑی احتیاط و غور کے ساتھ کریں۔ وہ دیکھیں گے کہ قرارداد لاہور میں ان کی حالت اور حیثیت اس درجہ اور مقام سے کہیں بہتر ہوگی جو انھیں ایک متحدہ ہند کے اجتماعی (فیڈرل) آئین کی صورت میں حاصل ہوگا۔ پہلے تو آپ یہی دیکھیں کہ پاکستان کی تشکیل کے سبب سکھ ایک نہایت اہم فرقہ تسلیم کیے جائیں گے اور اس حیثیت میں وہ پنجاب کے معاملات ملکی میں بہت بڑا اور موثر حصہ لیں گے خاص کر اس مجلس قانون ساز میں جو پنجاب کے لیے بطور ایک جزو پاکستان مرتب کی جائے گی۔ کیا یہ حقائق بالکل ظاہر نہیں؟ اس کے مقابلہ میں سکھوں کا درجہ اور مقام ایک فیڈرل آئین میں کیا ہوگا؟ اس کی حیثیت ایک سمندر میں قطرے کے برابر ہوگی۔ (نعرۂ تحسین)

سکھ بھائیو! آپ اس اٹل امر واقعہ سے راہِ فرار اختیار نہیں کر سکتے کہ آپ پنجاب میں ایک اقلیت میں ہیں اور اسی حیثیت سے رہیں گے۔ آپ جھگڑوں، دھمکیوں اور خوفزدہ کرنے کی کوششوں کے ذریعے اس بنیادی حقیقت کو نہیں بدل سکتے کہ اس منطقہ میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے۔ (نعرۂ مسرت) میں اپنے سکھ بھائیوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ اگر میں آپ کے خوف و ہراس کی صحت پر یقین کروں تو اس کی رُو سے میری حالت اپنے احاطۂ بمبئی میں آپ سے بھی سو گنا بدتر ہوگی۔ وہاں مسلمان بقدر آٹھ فیصدی ہیں اور باقی قریباً نوے فیصدی ہندو حالاں کہ پنجاب میں سکھ تیرہ فیصدی ہیں اور ساتھ ہی ایک اور فرقہ موجود ہے۔ یعنی اہلِ ہنود جو اٹھائیس فیصدی ہیں۔ پس میں کہتا ہوں کہ آپ پنجاب میں اس حقیقت سے خوفزدہ نہ ہوں (نعرۂ تحسین) چناں چہ میں آپ سے کہوں گا کہ واقعات کے موافق اور مخالف تمام دلائل کا پورا پورا امتحان لیں۔

خواتین اور حضرات! اب ایک اور چیز باقی ہے۔ سنیے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ آج تک کوئی فیڈرل آئین مرتب نہیں کیا گیا جس پر پہلے ان تمام اجزا اور حصص کو رضامند نہ کرلیا گیا ہو جن کی شمولیت درکار ہے اور یہ اکائیاں کامل آزادی اور خاطر جمعی سے شامل نہ ہوں۔ اسلامیانِ ہند کے لیے یہی ایک حل ہے جو آزمائش تجربہ اور وقت کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے کہ ہندوستان تقسیم کردیا جائے تاکہ دونوں فرقے اقتصادی، معاشرتی، سیاسی اور تمدنی لحاظ سے اپنی اپنی قومی روایات اور خدائی عطیات کے مطابق نشوونما پائیں۔ ہماری جدوجہد کا ایک منشا ان مفید مواقع کا حصول ہے، جو ان امور کے لیے ضروری ہیں اور دوسرا یہ کہ مسلمان اپنے قومی ارادوں کو جامہ عمل پہنا سکیں۔ یہ زندگی اور موت کا معرکہ ہے اور ہماری کوشش صرف اس لیے نہیں کہ مادی فوائد حاصل ہوں، بلکہ ہم تو مسلمانوں کی لقائے روح کے لیے حیات و ممات کا مسئلہ ہے اور اسے سودے بازی سے کوئی واسطہ نہیں۔ مسلمانوں کو اس حقیقت کا پورا پورا احساس ہو چکا ہے۔ اگر ہم شکست کھائیں گے تو سب کچھ کھو بیٹھیں گے۔ آیئے اہلِ ہالینڈ کی اس ضرب المثل کو اپنا مقولہ ٹھہرایئے:

جب آدمی روپیہ کھودے تو کچھ نہیں کھوتا۔
اگر حوصلہ کھویا جائے تو بہت کچھ کھویا جاتا ہے۔
آبرو کھوئی جائے تو قریباً سب کچھ کھویا جاتا ہے۔
لیکن روح کھوئی گئی تو سب کچھ ہی کھویا گیا۔
(بلند نعرہ ہائے تحسین)

***

"میں ملتِ اسلامیہ کے ولولوں اور تمناؤں کا ترجمان ہوں!"

پاکستان کیا ہے؟

10 مارچ 1941ء

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی یونین میں طلبہ کے سامنے قائداعظم کا خطبہ

میں نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند کے دل میں جو خیال موجزن تھا، اس کا بے باکی سے اظہار کر دیا ہے۔ اس پر سارا ہندو پریس، ہندو قیادت اور کانگریس چراغ پا ہے۔ انھوں نے مخالفت کا ایک طوفان اٹھایا۔ ان کے پریس کا پروپیگنڈا، ان کی دشنام طرازی، ان کی غلط بیانی اور ان کا شور دیوانگی ہمارے پائے ثبوت میں کوئی تزلزل پیدا نہ کر سکا۔

میں یہ بار بار کہہ چکا ہوں کہ جمہوری پارلیمانی نظام حکومت جیسا کہ اس وقت انگلستان اور دوسرے مغربی ممالک میں ہے، ہندوستان کے لیے قطعاً غیر موزوں ہے۔ کانگریسی اخبارات میں آزادی کے دشمن کی طرح مجھے معتوب و مطعون کیا گیا ہے، لیکن میرے بیان کی حقیقت تمام سمجھدار اشخاص کے دل و دماغ پر بتدریج منکشف ہوتی جا رہی ہے۔

ہندوستان میں تاحال برطانوی حکمت عملی کی بنیاد دو ستونوں پر رکھی گئی ہے۔ پہلا ستون تو یہ ہے کہ ہندوستان ایک وحدت ہے اور دوسرا دستور ہند کی اساس مغربی طرز کے جمہوری نظام پر ہو لیکن مسلمانان ہند نے ہر قسم کے شک و شبہ سے دور یہ حقیقت مسلّم کر دی ہے کہ وہ مروجہ اصطلاح کے مفہوم میں اقلیت نہیں ہیں بلکہ وہ ایک قوم ہیں۔ مسٹر ایمری وزیر ہند بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ ہندوستان کے نو کروڑ مسلمانوں کے ساتھ ایک عددی اقلیت کی طرح نہیں بلکہ ایک علیحدہ دستوری عنصر کی حیثیت سے برتاؤ ہونا چاہیے اور یہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی دستور ان پر عائد نہیں کیا جا سکتا۔

مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ آج وحدت ہند کا ستون ٹوٹ گیا ہے، بلکہ پوری طرح مسمار ہو چکا ہے۔ (بلند نعرے) دوسرا ستون جمہوریت تھا۔ آیئے اب یہ دیکھیں کہ خود یورپ میں جمہوریت کے

متعلق کیا خیال ہے۔اس کے بعد ہم یہ سمجھ سکیں گے کہ ہندوستان میں اس کا کیا مطلب ہوگا۔

باشندگان انگلستان ایک قوم پر مشتمل ہیں۔ ان کے زندگی کے بنیادی نقاط نظر اور مفادات مشترک ہیں، لیکن انگلستان کی وہ کمزور سی جمہوریت دنیا کے ایسے ممالک میں ناپید ہے جہاں دو قومیں اور دو سماج ہیں۔

ہندوستان میں جمہوریت کے تحت لازماً ایک مستقل اور دوامی اکثریت ایک ایسے سماج پر اقتدار حاصل کر لیتی ہے جو اقلیت میں ہے۔ دنیا میں کہیں دو قوموں کی ایسی نظیر نہیں ملتی جو ایک ہی متحدہ دستور میں جوتے گئے ہوں، ہم نے عملی تجربے سے دیکھ لیا ہے کہ برطانوی پارلیمان نظام حکومت کا نتیجہ دوسرے باشندگانِ ہند پر کامل ہندو اقتدار کے قیام پر منتج ہوتا ہے۔

ان سب امور میں جو زندگی کے لیے بنیادی اور لازمی درجہ رکھتے ہیں، ہندو اور مسلمان سخت اختلاف رکھتے ہیں۔ حقائق پر پردہ ڈالنے سے کیا حاصل! خود ہندوؤں ہی کے درمیان اونچی اور نیچی ذاتیں ہیں۔(1) ان کے اندر ایک غیر جمہوری سماج موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ دفعتاً جمہوریت کے عشق میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اب تو وہ جمہوریت کے ذکر کے سوائے اور کوئی ذکر ہی نہیں کرتے! (قہقہہ)

حال ہی میں بمبئی میں ساحلِ سمندر پر ایک پیراکی کے تالاب کا افتتاح ہوا، جو صرف ہندوؤں کے لیے مخصوص ہے۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ سمندر میں بھی تیرنے کو تیار نہیں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ہندوؤں کے جذبات کا مضحکہ اڑاؤں، میں ہر شخص کے مذہبی جذبات کا احترام کرتا ہوں۔ اس واقعہ کا حوالہ صرف یہ بتانے کے لیے دیا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کس قدر گہرا اختلاف موجود ہے۔(2)

تجویز تقسیم کے سمجھنے کے لیے کسی بڑے عقلمند یا بڑے ماہر دستور ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس تجویز کے حسن و قبح پر غور و فکر کیے بغیر کانگریس اور دوسرے ہندو ادارے آپے سے باہر ہو گئے ہیں، جیسے کہ یہ کوئی ہوّا ہے۔ یا کوئی خطرناک جانور! (قہقہہ) حقیقت یہ ہے کہ پاکستان یہاں صدیوں سے موجود ہے، آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گا۔ (نعرۂ تحسین) یہ ہم سے چھین لیا گیا تھا۔ اب ہمیں واپس لینا ہے۔ ہندوؤں کا اس پر کیا استحقاق ہے؟ جو کچھ ہمارا اپنا ہے اس کے مطالبہ سے ہمیں کیوں کر روکا جا سکتا ہے؟ اس میں دراصل ہندوؤں ہی کا زیادہ فائدہ ہے۔ مسلم لیگ کا آخر مطالبہ ہی کیا ہے؟ یہی نہ کہ واضع مسلم اکثریتی منطقوں کے حدود کے تعین اور ضروری علاقہ واری تنظیم مکرر کے ساتھ اپنی خود مختار ریاستوں کا قیام چاہتی ہے۔ اس تجویز کے تحت دو تہائی ہندوستان ہندوؤں کو ملے گا، جہاں وہ اپنی ریاستیں قائم کر سکتے ہیں۔ انھیں اپنے واجب الوصول حصہ پر قناعت کرنی چاہیے۔ کیوں کہ انھیں سارا ہندوستان تو کبھی نہ

مل سکے گا۔

میں کہہ سکتا ہوں کہ برطانوی اور کانگریسی حلقوں میں اس امر کا بتدریج احساس ہوتا جا رہا ہے کہ ہماری تجویز تقسیم میں دونوں قوموں کے مفادات مضمر ہیں۔ وہ ''تشریح زندہ'' کے مخالف پاکستان نعرے، گئو ماتا کو کاٹا جا رہا ہے اور مادر ہند کے دو ٹکڑے ہو رہے ہیں۔ (3) اب ختم ہو چکے ہیں۔ اب انھوں نے یہ پوچھنا شروع کر دیا ہے کہ اگر ہندوستان منقسم کر دیا گیا تو آیا وہ محفوظ ہوں گے۔

ہندو اخبارات نے یہ بھوت کھڑا کیا ہے کہ اگر ہندوستان تقسیم ہو گیا تو مسلمان سارے ملک کو تاخت و تاراج کر دیں گے۔ یہ ایک بے بنیاد الزام ہے کیوں کہ اگر ہندوؤں کو ایسا ہی خوف ہے تو کیا مجھے بتایا جا سکتا ہے کہ وہ سارے ہندوستان پر حکومت کرنے کا عزم کس طرح رکھتے ہیں؟

پاکستان میں سات کروڑ سے زیادہ مسلمان نہیں ہوں گے اور ہندو ہندوستان میں بائیس کروڑ سے کم ہندو نہ ہوں گے۔ کیا ان کا یہ مطلب ہے کہ یہ بائیس کروڑ اشخاص صرف سات کروڑ کے مقابلے میں اپنی آزادی برقرار نہیں رکھ سکتے؟ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہندوستان کا مستقبل محفوظ نہ ہو گا کیوں کہ ساری یورشیں شمال و مغرب سے ہوئی ہیں اور پاکستان میں بجائے خود ایسی یورشوں کو روکنے کی سکت نہ ہو گی، صرف ایک متحدہ ہندوستان ایک جمہوری ہندوستان ہی ایسے حملوں سے عہدہ برا ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہندوستان میں ایک مرکزی جمہوری حکومت ہونا چاہیے۔

ایک مرکزی حکومت بنا کر اور قرعہ اندازی کے صندوقچہ میں اکثریت حاصل کر کے ہندو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ملک کو حملوں سے محفوظ بنا سکیں گے۔ (قہقہہ) پھر ہمارے ہندو دوست مسلم اقلیتوں سے پوچھتے ہیں کہ انھیں پاکستان سے کس طرح فائدہ پہنچ سکتا ہے اور یہ کہ انھیں ہندوؤں کے ہاتھوں کیا مصیبت نہیں اٹھانی پڑے گی۔

شمال مغربی یورشوں کے سلسلہ میں کیا مجھے بتایا جا سکتا ہے کہ پرتگالی کہاں سے آئے تھے؟ فرانسیسی کہاں سے آئے تھے اور ہمارے برطانوی آقا کہاں سے آئے تھے؟ لیکن ہم جانتے ہیں کہ دراصل جدید جنگ و جدل سرحدوں کی قید سے آزاد ہے۔ جدید جنگ کا فیصلہ کن ہتھیار فضائی بیڑا ہے۔ بری اور بحری طاقتوں کی حیثیت اب دوسرے درجہ کی ہو گئی ہے۔ آیئے ہم اچھے پڑوسیوں کی طرح رہیں۔ ہندوؤں کو جنوب اور مغرب کی حفاظت کرنے دیجیے اور مسلمانوں کو سرحدوں کی حفاظت سونپیے۔ پھر ہم مل کر کھڑے ہوں گے اور دنیا سے کہیں گے کہ ''ہندوستان'' سے الگ رہو، ہندوستان ہندوستانیوں کے لیے ہے۔ (نعرۂ تحسین)

دوسرا اعتراض جو مسلم اقلیتوں کے متعلق ہے، بہت کمزور ہے۔ مسلم اقلیتوں کے صوبوں میں

رہنے والے مسلمان خود دار بلند حوصلہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلم اکثریت کے منطقوں میں رہنے والے بھائیوں کی نجات و آزادی کی خاطر ہر قسم کے ایثار و قربانی کے لیے تیار ہیں۔ اپنے بھائیوں کے راستے میں مزاحم ہونے اور انھیں ایک متحدہ ہندوستان میں گھسیٹنے سے ہم کسی طرح اپنی حالت کو بہتر نہیں بنا سکتے، بلکہ الٹا ہم ان کی حیثیت کو بھی گھٹا کر ایک اقلیت بنا دیں گے۔ ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، ہم اپنے بھائیوں کو ہندو اکثریت کا حلقہ بگوش نہ ہونے دیں گے۔ ایسی خود مختار ریاستوں کی تخلیق درحقیقت اقلیتوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی بہترین ضمانت ہوگی۔ جب گفت و شنید اور مشوروں کا وقت آئے تو صوبجات اقلیت کے مسلمانوں کی یقیناً پوری پیروی کی جائے گی۔

ہمارے سامنے داخلی حفاظت اور خارجی حملوں کی دفاع کے مسائل پیش ہوں گے۔ چرخے چلانے سے نہ آزادی ملتی ہے اور نہ برقرار رکھی جا سکتی ہے۔ ہم کو اپنے گھر بار اور اپنے نصب العین کی جو ہماری متاعِ عزیز ہے، حفاظت کے لیے ایک ہو جانا چاہیے۔ (نعرۂ تحسین) پاکستان کو حاصل کرنا تمھارے اختیار میں ہے۔ گو ہندوستان منطقہ جنگ سے باہر ہے لیکن ہندوستان میں بھی ایک قسم کی جنگ جاری ہے۔ میں اپیل کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو ناگہانی ضرورت کے لیے تیار رکھو۔ علی گڑھ مسلم ہندوستان کا سلاح خانہ ہے اور تم اس کے بہترین سپاہی ہو۔ تم دیہاتوں میں پھیل جاؤ۔ ہمارے آدمیوں کو تعلیم دو، انھیں سدھارو، انھیں ہمارا مقصد سمجھاؤ۔ بہت سے لوگ انھیں بہکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انھیں ایک دفعہ سمجھ لینے دو تو پھر وہ اپنی منزلِ مقصود کی طرف چل پڑیں گے۔ (4)

مسلم لیگ نے چند ہی سالوں کے اندر مسلمانوں کی قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ لیگ نے مسلمانوں کے وقار کو بلند کر دیا ہے اور اپنی منزل پر پہنچا دیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے وطن اور اپنی جائیداد کے حق استقرار کے ساتھ ایک ممتاز سیاسی وجود تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اب ہمیں حصولِ مقصد کے لیے ایک اور سعی مشکور کرنی ہے۔

کانگریس اور مسٹر گاندھی کی مخالفت اور ریشہ دوانیوں کے باوجود آج مسلم لیگ ایک قوی مضبوط ادارہ ہے۔ سال گزشتہ گاندھی جی دہلی میں مجھ سے ملنے آئے تھے۔ وہ مسلم ہندوستان سے ملنے آئے تھے۔ کیوں کہ میں مسلم ہندوستان کے نمائندے کے سوائے اور کچھ نہیں ہوں۔ (نعرۂ تحسین)

کیا ہندوستان میں حکومت برطانیہ کے قیام کے دوران میں کبھی ایسا موقع بھی آیا ہے کہ حکومت نے مسلمانوں کا اس قدر لحاظ کیا ہو اور ان سے کسی حد تک خوفزدہ بھی ہوئی ہو؟ مسلم لیگ کی آواز دنیا کے دور دراز گوشوں میں، حتیٰ کہ چین اور امریکا میں بھی پہنچ چکی ہے۔ تم نے اپنی طاقت مجتمع کی تھی۔ اس کے نتائج بھی تم نے دیکھ لیے۔ لیکن ابھی بہت سے مخمصوں سے بچ کر نکلنا ہے۔

اب وقت آ گیا ہے کہ تم ایک تعمیری لائحہ عمل کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دو۔ تم اپنی چھٹیوں کو تعمیری کاموں پر صرف کر دو۔ اپنے آدمیوں میں تعلیم کی اشاعت اور معاشرے کی اصلاح کرو۔ اقتصادی ارتقا برتر شعور سیاسی اور اپنی تنظیم کو وسیع کرو۔

حواشی

1۔ بمبئی کے کروڑ پتی مل مالک سیٹھ مفت لال نے ساحل چوپاٹی پر ''مفت لال سوئمنگ باتھ'' کے نام سے ایک شاندار عمارت بنوائی تھی اور اس کا افتتاح کانگریس کے سالار کارواں مسٹر ولبھ بھائی پٹیل سے کرایا تھا۔ اس سوئمنگ باتھ کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ صرف ہندوؤں کے لیے تھا، اس میں مسلمانوں کو داخلہ کی اجازت نہ تھی۔

2۔ ''تشریح زندہ'' یعنی زندہ جانوروں کی (کسی ضرورت سے) چیر پھاڑ۔

3۔ یہ گاندھی جی کے الفاظ ہیں۔

4۔ یہ گاندھی جی کا عقیدہ تھا۔ چناں چہ انھوں نے تمام رہنمایانِ کانگریس کے لیے اسے لازم قرار دے دیا تھا جو ہر روز کچھ دیر کے لیے چرخہ نہیں چلاتا تھا۔ وہ مستحق تعزیر قرار پاتا تھا۔

5۔ قائداعظم کی اس پکار پر یونیورسٹی کے طلبہ نے جوش و خروش کے ساتھ لبیک کہا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پاکستان کی تشکیل و تعمیر میں علی گڑھ کے طالب علموں اور علی گڑھ کے اولڈ بوائز کا بہت بڑا حصہ ہے۔ غلام محمد، لیاقت علی خاں، خواجہ ناظم الدین اور موجودہ صدر مملکت فیلڈ مارشل ایوب خان علیگ ہی ہیں، بلکہ زون ''بی'' کے مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل بختیار رانا بھی!

* * *

مسلم لیگ کے اجلاس مدراس کا خطبۂ صدارت!

قائد کی للکار!

اپریل 1941ء

قائداعظم بوڑھے تھے، کمزور تھے، نحیف تھے، لیکن آرام و آسائش سے انھیں کوئی سروکار نہ تھا۔ ذہنی اور جسمانی طور پر وہ شب و روز مصروف رہتے تھے۔ طول و عرض ملک کے دورے برابر کرتے رہتے تھے۔ نہ دن کو چین، نہ رات کو آرام۔

اسی اثنا میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مدراس میں قرار پایا۔ عرصہ سے صدارت کے لیے قائداعظم ہی کا انتخاب ہو رہا تھا۔ وہی اس ٹوٹی ہوئی کشتی کے ملاح تھے۔ وہی چومکھی جنگ لڑ رہے تھے۔ انگریزوں سے بھی ہندوؤں سے بھی، نیشنلسٹ مسلمانوں سے بھی اور خود مسلم لیگ کے اندر بھی۔ انھیں بین الاقوامی سیاست بھی نگاہ میں رکھنا پڑتی تھی۔ ہندو سیاست کے تمام پہلوؤں سے بھی واقف رہنا پڑتا تھا اور مسلمانوں کے داخلی اور خارجی فتنوں سے بھی باخبر رہنا پڑتا تھا۔ ایک سر ہزار سودا انھی پر صادق آتا تھا۔

مدراس پہنچے تو صحت ڈانواں ڈول ہو رہی تھی۔ پھر بھی ذہنی اور لسانی مصروفیات سے باز نہ آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیہوش ہو گئے۔ اس خبر نے سارے اسلامی ہند کو سراسیمہ اور متوحش کر دیا۔ لیکن دوسرے روز حالت سنبھل گئی۔ ڈاکٹروں نے آرام کا مشورہ دیا لیکن انھیں مسلمانوں کے سامنے آئندہ کا پروگرام رکھنا تھا۔ اپنی ملت میں جذبۂ عمل پیدا کرنا تھا۔ اس کے شعور سیاسی کی رہنمائی کرنی تھی اور دنیا پر اپنے عزائم کا اعلان کرنا تھا۔ بھلا وہ آرام کس طرح کر سکتے تھے؟

انھوں نے آرام نہیں کیا اور ایک معرکہ آرا اور نہ بھولنے والا خطبہ ارشاد فرمایا، جو آج بھی اتنا ہی روح پرور ہے جتنا آج سے بیس سال پہلے تھا۔

رئیس احمد جعفری

جہاں تک مجھ سے ممکن ہے میں پوری وضاحت کے ساتھ آپ کو بتاتا ہوں کہ مسلم لیگ کی منزلِ مقصود کیا ہے؟ ہم ہندوستان کے شمال مغربی، نیز مشرقی منطقوں میں مسلمانوں کی آزاد مملکتیں یا ریاستیں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جو حفاظت اور دفاع، امور خارجہ، وسائل آمد و رفت، محصولاتِ بحری وغیرہ، سکہ، تبادلہ تجارت وغیرہ سب پر کامل اختیار رکھتی ہوں۔ ہم کسی صورت میں بھی سارے ہندوستان کے لیے ایک آئین اور مرکز میں ایک حکومت قبول نہیں کریں گے۔ ہم اس پر کبھی رضامند نہ ہوں گے اور اگر ہوئے تو مسلمانو! خوب سمجھ لو کہ تمھاری ہستی قطعاً مٹ جائے گی۔ جہاں تک ہمارے قومی اور آزاد وطن یعنی شمال مغربی منطقہ اور مشرقی منطقہ کو دخل ہے۔ ہم کبھی کسی حکومت یا شاہی ریاست کے باج گزار نہ بنیں گے۔

سب سے پہلے مجھے یہ کہنا ہے کہ لیگ کے اجلاس بمبئی سے چل کر جب کہ لیگ کا احیا عمل میں آیا۔ آج تک گزشتہ پانچ سال کی مدت میں لیگ کی اندرونی ترقی اور نشوونما کی کیا کیفیت رہی۔ ہم لیگ کی ان کوششوں کو اگر ایک ''پنج سالہ لائحہ عمل'' کہیں تو حقیقت سے کچھ دور نہ ہوں گے۔ ہم ایک معقول حد تک لیگ کی تنظیم میں کامیاب ہوئے ہیں اور ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے تک یہ کام بخوبی ہوا ہے

سلطنت مغلیہ کے تنزل سے لے کر آج تک مسلمانانِ ہند کبھی اتنے تنظیم یافتہ سیاسی لحاظ سے بیدار اور زندہ اور پُرشعور نہیں ہوئے، جتنے کہ اس وقت ہیں۔ (نعرۂ تحسین) مسلمانوں نے ایک قومی علم کھڑا کیا ہے اور ایک پلیٹ فارم قائم کیا ہے۔ جن دو چیزوں سے ان کے کامل اتحاد کا اظہار ہوتا اور ثبوت ملتا ہے، انھوں نے اپنی منزلِ مقصود کی تعیین کر دی ہے۔ حالاں کہ اس سے پہلے وہ اندھیرے میں اسی چیز کو ڈھونڈتے تھے اور نہ پاتے تھے۔ یہ منزل مقصود کیا ہے؟ پاکستان۔ (نعرۂ تحسین) اس ضمن میں جو کچھ مسلمانانِ جنوبی ہند نے کیا، میں اسے قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اس صوبے کے مسلمانوں کو بہت سی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ میں اس دوران میں مسلمانانِ مدراس کی کوششوں کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہا ہوں کہ کس طرح صوبے کے جملہ اضلاع میں کارکنانِ لیگ نے مجالس لیگ کو منظم کیا اور اس کی عمارت کی بنیاد سے بلندی کی طرف تعمیر کرتے گئے نہ کہ چوٹی سے نیچے کی جانب۔ صرف ایک سال کا عرصہ ہوا کہ یہ ترقی بنیاد سے چوٹی تک مکمل ہوئی اور صوبے کے عرض و طول میں مسلمانوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہو گئی۔ دیانتداری کے ساتھ میرا یہ یقین ہے کہ صوبہ مدراس کے اندر سات فیصدی مسلمانوں نے لیگ کے جھنڈے کے سایہ میں اپنی تنظیم ایسی خوبی اور تکمیل کے ساتھ کی ہے کہ دوسرے صوبوں میں اس کی مثال نظر نہیں آتی۔ یہ گویا ایک پنج سالہ لائحہ عمل کا نتیجہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آئندہ کیا کیا جائے؟

ہم نے نہ صرف سارے ملک میں لیگ کا وقار بڑھا دیا ہے بلکہ اسے دنیا بھر میں پہنچایا ہے۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں، ساری دنیا اسے غور سے دیکھتی ہے۔

ہم اپنے اس عظیم الشان وطن میں دوسری اقوام کی نسبت اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے لحاظ سے قطعاً پس ماندہ رہے ہیں۔ صرف دو صنعتیں ایسی ہیں کہ ان میں مسلمانوں نے اپنے لیے کوئی جگہ بنائی ہے۔ یعنی کھالوں اور چمڑے کا کاروبار یا بیڑی بنانا...... کیا آپ صرف بیڑی والا اور چمڑے والا ہی رہنا چاہتے ہیں؟ یا اپنے ملک کی صنعتی اور تجارتی نشوونما میں دادِ عمل دینا پسند کرتے ہیں؟

ہندو ہندوستان کے مدبرین کو بیوقوف بنایا گیا ہے۔ برطانوی حکومت کی ملکی تدابیر اور حاکمانہ حکمتِ عملی سے ہندو لیڈر دھوکا کھا گئے ہیں اور ان لوگوں نے دیکھا کہ ان کے سامنے متحدہ ہند کے لیے ایک آئین اور جمہوریت کا طریق کار لٹک رہا ہے اور جب موقعہ آئے گا ہمیں یہ دونوں چیزیں ضرور مل جائیں گی۔ مگر برطانوی مدبرین خوب جانتے ہیں کہ اس ملک کے اندر اس نام نہاد جمہوریت اور پارلیمانی طریق حکومت کی حیثیت ایک مضحکہ انگیز چیز ہے اور بس۔ ان امور کو اس بات سے کوئی واسطہ نہیں (جیسا کہ بعض غلطی سے کہتے ہیں) کہ مسلمانوں کو ایسی حکومت پر اعتراض ہے جس کی بنیاد نوعِ انسان کی ایک برادری پر رکھی گئی ہے، ان لوگوں کو یہ علم ہی نہیں کہ جب وہ جمہوریت یا اسلام کے متعلق باتیں کرتے ہیں تو کہتے کیا ہیں (وہ اپنے موضوع گفتگو کی نسبت امورِ واقعہ سے بالکل ناآشنا ہیں)۔

پہلے یہ دیکھیں کہ جمہوریت کے معنی ہیں اکثریت کی حکومت۔ اگر کسی ملک میں ایک ہی قوم بستی ہو اور ساری سماج کا نظام ایک ہی طرز پر ہو تو اکثریت کی حکومت کی کامیابی کا امکان سمجھ میں آسکتا ہے۔ حالاں کہ ایک قوم کی صورت میں بھی ہمیں تو یہ طرز ہمیشہ ناکام ہی نظر آیا۔ اس طرح وہ حکومت جو لوگوں کے نمائندوں کے ذریعے سے کی جاتی ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ ایک ہی یک رنگ اور ہم آہنگ قوم پر مشتمل ہوں، سمجھ میں آسکتی ہے۔ لیکن اگر اس کے متعلق درست نتائج پر پہنچنے کے لیے ذہن کو ذرا کام میں لایا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ اس صورت میں ایسا نظامِ حکومت نہ چل سکتا ہے نہ کامیاب ہوسکتا ہے۔ جب کہ ایک ہی ملک میں دو قومیں آباد ہوں۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہمارے ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی دو مختلف سماجیں ہیں اور ایسی مختلف کہ ان کے اختلاف کو کامل اختلاف کہنا چاہیے۔

مدراس کے صوبے میں ان دو اقوام کے ہمراہ ایک تیسری قوم دراوڑوں کی ہے۔ بلکہ یہ منطقہ ارض حقیقت میں ان ہی کی ملکیت ہے۔ ذرا تخیل کو کام میں لایئے اور حیرت سے دیکھیے کہ کس طرح بلند ذات برہمنوں نے جو ساری آبادی کے صرف تین فیصدی ہیں مگر جن کو انتخاب کے ڈھنگ میں کمال حاصل ہے اور سیاسی جوڑ توڑ میں فن کار ہیں۔ اکثریت حاصل کرلی۔ اب آپ بتایئے کہ یہ جمہوریت ہے

یا جمہوریت کی ایک مضحکہ انگیز نقل۔ چناں چہ میں غیر برہمنوں کو اپنی کامل ہمدردی کے ساتھ امداد دینے کے لیے تیار ہوں اور ان کو مخاطب کر کے کہتا ہوں:

''آپ کے لیے صرف ایک راستہ ہے اور وہ یہی ہے کہ آپ اپنی ملکیت پر جسے آپ کھو چکے ہیں از سرِ نو قابض ہو جائیں اور اپنی زندگی اپنے ہی ذہنی اور اخلاقی تحصیلات اور تاریخ کے مطابق بسر کریں۔ اپنی ہی زبان استعمال کریں اور اپنے مقررہ نصب العین کی طرف قدم بڑھائیں۔ میں آپ کے ساتھ پوری ہمدردی رکھتا ہوں اور دراوڑستان بنانے میں آپ کی ہر ممکن امداد کرنے کے لیے حاضر ہوں اور سات فیصدی مسلمان بھی آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے اور آپ کے حق میں امانت و دیانت اور مساوات و انصاف کام میں لائیں گے۔''

میرا ہمیشہ یہ یقین رہا ہے اور میرا خیال ہے کہ میں راستی پر ہوں کہ کوئی حکومت کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی، تاوقتیکہ وہ اقلیتوں کے دلوں میں احساس سلامتی و اعتبار پیدا کرے۔ اگر حکومت کی حکمتِ عملی اور پروگرام اقلیتوں کے حق میں نامنصفی، بددیانتی اور ظلم پر مبنی ہوگا تو بھی کامیابی نہ ہوگی۔ اس کا فیصلہ کن امتحان یہ ہے کہ نمائندگانِ عامہ کی حکومت کے ماتحت اقلیتوں کو اس امر کا احساس ہو کہ ان سے ہمیشہ دیانتداری اور انصاف کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔

ان سب باتوں میں ہم مسلمان دنیا کی کسی مہذب حکومت سے پیچھے نہ ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ جب وقت آئے گا تو ہمارے وطن کے منطقوں میں آباد اقلیتیں دیکھیں گی کہ ہمارے مسلمان حاکم نہ صرف منصف ہیں بلکہ فیاض بھی اور کیوں نہ ہوں اسلام کی روایات ہی ایسی ہیں۔ اسلام یہی سکھاتا ہے اور اس نے اپنے پیرووں کو ایسی ہی وراثت دی ہے۔ (نعرۂ تحسین) ہم مول تول میں جھگڑا کرنا نہیں جانتے۔ ہم سودابازی سے ناآشنا ہیں۔ ہم کامیابی کے لیے ایسی باتوں کے معتقد نہیں۔ ہماری کامیابی کا انحصار ہے عملیت پر، تدبر اور عملی سیاسیات پر......

لیگ کی حکمت عملی سنیے۔ ہم مسلمانوں کا مدعا یہ ہے اور اس کے لیے ہم پوری کوشش کریں گے کہ ہندوستان کی مختلف اقوام میں ہم آہنگی پیدا ہو اور وہ ایک دوسری کے حق میں زیادہ سے زیادہ نیک نیتی سے کام لیں۔ ہم اپنی کوشش کی بنیاد مساوات اور امانت و دیانت پر رکھیں گے اور دیکھیں گے کہ جانبین اپنی اپنی جگہ لین دین کے پکے ہیں اور انھیں معاوضہ و مبادلہ کا پورا احساس ہے۔ اس کا بہترین وسیلہ یہ ہے کہ فرقے اور پارٹیاں اور ریاستیں آپس میں معاہدے کریں اور کہیں کہ ہمیں ایک دوسرے کے حقوق

اور فرائض دونوں چیزوں کا احساس ہے اور ہم ان کا احترام کریں گے۔ اگر کوئی فرقہ یا فریق یہ تمنا رکھے کہ دوسروں پر فوقیت حاصل ہو تو اس کی غلطی ہے اسے لازم ہے جلد سے جلد اسے دل سے نکال دے بشرطیکہ ہندوستان کے مسئلوں کا حل درکار ہو۔

ایک اور اہم سوال ''سیاسی تعطل'' ہے۔ آیئے اس کا امتحان کریں اور دیکھیں کہ ذمہ دار کون ہے۔ ہمارے ملک میں ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ لوگ صاف گوئی کی ہمت نہیں رکھتے۔ وہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم منصف مزاج ہیں، مگر جس فریق کی نسبت ان کا اپنا یقین ہے کہ وہ غلطی میں ہے۔ اسے بھی ملزم نہیں ٹھہراتے نہ یہ حقیقت زبان پر لاتے ہیں۔ اگر ایک پارٹی کسی دوسری پارٹی کو مطعون کرے تو یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ لیکن اس کی بھی ایک حد ہونی چاہیے۔ آپ سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اعلانِ جنگ کے ساتھ ہی ہم لوگ متخاصمین میں سے ایک بنا دیے گئے۔ یہ بات الگ ہے کہ ہم لڑنا پسند کرتے تھے یا نہیں۔ اس کے بعد واقعاتِ جنگ نے ہمیں کامل طور پر آگاہ کر دیا کہ جنگی لحاظ سے ہمارے ملک کی فوری ضرورتیں کیا ہیں۔ ہمیں ملک کی حفاظت کے لیے کون سے احکامات درکار ہیں اور اپنے گھروں کی سلامتی کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ان امور کو پوری پوری توجہ دینے لگے۔ آغاز جنگ میں ہی ہم مسلمانوں نے اپنے منشا اور مدعا کا اظہار کر دیا۔ صرف میں نے ہی نہ کہا، بلکہ لیگ کی مجلس عاملہ اور کونسل اور آل انڈیا مسلم لیگ کے مکمل اجلاس میں یہ بات دہرائی گئی۔

جنگ کے بعد دوسری بری خبروں کے ساتھ وائسرائے نے یہ خوشخبری سنائی کہ ملک معظم کی حکومت نے آل انڈیا فیڈریشن یا کل ہند مرکزی اجتماعی حکومت کا قیام (بروئے قانون 1935ء) معطل کر دیا ہے۔ (نعرۂ مسرت) ہم جانتے ہیں کہ ہمارے برطانوی دوستوں کو علم سیاست اور پھر شطرنجِ تدبر میں کتنی مہارت اور لیاقت حاصل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ محض معطل کرنا کافی نہیں۔ ایسی حکومت کا قیام کسی نہ کسی وقت برابر عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ پس ہم نے پہلا اور سب سے بڑا مطالبہ یہ کیا کہ مرکزی اجتماعی حکومت نہ صرف معطل کی جائے بلکہ اس کا ارادہ ہی ترک کیا جائے۔ اس پر طویل خط و کتابت ہوئی۔ ملاقاتیں کی گئیں اور انجام کار حکومت نے اعلان کیا کہ ہندوستان کے آئینی مستقبل کے مسئلہ پر اور ساتھ ہی اس کے حامل قانون حکومت ہند 1935ء سے آخر تک از سر نو غور کیا جائے گا۔ اس سے ہمیشہ بلاشبہ کچھ تسکین ہوئی۔ کیوں کہ اس قانون کے جس حصے پر مسلمان شروع سے ہی اعتراض کرتے تھے، یہی تھا اس کے بعد ہم نے حکومت کے سامنے کون سا معاملہ رکھا۔ ہم ایک اور چیز سے خائف تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس وقت ہماری انتہائی کوششوں کے باوجود لیگ کو تنظیم کے لحاظ سے وہ قوت حاصل نہ تھی جیسی کہ کانگریس کو۔ میں آپ کو آگاہ کرتا ہوں کہ کانگریس کی ہستی نہ اس سے بڑھ کر ہے نہ کم کہ اسے ہندوؤں کی

ایک ٹھوس اور طاقت ور جماعت کی امداد حاصل ہے۔ اس کی دیگر تازہ شاخیں، اس کے بچے مثلاً ہندو مہا سبھا، آل انڈیا ہندو لیگ، لبرل فیڈریشن اور چھوٹی چھوٹی جماعتیں حقیقت میں ایک ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ کانگریس کی تائید وتصدیق میں بالکل یک زبان اور ہم خیال ہیں اور کانگریس کے ہر کام کو پسند کرتی ہیں۔ مگر ہندوستان کے طول وعرض میں اگر کوئی ایک جماعت اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی نمائندگی کرتی ہے تو وہ کانگریس ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ منظم جماعت مدت سے اس بات کی منتظر تھی کہ یہ جنگ حادث ہو۔ یہاں تک کہ آغاز جنگ سے ایک سال پہلے جب قیاس غالب تھا کہ جنگ چھڑنے کو ہے تو کانگریس کی مجلس عاملہ کئی دن تک متواتر دہلی میں بڑی ہوشیاری اور چوکسی کے ساتھ اس کی منتظر رہی۔ ان ایام میں کانگریسیوں نے صاف صاف کہا کہ یہ ہے وہ موقعہ جو عمر بھر میں ایک ہی بار آسکتا ہے اور جب کہ ہم برطانوی حکومت کو اس امر پر مجبور کر سکتے ہیں اور اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ ہماری راہ پر آجائیں اور ہم جو چاہیں ان سے چھین سکتے ہیں۔

ہم مسلمان جانتے تھے کہ یہ طاقت ور جماعت ایک مدت سے تاک لگائے بیٹھی ہے اور موقعہ کی منتظر ہے۔ پس ہم نے حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا کہ وہ آئین ہند کے متعلق صورت حال کی توضیح وتشریح کر دیں۔ نیز یہ کہ نہ صرف دورانِ جنگ میں عارضی طور پر بلکہ خاتمۂ جنگ پر آخری اور حتمی طور پر ایسا کوئی آئینی فیصلہ نہ کیا جائے جس کے متعلق پہلے سے اسلامیان ہند کی رضا ورغبت اور قبولیت حاصل نہ کی جائے۔ اب طویل خط وکتابت اور بہت سی ملاقاتوں کے بعد ہمارے سامنے وائسرائے کا اعلان مورخہ 8 اگست اور اس کے متعلق مسٹر ایمری کا مفصل اور مشرح بیان آیا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ اس میں نو کروڑ مسلمانانِ ہند کے ساتھ محض صرف انصاف کیا گیا ہے، جس میں رعایت کا نام ونشان تک نہیں۔

اگر ہندوؤں اور کانگریس والوں کو انصاف اور دیانتداری کا احساس ہے تو کیا وہ اس امر کا جواز ثابت کر سکتے ہیں کہ کانگریس اور برطانوی حکومت باہمی تعاون کے ساتھ اور اپنی پسند کے مطابق ہندوستان کے لیے ایک آئین وضع کریں اور اسے مسلمانوں پر بھی عائد کر دیں؟

اس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی رضامندی حاصل کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ انھیں حق استرداد دیا جا رہا ہے۔ یعنی یہ اختیار کہ اگر مسلمان چاہیں تو ہر اُس آئین کو جسے کانگریس اور حکومت برطانیہ مل کر مرتب کریں، قبول نہ کریں اور اس طرح ناقابلِ عمل بنا دیں۔ گویا مسلمانوں کو حق استرداد اور مسٹر جناح کو سند مخالفت عطا کی جارہی ہے۔ میں اسے ایک لمحہ کے لیے بھی حق استرداد (ویٹو) یا سند مخالفت ماننے کو تیار نہیں۔ پھر اس کے ساتھ ہی خود اس دوسری تجویز کو بھی تو دیکھیں جو کانگریس پیش کر رہی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستان کے لیے ایک آئین بنایا جائے۔ مگر ایک مشمولہ عنصر یعنی اہلِ

اسلام کی رضامندی کے بغیر۔ (1)

میں اس امر کی تکرار کروں گا کہ ہم مسلمان جو کچھ مانگتے ہیں، محض اور فقط منصفانہ ہے۔ اس میں رعایت کو دخل نہیں۔ ہم صرف یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہماری ہستی بطور ایک مشمولہ عنصر تسلیم کی جائے اور مان لیا جائے کہ یہ نو کروڑ بجائے خود کچھ حقیقت رکھتے ہیں، ہمیں نظرانداز نہ کیا جائے۔ چناں چہ برطانوی حکومت نے بجا طور پر کہا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو باہم رضامند ہونا چاہیے۔ کانگریس ذرا یہ تو بتائے کہ برطانوی حکومت اگر صرف مسلم لیگ کے مشورے سے ایک آئین مرتب کرے تو وہ اس سے بیزار ہو گی یا پسند کرے گی؟

پچھلے سال ماہ جون میں کانگریس نے اجلاس بمبئی کی ایک قرارداد کے ذریعے جنگ کے متعلق اپنے رجحان طبع اور نقطۂ نگاہ سے حکومت کو آگاہ کیا تھا اور کہا تھا کہ حکومت ان کے مطابق عمل پیرا ہو۔ حالاں کہ ان سے کوئی رائے طلب نہیں کی گئی تھی۔ اس ضمن میں کانگریس نے یا کم سے کم بعض کانگریسیوں نے کہا کہ مسلمان شہنشاہیت پسند ہیں اور مسٹر جناح جو پہلے قومیت پسند تھا، اب محض ایک فرقہ وار بن گیا ہے۔ کیوں کہ وہ مسلمانوں کا رہنما بننا چاہتا ہے۔ (اسے لیڈری کی ہوس ہے) مگر حقیقت یہ ہے کہ میں جب کبھی پبلک کے سامنے نئے خیالات اور آرا کا اظہار کرتا ہوں تو بہت سے ہندو اخبارات ان کے متعلق اس قسم کے عنوانات اختراع کرتے ہیں یعنی ''مسٹر جناح کی یاوہ گوئیاں اور گالیاں، مسلم لیگ کا بے جا غیظ و غضب'' وغیرہ۔ میں حیران ہوں کہ میں ایسے لوگوں سے کیوں کر نپٹوں جن کی ذہنیت بیمار ہو گئی ہے۔

اب مجھے آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کی قرارداد (جون 1940ء) کے متعلق جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا، یہ کہنا ہے کہ اس میں ہم نے حکومت برطانیہ سے سفارش کی کہ وہ ہندوستان پر حملہ آوروں کے دفاع کے لیے استحکامات کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں اور اس قرارداد سے مجھے یہ اختیار دیا گیا کہ میں جناب وائسرائے کے ساتھ خط و کتابت اور ضرورت ہو تو ملاقات کروں، تاکہ جنگی کوششوں کو فی الفور زیادہ قوی بنانے کے وسائل سوچے جائیں اور ان کے متعلق تمام کوائف متعلقہ پر غور کیا جائے۔ اس قرارداد کے ہمراہ ہم نے ایک یادداشت بھی جولائی 1940ء میں جناب وائسرائے کی خدمت میں پیش کی اور مطالبہ کیا کہ حکومت برطانیہ کوئی ایسا اعلان یا بیان شائع نہ کرے جس میں قرارداد پاکستان کے بنیادی اور لازمی اصولوں کو ضعف پہنچتا ہو۔ نیز یہ کہ حکومت صاف صاف الفاظ میں مسلمانوں کو پختہ یقین دلائے کہ دورانِ جنگ میں عارضی طور پر یا خاتمہ جنگ کے بعد مستقل طور پر کوئی آئین مسلمانوں کی منظوری اور رضامندی کے بغیر مرتب نہ کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ہم نے اپنی یادداشت میں حسب ذیل

سفارشات بھی کیں۔ چوں کہ موجودہ جنگ کے سبب ہندوستان سخت خطرے میں ہے اس لیے بیرونی حملہ آوروں سے بچاؤ کے لیے اور اندرون ملک میں سلامتی اور امن قائم رکھنے کے لیے جنگی کوششیں زیادہ سخت سے کی جائیں۔ وائسرائے کی مجلس منتظمہ کے اراکین کی تعداد موجودہ آئین کے اندر رہ کر ہی بڑھائی جائے۔ زائد اراکین مزید مشاورت کے بعد مقرر کیے جائیں۔ ان میں مسلمان نمائندگان اتنے ہی ہوں جتنے کانگریس کے جس جس صوبے میں کانگریسی حکومتوں کے مستعفی ہو جانے کے سبب حکومت کا کام گورنروں کے ہاتھ میں ہے اور بروئے دفعہ 13۔ قانون حکومت ہند 1935ء وزیروں کی جگہ مشیر برسر کار ہیں۔ وہاں صرف غیر سرکاری مشیر مقرر کیے جائیں اور ایک جنگی کونسل کی تشکیل عمل میں آئے، جس کا مقصد والیانِ ہند کو نمائندگی دینا ہو۔ اب اس یادداشت کے متعلق ایک اہم ترین بات پر غور کیجیے۔ اگرچہ قرارداد پاکستان مارچ 1940ء میں منظور کی گئی اور یادداشت ہذا تین چار ماہ بعد جولائی میں، مگر میں نے اس میں یہ مطالبہ نہیں کیا کہ ''ہم آج اور ابھی پاکستان قائم کرنا چاہتے ہیں۔'' یہ کیوں؟ میں اس سوال کا جواب دینے سے پیشتر چند امور پر روشنی ڈالتا ہوں۔

یادداشت میں پاکستان کا ذکر نہ پا کر لوگوں نے انواع و اقسام کے پیغام لیگ کو بھیجے اور اخباروں میں مضمون لکھے۔ کسی نے کہا کہ پاکستان کی تشکیل و ترتیب ملتوی کی گئی ہے۔ بعض نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ پاکستان کے قیام کا ارادہ ہی فسخ کر دیا گیا ہے، مگر یہ خیالات ان لوگوں کی خواہش کا نتیجہ تھے۔ جن کے پاؤں سیاسی دلدل میں دور تک غرق تھے۔ یہ وہ مسلمان تھے جو پاکستان کی کھلی مخالفت کرنے کا حوصلہ نہ رکھتے تھے۔ مگر کچھ ایسی تدابیر ملکی میں عملاً مصروف تھے۔ جس سے پاکستان کی نفی کرنے کا پہلو موجود تھا اور ہمارے دشمنوں کے ہاتھوں میں ہمارا یہ اجتماعِ ضدین ایک آلۂ کار بن رہا تھا۔ ان لوگوں میں بعض ایسے بھی تھے کہ ان کو پاکستان کا موید بننا تو منظور تھا، مگر دیانتداری اور صفائی کے ساتھ یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم غلطی کر چکے ہیں اور اب اس کی تلافی کرنے کو تیار ہیں۔ یادداشت مذکور کے پیش کرنے کے وقت ہم مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لیے ہمارے خلاف ایک فتنہ انگیز پروپیگنڈا جاری تھا اور یہ پرفتور کوشش ہندوستانی اخبارات اور پبلک تک محدود نہ تھی، بلکہ برطانوی اخبارات کو بھی گمراہ کیا گیا۔ چناں چہ ٹائمز جیسے موقر اور ہوش مند اخبار نے یکم اپریل کو ایک مقالہ لکھ ڈالا جس سے اس کے بیوقوف بنائے جانے کی حقیقت عیاں تھی۔ مگر کیوں نہ ہو، مغربی روایات کے مطابق یہ دن تو یوم حماقت ہی تھا۔ (قہقہہ) اب ٹائمز کے الفاظ سنیے۔ اس نے لکھا:

''اگرچہ تجاویز پاکستان کو بہت سے حلقوں میں بڑی مخالفت سے دوچار ہونا پڑا ہے،

مگر عام طور پر اخبارات کی رائے سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ تجاویز اس امر کے لیے موقعہ مہیا کرتی ہیں کہ سیاسی صورت حالات کا از سرنو امتحان کیا جائے۔ مرکزی اسمبلی میں مسٹر جناح کے تازہ بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ وائسرائے کی توسیع یافتہ مجلس منتظمہ میں مسلم لیگ حکومت کے ساتھ تعاون کرے گی۔ بشرطیکہ ہماری تجاویز متعلقہ تقسیم ہند و تشکیل پاکستان پر جنگ کے بعد غور کیا جائے۔"

ٹائمز نے یہ بھی کہا کہ اس طرح ہندوستان کی دو بڑی پارٹیوں میں ایک عارضی سمجھوتا ہو جائے گا۔ مگر دراصل ٹائمز نے میرا آئندہ عندیہ معلوم کرنے کے لیے یہ سطور لکھیں۔ میں اس کے جواب میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ صحافت برطانیہ کے فاضل ترین رہنما نے ایسی ناشکرگزاری کی داد دی، جسے کسی غدار کے اسلحہ سے بھی شدید تر کہنا چاہیے۔ (نعرے)

اب مجھے اس سوال کا جواب دینا ہے کہ ہم نے یادداشت میں پاکستان کے فوری قیام کا مطالبہ کیوں نہیں کیا؟ سنیے ہماری خاموشی کی واحد وجہ یہ تھی کہ ہم ایک ایسے وقت میں برطانوی حکومت کو پریشان کرنا اور تکلیف دینا نہ چاہتے تھے، جب کہ انگریز حیات و ممات کی کشمکش میں مبتلا تھے اور بقائے ہستی کی جدوجہد میں مشغول۔ (نعرۂ تحسین) ہاں ہم نے اس ایک اور اکیلے سبب سے یہ کہا تھا کہ جونہی حالات اجازت دیں یا جنگ کے بعد جہاں تک جلد ممکن ہو، ہندوستان کے آئینی مسئلے پر از سرنو اور اول سے آخر تک غور کیا جائے۔ (نعرۂ تحسین) ہمیں اس کا جواب کیا ملا۔ حکومت برطانیہ کے اربابِ اختیار بجائے اس کے ہمارے قابلِ قدر رجحان پر اظہار شکرگزاری کرتے۔ اس کے اخبارات ہندوؤں اور کانگریس کے پروپیگنڈہ کا ساتھ دینے لگے اور اس کے دھوکے میں آ گئے۔ (شرم، شرم!) مجھے معلوم نہیں کہ اس معاملہ میں لارڈ لنلتھ گو ذمہ دار تھے یا وزیر ہند مسٹر ایمری یا کابینۂ حکومت برطانیہ، مگر میں بہرحال اس پلیٹ فارم سے یہ بات پورے اصرار کے ساتھ کہتا ہوں کہ یورپ سے بھی کہیں بڑھ کر ہندوستان میں حکومت برطانیہ کی حکمت عملی باعث بربادی ثابت ہوئی۔ کیوں کہ اس کے امتیاز ہیں: بے عملی، کمزوری اور دودلی۔ (2) (سنیے، سنیے!) کیا مختارانِ برطانیہ کو نظر نہیں آتا کہ واقعات بڑی تیزی سے حرکت کر رہے ہیں اور ملکوں کے نقشے تبدیل ہو رہے ہیں؟ دیکھیے جواب میں کیا ہو رہا ہے؟ محوری (3) حکومتیں کیا کر رہی ہیں؟ عمل، عمل اور بس عمل آپ کو نظر آئے گا اور یہاں ہندوستان میں برطانوی حکومت کیا رہی ہے؟ روٹھوں کو مناتی ہے۔ مخالفین کو تسکین دلاتی ہے، ایک فیصلے پر قائم نہیں ہے، کمزور ہے، بے عمل ہے۔

ہندوستان کے موجودہ آئینی اور قومی مسئلہ کے پیش نظر یوگوسلاویہ کے واقعات کی مثال پر غور کرنا مناسب ہے۔ جرمنی کی خبر رساں ایجنسی کا بیان ہے کہ ذگریب کی تسخیر کے بعد جرمنوں نے یوگوسلاویہ کے صوبہ کروشیا کو ایک ''آزاد ریاست'' قرار دینے کا اعلان کیا اور ایک کروٹ جنرل نے تمام ملکی عہدہ داروں اور فوج کے افسران بالا و ماتحت کو حکم دیا کہ وہ نئی ریاست کے حق میں وفاداری کا اقرار حلفی کریں۔ مگر ہمیں فراموش نہ کرنا چاہیے کہ کروشیا میں کروٹوں کے علاوہ اقوام سلوون و سرب کے لوگ بھی آباد ہیں۔ ہندوستان میں قومی صورت حالات بہت کچھ ایسی ہی ہے یعنی دراوڑی لوگ اور دراوڑستان۔ مسلمان اور پاکستان۔ نیز ہندو اور ہندوستان۔ ہمارا ملک ایک عظیم الشان براعظم تحتی ہے اور اس کے متعلق اس وقت کا عظیم ترین مسئلہ یہ ہے۔

''کیا ہم منتظر رہیں کہ کوئی غیر یہاں آئے اور ہمارے کرنے کا کام وہ کرلے یا ہم اپنے مسئلے کا حل خود اپنے ہاتھوں کریں۔'' (4)

(سنیے، سنیے! اور دیر تک نعرہ ہائے تائید)

اب یہ دیکھنا ہے کہ کانگریس کیا چاہتی ہے؟ اس کے متعلق کسی کے دل میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ میں ہر اس شخص سے جو ذرہ برابر بھی دانائی رکھتا ہے۔ پوچھتا ہوں کہ کیا لشکر کانگریس کے سردار اعظم مسٹر گاندھی نے ستیہ گرہ کی مہم صرف اس لیے شروع کی ہے کہ ہمیں تقریر کی آزادی حاصل ہو۔ (5) (نہیں نہیں کی آوازیں) کیا آپ میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ ان کا مدعا برطانوی حکومت کو مجبور کرنا ہے کہ وہ طوعاً و کرہاً کانگریس کے مطالبات پورے کرے۔ کیوں کہ اس وقت وہ ایک سخت مصیبت میں گرفتار رہے؟ (ٹھیک ٹھیک کی آوازیں)

کانگریس کے مطالبات کیا ہیں؟ یہی کہ حکومت برطانیہ غیر مشروط طور پر ہندوستان کی آزادی کا اعلان کرے اور ہندوستان کو اس امر کا اختیار حاصل ہو کہ وہ اپنے ہاں کی اقلیتوں کی تسلی و تشفی کے مطابق اپنا آئین خود مرتب کریں۔ (طنزیہ قہقہہ) اور تشکیل آئین کے وقت تمام بالغوں کو حق رائے دہندگی عطا کر کے ایک دستوری مجلس مرتب کریں۔ پھر یہ مجلس اپنے اراکین کی کثرتِ رائے (6) سے قانون آئین سازی کی دفعہ منظور کرے۔ یہ معاملہ کس طرح طے پائے گا؟ اس کا جواب خود خدا ہی دے تو دے۔ میں ناداں بیچارا کچھ نہیں کہہ سکتا۔

یہ ہے کانگریس کا مطالبہ، مگر یہ لقمہ چاہے کتنا ہی پانی پیو حلق سے نہیں اترتا۔ چناں چہ حکومت برطانیہ کو مسلمانوں کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے اسے شدید ترین تکلیف سے بچالیا۔ مسلمان دیکھتے

تھے کہ اگر یہ مان لیا گیا تو ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ پس قدرتاً مسلم لیگ نے اس کی انتہائی مخالفت کی اور ان کی تائید ان ہی جیسی دوسری اقلیتوں یعنی پس ماندہ جماعتوں اور عیسائیوں وغیرہ نے کی اور مسٹر گاندھی اور کانگریس نے اپنی توقع کے خلاف حیرت و استعجاب کے ساتھ دیکھا کہ ان کے مطالبہ کی شدید ترین اور زوردار مخالفت ہو رہی ہے اور ہو گی۔ اس پر کانگریس نے فیصلہ کیا کہ اگر ہمیں سامنے کی سمت سے حملہ کرنے سے یہ چیز نہیں ملتی تو ہم پہلو کی طرف سے حملہ کریں گے اور جو کچھ چاہتے ہیں کسی نہ کسی ترکیب سے ضرور لے کر رہیں گے۔

کانگریس نے پہلو کی طرف سے کیوں کر حملہ کیا؟ میں اس کا جواب عرض کرتا ہوں۔ پہلے ایک قرارداد منظور کی گئی۔ اس پر طویل مباحثات ہوئے۔ خود کانگریس یہی چاہتی تھی کہ حتمی فیصلہ ملتوی ہوتا جائے۔ ابھی اس قرارداد کے معنی لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے تھے کہ ایک ایک اور قرارداد منظور ہوئی اور کانگریس نے لگاتار قراردادیں منظور کرنے کے لیے جگہ جگہ اور بار بار اجلاس منعقد کیے۔ دہلی سے واردھا۔ واردھا سے دہلی اور پھر دہلی سے پونہ وغیرہ آنے جانے کا تانتا بندھا رہا۔ مگر کانگریس نے اس دوران میں دیکھا تو یہی دیکھا کہ مسلم لیگ ہی وہ طاقت ہے جو ان سب قراردادوں کی مخالفت کر رہی ہے اور ان کے شیطانی مکر و فریب کا مقابلہ کر رہی ہے۔ یہاں تک کہ ان کی کوئی بات بننے نہیں دیتی۔ پس ہر ایک قرارداد کی عمل پیرائی رکی رہتی ہے۔ انجام کار کانگریس نے پونا میں پہلو کی جانب سے حملہ کیا۔ یہ ان کی تدبیریں ایک تبدیلی تھی مگر محض برائے نام۔ ایک پہلو کی طرف سے حملہ کرنے کی تجویز یعنی قرارداد پونا، کانگریس کے سپہ سالار اعظم مسٹر گاندھی کی قیادت میں مرتب کی گئی۔ یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ اس میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ (سنیے، سنیے) کانگریس نے اس کے ذریعے سے اپنے قائد کو کشتی سے نکال کر سمندر میں پھینک دیا۔ (7) اور یہ پیشکش کی کہ اگر حکومت برطانیہ ہندوستان کے لیے غیر مشروط آزادی کا اعلان فی الفور کر دے اور آئین ہند کی ترتیب و تشکیل جنگ کے خاتمے کے بعد تک ملتوی کرے مگر دورانِ جنگ میں عارضی مرکزی حکومت قوی ہو، یعنی مجلسِ قانون ساز کے سامنے جواب دہ رکھی جائے تو ہم جنگی کوششوں میں کامل حصہ لینے کے لیے تیار ہیں۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ بقول مسٹر کرپلانی سیکریٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی۔ کانگریس نے اپنے لیڈر کو فروخت کر دیا (قہقہہ) اور اسے اور اپنے دین اہنسا کو شہر پونا میں دفن کیا۔ اس طرح جنگ اور دفاع ہند میں برطانیہ کو امداد دینے کا اقرار کر کے کانگریس نے اس چیز کو جو پہلے ان پر ''حرام'' تھی۔ پونا میں ''حلال'' ٹھہرائی۔ (قہقہہ) مگر اس نے دیکھا کہ اس پیشکش کو بھی نہ کوئی قبول کرتا ہے نہ اس سے دھوکا کھاتا ہے۔ اگر کسی کو دھوکا ہوتا ہے تو خود کانگریس کو اب کیا کیا جائے؟ ابھی کانگریس سوچ ہی رہی تھی کہ یکایک آپ کے صوبہ مدراس کے فاضل اور دانش مند مدبر مسٹر راج

گوپال آچاریہ سیاسی فن جنگ کی ایک ترکیب لے کر میدان میں آئے اور کہا کہ:

''ہم اپنی مجوزہ عارضی قومی اور ذمّہ دار مرکزی حکومت کے لیے مسٹر جناح کو وزیر اعظم قبول کرنے کے لیے تیار ہیں، بلکہ ان کو یہ اختیار بھی دینے کے لیے حاضر ہیں کہ وہ جس طرح بھی چاہیں اپنی کابینہ (وائسرائے کی مجلس منتظمہ) مرتب کریں۔''(8)

اس پیشکش کا مدعا یہ تھا کہ مسلم لیگ دھوکا کھا جائے، کیوں کہ کانگریس کی چالوں کی کامیابی میں لیگ ہی رخنہ انداز تھی۔ مگر لیگ تو لیگ کسی مسلمان بچے نے بھی دھوکا نہ کھایا۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ ان لوگوں کے دماغ کو کیا ہو گیا۔ (قہقہہ) اس میں اس قسم کے حیلوں اور ترکیبوں سے ان کو آج تک اکثر کامیابی ہوتی رہی ہے مگر اب انھیں اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ اس طرح ہمیشہ دوسروں کو بیوقوف بنانا غیر ممکن ہے۔ کانگریس کو لازم ہے کہ اب اپنا مخصوص طریق کار ترک کر دے۔ یعنی اب وہ وقت نہیں رہا کہ کبھی آمریت کے زور سے اپنا کام نکالے۔ کبھی ترغیب وتحریص اور منت خوشامد سے لوگوں کو اپنی راہ پر لائے اور کبھی دوسروں کو احمق بنائے یا دھوکا دے۔ میں کانگریس کے مختارانِ کار اور دوسرے ہندوؤں و لیڈروں سے کہتا ہوں کہ مہربانی فرما کر ان طریقوں سے ہاتھ اٹھایئے۔

میں ان طریقوں کی ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ کس طرح بعض اوقات بڑے بڑے اور ذمّہ دار کانگریسی لیڈر فریب کاری سے مطلب براری کے لیے کوشاں ہوتے ہیں۔ بابو راجندر پرشاد نے 10 اپریل کو تجویز پاکستان کی نسبت کہا کہ:

''کانگریس کی مجلس عاملہ نے اس پر غور نہیں کیا۔ کیوں کہ مسٹر جناح نے ہمیں اس پر بحث کرنے کے لیے نہیں کہا۔''

میں پوچھتا ہوں، کیا آپ کو یقین ہے کہ کانگریس کی مجلس عاملہ نے اس پر بحث نہیں کی ہو گی؟ (نہیں، نہیں) ''یہ چھلاوا یہ سایہ''۔ تو مارچ 1940ء سے ان کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ (سنیے، سنیے، دیر تک نعرہ ہائے مسرت) کیا یہ ہے کانگریس کے سچ بولنے کا معیار؟

امر واقعہ یہ ہے کہ کانگریس کے ہر ایک لیڈر اور ان کے سردار مسٹر گاندھی نے پاکستان پر بحث کی ہے، بیانات شائع کیے ہیں، دفتروں کے دفتر لکھے ہیں اور خود بابو راجندر پرشاد نے ایک مختصر سا رسالہ شائع کیا ہے اور اس میں پاکستان پر اپنے خیالات اور آرا کا اظہار کیا ہے۔ ان حقائق کے پیشِ نظر ان کا یہ کہنا کہ مجلس عاملہ کانگریس نے اس پر بحث کی۔ کیوں کہ مسٹر جناح نے ہمیں بحث کی دعوت نہیں دی۔ کہاں

تک درست ہو سکتا ہے۔ میں بابو صاحب سے عرض کرتا ہوں کہ جناب کی مجلس عاملہ نے اس پر بحث نہیں کی تو اسے کہیے کہ اب کرے۔ (سنیے، سنیے) بشرطیکہ کانگریسی قیادت میں سیاسی دانائی اور تدبیر ملکی ابھی کچھ باقی ہے۔ (نعرہ ہائے مسرت)

پاکستان کے متعلق ہندو مہاسبھا کے رجحان کا ذکر بھی ضروری ہے۔ یہ جماعت قطعی طور پر لاعلاج اور ناقابلِ اصلاح اور نہ اس سے امید اصلاح رکھی جا سکتی ہے۔ جب کراچی میں سکھوں کی کانفرنس ہو رہی تھی تو مسٹر ساورکر نے ان کو ایک پیغام بھیجا اور ان امور کی تاکید کی کہ آپ ہندوستان کی بری، بحری اور حفاظتی افواج میں اپنا پورا پورا حصہ لینے کا مطالبہ کر کے پنجاب کے اندر جلد سے جلد ایک زبردست قوت بن جائیں اور یقین رکھیں کہ اگر یہ ہو گیا تو جب مسلمان پاکستان کے خواب سے بیدار ہوں گے تو وہ دیکھیں گے کہ پنجاب میں سکھستان قائم ہو چکا ہے۔ میں ہندوستان میں ہندوؤں کی مملکت کا قیام، ہندو قوم کی فوقیت اور ہندو راج دیکھنا چاہتا ہوں، مگر ساتھ ہی پنجاب میں سکھستان بنانے کے لیے سکھوں پر انحصار رکھتا ہوں۔

خواتین و حضرات! جب ہمارے خلاف بعض لیڈروں کا رجحان یہ ہو تو ہم مسلمان کس طرح اس مسئلہ کو بہترین طور پر حل کر سکتے ہیں۔ نہ صرف ہندو مہاسبھا اور اس کے مختاران کار اس امر کے متعلق غضبناک اور دیوانہ ہو رہے ہیں کہ ہم پاکستان مرتب نہ ہونے دیں گے۔ بلکہ ہندوؤں کے ایک بہت بڑے حصے اور کانگریس کا بھی یہی نصب العین ہے اور دلی تمنا یہاں تک کہ مسٹر نہرو جیسے اشتراکی کے اخبار(9) نے 30 مارچ کو یہ لکھا کہ:

> ''اس امر کے متعلق کسی قسم کی رفع داد باہمی یا سمجھوتا ممکن ہی نہیں کہ ملک تقسیم کیا جائے اور ہم ان دیوانوں کی خواہشات پوری کرنے کے لیے اس بات کے کبھی روادار نہ ہوں گے۔''

مگر آپ غور کریں کہ جب یہ لوگ تقسیم کا ذکر کرتے ہیں تو مسلمانوں کو مذہبی تعصب میں جنونی بتاتے ہیں۔ مگر جب ہندوؤں کی مملکت وغیرہ کا نام لیتے ہیں تو اپنے آپ کو آزاد خیال اور قومیت پسند ٹھہراتے ہیں۔ پنڈت نہرو کے اخبار نے اس ضمن میں اکھنڈ راج کے قیام کا نام بھی لیا اور لکھا کہ جمہوریت قائم ہونی چاہیے۔ اس سے مراد یہ تھی کہ اکثریت کا راج ہو۔

خواتین اور حضرات! میں نے ان جملہ امور کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے لیڈروں کے خیالات سے آگاہی حاصل ہو۔ جن میں کانگریس، ہندو مہاسبھا اور نوزائیدہ ہندو لیگ کے

رہنما بھی شامل ہیں۔ یہ سب کی سب جماعتیں دراصل ایک ہیں۔ قطعاً ایک۔ جس طرح کہ چھ عدد اور آدھی درجن کے مابین کوئی فرق نہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہندو قیادت کی اس روش سے ہندو عوام بھی دھوکا کھا رہے ہیں اور بیوقوف بنائے جا رہے ہیں۔ ایک وقت آئے گا کہ ہندو پبلک کو رنج ہوگا۔ وہ پچھتائے گی اور ہندو کہیں گے کہ:

> ''اب ہم بیچارے کیا کریں۔ اس وقت تو سیدھی راہ دکھانے میں کسی نے ہماری مدد نہ کی، ہم نے وہی کیا جو ہمارے لیڈروں نے کہا۔''

مگر میں آج ہندوؤں کو مخاطب کر کے خبر دار کرتا ہوں کہ اگر آپ اپنے موجودہ رہنماؤں کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں گے تو اس کے برے نتائج کے ذمّہ دار آپ خود ہوں گے۔

خواتین اور حضرات! اب چند باتیں بمبئی کانفرنس کی تجاویز اور سفارشات کی نسبت سنیے۔ ہندو مہاسبھا اعلان کر چکی ہے کہ ہمیں سپرو کانفرنس سے کوئی سروکار نہ تھا اور نہ ہے۔ چناں چہ خود سر تیج بہادر سپرو لکھتے ہیں کہ میں ایک مدت سے سیاسی یتیم ہوں۔ (قہقہہ) حقیقت یہ ہے کہ یہ سیاسی یتیم ایک جال میں پھنس گیا۔ یعنی ان حضرت کے سر میں سودا سمایا ہوا ہے کہ جب شدید ترین خطرہ لاحق ہوگا تو میں اور فقط میں ہندوستان کو بچا سکوں گا۔ کیوں کہ علم اور عقل میں اس وقت مجھ سے بڑھ کر تو کیا میرے برابر بھی کوئی موجود نہیں۔ سر تیج بہادر کی نیت، خواہش اور ارادے بڑے اچھے ہوں تو ہوں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ ان کی کانفرنس ویسی ہی تھی جیسی ڈچ فوج۔ جس میں عام سپاہیوں کا نام و نشان نہ تھا۔ ساری فوج افسروں پر مشتمل تھی۔ (قہقہہ) میری رائے میں اگر اُس کانفرنس میں کسی نے مسلم لیگ کا صحیح جواب پیش کیا۔ تو وہ سر چمن لال ستلواد تھے۔ اگر سر تیج بہادر سپرو اس تجربہ کار صحیح الدماغ ہندو لیڈر کا کہنا مانتے تو اپنے آپ کو بچا لیتے اور یہ کہنے پر مجبور نہ ہوتے۔ نہ خود غرض ان کو مجبور کر سکتے کہ بمبئی کانفرنس کی رائے تجویز اور سفارش کانگریس سے بالکل مختلف ہے۔ دونوں میں کچھ فرق نہیں، اس کانفرنس کی قرارداد کو کانگریس کی قرارداد کا آئینہ کہنا چاہیے۔ دونوں کا منشا وہی ہے۔ پہلو کا حملہ ہے۔ جس کا ذکر میں کر چکا ہوں۔ جو تجویز کہ قرارداد پونا میں کانگریس نے مرکزی قومی حکومت کے متعلق پاس کی۔ اسی کی صحیح نقل کانفرنس نے منظور کی۔ اگر آپ اس یادداشت کو جو قرارداد کانفرنس کی تشریح کے لیے مرتب کی گئی پڑھیں گے تو آپ کے دل میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے گا۔ اس لیے مجھے یہ بات دہرانی چاہیے کہ سر تیج بہادر نے غلط راہ اختیار کی اور مجھے افسوس ہے کہ خود غرض لوگوں اور بعض جماعتوں نے ان کو جال میں پھنسایا۔

حواشی

1۔ حقیقت یہ ہے کہ اقلیتی صوبوں نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں جس جوش وخروش، اخلاص اور ایثار سے حصہ لیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اکثریتی صوبوں کی حالت یہ تھی کہ سندھ میں خان بہادر اللہ بخش وزارت عظمیٰ کی مسند پر متمکن تھے اور کانگریس کے حلیف تھے۔ پنجاب میں سر خضر حیات وزیر اعظم تھے اور ہندوؤں سے تعاون اور مسلم لیگ سے عدم تعاون کر رہے تھے۔ بلکہ مسلم لیگیوں پر سرکاری حیثیت میں جتنی زیادتی کر سکتے تھے، کرتے تھے۔ بنگال میں فضل الحق، مسلم لیگ سے ناتہ توڑ کر ہندوؤں کی پشت پناہی سے اقتدار و اختیار کی باگ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔
لیکن یوپی کے مسلمان گڑھ مکتیشر میں کٹنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ بہار کے مسلمان اپنے قتل عام کا انتظار کر رہے تھے۔ سی پی کے مسلمان تباہیوں اور بربادیوں کو ہنسی خوشی دعوت دے رہے تھے۔ بمبئی کے مسلمان ''نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز'' کے نعرے لگا لگا کر سیم وزر کے سکے بکھیر رہے تھے۔
''کیوں؟''
تا کہ پاکستان بن جائے۔
تا کہ مسلم اکثریت کے علاقے آزادی اور خود مختاری کی زندگی بسر کریں تا کہ پنجاب و بنگال اور سندھ کے مسلمانوں پر وہ ظلم نہ ہو سکیں جو اُن پر ہو رہے تھے۔ اسلامی اخوت و ایثار کا یہ روح پرور نمونہ کرشمہ تھا۔ قائداعظم کی ذات بابرکات کا...... مشل ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا۔

2۔ اور خدا کا شکر ہے کہ پاکستان کی ہر حکومت، خواہ مسلمانوں کے لیے وہ کتنی ہی صبر آزما رہی ہو، لیکن جہاں تک اقلیتوں کا سوال ہے، لیاقت علی خان کے وقت سے ایوب خان کے عہد تک ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ اقلیت کو اقلیت ہونے کے جرم میں ہدفِ ستم بنایا گیا ہو۔

3۔ کسی آئین جمہوریت کی رُو سے بھی جائز نہیں کہ کسی قوم پر اس کی مرضی کے خلاف کوئی دستور مسلط کر دیا جائے۔

4۔ یعنی وہ حکومتیں جو اتحادیوں سے برسرِ پیکار تھیں، یعنی جرمنی، اٹلی، جاپان۔

5۔ جنگ کے زمانے میں ایسی کھری بات قائداعظم ہی کہہ سکتے تھے۔

6۔ دوسری جنگ عظیم جب شروع ہوئی تو گاندھی جی اور اربابِ کانگریس نے پہلے تو حکومت کو رام کرنے کی کوشش کی، جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو دھمکیوں سے کام لیا، جب یہ تدبیر بھی ناکام ہوئی تو مساعی جنگ میں تعاون کی ناقابلِ قبول ''شرطیں'' پیش کیں۔ جب وہ بھی نامنظور ہوئیں تو مطالبہ کیا اقلیتوں سے ہم خود نمٹ لیں گے۔ تم دخل نہ دو۔ جب یہ بات بھی نہ سنی گئی تو سول نافرمانی کا پروگرام بنایا، لیکن جنگ

کے زمانے میں کوئی حکومت بھی اسے برداشت نہیں کر سکتی تھی، لہٰذا ''آزادیٔ تقریر'' کا مطالبہ کیا، یعنی ہمیں یہ حق ملنا چاہیے کہ ہم جس طرح کے خیالات چاہیں ظاہر کر سکیں، یہ مطالبہ مسترد ہوا تو انفرادی ستیہ گرہ شروع کر دی گئی۔

7۔ پونہ میں کانگریس نے چند شرائط کے ساتھ مساعیٔ جنگ میں حصہ لینے کی پیشکش حکومت برطانیہ سے کی۔ لیکن چوں کہ یہ پیشکش عدم تشدد کے اصول کے خلاف تھی اس لیے گاندھی جی نے بہ ظاہر کانگریس سے قطع تعلق کر لیا۔

8۔ اگر راج گوپال اچاریہ کی تجویز لیگ منظور کر لیتی اور مسٹر جناح وزیراعظم بنا دیے جاتے تو بھی اکثریت کے سامنے بے بس ہوتے۔

9۔ ایک زمانہ تھا کہ پنڈت نہرو اپنے آپ کو اشتراکی کہا کرتے تھے۔

اوٹاکمنڈ (مدراس کا گرمائی دارالحکومت) کے مسلمانوں سے قائداعظم کا خطاب

پاکستان مان لو!

جون 1941ء

حضرات! پاکستان کے خلاف جھوٹے اور گمراہ کن پروپیگنڈے کے باوجود وہ دن دور نہیں کہ پاکستان کو ہر ایک ہندوستانی قبول کرلے گا۔ مجھے کامل یقین ہے کہ میں جس چیز کی حمایت کررہا ہوں۔ اس میں نہ صرف مسلمانوں کے مفادات مضمر ہیں بلکہ اس میں دوسرے فرقوں کے لیے بھی افادیت موجود ہے۔

نمائندہ طرز کی پارلیمانی حکومت کا ذکر ہی کیا، میری رائے میں ہندوستان کبھی ایک قوم ہی نہیں رہا ہے اور نہ اس میں کبھی ایک قومی حکومت قائم ہوئی ہے۔ خواہ ہندوؤں کی حکومت رہی ہو یا مسلمانوں کی یہاں ہمیشہ ایک شخصی اور مطلق العنان حکومت رہی ہے اور آج بھی وہ برطانوی سنگینیں ہی ہیں جو ہندوستان کو جکڑ کر ایک بنائے ہوئے ہیں جس لمحہ یہ سنگینیں یہاں سے ہٹائی جائیں گی، ہندوستان ایک جغرافیائی وحدت بھی نہ رہے گا۔ (1)

انفرادی طور پر میرا یہ ایقان ہے اور یقیناً مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت یہی یقین رکھتی ہے کہ ہماری آزادی کے حصول کا واحد ذریعہ پاکستان ہے اور جب میں ہماری آزادی کہتا ہوں تو میرا مطلب ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ آزادی ہوتا ہے جو ہندوستان کی دو بڑی قومیں ہیں۔

جب تک ہندو ہندو اور مسلمان مسلمان رہیں گے، ہندو قوم جو ہندوستان میں ایک اکثریت ہے، اپنی مرضی، اپنے اعتقاد، اپنی تہذیب اور اپنے معاشری نظام کو وسیع کرتی رہے گی اور رضامندی یا ناراضی سے یہ مسلمانوں پر عائد کیے جائیں گے جو بالکلیہ دوسری قومیت اور دوسری تہذیب کے حامل ہیں۔

اسی لیے مسلمانوں کا مطالبہ ہے کہ جہاں وہ اکثریت میں ہوں، وہاں انھیں اپنے طریقۂ زندگی پر آزاد چھوڑ دیا جائے اور جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے وہ اپنی طرز پر چلتے رہیں گے۔ اس طرح ہر قوم اپنے معتقدات، فلسفہ، تہذیب وثقافت کے مطابق عمل کرنے پر آزاد ہوگی۔ ایسی تجویز کو ''تشریح زندہ''

کہنا لوگوں کے دلوں کو زہر آلود کرنا ہے۔

اقلیتوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ خواہ ایسی مسلم اقلیتیں ہندو منطقے میں ہوں یا ہندو اقلیتیں مسلم منطقے ہیں۔ جب ہم کسی تصفیہ پر پہنچیں گے تو مسلم اقلیت کے تحفظات کا اسی طرح پورا پورا لحاظ رکھا جائے گا، جس طرح کسی اقلیت کا کسی مہذب حکومت میں رکھا جاتا ہے اور یہی امر مسلم منطقوں کی ہندو اقلیت پر بھی منطبق ہوگا۔

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ پاکستان مسئلہ اقلیت کا حل نہیں ہے۔ آپ نے پوچھا کہ پھر مسئلہ اقلیت کو حل کرنے کا کیا یہی طریقہ ہے کہ ہندوستان کے نو کروڑ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ہندو راج کے تحت ایک اقلیت بنا دیا جائے؟

حاشیہ

1۔ یہ حقیقت آج روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ جواہر لال کی ہردلعزیز اور بھاری بھرکم شخصیت نے گو اب تک ہندوستان کی وحدت قائم رکھی ہے، لیکن جتنی خون ریزی اور خانہ جنگی کے بعد مرہٹہ واڑہ، گجرات، ناگا ہل، اندھرا وغیرہ کے نئے صوبے بنانے پر حکومت ہند مجبور ہوئی ہے اور اب پنجابی صوبہ کے لیے مجبور ہوتی جارہی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہندوستان زیادہ دیر تک ایک وحدت کی طرح قائم نہیں رہ سکتا اور یہ صرف ہمارا خیال نہیں، ہندوستان کے بلند پایہ اخبارات اور سیاسی رہنما بھی اس تلخ حقیقت کو تسلیم کرتے رہتے ہیں۔

✱✱✱

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی یونین میں طلبہ سے قائداعظم کا ارشاد

مشکلاتِ راہ

2 نومبر 1941ء

حضرات! آپ نے جس جوش اور خلوص سے میرا خیر مقدم کیا ہے، میں اس کے لیے مشکور ہوں۔ ایسا اعزاز اس ملک یا کسی ملک میں۔ کسی کے لیے بھی باعث صد افتخار ہوگا۔

آپ جیسے ارباب علم و دانش کے وہ جذبات جو اخبار ڈان کی امداد و اعانت میں مضمر ہیں، قابلِ صد ستائش ہیں اور مسلم لیگ کے سرمایہ میں آپ کی امداد کا بھی شکرگزار ہوں۔ آپ کی یہ امداد میرے لیے ایک پیامِ امید سے بہرحال نوجوان طلبہ سے رقمی معاملوں میں اس سے زیادہ اور کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ آپ کی اس پیشکش میں جو جذبات کارفرما ہیں، وہی میری متاع عزیز ہے۔ بڑی رقمیں تو بھاری بھرکم اشخاص ہی دے سکتے ہیں اور مجھے اب تک معلوم نہیں ہوا کہ ان سے کس طرح نمٹنا چاہیے۔ (قہقہہ) لیکن میں یہ بتادوں کہ بہت سے دولت مند حضرات نے مجھے روپیہ دیا ہے اور فراخدلی سے دیا ہے۔ اب تک چار لاکھ جمع ہوئے ہیں۔

دولت مند اشخاص روپیہ دینے سے پہلے تھوڑی بہت ناز برداری کے خواہاں ہوتے ہیں۔ گزشتہ چھ سالوں میں ہم نے مسلمانوں سے مالی امداد کی کوئی اپیل نہیں کی اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ بغیر سرمایہ کے ہم نے اس جدوجہد کو کس طرح جاری رکھا۔

میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ مسلم لیگ غیر معمولی ترقی کر کے ایک وسیع ادارہ ہوگئی ہے۔ اب ایک یا دو اشخاص کی مالی امداد سے کام نہیں چل سکتا۔ اسی وجہ سے میں نے یہ اپیل کی تھی۔ خدا کے فضل سے اس کا ہر جماعت میں خیر مقدم ہوا۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ دو آنے اور چار آنے تک کے منی آرڈر وصول ہوئے ہیں۔ غریب مسلمان بڑے خلوص سے اپنے ذرا ذرا سے عطیے بھیج رہے ہیں اور پردرد خطوط لکھ رہے ہیں۔ اگر آپ یہ خطوط دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ جذبۂ ایثار کی کتنی تیز آگ ان کے سینوں میں بھڑک رہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ہم بہت غریب ہیں، روپیہ نہیں دے سکتے، مگر اپنی جانیں دے دیں گے اور اس

کے لیے وہ بالکل تیار ہیں۔ دولت مندوں کے لاکھوں سے کہیں زیادہ ایسی چھوٹی چھوٹی رقموں نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم لیگ اب ہزاروں اور لاکھوں کی نہیں، بلکہ کروڑوں کی نمائندگی کر رہی ہے۔ (نعرہ ہائے تحسین) میں آپ کو یاد دلاؤں کہ مجلس عاملہ کانگریس کے گزشتہ اجلاس میں پنڈت نہرو نے بڑی دیدہ دلیری سے کہا تھا کہ مسلم لیگ برطانوی شہنشاہیت کے ہاتھوں میں کھلونا بن گئی ہے اور مسلم عوام کانگریس کے ساتھ ہیں۔ مسلمانوں نے کانگریس سے بالکل علیحدہ رہ کر بلا شک وشبہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ مسلم لیگ کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔

1935ء میں قانون حکومت ہند منظور ہوا۔ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اس سے اختلاف کیا۔ لیکن مسلمانوں کا اختلاف اس کے وفاقی جزو کی حد تک تھا، وہ اس کے صوبائی جزو کو روبہ عمل لانے اور اس سے جو بھی افادیت ہو سکتی تھی، اس سے مستفید ہونے کے لیے تیار تھے۔ حالاں کہ اس کے بہت سے خدوخال قابلِ اعتراض تھے۔

اس کے برخلاف کانگریس نے یہ قطعی طے کر دیا تھا کہ وہ اس قانون اور اس کے دستور کو مٹا کر رکھ دے گی۔ کانگریس کے ان بلند بانگ تخریبی منصوبوں کے باوجود جب اس قانون کا نفاذ ہوا اور صوبائی انتخاب ہوئے تو کانگریس بھی اس میں شریک ہو گئی۔ انھوں نے متعدد صوبوں میں اس طرح عہدے حاصل کر لیے گویا مسٹر گاندھی کو برطانوی حکومت سے کوئی باعزت سمجھوتا کرنے میں کامیابی ہوئی ہے۔ انھوں نے ایسے بے کاروں میں پناہ لی کہ گویا پارلیمانی منزل تصور سے نکل کر وجود میں آ گئی ہے۔

اس زمانے میں مسلم ہندوستان ایک جسد بے جان تھا۔ جہاں تک اس دستور کے صوبائی جزو کا تعلق ہے۔ مسلم ہندوستان کو کانگریس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ گورنروں نے چپ سادھ لی تھی۔ وائسرائے خاموش و ساکت ہو گئے تھے اور کانگریسی راج مسلمانوں کے سماج اور سیاسی زندگی کے ہر شعبہ کو بری طرح کچل رہا تھا۔ ان کے ساتھ ہر قسم کی بدسلوکی اور ناانصافی کی جا رہی تھی۔ مسلم لیگ مقہور و معتوب تھی اور اس کی صفوں کو پارہ پارہ کرنے کی ساری کوششیں جاری تھیں۔ اس وقت وائسرائے کہاں تھے؟ گورنر کہاں تھے؟ یہ بدترین عہد شکنی کے مجرم ہیں! وہ اس کے مجرم ہیں کہ انھوں نے دستوری ذمہ داریوں سے گریز کر کے اقلیتوں کے مفادات کی حفاظت نہیں کی۔

ہم نے ان بھیانک حالات میں ڈھائی سال گزارے۔ اگر اس وقت دستور کے وفاقی جزو کا بھی نفاذ ہو جاتا تو یہ مسلم ہندوستان کے لیے پیام مرگ ثابت ہوتا۔ اسی اثنا میں جنگ شروع ہو گئی۔ شر سے خیر بھی پیدا ہوتا ہے۔ ستمبر 1939ء تک جب کہ جنگ کی ابتدا ہو چکی تھی، مسلم لیگ نے اپنی تنظیم کو اس قدر

استوار اور مستحکم کر لیا تھا کہ حکومتِ ہند اور برطانیہ دونوں اسے نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

یہ پہلا موقع تھا کہ جنگ کے پر آشوب زمانے میں مسٹر گاندھی کے ساتھ کل ہند مسلم لیگ کے صدر کو بھی وائسرائے نے ملاقات کے لیے مدعو کیا۔ کیا آپ کو کوئی ایسا واقعہ یاد ہے کہ اس سے پہلے بھی کبھی مسلم ہندوستان کے کسی مسلمہ قائد کو کانگریسی رہنما کے ساتھ مدعو کیا گیا ہو؟

بس اسی دن سے مسٹر گاندھی کی ساری توانائیاں اس امر پر مرکوز ہو گئیں کہ صدر مسلم لیگ کی اس محصلہ حیثیت کو گھٹا کر صفر کر دیا جائے۔ حالاں کہ ہندو ہندوستان کے مقابلہ میں مسلم ہندوستان کے نمائندے کی یہ مساویانہ حیثیت ہر آئینہ منصفانہ تھی۔ مسٹر گاندھی نے یکے بعد دیگرے روپ دھارنے شروع کر دیے۔ وائسرائے سے پہلی ہی گفتگو کے دوران میں انھوں نے برطانوی پارلیمان اور ویسٹ منسٹر ایبے کی عمارتوں کی ممکنہ تباہی کا تصور کر کے اپنے انتہائی رنج و ملال کا اظہار کیا اور واقعی ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

انھوں نے (وائسرائے سے) کہا کہ انگلستان کو اگر شکست ہو گئی تو ہندوستان کی آزادی سے کیا حاصل! پھر ہندوستان کو مشورہ دیا کہ وہ برطانیہ عظمیٰ کی غیر مشروط مدد کرے۔

اس کے بعد وہ کانگریس کی مجلس عاملہ میں شرکت کے لیے چلے گئے (مخفی مباد کہ وہ چار آنے کے رکن بھی نہیں ہیں) اب آپ یہ کہتے ہیں کہ:

> "میں کیا کر سکتا ہوں؟ مجلس عاملہ نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا ہے اور یہ اس کے مطالبات ہیں...... فوری خود مختاری اور اس کے ساتھ ہی عوام کے (لفظ عوام غور طلب ہے) اس حق کا اعلان کہ ایک ایسی مجلس دستور ساز کے ذریعہ جو رائے دہی بالغان کے اصول سے تشکیل پائی ہو، اپنا دستور خود مرتب کریں اور بطور طمانیت مرکز میں فوراً ایک قومی حکومت تشکیل دے کر اختیارات کی ایک حقیقی مقدار اس کو منتقل کر دیں۔"

کانگریسی ان مطالبات پر برابر زور دیے جا رہے تھے کہ وائسرائے نے اعلان کیا کہ (قانون 35ء کا) وفاقی جز و ملتوی کر دیا گیا ہے کہ ہم نے عملی آدمیوں کی طرح اس اعلان کا خیر مقدم کیا لیکن ہم نے اس کے ساتھ ہی اس کو قطعی منسوخ کر دینے کا مطالبہ کیا۔ ہمارا یہ بھی مطالبہ تھا کہ کوئی دستور خواہ وہ عارضی ہو یا قطعی ہماری مرضی کے خلاف، ہم پر نافذ نہ کیا جائے۔

آخر کار برطانوی حکومت نے (مسلم لیگ کے مطالبہ کو منظور کرتے ہوئے) وفاقی جزو کو منسوخ کر دیا۔ ہم نے محسوس کیا کہ اس سے ہمارا ایک بہت بڑا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔ اگست 1940ء میں ہز میجسٹی

کی حکومت نے ایک اعلان کے ذریعہ واضح کیا کہ تاوقتیکہ ہندوستان کے بڑے عناصر کسی دستور پر متفق نہ ہوں اس کا نفاذ نہیں کیا جائے گا اور مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں پر کسی دستور کو جبراً نافذ نہیں کیا جائے گا، تا آنکہ وہ اسے منظور نہ کر لیں۔

اس کے ردعمل کے طور پر مسٹر گاندھی نے ایک مخصوص طرز استبداد کا آغاز کر دیا۔ 1939ء میں مسٹر گاندھی اور کانگریس نے اس خیال سے اپنی وزارتوں کو مستعفی ہوجانے کا حکم دیا کہ اس عمل سے موجودہ دستور معطل ہوجائے گا۔ سب سے پہلے صوبہ مدراس کی وزارت مستعفی ہوگئی۔ ان کو توقع تھی کہ وائسرائے انھیں واپس بلائیں گے، لیکن وائسرائے نے فوراً استعفیٰ قبول کر لیا اور کانگریس کی ہر ایک وزارت کا یہی حشر ہوا اور ایسے تمام صوبوں کو دفعہ 92 کے تحت لے لیا گیا۔

یہ امر قابلِ غور ہے کہ اس طریقۂ کار کا مدعا کیا تھا؟ مسٹر گاندھی کا مقصد خاص یہ ہے کہ ''ہندو ادوار پارینہ'' کی تجدید کی جائے اور رام راج کے وارث حقیقی اور برطانوی راج کے جائز نمائندے کی حیثیت سے سارے براعظم ہندوستان پر حکومت کی جائے اور مسلمانوں کے کندھوں پر اپنے اقتدار کا جوا رکھ دیا جائے۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتے تو یقیناً مسلمان قعر مذلت میں جا گرتے۔ آج سے پہلے وہ کہا کرتے تھے کہ ایک عام سول نافرمانی کا آغاز نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ مسلم لیگ اس کے خلاف ہے۔ پھر وہ برطانوی حکومت کو پریشان بھی نہیں کرنا چاہتے۔ اس کے باوجود وہ ''آزادئ تقریر'' کا بہانہ تراش کر استبداد پر اُتر آئے۔ وہ چاہتے تھے کہ انصرام جنگ سے ان کے اختلاف کی دنیا میں تشہیر ہو اور حکومت پریشان ہو کر طوعاً وکرہاً ان کے مطالبات مان لے۔

انفرادی سول نافرمانی شروع ہوئے جب چودہ مہینے گزر گئے تو ان کو محسوس ہوا کہ اب یہ ناؤ ڈوبنے والی ہے۔ اس وقت مسٹر گاندھی اور کانگریس کو دفعتہ علم ہوا کہ کانگریس نے مسٹر گاندھی کو ایسی مہم جاری کرنے کا اختیار ہی نہیں دیا تھا۔ چناں چہ اس مہم کو خیر باد کہہ دیا گیا۔ (قہقہہ) (1)

مارچ 1942ء میں سر اسٹیفورڈ کرپس ہندوستان آئے۔ قدرتی طور پر برطانوی حکومت اپنے مفاد کی خاطر اس امر کی خواہشمند تھی کہ ہندوستان کی دونوں بڑی جماعتوں میں ہم آہنگی پیدا کر دے تا کہ انصرامِ جنگ میں ان کی متفقہ امداد و تعاون اسے حاصل رہے۔ چناں چہ سر اسٹیفورڈ کرپس کے ذریعے انھوں نے ایک تجویز پیش کی۔ میں یہاں مختصر طور پر بتا دوں کہ اس تجویز کا کیا مفہوم تھا:

1۔ اس میں وعدہ کیا گیا تھا کہ اختتام جنگ کے بعد برطانوی حکومت ہندوستان کو ایسی ہی مکمل حکومت خود اختیاری دے گی جیسی کہ برطانوی مقبوضات کو حاصل ہے یا واضح طور پر جیسی کہ خود انگلستان میں موجود ہے۔

2۔ ہندوستان کو اس کا بھی حق حاصل رہے گا کہ اگر وہ چاہے تو برطانوی دولتِ عامہ سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔

3۔ مرکزی مجلس دستور ساز میں صوبائی مجالس قانون ساز کے منتخب نمائندوں کی تعداد دس فیصد ہوگی۔

اس طریقۂ کار سے مسلم ہندوستان کو پچیس فیصد نشستیں بھی نہیں مل سکتی تھیں۔ یہ مرکزی مجلس ایک مخلوط مجلس کی طرح متحدہ ہندوستان کا دستور جمہوری طرز پر مرتب کرے گی۔ اس سے محض کانگریس کی دلجوئی مقصود تھی۔ لیکن برطانیہ کو اس کا بھی علم تھا کہ اس منزل پر آ کر رُک جانا مسلمانوں کے لیے موجب تشویش ہوگا۔ اب مسلمان بھی اس ملک میں قابلِ لحاظ طاقت ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ انھیں یہ بھی سوچنا پڑا کہ مطالبۂ پاکستان کے سلسلہ میں وہ مسلم ہندوستان سے کس طرح عہدہ برا ہو سکتے ہیں، انھیں وجوہات کی بنا پر انھوں نے اس تجویز میں اختیارِ علیحدگی کا اضافہ کیا۔ چناں چہ اس میں یہ بھی درج تھا:

4۔ ایک متحدہ مملکت کی طرح جب سارے ہندوستان کا دستور مرتب ہو جائے تو ہر ایک صوبہ کی مجلس قانون ساز میں اس کو منظوری کے لیے پیش کیا جائے گا اور ان مجالس کو اس میں شرکت یا عدم شرکت کا اختیار ہوگا۔

سارے ہندوستان کی ایک متحدہ مملکت کے لیے ایسی جماعت سے جو دستور تشکیل پائے گا، وہ یقیناً سارے کا سارا انھیں (ہندوؤں) کا اپنا ہوگا۔ لیکن اس میں مسلمانوں کی اتنی اشک شوئی کی گئی تھی کہ ان کو اختیارِ علیحدگی دیا گیا تھا۔ یہ سارا طریقہ کار ہمارے خلاف ایک بچھائی ہوئی بازی کی طرح ہے۔ پنجاب و بنگال کے اسلامی صوبوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں، لیکن مجلس قانون ساز میں عملاً اقلیت بنائے گئے ہیں۔

اب اس اختیارِ علیحدگی کی حقیقت سنیے! اس متحدہ مملکت کے دستور کے خلاف اگر ہم نے مجلس قانون ساز میں چالیس فیصد آرا حاصل کر لیں تو ہم صوبے کی آرا شماری کے مجاز ہوں گے۔

گویا ایک بازی گاہ کی طرح اس میں متعدد باڑھیں لگی ہوئی ہیں اور یہ باڑھ نمبر 1 ہے جس پر سے جست لگانا ہے۔ صوبائی مجلس قانون ساز جس کو شرکت یا عدم شرکت کا اختیار ہے۔ باڑھ نمبر 2 ہے۔

اگر ہم ان دونوں کو پھاندنے میں کامیاب بھی ہو گئے تو باڑھ نمبر 3 آپ کے سامنے آ جاتی ہے، یعنی عام آرا شماری!

لیکن کس کی رائے عامہ؟ سارے صوبے کی رائے عامہ! اس تجویز کو روبہ عمل لانے کے لیے جو طریقہ کار رکھا گیا ہے، وہ محض اشک شوئی ہے۔ اس میں مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو بھی تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا، لیکن مسٹر گاندھی نے آخر ان تجاویز کو کیوں

مسترد کر دیا؟ انھوں نے سوچا کہ اگر ایک دفعہ علیحدگی کے اصول کو کانگریس نے تسلیم کر لیا تو پھر اس کے لاحقات کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس میں پاکستان کا بنیادی اصول جنم لے رہا ہے۔ اس تصور کو پراگندہ اور منتشر کر دینے کے لیے مسٹر گاندھی نے ''ہندوستان چھوڑ دو'' کا نعرہ لگا دیا۔

اس نئے اقدام میں کسی جماعت کا مشورہ شامل نہیں ہے۔ (2) گزشتہ بیس سال سے انھوں نے یہ راگ الاپا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر سوراج نہیں مل سکتا۔ اس خصوص میں انھوں نے بہت سی باتیں بتائی ہیں، لیکن اتحاد کے راستے میں وہ خود سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

انھوں نے ایک عام سول نافرمانی کا فیصلہ کیا اور یہ اعلان بھی کر دیا کہ تاوقتیکہ برطانوی ہندوستان سے چلے نہ جائیں، ہندو مسلم اتحاد ملتوی رہے گا۔ کانگریس کی تشفی کرنے کے معنی مسلمانوں کو قربان کر دینے کے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ حکومت نے کانگریس کے سامنے اس لیے جھکنے سے انکار کر دیا کہ اس کو ہم سے کوئی الفت تھی! اس نے وہی کیا جو اس کے مناسب حال تھا۔ بعض اوقات ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ ان دو آدمیوں کو جو ایک دوسرے سے محبّت نہیں کرتے لیکن انھیں ایک ہی سمت اور ایک ہی راستے پر چلنا پڑتا ہے۔

پھر انھیں اس کا بھی خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کو نیچے گرا دیا گیا تو مسلم لیگ اب اتنی طاقتور ہو گئی ہے کہ وہ کانگریس سے بڑا نہیں تو اس کے برابر ایک دوزخ ضرور بنا سکتی ہے، وہ ہم سے خوف زدہ تھے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کی یہ مہم جواری کا آخری پانسا تھی۔ آپ کو مسلم لیگ سے کیا توقع تھی؟ کیا آپ کو امید تھی کہ کانگریس کے اس داؤ پیچ سے واقف ہونے کے بعد بھی مسلم لیگ اس تحریک سول نافرمانی کی تائید کرتی؟ یہ محض برطانیہ ہی کے خلاف اعلانِ جنگ نہیں ہے، بلکہ کانگریسی مطالبات کے تعلق سے یہ ایک خانہ جنگی ہے، کیوں کہ اس کے مطالبات مفاد اسلامی کے منافی ہیں۔ اگر آزادی اور خودمختاری کے نام پر مسلمان بھی اس تحریک میں شریک ہو جاتے تو مسٹر گاندھی، انگلستان، امریکا اور ساری دنیا سے کہتے پھرتے کہ وہی سارے ہندوستان کی نمائندگی کرتے ہیں اور یہ ان کے مطالبات کو مسلم ہندوستان کی تائید بھی حاصل ہے۔ اگر مسلمان اس دام تزویر میں آ جاتے تو یہ ان کی سب سے بڑی غلطی ہوتی۔

اگر ہمیں انگریزوں کی دیانت پر بھروسہ ہوتا تو قدرتی طور پر ہمارے لیے یہی ایک راستہ رہ جاتا کہ ہم ان کے ساتھ مل کر اس تحریک کو کچل دیں، کیوں کہ اس تحریک کے مقاصد میں ہماری پامالی بھی شامل تھی، لیکن مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ ہم انگریزوں پر بھی اعتماد نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے داؤں پر ہیں۔ اس لیے ہم نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ اس معاملہ سے بالکل علیحدہ رہیں۔ ان کو اپنے آپ لڑنے

دو۔ یہ انھیں واقعات میں سے ایک ہے جب کہ غیر جانبداری ہی بہترین حکمت عملی ثابت ہوتی ہے۔

آخر ''ہندوستان چھوڑ دو'' کے نعرے کا کیا حشر ہوا؟ اپنے ملک کے دس کروڑ مسلمانوں سے تصفیہ کر لینے کے بجائے وہ انگلستان، امریکا، چین اور اب تو روس سے بھی استدعائیں کر رہے ہیں کہ وہ معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیں اور ان کی امداد کریں۔ میں کانگریس اور ہندوؤں سے پوچھتا ہوں کہ تم نے تو انگریزوں سے کہا تھا کہ وہ ہندوستان چھوڑ دیں۔ پھر اب یہ کیوں کہتے ہو کہ وہ تمھارے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیں؟ ان سے تم کس امداد و اعانت کی توقع رکھتے ہو؟ کیا تم چاہتے ہو کہ دس کروڑ مسلمانوں کی مرضی کے خلاف غیر ملکی حکومتیں اس ملک میں کوئی دستور نافذ کر دیں؟

اگر ہندوؤں کے دل میں سمجھوتا کرنے کا ذرا بھی شائبہ ہوتا تو وہ ہرگز ایسا طریقہ اختیار نہ کرتے۔

اس کے برخلاف برطانیہ کا طریقہ کار ملاحظہ فرمائیے۔ وہ کہتے ہیں کہ کانگریس ایک ہندو جماعت ہے اور منجملہ دیگر جماعتوں کے ایک ہے۔

بالکل درست! کانگریس ہندوستان کی اکثریت کی نمائندہ نہیں ہے، بالکل درست! لیکن جب میں یہ پوچھتا ہوں کہ ان دس کروڑ مسلمانوں کا اور ان کروڑوں اشخاص کا کیا ہوگا جو کانگریس کے موید نہیں ہیں؟ حکومت اس کا ایک انوکھا جواب دیتی ہے۔

اس کی حجت یہ ہے کہ کانگریس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

میں کسی دیانتدار آدمی سے پوچھتا ہوں کہ کیا تجویز پاکستان جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی آزادی مضمر اور جس کی رُو سے تین چوتھائی ہندوؤں کو اور ایک چوتھائی مسلمانوں کو حصہ ملتا ہے۔ کس طرح ناواجب ہے؟ میں کہتا ہوں کہ آؤ ہم اچھے پڑوسیوں کی طرح رہیں اور مخلصانہ طور پر یہ طے کر لیں کہ تم اپنے منطقوں میں ہماری اور ہم اپنے منطقوں میں تمھاری اقلیتوں کی حفاظت کریں گے۔ (3) (نعرۂ تحسین)

اگر تمام جماعتیں بشمول حکومت مسلمانوں کے حق خودارادیت کو تسلیم کر لیں اور مسلم رائے عامہ کے فیصلہ کا احترام کرتے ہوئے اس امر کی ضمانت دیں کہ تجویز پاکستان کو روبہ عمل لایا جائے گا تو عارضی حکومت کا مسئلہ بہت آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔

حال ہی میں مجھے بہت سے ہندوؤں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ وہ ازراہِ مہربانی مجھ سے ملنے آئے تھے۔ میں نے بغیر کسی دل شکنی کے ان سے پوچھا تھا۔ ہندوؤں کو حکومت کیے کتنا عرصہ گزرا اور ہندوستان کے کس حصہ پر انھوں نے حکومت کی تھی؟

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تقریباً ایک ہزار سال سے ہندوؤں نے ملک کے کسی قابلِ ذکر حصہ

پر حکومت نہیں کی ہے۔ ہماری تجویز کی رُو سے تین چوتھائی ہندوستان ان کو دیا جا رہا ہے۔ جہاں وہ اپنی حکومت قائم کر سکتے ہیں۔ میں نے ان سے اپیل کی کہ وہ حریص نہ بنیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہیر پھیر سے سارے ملک کو ہتھیا لینا چاہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ تین چوتھائی لے لو اور میری ایک چوتھائی پر حسد نہ کرو۔ مجھے اپنی اسلامی تاریخ کی روشنی میں اپنی روایات، اپنی ثقافت اور اپنی زبان (4) کو برقرار رکھتے ہوئے زندگی بسر کرنے دو اور تم بھی اپنے منطقوں میں یہی کرو۔ (نعرۂ تحسین)

لیکن بدبختی سے ہندو قیادت کا مطمح نظر یہ ہے کہ مسلمان ان کے سامنے جھک جائیں اور ایک دوامی اقلیت کی طرح ان کے زیر اقتدار رہیں۔ ہم اس کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ ہماری عام مسلم آرا شماری کی تجویز اسی بنیاد پر ہے کہ ہندوستان کے مسلمان کسی بھی تعریف کی رُو سے ایک قوم ہیں۔ (نعرۂ تحسین) دنیا میں کہیں بھی دس کروڑ اشخاص کو اقلیت نہیں کہا جاتا۔ اس لیے یہاں کسی رعایت، سمجھوتے، یا تحفظات کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ مسلمانوں کے پیدائشی اور وراثتی حق خود ارادیت کا سوال ہے کہ اس ذیلی براعظم میں رہنے والی ایک قومی جماعت کی حیثیت سے ان منطقوں میں جہاں وہ اکثریت میں ہیں، اپنی ریاستیں بنائیں۔ (نعرۂ تحسین)

بہرحال مسلم ہندوستان کو کسی عارضی حکومت میں محض اقلیت کی حیثیت سے نہیں بلکہ مساوی حیثیت سے ضرور حصہ ملے گا۔ (نعرۂ تحسین) ہماری اس تجویز کے جواب میں وہ ہوا کے رخ کا اندازہ کرتے رہتے ہیں۔ ایک طرف ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے جال پھیلاتے ہیں اور دوسری طرف بیرونی ممالک سے استدعائیں کرتے جاتے ہیں۔

بعض اشخاص یہ پوچھتے ہیں کہ فرض کیجیے برطانیہ اور کانگریس کے اختلافات ختم ہو جائیں اور اول الذکر کانگریس کے مطالبات تسلیم کر لے تو ہمارا کیا حشر ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر برطانوی حکومت ان حتمی عہد و اقرار کے باوجود ہمیں دھکیل کر کانگریس کے رحم و کرم پر ڈال دے تو مجھ پر یقین کیجیے کہ اگر ہم متحد اور متفق رہے تو پھر دونوں مل کر بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ (نعرۂ تحسین) اب ہم اس قابل ہو گئے ہیں کہ ایسی حکومت کو ناممکن بنا دیں۔

چین (5) اور امریکا کی متحدہ طاقت بھی کوئی ایسا دستور ہم پر نافذ نہیں کر سکتی جس میں مسلمانوں کو قربان کیا گیا ہو۔ اگر متحدہ اقوام کسی ایسی مجنونانہ غلطی کا ارتکاب کر بیٹھیں تو یاد رکھو کہ ایک حقیر کیڑا بھی پلٹ پڑتا ہے۔

ان غیر ملکی سنگینوں کی پروانہ کرتے ہوئے جن کے سائے میں کانگریسی راج رچایا جا رہا ہوگا۔ ہم

ملک کے سارے نظام میں زلزلے ڈال دیں گے اور اس کو مفلوج و معطل بنا کر رکھ دیں گے۔

(فلک شگاف نعرے)

حواشی

1۔ یہ لطیفہ نہیں ایک حقیقت ہے۔

2۔ پاکستان کی تعمیر و تشکیل اور مطالبے میں اس کی قومی زبان ''اُردو'' کی حفظ و بقا کا مسئلہ بھی شامل تھا۔ مسٹر فضل الحق تک نے بارہا یہی بات کہی تھی۔

3۔ جس زمانے میں قائداعظم نے یہ تقریر ارشاد فرمائی، چین پر جنرل چیانگ کائی شیک کا...... جواب فارموسا کے جزیرے میں گوشہ نشین ہیں...... قبضہ تھا۔ ماؤزے تنگ وغیرہ ابھی نمودار نہیں ہوئے تھے۔ چیانگ کائی شیک جواہر لال کے ذاتی دوست تھے اور ان کا امریکا پر بہت اثر تھا۔

***

آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا خطبۂ صدارت!

وائسرائے اور گورنر بنگال کا تحفہ

ایک کو فضل الحق...... دوسرے کو نواب ڈھاکہ

29 دسمبر 1941ء

یہ بڑا ہی نازک وقت تھا۔ جنگ کی ہولناکی نے انگریزوں کے اوسان خطا کر رکھے تھے۔ کانگریس نے اس کمزوری کو محسوس کر کے اپنے مطالبات میں شدت پیدا کر دی تھی۔ وہ مسلم قوم پر حکومت کرنے کا حق حاصل کرنا چاہتی تھی، ورنہ وہ سارے ملک میں غدر برپا کر دینے کا تہیہ کر چکی تھی۔ اتحادیوں کی حالت حددرجہ سقیم تھی اور محوری طوفان ابروباد کی طرح بڑھتے چلے آرہے تھے۔ کسی میں ہمت نہ تھی کہ ان کی پیش قدمی کو روک سکے۔

مسلمان جنگجو نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ لہٰذا حکومت ان کا تعاون حاصل کرنے کے لیے بیتاب تھی لیکن باگ قائداعظم کے ہاتھ میں تھی۔ وہ غیر مشروط تعاون کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کا کہنا تھا، اگر پاکستان مان لیا جائے، امور مملکت میں ہمیں حصہ دیا جائے تو ہم تعاون کر سکتے ہیں۔

آخر حکومت نے لیگ اور کانگریس کی ہائی کمان سے مایوس ہونے کے بعد بالا بالا سربرآوردہ لوگوں کو توڑنے کی کوشش کی۔ وائسرائے نے نیشنل ڈیفنس کونسل کے نام سے ایک مجلس قائم کی اور جس فوجی مجلس میں پنجاب کی نمائندگی نہ ہو، وہ بے کار تھی۔ چناں چہ سرسکندر حیات خان وزیراعظم پنجاب کو اس کا ممبر نامزد کر لیا۔ اسی طرح بنگال کے وزیراعظم فضل الحق، آسام کے وزیراعظم سرسعد اللہ اور حیدر آباد کے نامزد وزیراعظم نواب چھتاری کو بھی یہ اعزاز بخشا۔ سرسلطان احمد کو جو مسلم لیگ کے ممبر تھے، اپنی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر بنا لیا۔

قائداعظم نے مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا اور اعلان کیا کہ لیگ سے سرتابی کرنے والوں کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے گی۔

مجلس عاملہ میں سر سکندر نے اپنی اور فضل الحق اور سر سعد اللہ کی طرف سے کہا کہ وائسرائے نے ہمیں وزیر اعظم کی حیثیت سے نامزد کیا ہے اور وزیر اعظم کی حیثیت سے ہم اس نامزدگی کو مسترد نہیں کر سکتے۔ سر سکندر جانتے تھے کہ قائداعظم قانونی آدمی ہیں اور وہ قانون کے سامنے جھک جائیں گے۔ لیکن شاید یہ نہیں جانتے تھے کہ قائداعظم قانونی آدمی بھی ہیں اور اعلیٰ درجہ کے سیاستدان بھی۔ قائداعظم نے کہا، وائسرائے نے اگر آپ حضرات کو وزیر اعظم کی حیثیت سے نہیں بلکہ مسلم قوم کے نمائندے کی حیثیت سے نامزد کیا ہوتو؟

سر سکندر نے کہا، ہم فوراً استعفیٰ دے دیں گے۔

قائداعظم نے سر راجر لملے گورنر بمبئی کا مکتوب دکھایا، جس میں وہی مرقوم تھا جو ابھی قائداعظم نے کہا تھا۔

سر سکندر نے ایک شریف آدمی کی طرح فوراً استعفیٰ دے دیا۔ سر سعد اللہ نے ان کی تقلید کی۔ فضل الحق اڑ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معتوب ہوئے۔ یہی حشر خان نواب چھتاری اور سر سلطان احمد کا بھی ہوا۔

قائداعظم نے اس مسئلہ پر اور دوسرے بہت سے اہم اور نازک مسئلوں پر اس خطبے میں روشنی ڈالی ہے۔

ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

رئیس احمد جعفری

خواتین و حضرات! اگرچہ یہاں میرے نوجوان دوستوں کا اجتماعِ عظیم ہے، لیکن اس میں غیر طلبہ کی تعداد خاصی ہے۔ جیسا کہ میں نے کل رات کہا تھا، میرا خاص مقصد نوجوان دوستوں سے خطاب کرنا ہے۔ ''آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن'' آج سے چار یا پانچ سال پیشتر معرضِ وجود میں آئی تھی۔ اب میں پہلے آپ کی توجہ اس فیڈریشن کے آئین کی طرف منعطف کراتا ہوں۔ آپ کے آئین کی غرض و غایت جو آپ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہیے یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلم طلبہ کو خودمختار صوبائی مجالس کے توسط سے ایک منظم جماعت بنایا جائے اور مسلم طلبہ کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ نیز مسلم طلبہ میں سیاسی شعور کو بیدار اور انھیں ملک کی آزادی کی جدوجہد میں مناسب حصہ لینے کے لیے تیار کیا جائے۔ اسی خیال سے میں نے آپ کے اجلاسِ امروزہ کی صدارت کا شرف قبول کیا ہے۔ اس ضمن میں بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کو کون سے مسائل پیش ہیں۔ میں آپ کے آئین کی زبان میں ہی اس کی وضاحت کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مسلم طلبہ کو اپنے ملک کی آزادی کی جدوجہد میں مناسب حصہ لینے کے واسطے تیار کرنا۔

آنے والی ذمہ داریوں کو جو آپ کے دوش پر آنے والی ہیں، اٹھانے کے لیے تیاری کرتے ہوئے اس امر کو بھی یاد رکھیے کہ یہاں آل انڈیا مسلم لیگ کی تنظیم بھی ہے جو روز بروز قوی تر ہوتی جا رہی ہے اور ہندوستان کے طول و عرض میں تیز رفتار سے ترقی کر رہی ہے۔ مسلم لیگ نے گزشتہ تین سالوں میں نہ صرف نمایاں بلکہ معجزانہ ترقی کی ہے۔ (تالیاں) اس لیے آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کی سرگرمیوں، پالیسی اور پروگرام سے باخبر رہنا چاہیے۔ تین سال پہلے ہندوستان میں مسلمانوں کی جو حالت تھی، اس کا موازنہ آج کی حالت سے کیجیے۔ پانچ سال پیشتر یہ حالت بہت زبوں تھی اور دس سال پہلے قوم پر ایک موت سی طاری تھی۔ تین سالوں میں آپ نے اس چھوٹے سے براعظم کے ایک سرے سے دوسرے تک مسلمانوں میں سیاسی شعور و احساس پیدا کر دیا۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لیے ایک پرچم بنایا۔ ایک مشترکہ پلیٹ فارم تیار کیا۔ ایک نصب العین قائم کیا جو میرے نزدیک آپ کو اس ارضِ موعود تک پہنچائے گا، جہاں ہم پاکستان قائم کر سکیں گے۔ (تالیاں)

ہمیں احساس ہے کہ ہمارا کوئی دوست نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم چار اطراف سے مخالفوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اب میں آپ کے صوبہ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آپ کی تعداد یہاں چار فیصدی ہے اور جیسا کہ میں نے 1937ء میں بمقام لکھنؤ پیشین گوئی کی تھی، آپ ایک امتحان آتشیں سے گزرے ہیں۔ آپ نے مصیبتیں جھیلی ہیں۔ آپ اس صوبہ میں چار فیصدی ہیں۔ جہاں واردھا کی خاص لیبارٹری میں ایک نئی کارروائی یا عمل کا تجربہ کیا جا رہا ہے۔ آپ کو خوفزدہ اور مقہور کرنے کے لیے کوشش کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ چار فیصدی آبادی کو خوفزدہ کرنے کی پالیسی نہ صرف ناروا اور غیر منصفانہ بلکہ بزدلانہ تھی۔ (شرم شرم! کی آوازیں)

آپ کو دل شکستہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ میں اس پلیٹ فارم پر یہ حقیقت ظاہر کرتا ہوں کہ میں نے عمر بھر ایسا فخر نہیں کیا تھا، جیسا اس صوبے کے مسلمانوں کے شاندار استقلال و عزم کا حال پڑھ کر اور سن کر کیا۔ ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دنیا کی کوئی قوم تکالیف برداشت کیے بغیر قوم نہیں بنی اور نہ کسی قوم نے ایثار کے بغیر اپنا مقصود حاصل کیا۔ یہ حقیقت ظاہر ہے کہ یہ بدبخت آئین (جو 1935ء میں مرتب کیا گیا تھا) اس ملک میں مع اپنے صوبائی حصہ کے بری طرح ناکام رہا۔ ہمیں اپنے عزائم اور مقاصد کی تجدید کرنی پڑے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس صوبے کے مسلمان خوش اور قوی دل رہیں۔ میں انھیں یقین دلاتا ہوں کہ کوئی ناروا غیر منصفانہ اور بے دیانت اقدام کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ آج کانگریسی لیڈروں میں اتنی دیانت کیوں نہیں کہ وہ آزادی سے تسلیم کر لیں کہ کانگریس مسلمانوں کی نمائندہ نہیں۔ مقدس راشٹرپتی (1) کے متعلق گفتگو کرنے سے کیا حاصل ہے

جب کہ اس کی حیثیت ایک "شوبوائے"(2) سے زیادہ نہیں۔ کانگریسی لیڈر اپنے سوا اور کس کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اپنے سوا کس کی آنکھ میں دھول جھونک رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں، آپ جانتے ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی موثق نمائندہ جماعت ہے۔ ابھی باردولی اندھیرے میں ہے۔ (قہقہہ) میں ناگپور میں جو واردھا اور سیواگرام کے قریب ہے، دعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ باردولی میں بھی کچھ روشنی پہنچادے۔(3)

کانگریس کیا چاہتی ہے، بعض اوقات یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس سے ٹینی سن کا یہ قول یاد آتا ہے۔

"بعض اوقات ایسے خیالات آتے ہیں کہ میں انھیں جامۂ الفاظ پہنانا گناہ سمجھتا ہوں۔"

جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے اور جس حد تک ایک ذہین آدمی ان کا مطلب سمجھ سکتا ہے، میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ میں نے کانگریس کو یہ مقصود سمجھا ہے اور کانگریس کی سرکاری قرارداد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ برطانوی حکومت سے یہ چاہتی ہے کہ ہندوستان کی آزادی کا فوری اعلان کر دیا جائے۔ اس حق کے ساتھ کہ لوگ حق رائے دہی بالغان کی بنا پر ایک کانسٹی ٹیوٹ (دستوری) اسمبلی کے ذریعہ اپنا آئین خود مرتب کر لیں۔ اس کے بعد مسلمانوں میں جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب دینے کی نوازش کی جائے۔ جب مسلم مفاد اسمبلی کے فیصلوں سے غیر مطمئن ہوں اور یہ ایسا ہی یقینی ہے جیسا دن کے بعد رات کا آنا۔ میں جانتا ہوں کہ مسلمان مطمئن نہ ہوں گے۔ اس لیے کہ کانسٹی ٹیوانٹ اسمبلی میں ہندوؤں کی 75 فیصدی اکثریت ہوگی اور میں گزشتہ تین سالوں کے متعلق سیکڑوں مثالیں پیش کر سکتا ہوں کہ کسی مخلوط جماعت میں جہاں ہندوؤں کی عظیم اکثریت اور مسلمانوں کی اقلیت تھی، کسی بڑے مسئلہ پر اتفاق رائے نہیں ہو سکا۔ اس صورت میں مسلمانوں کے ساتھ یہ رعایت روا رکھی جائے گی کہ وہ ثالث سے رجوع کر سکیں۔ سوال یہ ہے کہ ثالثی عدالت کے ارکان کو کون نامزد کرے گا؟ اگر میں اپنی پسند کے ثالث منتخب کروں گا تو کیا ہندو ان کو منظور کر لیں گے۔ اگر نہیں تو پھر ثالث کون منتخب کرے گا؟ اگر ہم ثالثوں کے مسئلہ پر متفق نہ ہو سکیں تو کیا ہوگا؟ لیکن ان تمام امکانات سے قطع نظر ہم سے کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی شرکت صرف اقلیت کے تحفظات کے مسئلہ تک محدود رہے گی۔ جہاں تک دوسرے مسائل کا تعلق ہے، ان کا فیصلہ اکثریت ہی کرے گی۔ یہ ہے کانگریس کا مقصد۔

کانگریس کا عقیدہ جیسا کہ صف اول کے رہنماؤں مسٹر گاندھی اور مسٹر جواہر لال نہرو نے حال ہی میں بیان کیا۔ کامل آزادی ہے۔ مسٹر جواہر لال نے ایک تازہ تقریر میں کہا کہ انگریزوں کو اس ملک سے نکل جانا چاہیے۔ اچھا اگر آپ کا مقصود یہی ہے تو اس پر مردانہ وار قائم رہیے۔ پہلو تہی نہ کیجیے۔ آپ

انگریزوں سے اعلانِ آزادی اور کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے قیام میں سہولتوں کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں؟ مردانہ وار اپنے مقصد پر قائم رہیے اور کراموبل کے الفاظ میں انگریزوں سے کہہ دیجیے کہ ''یہاں سے نکل جاؤ۔'' اب دیکھیے کہ راشٹر پتی مولانا ابوالکلام آزاد کیا فرماتے ہیں؟ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر اور ترجمان کا ارشاد ہے کہ:

''جب تک برطانوی حکومت کی روش نہ بدلے کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔''

لیکن اگر برطانوی حکومت کی روش بدل جائے تو آپ کے ''عقیدۂ آزادی'' کا کیا بنے گا؟ کیا آپ سمجھوتا چاہتے ہیں۔ کیا آپ اپنی روح کی حوالگی چاہتے ہیں۔ یہ ہے وہ مدعا جسے ایچ پیچ سے ظاہر کرتے ہیں۔ راج گوپال آچاریہ صاحب فرماتے ہیں:

''میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں پونا پیشکش کی تجدید کرنی چاہیے۔''

اس کی تجدید کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے محبوب رہنما جناب گاندھی سے محروم ہوجائیں گے جو انگریز حکام سے جبر اور بلیک میلنگ کے ذریعہ انتقال اختیار و اقتدار طلب کرنے کے فن میں بڑے خصوصی ماہر ہیں۔

جناب گاندھی ہمیشہ یہ کہتے رہتے ہیں کہ:

''میں لڑائیوں کے خلاف ہوں۔ اگر دفاع وطن کے لیے بھی ہو تو میں جنگ کو پسند نہیں کروں گا۔ ہٹلر آتا ہے تو اُسے ہمارے جسموں کو پامال کرنے دو۔ ہم ستیہ گرہ کریں گے۔''

لیکن جب پونا کی پیشکش کی گئی تھی تو جناب گاندھی نے اس وقت کیا اقدام کیا؟ پونا کی پیشکش کا مطلب یہ تھا کہ اگر برطانوی حکومت نے کانگریس کے مطالبات تسلیم کر لیے تو کانگریس مساعی جنگ اور ہندوستان اور انگلستان کی مدافعت میں پورا حصہ لے گی۔ جناب گاندھی کو ایسا صدمہ ہوا کہ وہ کانگریس کے جنرل نہ رہ سکے۔ حالاں کہ وہ کانگریس کے چار آنہ والے ممبر بھی نہیں۔ جناب گاندھی نے فرمایا کہ:

''میں ایک ماہر خصوصی اور جنرل کی حیثیت سے کانگریس کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔''

پھر جناب گاندھی نے کیا کہا؟ آپ کو یاد ہوگا کہ دوسرے دن ہی جناب گاندھی نے برطانوی جرائد کے نامہ نگاروں کو ایک بیان دیا، جس میں حکومت برطانیہ کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ پیشکش پونا کو قبول کرلیں اور موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ ایسا نہ کیا تو یہ شدید ترین غلطی ہوگی۔ ایک شخص جو تمام لڑائیوں کے خلاف رہا ہے، جو ''اہنسا'' کا قائل ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ کانگریس نے میرے مدت العمر کے عقیدہ اور

نصب العین کے خلاف عمل کیا ہے۔ اس لیے میں اس سے وابستہ نہیں رہ سکتا۔ دوسرے روز ہی برطانوی پریس کو بیان دیتا ہے اور پیشکش پونا کی تائید کرتا ہے۔ ان امور کے پیش نظر یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کانگریس کیا چاہتی ہے اور کس مقصد کے لیے کوشش کر رہی ہے۔

راج گوپال اچاریہ صاحب کو دیکھیے۔ ان کا خیال ہے کہ بار بار قید خانہ میں جانا اور قید و بند کو دعوت دینا بے کار ہے۔ اب یہ لوگ باردولی میں جمع ہو رہے ہیں۔ (4) کانگریس میں جناب گاندھی بھی ہیں اور جواہر لال نہرو بھی اور راج گوپال اچاریہ بھی۔ لیکن یہ تینوں حضرات متضاد باتیں کہتے ہیں۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ ذی فہم آدمیوں کی طرح اس مسئلہ پر غور کیجیے اور بتایئے کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ کانگریس ایک بلند مقام پر متمکن ہونے کا باطل دعویٰ کر رہی ہے۔ یہ باطل ادعا ایک ضمنی تماشے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی مشین کے دوسرے پرزے بھی مصروفِ کار ہیں۔ مثلاً ہندو مہاسبھا۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ہندو مہاسبھا اپنے عزائم صاف لفظوں میں ظاہر کرتی ہے۔ اس کے رہنما جو کچھ کہنا ہو، صاف کہتے ہیں۔ ساورکر صاحب نے اپنی اس تقریر میں جو بدقسمتی سے بھاگل پور میں نہیں کی جاسکی۔ صاف طور سے اعلان کر دیا کہ:

"میں اپنی قوم اور ہندو اقتدار کا علم بردار ہوں۔"

انھوں نے سلیس اور؟ صاف زبان میں کہہ دیا کہ اس چھوٹے براعظم میں ہندو راج قائم ہونا چاہیے۔ اگر مسلمان نہیں مانتے تو ہم افغانستان کو ہندوستان سے ملحق کر لیں گے اور سرحد ہندوستان ہندوکش تک وسیع کر دی جائے گی۔ مسلمان ایک اقلیت سے زیادہ کسی رعایت کے مستحق نہیں۔ یہ سب باتیں کسی تشریح اور توضیح کی محتاج نہیں۔ میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ ساورکر، ڈاکٹر مونجے اور ان کے رفقا کو مالیخولیا ہو گیا ہے۔ وہ مسلمانوں کو کم اور اپنی جاتی کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا رہے ہیں۔ میں خوش ہوں کہ انھوں نے کانگریس کی طرح اپنے عزائم اور مقاصد کو چھپانے کی کوشش اور اظہار خیالات کے لیے ڈپلومیٹک زبان استعمال نہیں کی۔ میں خوش ہوں کہ خدا کے فضل سے اب کانگریس یا اور کوئی جماعت مسلمانوں کو احمق نہیں بنا سکتی۔

ہندو مہاسبھا کس کام میں مصروف ہے۔ وہ ہندوؤں کو عسکریت اور صنعت و حرفت کی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہے۔ وہ ہندوؤں پر زور دے رہی ہے میدانی، بحری اور فضائی افواج میں بھرتی ہو کر جنگ میں مدد دیں۔ (5) کس کو صنعت اور عسکریت کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے؟ ہندو قوم کو میں جناب ساورکر اور فیلڈ مارشل مونجے سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اس ملک میں بسنے والے تمام لوگ بے عقل ہیں۔ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ انگریزوں کو بیوقوف بنایا جا سکتا ہے۔ پھر ایسی باتوں سے

حاصل؟ زبانی اظہار وفاداری اور پوشیدہ مقصد کے ساتھ ہندوؤں کو میدانی، بحری اور فضائی فوج میں بھرتی کرانے کی تحریک سے فائدہ؟ پھر یہ کیا کریں گے؟ اس کا جواب صاف ہے۔ پاکستان بخارات کی طرح ہوا میں اُڑ جائے گا اور انگریز یہاں سے رخصت ہو کر لندن میں جا بسیں گے۔ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ ان حضرات کو جو ایسی باتیں کرتے ہیں کسی جگہ بند کر دینا بہتر ہوگا؟

مسلمان کہتے ہیں کہ ہندوستان کا وہ حصہ ہمارے حوالے کر دو، جہاں ہماری اکثریت اور وطن ہے۔ ہمیں اپنی حکومت کے تحت رہنے دو اور ہم ہندو اقلیت کی حفاظت کا ذمّہ لیتے ہیں۔ تم ہندو ہندوستان میں رہو اور اس کی مسلم اقلیت کی حفاظت کرو۔ تین چوتھائی ملک تمھارے قبضہ میں ہوگا۔

لیکن ہندو تین چوتھائی ملک نہیں پورا ملک چاہتے ہیں۔ پھر انھیں پورا کس طرح مل سکتا ہے۔ ساورکر کی اسکیم کیا ہے؟ وہ اسکیم یہ ہے کہ جب میدانی، بحری اور فضائی فوج اور نظم ونسق میں ہندوؤں کو 75 فیصدی حصہ مل جائے گا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تک فیلڈ مارشل اس امر کی کوشش کریں گے کہ ہر ایک ہندو گوشت کھانے لگے تو پھر ہندو راج قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ان مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جو شمال مغرب اور شمال مشرق میں رہتے ہیں؟ ان سرحدوں پر کیا واقع ہوگا۔ وہ بھی سنیے۔

سرحدوں پر ہندو فوج اسی طرح مامور کر دی جائے گی۔ جس طرح اب برطانوی متعین ہے اور یہ ہندو فوج اس امر کا لحاظ رکھے گی کہ مقامی مسلمان سر نہ اٹھانے پائیں۔ ہندو ایک مرکزی حکومت قائم کریں گے۔ جو اس چھوٹے براعظم پر ایک سرے سے دوسرے تک حکومت کرے گی۔ ہوسکتا ہے کہ افغانستان کو بعد میں ملحق کر لیا جائے۔ اس لیے مسلمانوں کو کسی طرح کی ذمّہ دار حکومت بھی نصیب نہ ہوگی۔ یقیناً وہ اس حد تک ترقی نہ کر سکیں گے کہ ایک خودمختار ریاست کی صورت اختیار کر سکیں۔ دوسرے الفاظ میں ان کے حقوق ہمیشہ کے لیے سلب کر لیے جائیں گے۔ وہ اپنے علاقوں میں میدانی، بحری اور فضائی فوج نہیں رکھ سکیں گے۔ حضرات! یہ خواب ہی نہیں اس امر پر اصرار کرنا ہندو مہاسبھا کی بدترین حماقت ہے۔

ہندو مہاسبھا کا مطالبہ کیا ہے؟ آج کل تو اس نے بھاگل پور کے سوا سب مطالبات کو ترک کر رکھا ہے جو چند روز میں طے ہو جائے گا۔ مہاسبھا انگریزوں سے کہہ رہی ہے۔ ہم آپ کے ساتھیوں کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔ آپ جو خدمت فرمائیں ہم بجالانے کے لیے تیار ہیں۔ ہندوؤں کے لیے میدانی، بحری اور فضائی افواج کی بھرتی کھول دیجیے۔ آپ جو حکم دیں گے، ہم اس کی تعمیل کریں گے۔

ایک طرف ہندو مہاسبھا ایک پوشیدہ غرض سے جس کے متعلق کسی شخص کو شک وشبہ نہیں ہوسکتا، یہ التجائیں کر رہی ہے اور دوسری طرف اپنے ایک بھائی کے توسط سے اس بات پر زور دے رہی ہے کہ:

انگریز ایک وقتِ معین کے اندر ہندوستان کو ویسٹ منسٹر کی نوعیت کا درجہ نوآبادیات دے دیں۔''

یہ درجۂ نوآبادیات کون دے گا؟ برطانوی حکومت؟ میں پوچھتا ہوں کہ کیا صراحتاً بے فائدہ اور لغو ہے؟ اول اس لیے کہ برطانوی حکومت ایسا نہیں کر سکتی۔ اگر کرے بھی تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ساورکر کو گدی پر بٹھا دے گی اور اس کے راج میں پولیس کے فرائض بجالائے گی۔ ویسٹ منسٹر نوعیت کا درجہ نوآبادیات کس طرح دیا جائے گا، جیسا کہ مسٹر ایمری نے بجا طور پر کہا:

''درجہ نوآبادیات کوئی نشان یا تمغہ نہیں کہ اسے سیفٹی پن کے ساتھ کوٹ کے کاج میں لگا دیا جائے۔''

یہ سوال ہے اس چھوٹے براعظم میں کاروبار حکومت چلانے کا۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ برطانوی سنگینوں کی حفاظت میں گدی پر بیٹھے رہیں؟ کیا آپ اس کی توقع رکھتے ہیں؟

ہندوؤں کی طرف سے وقت کی تعیین کا مطالبہ کس غرض سے کیا جارہا ہے؟ اس معاملہ میں ہمیں اپنے مخالفوں کی ذہانت کی داد دینی چاہیے۔ خواہ وہ کسی قدر بیوقوف ہوں۔ آخر ان کا مقصد کیا ہے؟ ہندو مہاسبھا کا مطالبہ ہے کہ برطانوی حکومت وعدہ کرے کہ جنگ کے ایک یا دو سال بعد ویسٹ منسٹر نوعیت کا درجۂ نوآبادیات دے دیا جائے گا۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ اگر آج برطانوی حکومت موثق طور پر اعلان کر دے کہ ہندوستان میں کینیڈا کی مانند ویسٹ منسٹر نوعیت کی حکومت ہندوستان میں قائم کر دی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہندوستان کا آئین یہاں کی بڑی پارٹیوں کی رائے سے مرتب نہیں کیا جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں مسلمانوں کی رضامندی ضروری نہ ہوگی۔ پھر کس کی منظوری سے برطانوی حکومت یہ آئین نافذ کرے گی۔ کانگریس اور ہندو مہاسبھا کی منظوری سے اگر ہندو مطمئن اور مسلمان غیر مطمئن ہوں تو برطانوی حکومت کہہ دے گی کہ ہم اپنا وعدہ پورا کر رہے ہیں اور ہمیں آئین مرتب کرنا چاہیے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا موعودہ آئین مرتب ہونے کے بعد ہندوستان سے برطانوی فوج چلی جائے گی؟ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ انگریز ایسے بیوقوف نہیں، اگر وہ ایسی حماقت کریں بھی تو وہ آئین دو ہفتوں سے زیادہ قائم نہیں رہے گا۔''

جواہر لال نہرو کہتے ہیں ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دو۔ سر تیج بہادر سپرو بھی جو زیادہ نرم اور صلح جو اور اس وجہ سے زیادہ عیار ہیں۔ یہی کہتے ہیں۔ آپ اس معاملہ میں خاندانی مشابہت دیکھ سکتے ہیں۔ سر تیج بہادر سپرو جو بہت تیز طرار اور ظاہردار ہیں۔ 25 دسمبر کے بیان میں کہتے ہیں:

''ہندوستانیوں کو یہ محسوس کرا دینا چاہیے کہ وہ مساعی جنگ میں شرکت کرتے ہوئے نہ صرف دولتِ مشترکہ کے متعلق اپنے فرائض ادا کر رہے، بلکہ اپنی آزاد زندگی کے تحفظ کے واسطے بھی لڑ رہے ہیں۔''

وہ سفارش کرتے ہیں کہ ایک نیا اعلان کر دیا جائے کہ ہندوستان کے ساتھ محکوم اور زیردست ملک کا سا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ ایک بھائی کہتا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دو۔ دوسرا بھائی کہتا ہے، اس بات کا یقین دلا دو کہ ہندوستان کے ساتھ زیردست اور محکوم ملک کا سا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ کیا آپ ان دونوں باتوں میں کوئی فرق کر سکتے ہیں؟ سر تیج بہادر سپرو اور لبرل حضرات ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں۔ شاستری صاحب ایک تازہ تقریر فرماتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ مسلمانوں کو وہ تمام تحفظات دے دیں جو قومی مفاد کے مطابق ہوں۔ کس کے قوم مفاد کے مطابق؟ کون سی قوم؟ ہندو یا مسلمان؟ اس طرح آپ جتنا غور کریں گے، اسی ہندو اقتدار کے منصوبے مضمر پائیں گے؟

خواتین اور حضرات! اس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان نہ صرف اقلیت، بلکہ اپنی اکثریت کے علاقوں میں بھی ہندو راج کے تحت رہیں اور ان کے احکام بجا لائیں، جب تک مسلمان زندہ ہیں، اس کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔ (نعرہ ہائے تحسین) ہندو جس قدر جلد اس باز کو چھوڑ دیں اسی قدر بہتر ہوگا۔

کرسمس میں ہندو لیڈروں کے بیانات کی بھرمار اور بوچھاڑ کیوں ہو رہی ہے؟ ہندو لیڈر اپنی سیاست دانی کے زعم میں یہ سمجھتے ہیں کہ جاپان کے شریک جنگ ہونے کے بعد انگریز ایک خوفناک کشمکش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ برطانیہ پر اتنا دباؤ پڑ رہا ہے اور وہ اس قدر پریشان ہے کہ کسی نہ کسی گوشے سے مدد حاصل کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جاپانی حملہ کا مقابلہ کرنے کے لیے برطانیہ کی تیاریاں اور وسائل کافی نہ ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت برطانیہ متزلزل ہے اور یہ وقت ہے کہ ایک برق رفتار شورش کا آغاز کر دیا جائے اور یہ دباؤ ڈال کر اس سے ہندوستان کے واسطے یہ مراعات حاصل کر لی جائیں۔ ان کی توقعات اس بنا پر بڑھ گئی ہیں کہ حکومت ہند نے بعض اقسام کے قیدیوں کو رہا کر دیا ہے۔

اسی وجہ سے کانگریس ہنوز غور و خوض کر رہی ہے۔ پہلے روز باردولی میں 9 گھنٹوں تک اجلاس جاری رہا۔ دوسرے روز پھر 9 گھنٹوں تک بحث و تمحیص ہوتی رہی اور ابھی کئی روز تک جاری رہے گی۔ یہ چالاک لوگ ہیں۔ وہ اپنی گردن بچانے کے لیے کوئی نہ کوئی سوراخ رکھیں گے۔ آخر کیا ہوگا؟ راج گوپال اچاریہ کامیاب ہوئے تو گاندھی جی کنارہ کش ہو جائیں گے، لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جناب گاندھی تو کانگریس کے چار آنہ والے ممبر بھی نہیں، لیکن وہ ممبر نہ ہونے کی حیثیت میں کانگریس کے ممبر رہیں گے۔

جناب گاندھی نے پورن سوراج حاصل کرنے کے لیے 13 نکات مرتب کیے ہیں۔ جناب گاندھی اپنی تقریر کا جو مطلب چاہتے ہیں، بیان کر دیتے ہیں اور جو کچھ لکھتے ہیں، اس کا مطلب بھی جب چاہتے ہیں اپنے حسب مراد بتا دیتے ہیں۔ (قہقہہ) یہ حقیقت ظاہر ہے۔ جناب گاندھی فرماتے ہیں کہ پہلی شق فرقہ وارانہ اتحاد ہے۔ فرقہ وارانہ اتحاد سے ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اطاعت قبول کر لیں اور اپنے قتل نامہ پر خود دستخط ثبت کر دیں۔ اس کے بعد اچھوت پن کو دور کرنے کا نمبر آتا ہے اور پھر امتناع مسکرات کھادی۔ دیہاتی صنعتیں، دیہات کی صفائی، ابتدائی تعلیم، تعلیم بالغاں، تعلیم و ترقی نسواں، تعلیم، صحت و تندرستی، راشٹر سبھا کا پروپیگنڈا، زبان کی خدمت اور اقتصادی مساوات کی باری ہے۔ سوال یہ ہے کہ اقتصادی مساوات کس کے ساتھ؟ انگریزوں کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ نہیں۔

میں ایک اہم ترمیم پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ کانگریس پاکستان کو قبول کر لے اور اس طرح 13 کو چودہ نکات بنا دیا جائے۔ اس سے سمجھوتا آسان ہو جائے گا۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے، زبان کی خدمت اور اقتصادی مساوات کے معاملہ میں ہم کانگریس سے کوئی جھگڑا نہیں کریں گے۔ ہم اپنے علاقوں میں خود مختارانہ حیثیت سے جو زبان چاہیں گے، بولیں گے۔ ہندوؤں کو اختیار ہے جو زبان چاہیں بولیں۔ (تالیاں)

جناب گاندھی جو چاہیں کہیں۔ آزادئ تقریر کا سوال انھوں نے ہی اٹھایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں صرف آزادئ تقریر کے واسطے لڑ رہا ہوں۔ کانگریس کے اس بڑے پروہت کا تازہ بیان پڑھیے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ حکام کو مجبور اور تنگ کرنے کا ایک طریقہ باقی تھا جو انھوں نے اختیار کر لیا۔ مقصد یہ ہے کہ حکام اس تکلیف دہ لغویت کے آگے سر تسلیم خم کر دیں جس کو انفرادی ستیہ گرہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آزادئ تقریر کے لیے نہیں بلکہ پورن سوراج یا کامل آزادی کے واسطے۔ جیسا کہ خود جناب گاندھی نے توضیح کی ہے۔ سول نافرمانی کے متعلق فرماتے ہی کہ وہ عام امور مثلاً آزادی کے لیے کبھی اختیار نہیں کی جاتی۔ مسئلہ ایسا صاف اور واضح ہونا چاہیے کہ آسانی سے سمجھا جا سکے اور تسلیم کرنا مخالف کے اختیار میں ہو۔

میں نے یہ تصریحات اس لیے کی ہیں کہ نوجوان دوست اس ملک کی صحیح صورت حال سمجھ جائیں۔ مجھے افسوس ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمان اور مسلم طلبہ بہت بے خبر ہیں۔ کانگریس مساعی جنگ کے خلاف ہے۔ وہ جنگ کے خلاف نعرے لگاتے ہیں۔ لیکن سندھ میں انھوں نے کیا کیا ہے۔ وہاں کانگریس پارٹی الہ بخش صاحب کی حمایت کر رہی ہے۔ حالاں کہ الہ بخش صاحب جنگ میں مدد دے رہے ہیں۔ (6) بلکہ نام نہاد نیشنل ڈیفنس کونسل کی رکنیت بھی قبول کر لی ہے۔ جب یہ سوال اٹھایا گیا تو

گاندھی جی نے آرام کے ساتھ اسے پارلیمنٹری کمیٹی کے حوالے کر دیا اور اس کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ سندھ کے خاص حالات ایسے ہیں کہ کانگریس کمیٹی اللہ بخش صاحب کی حمایت سے باز نہیں رہ سکتی۔ آسام میں کانگریس پارٹی نے کیا کیا؟ وہ چودھری صاحب کی تائید کے لیے تیار ہے جنھوں نے پراسرار طور سے کولیشن پارٹی کو چھوڑ دیا۔ حالاں کہ وہ اس کی رکنیت کے باعث وزارت کے بھی رکن تھے۔ اب ان چودھری صاحب نے ایک اور پارٹی بنالی ہے۔ کانگریس ان چودھری صاحب کی وزارت کی حمایت کے لیے تیار تھی۔ لیکن دو بلیوں میں انصاف کے واسطے بندر آ گیا۔ دفعہ نمبر 93 نافذ کر دی گئی۔ اب سر سعداللہ اور چودھری صاحب دونوں آرام کر سکتے ہیں۔

بنگال میں کانگریس پارٹی کیا کر رہی ہے؟ فضل حق صاحب نے جونئی وزارت مرتب کی ہے، کانگریس پارٹی اس کی حمایت کر رہی ہے اور اسی کی وجہ سے فضل الحق صاحب وزارت قائم کر سکتے ہیں۔ انھی فضل الحق صاحب کے باعث لارڈ لن لتھگو صاحب یہ اعلان کر سکے کہ:

''اب مجھے اس جلیل القدر وزیر اعظم کی تائید حاصل ہوگی۔''

وزیر اعظم بنگال اپنے عہدہ کے باعث نام نہاد نیشنل ڈیفنس کونسل کے رکن بھی ہوں گے۔ کانگریس ان فضل الحق صاحب کی حمایت کر رہی ہے۔ میں فضل الحق صاحب کو کرسمس کے تحفہ کے طور پر لارڈ لن لتھگو کی خدمت میں پیش کرتا ہوں (تالیاں) اور گورنر بنگال کی خدمت میں نواب ڈھاکہ کو ہدیۃً پیش کرتا ہوں۔ میں خوش ہوں کہ مسلم ہندوستان کو ان لوگوں سے نجات ملی جو مسلمانوں کے ساتھ بدترین غداری اور دغابازی کے مجرم ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی انجمن میں غداروں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی بڑے آدمی ہوں، ان کو نکال دینا چاہیے۔ اب ہم آبرومندانہ طور سے بڑھیں گے اور ان غدار قسم کے لوگوں کو خارج کر کے زیادہ طاقت حاصل کر سکیں گے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت بھی ہمیں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے سے نہیں روک سکتی۔

برطانوی حکومت اور مسلم لیگ کے تعلقات کے سلسلہ میں ہم اپنی حیثیت بار بار بیان کر چکے ہیں۔ پرسوں میں نے نیوز کرانیکل کو اسی موضوع پر ایک بیان دیا ہے۔ ہماری روش معقول اور منصفانہ ہے اور ایسی ہی رہے گی۔ کوئی معقول، منصف مزاج ہمیں الزام نہیں دے سکتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہندوستان اور انگلستان کو ایک ہی خطرہ درپیش ہے اور اپنے لوگوں اور گھروں کی حفاظت کی خاطر ہم اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن حکومت میں حقیقی اور اصل اختیار کے بغیر ہم اس خطرہ کا مقابلہ کامیابی سے نہیں کر سکتے۔ گزشتہ دو سال کو رائیگاں کرنے کی ذمہ داری برطانیہ پر ہے۔ اگر اس کا عمل یہی رہا تو ایک دن اس کو مسلم لیگ کی مخلصانہ پیشکش مسترد کر دینے پر پچھتانا اور افسوس کرنا پڑے گا۔

حواشی

1۔ اشارہ ہے مولانا ابوالکلام آزاد کی طرف۔ جو اس زمانے میں کانگریس کے صدر تھے۔

2۔ یہ لفظ ''شو بوائے'' سیاسیاتِ ہند میں سخت نزاعی مسئلہ بن گیا۔

3۔ واردھا، سیوا گرام، باردولی، یہ سب مقامات گاندھی جی کی اقامت گاہ کا کام دیتے تھے۔

4۔ جو کانگریسی لیڈر جیل نہیں گئے تھے، وہ باہر رہ کر حکومت اور کانگریس میں مصالحت کی کوشش کر رہے تھے۔

5۔ مسٹر سری نواس شاستری ہندوستان کے معتدل لیڈر جن کا سب احترام کرتے تھے۔

6۔ باوجود کہ مسٹر اللہ بخش وزیراعظم سندھ خان بہادر تھے اور انگریزوں کے نیاز مند تھے۔ لیکن چوں کہ مسلم لیگ کے مخالف تھے۔ لہٰذا کانگریس ان کی وزارت کی حمایت کر رہی تھی۔ وہ مساعی جنگ میں بھی حکومت سے مخلصانہ تعاون کر رہے تھے اور کانگریس تعاون کی سخت مخالف تھی۔ مگر خان بہادر کی تائید سے دست کش نہ ہوئی۔ محض لیگ کی مخالفت کے باعث۔

7۔ وہ ''خاص حالات'' کیا تھے؟...... مسلم لیگ!

8۔ فضل الحق مسلم لیگ سے غداری کر کے اور قائداعظم کے فرمان سے سرتابی کر کے حکومت سے تعاون کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم لیگ کی ان سے ٹھن گئی۔ انھوں نے نئی وزارت بنائی، جس میں لیگ کا کوئی رکن نہ تھا۔ کانگریس اس وزارت کی زبردست حمایت کے لیے وقف ہوگئی۔ یہی فضل الحق تھے، پاکستان بننے کے بعد غلام محمد نے جنھیں وزیر داخلہ پھر بنگال کا گورنر بنایا۔ جس طرح ڈاکٹر خان صاحب کو مغربی پاکستان کا پہلا وزیراعظم بنادیا۔

9۔ نواب ڈھاکہ بھی مسلم لیگ سے غداری کر کے وزارت کے لالچ میں فضل الحق کے ساتھ ہو گئے تھے۔

1942ء

جب قائداعظم غیروں سے لڑ رہے تھے!

جب قائداعظم کو اپنوں سے لڑنا پڑ رہا تھا!

جب قائداعظم غداروں سے لڑ رہے تھے!

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے

یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

(جوہر)

بنگال پراونشل مسلم لیگ کانفرنس کا خطبۂ صدارت!

یہ ہیں فضل الحق!

15 فروری 1942ء

قائداعظم کا یہ نہایت اہم معرکہ آرا اور عہد آفرین خطبہ ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ فضل الحق مسلم لیگ سے غداری کر کے الگ ہو چکے ہیں۔ کانگریس اور دوسری ہندو جماعتوں کے تعاون سے انھوں نے ایک نئی وزارت بنگال میں بنا لی۔ مسٹر نلنی رنجن سرکار جیسے متعصب اور کٹر مہا سبھائی کو وہ اپنی وزارت میں شریک کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ مسلمانانِ بنگال کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ بنگال کے مسلم لیگی کارکن ہدفِ ستم بنے ہوئے ہیں۔ فضل الحق نے فیصلہ کر لیا تھا کہ بنگال میں مسلم لیگ کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہنے دیں گے۔ مسلم لیگ کو ختم کرنے اور مسلم لیگیوں کو مرعوب اور دہشت زدہ کرنے کے لیے، وہ ہر جائز اور ناجائز حربہ بے تکلفی سے استعمال کر رہے تھے اور چوں کہ مسلم لیگ کی پالیسی کے برخلاف وہ حکومت ہند سے تعاون کر رہے تھے، لہٰذا وہ بھی اور اس کے اشارے پر گورنر بنگال بھی ان کی ہر طرح سے ناز برداری میں لگے ہوئے تھے۔

یہ وقت تھا جب قائداعظم بنگال تشریف لے گئے اور بنگال پراونشل مسلم لیگ کے اجلاس منعقدۂ سراج گنج میں یہ ولولہ آفرین خطبہ ارشاد فرمایا۔

اس خطبہ میں قائداعظم نے جہاں مسٹر فضل الحق کی غداری، خودغرضی اور جاہ پرستی کا پول کھولا ہے۔ وہاں انگریزوں کی فریب کارانہ سیاست کو بھی بے نقاب کیا ہے اور ہندوؤں کی سامراجی ذہنیت بھی آشکار کی ہے اور ملت اسلامیہ کے عزم محکم کا بھی اعلان فرمایا ہے۔

اس خطبہ نے مسلمانان بنگال میں ایک نئی روح پیدا کر دی اور وہ فضل الحق کی دراندازیوں کے باوجود فرد واحد کی طرح لیگ کے پرچم تلے آ کھڑے ہوئے۔

رئیس احمد جعفری

خواتین وحضرات! میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے ''پراونشل مسلم لیگ کانفرنس'' کی صدارت کی عزت بخشی۔ میں نے آپ کی دعوت گزشتہ چند ماہ کے سیاسی نشوونما کے پیش نظر اور بھی زیادہ دلی رغبت سے قبول کی۔ آپ لوگ بنگال کے ایک سیاسی طوفان میں سے گزر رہے ہیں۔ میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ موجودہ صورت حالات کے متعلق میری رائے کیا ہے۔

خواتین وحضرات! مسلم لیگ کے مخالفین بہت ہیں۔ ہم مسلمان حیات وممات کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ ہم یہ حقیقت بار بار اور وضاحت کے ساتھ پیش کر رہے ہیں کہ ہم صرف اپنی قوم کی تنظیم کر رہے ہیں اور ہمیں ہندوؤں کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں اور اس براعظم تحتی میں بسنے والے کسی اور چھوٹے بڑے فرقے سے کوئی نزاع نہیں۔ نیز یہ کہ مسلم لیگ کا اولین اور عظیم ترین اصول یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند کے درجہ اور وقار اور حقوقِ سیاسی محفوظ کیے جائیں۔ ہم ہمیشہ (اور تمام اقسام کے حالات میں صرف اپنی حفاظت کرتے رہے ہیں اور) دوسروں کے حملوں کے مقابلہ میں دفاع سے آگے نہیں بڑھے اور ہمارا مطالبہ فقط یہ چلا آیا ہے کہ ہم اس ملک میں ایک آزاد قوم کے طور پر زندگی بسر کریں اور ہم پر کسی اور فرقہ یا قوم کی حکومت نہ ہو۔ یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ ہندو رہنما اپنے غرور اور فرعونیت اور مفاخرت اور ہمارے حقوق پر حملوں کا ثبوت دیتے رہتے ہیں اور اس طرح یہ حکم صادر فرماتے ہیں کہ مسلمان ہمیشہ ایک اقلیت کی حیثیت اختیار کر کے ہندوستان میں رہیں۔ چناں چہ ہم لڑتے ہیں تو صرف ان کی اس حکمت عملی، پروگرام اور رعونت وحملوں کے خلاف۔ کیوں کہ مسلمانانِ ہند فی الواقع ایک قوم ہیں اور اس لیے ہم ہندوؤں کے ساتھ کامل برابری کے علاوہ کسی اور حیثیت کے سامنے سر نہ جھکائیں گے۔

خواتین وحضرات! آیئے اب بنگال کی سیاسی صورتِ حال پر غور کریں اور بنگال کے افق آسمان پر نگاہ ڈالیں۔ جس بیہودہ آئین کے ماتحت صوبائی حکومتیں مصروفِ کار ہیں، ہمارا بنایا ہوا نہیں اور بنگال کے ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کے حق میں سخت نا منصفی کرتا ہے۔

خواتین وحضرات! بنگال لیجسلیٹو اسمبلی دو سو پچاس ممبروں پر مشتمل ہے۔ ان میں مسلمان اراکین ایک سو بائیس یا ایک سو تئیس ہیں اور ان میں ''مخصوص حلقوں'' کے نمائندے شامل ہیں۔ ان اعداد سے ظاہر ہوگا کہ عین آغاز سے ہی ہمیں اقلیت میں رکھا گیا۔ چناں چہ مسلم لیگ کی کوئی وزارت قائم ہی نہیں کی جا سکتی جسے استقلال اور پائیداری حاصل ہو۔ آپ خود ہی سوچیے کہ ایک اقلیت کس طرح سے ایک معقول اکثریت کے بغیر حکومت کر سکتی ہے؟ یہی بات پنجاب بلکہ سندھ پر بھی صادق آتی ہے۔ ان دو صوبوں میں بھی مسلم لیگ کی وزارت کی تشکیل نہیں کی جا سکتی۔ وہ لوگ جو حساب کتاب کی ضرورت سے واقف ہیں، ان کا یہ جھوٹا دعویٰ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کے صوبے میں مسلم لیگ والے اپنی وزارت

بنانے سے قاصر ہیں۔ (1)

خواتین و حضرات! میں 37-1936ء میں آپ کی سرزمینِ خوابیدگان میں آیا اور جب میں نے ڈھاکہ، میمن سنگھ اور کمیلا وغیرہ کے اضلاع کا دورہ کیا تو دیکھا کہ یہ سوتوں کا نہیں بلکہ جہاں تک درست عمل کو دخل ہے مُردوں کا علاقہ ہے۔ میں نے ایسے مسلمان دیکھے جو ذاتی اغراض پوری کرنے کے لیے عامۃ الناس کی آرا سے بے جا فائدہ اٹھا رہے تھے اور ان کو بہلا پھسلا کر خود صوبائی مجالس قانون ساز کی ممبری حاصل کرنے کے درپے تھے۔ ادھر بنگال کی یہ حالت تھی اور ادھر خود مسلم لیگ اس وقت تک محض ایک علمی مجلس سے بڑھ کر حیثیت نہ رکھتی تھی۔ مگر مسلم لیگ حالات کی اصل حقیقت سے آگاہ اور خبردار ہوئی اور اس نے مسلمانوں کو منظم کرنے اور انتخابات میں مسلم لیگ کے امیدواروں کی کامیابی میں کوشاں ہونے کی ذمہ داری اختیار کی۔ خوب یاد رکھیے کہ بنگال بجائے خود ایک براعظم ہے، مگر ہماری غریب اور نوعمر جماعت اس وسیع سرزمین میں پوری سرسٹھ نشستیں اپنے قبضہ میں لانے میں کامیاب ہوگئی۔ کرشک پروجہ پارٹی نے بھی جس کے سب سے بڑے حامی کارمسٹر فضل الحق تھے۔ مقابلۃً انتخابات میں حصہ لیا تھا۔ ان کی پارٹی نے بھی چند نشستوں پر قبضہ پایا۔ مگر انتخابات کے بعد انھوں نے از راہِ صوابدید اپنی پارٹی کو اور بعض دوسرے مددگاروں کو بھی فراموش کر دیا اور مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کر کے اسمبلی کی سب سے بڑی پارٹی کے لیڈر بن گئے۔ انھوں نے نہ صرف پروجوں اور بعض دوسروں کو پس پشت ڈالا بلکہ مسلم لیگ کے ممبر بن کر سارے صوبوں میں اسی کے سیاسی دین و مشرب کی تبلیغ کی اور اس دوران میں پروجوں کے چھوٹے سے چھوٹے گروہ کو بھی اپنی جیب میں احتیاط سے رکھا۔ (2)

خواتین و حضرات! وہ وزارت جو حال میں مستعفی ہوئی تھی، (3) کسی وقت بھی کامل طور پر مسلم لیگ کی وزارت نہ تھی۔ البتہ اکثریتِ اراکین اور تفوق کے لحاظ سے ضرور مسلم لیگ کی وزارت تھی اور ابھی یہ برسرِ کار تھی کہ ایک نیا مسئلہ پیش آیا۔ یعنی وائسرائے کی مجلس منتظمہ کی توسیع کا سوال اٹھا، جو حکومت برطانیہ کی آٹھویں اگست کی پیشکش کے نام سے مشہور ہوا اور اس پر آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے جس کے ممبر مسٹر فضل الحق بھی تھے۔ غور کیا اور فیصلہ کیا گیا کہ یہ پیشکش نامنظور کی جائے۔ چناں چہ وہ منظور نہ کی گئی۔ اس کے بعد مسلم لیگ کونسل نے اس نامنظوری کی تائید و تصدیق کی۔ مسٹر فضل الحق کونسل کے بھی ممبر تھے۔ انجام کار خود آل انڈیا مسلم لیگ کے کامل اجلاس نے عدم قبولیت پر صاد کیا۔

اس کے بعد جناب وائسرائے نے صدر مسلم لیگ کی رائے طلب کرنے کے بغیر اپنی مجلس منتظمہ کی توسیع ایک نام نہاد انڈین ڈیفنس کونسل (ہندوستان کی قومی مجلس دفاع) کی تشکیل کا فیصلہ کیا۔ یہ دونوں ہی تھے جنھیں مسلم لیگ رد اور نامنظور کر چکی تھی۔ پیشکش مذکور کی شرائط کے مطابق مسلم لیگ کو یہ حق حاصل

تھا کہ مجلس منتظمہ کی رکنیت کے لیے اپنے دو نمائندے نامزد کرے۔ مگر وائسرائے نے خود ہی دو مسلمان چنے اور نامزد کیے۔ آپ تسلیم کریں گے کہ اس طرح نہ صرف مسلم لیگ کو نقصان پہنچایا گیا بلکہ اس پر توہین کا اضافہ کیا گیا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کوئی وضع دار جماعت یا فرد جس میں حمیت کی کوئی رمق بھی باقی ہو، ایسے حالات میں ایسی پیشکش قبول کر سکتا ہے۔ (نہیں، نہیں) مگر مسٹر فضل الحق نے انڈین نیشنل ڈیفنس کونسل میں اپنی نامزدگی قبول کی۔ (شرم، شرم) اور اس سے پہلے صدر مسلم لیگ کی رائے نہ لی۔ جب یہ خبر شائع ہوئی تو معلوم ہوا کہ بعض دیگر اشخاص نے بھی یہ تقرر منظور کیا ہے۔ مگر سر سکندر حیات خاں اور سر سعد اللہ خاں مستحق تحسین و آفرین ہیں کہ انھوں نے مجلس عاملہ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور ڈیفنس کونسل سے مستعفی ہو گئے۔

اب سنیے کہ مسلم لیگ کے تیسرے یعنی بنگال کے وزیراعظم نے......جس کی مثال کی تخلیق سے دنیا قاصر ہے (4)......اس امر کے لیے مہلت مانگی کہ میں ڈیفنس کونسل کی ممبری سے استعفیٰ دینے یا نہ دینے پر غور کرلوں۔ مہلت طلب کرنا اُن کی ایک منظورِ نظر چالبازی ہے۔ جس سے ہر شخص واقف ہے، جب کوئی مشکل آن پڑے تو مسٹر فضل الحق یا تو مہلت مانگتے ہیں یا بیمار ہو جاتے ہیں۔ ہماری مجلس عاملہ ایک معقول پسند، ہوشمند، ذمہ دار اور فیاض طبع جماعت واقع ہوئی ہے۔ اس نے دس روز کی مہلت منظور کر کے مسٹر فضل الحق کو خبردار کیا کہ اگر آپ اتنے وقت تک مستعفی نہ ہوں گے تو آپ کے خلاف تادیبی کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔ مگر بنگال کے وزیراعظم نے بہت سی فریب کاریوں سے جس کا علم سب کو ہے، کام نکالنے کی کوشش کرنے اور کامیاب نہ ہونے کے بعد انجامِ کار ڈیفنس کونسل سے استعفیٰ تو دے دیا مگر کیسی بری طرح۔ اس کا ثبوت اس مکتوب سے ملے گا جو انھوں نے 8 ستمبر 1941ء کو سیکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ کو بھیجا اور جو آپ نے ضرور پڑھا ہوگا۔ اس میں مسٹر فضل حق نے صدر مسلم لیگ، مجلس عاملہ اور آل انڈیا مسلم لیگ سب کے خلاف غیر معقول، ناجائز اور شرمناک اتہام لگائے باوجودیکہ اس وقت تک اس معاملہ پر کونسل نے تو غور ہی نہ کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے توہین آمیز اور بدنام کنندہ اتہامات کی اجازت کوئی وضعدار جماعت نہیں دے سکتی۔ مگر مسٹر فضل الحق نے بہتان طرازی کا طریق جاری رکھا اور ملک کے ہر وضعدار مسلمان کے لیے صبر آزما بنے رہے اور آخر کار جب کوئی چارہ کار نہ رہا تو مسلم لیگ کا مطالبہ اگرچہ رسمی شکل و صورت میں نہیں۔ مگر فی الحقیقت عملاً مان لیا۔ چناں چہ ایک بار پھر اس امر کا اقرار کرنے کے بعد کہ میں مسلم لیگ کے حق میں وفادار ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ مجھے اپنے بیان سے صدر مسلم لیگ یا کسی ممبر کی توہین مقصود نہ تھی۔ ہم سے درخواست کی کہ اب یہ معاملہ اور اس کی بحث ختم کی جائے۔ اس پر مجلس عاملہ نے ایک وقیع اور باوقار جماعت کی شایانِ شان فیاضی سے کام لیا۔ مسٹر

فضل الحق کی درخواست منظور کی اور بات آئی گئی ہوگئی۔ مگر ابھی اس مقدمہ کی مثل بہ مشکل مزید غور و فکر سے دور کی گئی تھی کہ بنگال میں نہایت تعجب انگیز واقعات رونما ہوئے، جن سے یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ مسٹر فضل حق کئی ماہ سے نہایت تفصیل اور تکمیل کے ساتھ بعض تیاریاں کر رہے تھے۔ جن سے مقصد یہ تھا کہ مسلم لیگ کی قیادت کی قید و بند سے آزاد ہو جائیں اور بنگال اسمبلی میں اپنی وزارت کے قیام و دوام کے لیے اس پارٹی کے محتاج نہ رہیں۔ جس میں مسلم لیگ کو فوقیت حاصل تھی۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ مسٹر فضل الحق اس پارٹی کی تعمیر و تشکیل کر رہے تھے، جس کا نام جماعت ترقی پسند (پروگریسو گروپ) رکھا گیا اور جس کے لیڈر وہ خود بنے۔ یاد رہے کہ اس دوران میں وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے ممبر تھے۔ صوبائی مسلم لیگ کے صدر تھے۔ اسمبلی کے اندر ممبران مسلم لیگ کے لیڈر تھے اور اجتماعی (کولیشن پارٹی) کے بھی لیڈر تھے۔ مسٹر فضل الحق نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے ایک اور کام یہ کیا کہ بنگالی زبان میں ایک روزنامہ بنام ''ناوا جوگ'' شائع کرنے لگے اور اس پر جلی حروف میں یہ الفاظ لکھے۔ زیر اہتمام مسٹر اے کے فضل الحق اس اخبار کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ مسلم لیگ کو گالیاں دے اور اس کے اغراض و مقاصد کو بُرا بتائے۔

موجودہ وزارت کے پیش رو وزارت کے مستعفی ہونے کے بعد مسٹر فضل الحق نے بذاتِ خود چل پھر کر اپنی حمایت و اعانت کے لیے ممبران اسمبلی کے دستخط جمع شروع کیے اور جب ایک سو انیس ممبروں کے دستخط جمع ہو گئے تو گورنر کی خدمت میں التماس کی کہ مجھے پروگریسو پارٹی کے لیڈر کی حیثیت میں ترتیب وزارت کا کام تفویض کیا جائے۔ یہ پارٹی مختلف النوع اقتصادی اور سیاسی خیالات کے لوگوں پر مشتمل تھی، جن کے اغراض و مقاصد میں اکثر تضاد پایا جاتا تھا اور اس کی تخلیق ایک تازہ ترین شے تھی۔ جس سے مقصد یہ تھا کہ مسلمان ممبروں کی یکجہتی تباہ کی جائے اور ان کی جماعت میں فتور ڈالا جائے۔ میں نے آپ کو جملہ تفصیلات سے آگاہ نہیں کیا۔ مگر جو کچھ کہا ہے اس کے پیش نظر آپ سے فیصلہ طلب کرتا ہوں۔ کیا یہ ساری کوشش جو مسٹر فضل حق نے کی، اس امر کے برابر نہیں کہ انھوں نے نا صرف مسلم لیگ سے غداری کی بلکہ مسلمانانِ بنگال و ہند سے بھی دغابازی روا رکھی۔ اس کے علاوہ اس عمل سے انھوں نے اس اجتماعی فریق (کولیشن پارٹی) کے حق میں بھی دغابازی اور غداری سے ہی کام لیا۔ جس کے لیڈر وہ ساڑھے چار سال تک رہے تھے اور جس کے بل بوتے پر وہ وزیر اعظم بنائے گئے تھے۔

آیئے اب ہم اس امر کے سمجھنے کی کوشش کریں کہ اس نازک وقت، اس آزمائش کی گھڑی میں جو طریق کار اختیار کیا گیا تھا۔ کیا ہم یقین کر سکتے ہیں کہ گورنر اصل واقعات سے باخبر نہ تھا، یا اس کو بھی احوالِ واقعی سے اتنی ہی آگاہی تھی جتنی ہمیں تھی؟ ہمارے پاس محکمۂ مخبری نہیں مگر گورنر کے پاس ہے۔ گورنر نے

اس دستور پر (جسے ایک بہت بڑی حد تک قانون کی قوت حاصل ہے) عمل نہ کیا جو برطانوی پارلیمان میں مروّج ہے۔ اس نے اسمبلی کی سب سے بڑی اکیلی پارٹی کے لیڈر کو تشکیل و ترتیب وزارت کی دعوت نہ دی، بلکہ ایک ایسے شخص کو اس کام کے لیے بلایا جو حکومت بنگال کا افسر اعلیٰ ہونے کے وقت بھی سازشیں کرتا رہا تھا۔ (5) جو اپنی ٹوپی ہاتھ میں لیے اور کاسہ گداگری بنائے ممبروں کی مدد و معاونت طلب کرتا رہا تھا تاکہ ان کی تائید اور سہارے کی بنا پر اُسے گورنر یہ کام سپردگی کے لیے درخواست کرے۔ ہاں ایک ایسا شخص جس کا یہ سارا عمل میری رائے میں ایک ایسے شخص کے لیے نادرست، ذلت آمیز اور احترام و وقار کے منافی تھا۔ میں اصرار کے ساتھ کہوں گا کہ ایسے طریق عمل کی حوصلہ افزائی دنیا بھر کے اندر کسی پارلیمانی نظام حکومت میں نہیں پائی جاتی۔ دستخط آسانی سے دستیاب نہیں ہوتے۔ ان کے لیے بعض اقرار کرنے پڑتے ہیں، جو اراکین مجلس قانون ساز کو کسی نہ کسی شکل میں رشوت دینے کے برابر ہوتے ہیں۔

''فریق اجتماعی'' یعنی کولیشن پارٹی ٹوٹ چکی تھی اس لیے اس وقت اسمبلی کے اندر بلاشبہ سب سے بڑی اکیلی پارٹی مسلم لیگ پارٹی تھی۔ گورنر کو سب سے پہلے اس کے لیڈر سے پوچھنا چاہیے تھا کہ آپ وزارت بنا سکتے ہیں یا نہیں۔ سر ناظم الدین ایک ذمّہ دار شخص ہیں اور ان کی شہرت بے داغ ہے۔ آئین حال کے عمل دخل سے پہلے وہ بڑے بڑے ذمّہ دارانہ عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں۔ موجودہ آئین کے آغاز سے لے کر وزارت کے استعفیٰ تک اہم ترین وزارت داخلہ (ہوم منسٹری) ان ہی کے قبضے میں رہی ہے۔ ملکی کاروبار میں ان کی زندگی کا ہر عمل کامیاب اور بے داغ رہا اور ان کی دیانت اور ذمّہ داری کا ثبوت بہم پہنچاتا رہا۔ یہ فیصلہ سر ناظم الدین کو کرنا تھا کہ وہ ترتیب وزارت کی تفویض قبول کریں یا نہ کریں۔ اگر وہ گورنر سے کہتے کہ ہاں میں یہ کام کروں گا۔ لیکن ناکام رہتے یا عدم اعتماد کی قرارداد سے شکست کھاتے اور اس کے معنی یہ ہوتے کہ لیگ کا جنازہ نکل گیا۔ نہ کہ گورنر کا۔ جس نے ان کو یہ موقع ہی نہ دیا کہ وہ لیگ کے جنازے سے دوچار ہوتے اور اس کے بجائے ایک ایسے شخص (مسٹر فضل الحق) کو دعوت دی، جس کے ہاتھ میں ایک سو اُنیس اراکین کے تائیدی دستخط کی حامل ایک عرضی تھی جو نہ صرف خلافِ ''دستور'' حکومت پارلیمانی تھی اور شیوہ گداگری سے مرتب کی گئی، بلکہ خدا ہی کو علم ہے کہ کن حیلوں اور ترکیبوں سے دستخط حاصل کیے گئے تھے۔ یہ شخص بھی با ایں ہمہ ادعائے برتری اپنے کابینہ کے لیے وزیروں کی مکمل فہرست نہ صرف گورنر بلکہ اس کے بعد مجلس کی خدمت میں نہ پیش کر سکا۔ حالاں کہ اسے کافی وقت دیا گیا۔ یہ فہرست کتنی ہی قسطوں میں مہیا کی گئی۔

آج حکومت بنگال نو وزیروں پر مشتمل ہے۔ مجھے حیرت نہ ہوگی اگر مسٹر فضل الحق اس تعداد کو ایک مضحکہ انگیز حد تک بڑھاتے چلے جائیں اور اس طرح وزارتِ عظمیٰ کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے

دیں۔ (6) جب میں کلکتہ میں آیا تو اخبارات میں موجودہ وزارت کے ایک تمسخر انگیز اقدام کا حال پڑھا۔ معلوم ہوا کہ حکومت تیرہ حکم بردار (وہپ) مقرر کر رہی ہے۔ (آوازیں، تیرہ نہیں سترہ) جب میں کلکتہ میں تھا تو یہ تعداد تیرہ تھی۔ اب میرے سراج گنج پہنچتے پہنچتے اس کا سترہ ہو جانا عجیب نہیں۔ مگر خدا ہی جانتا ہے کہ ابھی اور کتنے وہپ مقرر کیے جائیں گے۔ میں گورنر سے پوچھتا ہوں کہ آپ ہی انصاف سے بتائیے کہ ایسی مثال کہیں مل سکتی ہے؟ کیا دنیا بھر میں کبھی کسی حکومت نے محض دو سو پچاس اراکین کے ایوان میں سترہ وہپ مقررہ کیے ہیں اور ان کی ضرورت پڑی ہو؟ کیا ان کے اپنے ملک انگلستان کی پارلیمان کے اندر سترہ وہپ ہیں، حالاں کہ اراکین چھ سو سے زائد ہیں۔

مجھے معلوم نہیں کہ کتنے پارلیمانی سیکریٹری مقرر کیے جائیں گے۔ مگر ہمارا یہ قیاس غالب ہونا چاہیے کہ ان کی تعداد ضرور سترہ تک پہنچ جائے گی۔ اس طرح وزیروں اور پارلیمانی اور وہپوں اور چند دیگر عہدہ داروں کے سمیت ایسے پورے پچاس عہدہ دار جمع کر دیے جائیں گے جو مجلس قانون ساز میں وقار و اقتدار اور سرپرستی کے اختیار کے مالک براہ راست ہوں گے اور اس وجہ سے متفق و متحد ہوں گے۔ چناں چہ مسٹر فضل الحق کے ایک سو ئنیس حامیوں میں سے پچاس اشخاص محض اور فقط اپنے عہدوں کے سبب سے ہمیشہ اُن سے وابستہ رہیں گے۔ آج صوبۂ بنگال میں برسرکار وزارت کی یہ ہیئت ہے۔

اب میں ایک اور اہم بات کو توجہ دیتا ہوں جو صوبۂ بنگال کے مسلمانوں پر بڑی شدت کے ساتھ موثر ہے۔ مجلس قانون ساز میں مسلم لیگ پارٹی کو حزب مخالف (اپوزیشن پارٹی) کی حیثیت حاصل ہے اور جب تک موجودہ آئین عمل پذیر رہے گا، اسی کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ جب چاہے مسلمان اراکین اور مسلمان رائے دہندگان کی خدمت میں اپیل کرے اور ان سے حکومت برسرکار کی بداعمالیوں کا علاج طلب کرے۔ ہم ہندوؤں کے کاموں میں مخل نہیں ہیں۔ ہم فقط اپنے لوگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کیا ہم اس کو اس بات کا حق نہیں؟ ہم اپنے رائے دہندگان کو مسٹر فضل الحق کی دغابازی سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کا ثبوت دینا چاہتے ہیں کہ کس طرح بنگال کا وزیر اعظم مسلمانانِ صوبہ اور اسلامیانِ ہند کو بے اندازہ نقصان پہنچا رہا ہے۔ ہمارا مدعا حق گوئی ہے۔ مگر مسٹر فضل الحق کو اس سے نفرت ہے۔ ہم رائے دہندگان سے مطالبہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے منتخب نمائندوں سے کہیں کہ ہوش میں آئیں، کیوں کہ اس وقت ان کے ہاتھوں سے مسلمانوں کے اغراض و مقاصد پر مہلک ضرب لگ رہی ہے۔ اس قسم کی اپیل کرنا ہمارا حق ہے اور یقیناً کسی کو اس پر اعتراض نہ کرنا چاہیے۔ کسی ملک میں بھی جہاں آئینی حکومت عمل پذیر ہو کسی کو اس بنیادی حق سے محروم نہیں رکھا جاتا۔ مگر یہاں کیا ہو رہا ہے؟ ہمارے حامیوں پر تشدد کیا جاتا ہے۔ ان کے خلاف فوجداری مقدمے دائر کیے جاتے ہیں اور اس ملک

کے قوانین تعزیرات سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ قانون دفاع ہند (ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ) جس کے استعمال کی اجازت دینا صرف خاص حالتوں میں منشائے حکومت ہے، کھلے بندوں عمل بے جا میں لایا جا رہا ہے۔ میں حیران ہوں کہ کیا کہوں۔ کیا بنگال میں آئینی حکومت کا راج ہے یا مطلق العنانی کارفرما؟ یہ گورنر کی ذمّہ داری ہے کہ وزیروں کو اپنے اختیارات کا بے جا استعمال نہ کرنے دیں اور جس قدر جلد گورنر بنگال اس بات کو توجہ دیں گے صوبے کے امن وامان کے لیے بہتر ہوگا۔ وزیراعظم بنگال ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں کہ ہم صوبے کے مسلمان رائے دہندگان سے اس قسم کی اپیل نہ کرسکیں۔ مسٹر فضل الحق کو باقی سب لوگوں سے بڑھ کر اس بات کی ضد ہے کہ بنگال کے قریباً ننانوے فیصدی مسلمان ان کے خلاف ہیں کیوں کہ انھوں نے اسلامی اغراض ومقاصد سے غداری کی۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں اپنا اور ہمارا معاملہ مسلمانوں کے سامنے رکھنے کا حوصلہ نہیں۔ چناں چہ وہ ہمیں روکنا چاہتے ہیں۔ مگر ہم راست گوئی سے کام لے رہے ہیں اور وہ دروغ گوئی سے۔

مسٹر فضل الحق ہماری آئینی تحریک ناراضی (ایجی ٹیشن) کو قانونِ دفاع ہند اور دیگر قوانینِ تعزیرات کے بے جا استعمال سے دبانے کے درپے ہیں۔ میں اس پلیٹ فارم سے اپنی کامل ذمّہ داری کا احساس رکھتے ہوئے۔ مگر خفیف ترین تامل کے بغیر کہتا ہوں کہ اگر جناب گورنر دخل نہ دیں گے اور اس شرمناک حکمت عملی پر عمل جاری رہا تو بنگال میں ایک ایسی حالت رونما ہوگی، جسے بنگال کی موجودہ پست اور نالائق حکومت نے بھی نہ دیکھا ہوگا اور جس کی مثال برطانوی راج کی تاریخ میں نہ ملے گی۔ ہم اس بدبخت وزارت سے ہرگز ہرگز نہ دبیں گے اور نہ اس کے ہاتھوں اپنے آپ پر ظلم وتشدد ہونے دیں گے۔ یہ وزارت مسلمانوں کی نمائندہ نہیں ہے اور اس کا وزیراعظم اور دوسرے مسلمان وزیر مسلمانوں کے اعتماد سے عاری ہیں، جسے وہ بطور تاوان وجرمانہ کھو چکے ہیں۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ جناب وائسرائے جلد ہی بنگال کی نئی صورت حال سے آگاہ ہوجائیں گے۔

اگر کوئی فریق ہمارے اس بیان کو غلط ٹھہرانے کا دعویدار ہو کہ ہم مسلم لیگ کے پیروکار ہی صرف وہ لوگ ہیں جو مسلمانانِ ہند کے اصلی نمائندے ہیں تو اس اسمبلی کو توڑ دیجیے اور نئے انتخابات کیجیے۔ پھر آپ کو ثبوت مل جائے گا کہ ہمارا تقاضا اور دعویٰ بلا مبالغہ درست ہے۔ میرا یہ لازمی فرض تھا کہ اپنے بعض نہایت اہم اور موعودہ کاموں کو چھوڑ کر بنگال میں آؤں اور یہاں کے مسلمانوں کو احوالِ واقعی سے باخبر کرکے ان سے اپیل کروں کہ حالات کی درستی کا فرض انجام دیں کیوں کہ یہ آپ کے اختیار میں ہے۔ اتحاد سے کام لیا جائے تو مسلمان جو چاہیں حاصل کرسکتے ہیں۔ مسٹر فضل الحق اور ان کی وزارت کو شکست دینا تو کوئی بڑی بات نہیں۔ مجھے اس بات کا پورا علم نہ تھا کہ بنگال کے مسلمان مسٹر فضل الحق کے داؤ گھات

اور اس سے پیدا ہونے والے خطرات سے آگاہ ہیں۔ اس لیے میں یہاں آیا اور یہ دیکھ کر خوش ہوں کہ ننانوے فیصدی مسلمانوں کو اس چالبازی کا احساس ہے اور وہ مسلم لیگ کے حامی ہیں۔ اس کا ثبوت آج سراج گنج کے اس جلسہ نے مہیا کیا ہے، جس میں صوبہ بھر کے مسلمان جمع ہیں، مجھے یقین ہے کہ بنگال کے مسلمان بڑے استقلال خاطر اور پامردی کے ساتھ اپنے اس عظیم الشان جھنڈے کے نیچے دادِ اتحاد دیں گے اور مجھے یقین ہے کہ فتح ان کے قدم چومے گی۔

مسلم لیگ کا وجود وزیروں اور وزارتوں کے لیے نہیں، بلکہ اس کے خلاف وزیروں اور وزارتوں کی بقا کا انحصار مسلم لیگ کی خوشنودی پر ہے۔ (7) میں اس حقیقت سے سب کو خبردار کرتا ہوں کہ ہم کسی شخص کو وزیر بننے کے لیے مسلم لیگ کی طاقت اور اثر و رسوخ سے بے جا فائدہ نہ اٹھانے دیں گے اور نہ ذاتی اغراض کی بار آوری کے لیے مسلم لیگ کا استعمال بطور زینہ ہونے دیں گے۔ میں اس بات کی تکرار کرتا ہوں اور آج ہمیشہ کے لیے اعلان کرتا ہوں کہ کوئی شخص ہمارا مطلب سمجھنے میں غلطی نہ کرے۔ اس قسم کی کوشش میں چاپلوسی اور خوشامد کرنے والا آدمی پیشتر اس کے کہ ایک قدم بھی آگے بڑھائے، پیچھے دھکیل دیا جائے گا۔

خواتین و حضرات! میں بنگال کی نسبت کافی عرض کر چکا ہوں۔ اب میں بعض دوسرے اہم امور کی طرف رخ کرتا ہوں۔ ہمیں ان امور پر بھی غور کرنا ہے جو سارے ہندوستان سے متعلق ہیں اور بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اگر میں ان کی نسبت اپنی رائے کا اظہار نہ کروں گا تو اپنے فرائض سے غافل قرار پاؤں گا۔ جہاں تک کانگریس کو دخل ہے، میری رائے میں اب ان لوگوں کی زبان اور لب و لہجہ میں نسبتاً کم حملہ آوری اور رعونت ہے۔ مسٹر راج گوپال اچاریہ کی تازہ تقریروں کو ہی دیکھیے۔ میں ان کا مطلب اپنے الفاظ میں بیان نہیں کرتا، بلکہ خود اُن کے بیانات میں سے لے کر ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ انھوں نے میری تعریف و توصیف بھی کی ہے اس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ ہاں تو وہ فرماتے ہیں:

> ''برطانوی حکومت اور اہلِ ہند اور بڑی بڑی سیاسی جماعتیں (جن کے صدر مہاتما گاندھی اور قائداعظم جناح جیسی پر جلال شخصیتیں ہیں، ان تینوں کے مابین کوئی سمجھوتا نہیں ہوا۔ یہ دو حضرات کوئی معمولی افراد نہیں۔ دونوں ہمسر کے برابر مشہور و معروف ہیں اور دونوں کو ملک بھر میں بے حد و حساب ہر دلعزیزی حاصل ہے۔ ہر ایک کے پیرکار اندھا دھند اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اچھا ایسا ہی سہی مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ پیروکار سچے مقلد ہیں۔''

خواتین اور حضرات! مسٹر راج گوپال آچاریہ کے الفاظ ''سچے پیروکار'' کو نگاہ میں رکھیے۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کے صدر کو سچے پیروکار حاصل ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ مسٹر راج گوپال آچاریہ نے یہ بات تسلیم کر کے مجھے معزز فرمایا۔ وہ اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''اس وقت ہمارے ملک میں ہم ہندوستانیوں کی دو طاقتور اور منظم جماعتیں ہیں، ایک ہندوؤں کی اور دوسری مسلمانوں کی۔ دونوں ہر دلعزیز ہیں۔ دونوں موجودہ حکومت سے برسرِ جنگ ہیں اور اس لیے حکومت کے ان کاموں سے بھی جو زیرِ عمل ہیں۔ یہ ہیں حقائق یہ ہیں امورِ واقع۔''

یہ پہلا موقع ہے کہ صفِ اول کے ایک کانگریسی لیڈر نے حوصلے سے کام لیا اور صاف طور پر تسلیم کیا کہ کانگریس ایک ہندو جماعت ہے۔ (8) واقعی ان کا بیان صداقت پر مبنی ہے۔ میں مسٹر گاندھی سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ راستے کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں اور اس حقیقت کا اعلان کر دیں کہ کانگریس ہندوؤں کی اور مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ محض اس صورت میں ہم امید کر سکتے ہیں کہ دونوں جماعتیں حیثیت مساوی سے ایک دوسرے سے ملیں گی۔ اگر یہ نہیں ہوسکتا تو دیگر کسی قسم کی شرائط پر وہ کبھی مل نہیں سکتیں۔

خواتین و حضرات! اب میں پاکستان کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ ہم نے پاکستان کے وقت ہندوستان کے آئینی مستقبل کے متعلق جاری ہے۔ عملی لحاظ سے اہم ترین امر فیصلہ طلب یہ ہے کہ آج اس وقت کیا کیا جائے۔ اس کے متعلق صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف برطانوی حکومت اپنی پیشکش ماہ اگست کو بڑی مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔ اس اعلان کے دو حصے ہیں۔ ایک حصے میں ملک معظم کی حکومت نے ہندوستان کے آئندہ آئین کے متعلق اپنی حکمت عملی واضح کی ہے۔ دوسرے حصے میں بیان کیا ہے کہ کس طرح دورانِ جنگ میں مَیں حیران ہوں کہ مسلم لیگ کس طرح تقسیم ہند اور ایک جدا مملکت کی تعمیر کی خواہش مند ہے جب کہ چند اسلامی ممالک جو الگ الگ آزاد حکومت رکھتے تھے، اپنی آزادی کھو چکے ہیں۔ وہ لوگ جو تقسیم چاہتے اور اس پر بحث کرتے ہیں۔ ان واقعات کی طرف سے جو اس وقت دنیا میں حادث ہو رہے ہیں، حقیقت میں آنکھیں اور کان بند کیے بیٹھے ہیں اور جنگ میں سبق لینے سے منکر ہیں۔ میں حیران ہوں کہ ہندوستان کے اندر کس طرح ایک اکیلی مسلم مملکت قائم رہ سکے گی۔ جب کہ آج دنیا میں اس نزاع اور بحث کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جو اس وقت ہندوستان کے آئینی مستقبل کے متعلق جاری ہے۔ عملی لحاظ سے اہم ترین امر فیصلہ طلب یہ ہے کہ آج اس وقت کیا کیا جائے۔ اس کے متعلق

صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف برطانوی حکومت اپنی پیشکش ماہ اگست کو بڑی مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے۔ اس اعلان کے دو حصے ہیں۔ ایک حصے میں ملک معظم کی حکومت نے ہندوستان کے آئندہ آئین کے متعلق اپنی حکمت عملی واضح کی ہے۔ دوسرے حصے سے بیان کیا ہے کہ کس طرح دورانِ جنگ میں عارضی طور پر وائسرائے کی مجلس منتظمہ میں ہندوستانی اراکین کا غالب عنصر شامل کرنے کے لیے اس کی توسیع کی جائے گی اور بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں کو دعوت دی جائے گی۔ وہ کسی کونسل کے لیے اپنے نمائندے بھیجیں۔ لیکن جب اس پیشکش کو عمل میں لانے کا وقت آیا تو کانگریس نے قطعی طور پر اعلان کیا کہ ہم مرکزی حکومت ہند اور صوبائی حکومتوں میں بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل کے حصہ نہ لیں گے۔ جب کہ یہ تبدیلیاں موجودہ مروجہ آئین کی حدود کے اندر رہ کر کی جائیں گی۔ اسی طرح اہلِ کانگریس نے ملک معظم کی تجویز کے بنیادی اصول کو نامنظور کیا۔

اس وقت ہندوؤں کی متعدد دوسری سیاسی جماعتیں موجود ہیں، یعنی ہندو مہا سبھا، لبرل فیڈریشن اور نان پارٹی کانفرنس جواب سپرو کانفرنس (9) کہلاتی ہے۔ یہ سب کے سب ہندوؤں کے ادارات ہیں اور مختلف بھیس بدل کر اور مختلف نام اختیار کر کے یہ لوگ کانگریس کے کارندے ہیں اور اس کی طرف سے چوکیداری اور تفتیشِ حال کا کام کرتے ہیں۔ چناں چہ یوں سمجھیے کہ ایک بھائی کانگریسی روپے میں سے سولہ آنے کا مطالبہ کرتا ہے تو دوسرا بطور آغاز پندرہ آنے مانگتا ہے۔ پھر تیسرا کہتا ہے کہ نہیں بھئی چھوڑو یہ جھگڑا۔ مجھے بارہ آنے ہی دے دو تو سر دست بہت ہیں۔ غرض اس طرح یہ سیاسی کھیل جاری ہے۔ مگر سب کا مقصد واحد ہے۔ اگر وہ سامنے ہو کر حملہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے تو پچھلے دروازہ سے داخل ہوتے ہیں یعنی اپنی حکمت عملی کا بھیس بدل کر اُسے نئے رنگ میں پیش کرتے ہیں اور قومی حکومت مانگتے ہیں۔ یہ لوگ پاکستان کی تجویز و تحریک کی تباہی کے لیے تمام جال جو اُن سے ممکن ہوں، پھیلانے کے لیے تیار ہیں۔ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ وہ کامیاب نہ ہوں گے۔ اب اسلامی ہند بیدار ہو گیا ہے اور راسخ الارادہ۔

یہ سب ہندو ادارے بڑی سرگرمی کے ساتھ اس خیال کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں کہ مرکزی حکومت میں وزیروں کی ایک ایسا کابینہ مرتب کی جائے جو تاج برطانیہ کے سامنے ذمہ دار ہو۔ بظاہر ایسی ذمہ داری اور اس کے مقابلہ میں مجلس قانون ساز کے سامنے ذمہ داری کے مابین چنداں فرق نہیں ہے (مگر حقیقت میں بہت بڑا) یہ ایک چال ہے جو ناراستی اور دغابازی پر مبنی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ فریب کاری سے اپنا مطلب حاصل کیا جائے۔ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ وائسرائے کب تک اپنی کابینہ (جو تاج کے سامنے ذمہ دار رہے) کی کثرت رائے کے فیصلے کے خلاف عامل ہو سکتے ہیں۔ اگر وائسرائے اس قسم کے عمل پر اصرار کریں گے تو اظہار ناراضی کے لیے ایک فلک شگاف شور بلند کیا جائے گا کہ دیکھیے

اکثریت پر کتنا ظلم ہو رہا ہے اور وائسرائے کس طرح اپنی طاقت کا بے جا استعمال کر رہے ہیں۔ پھر پروپیگنڈا اختیار کیا جائے گا۔ جو بے قابو آگ کی طرح پھیلے گا اور کہا جائے گا کہ خودسر ''نمائندہ تاج'' (یعنی وائسرائے) ہندوستانیوں کی رائے کو پس پشت ڈال کر اس کی بے حرمتی کر رہا ہے۔ مگر واضح ہو کہ ہندوستانیوں سے صرف ہندو مراد ہیں۔ اس کے بعد منطقی لحاظ سے دوسرا قدم یہ ہوگا کہ کابینہ کی ذمہ داری تاج برطانیہ کی بجائے مجلس قانون ساز کے سامنے کر دی جائے گی اور اس طرح سارے ملک پر اقتدار حاصل کیا جائے گا اور مسلمانوں کو ایک اقلیت کی حالت میں رکھا جائے گا۔

جہاں تک برطانوی حکومت کا تعلق ہے، وہ آج تک پیشکش اگست پر قائم ہے۔ وہ اس سے آگے بڑھنے کے لیے تیار نہیں۔ کانگریس نے پیشکش رد کر دی ہے۔ ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہم نے اسے اصولاً قبول کر لیا ہے۔ مگر جب ان تجاویز پر عمل کرنے کا وقت آیا تو یہ ایک ایسی حد تک بے اثر اور کم کر دی گئیں جسے کوئی معقول پسند اور وضع دار جماعت قبول نہیں کر سکتی۔ چناں چہ ہم نے اس رائے کا اظہار ایک سے زیادہ بار کر دیا ہے کہ ہمیں نہ صرف مرکز بلکہ صوبوں میں بھی ایسا حصہ دیا جائے جو حقیقت میں حصہ کہلانے کا مستحق ہو۔ (10)

اس میں کوئی کلام نہیں کہ آج کانگریس ہندوؤں کی متحدہ ٹھوس رائے کی نمائندگی کرتی ہے اور اگر یہ جماعت اس پیشکش کا بنیادی اصول ہی رد کر دے تو دوسرا قدم جہاں تک کانگریس کو دخل ہے، کس طرح اٹھایا جا سکتا ہے۔ اہلِ کانگریس کو چاہیے کہ پہلے اصول قبول کریں جس سے باہمی مشاورت اور تعاون کا موقع اور امکان پیدا ہوگا۔ صرف اس طرح ہم ایک دوسرے کی معاونت سے ایک خوشگوار حل اختراع کر سکیں گے۔ یہ ہے وہ طریق کہ وہ اپنی کہیں تو ہم سنیں اور جو کچھ ہم کہیں وہ سنیں۔

خواتین و حضرات! میں اب خاتمۂ کلام کے وقت مسلمانانِ بنگال کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ استقلال، پامردی، اتحاد اور کامل یکجہتی کے ساتھ مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے قدم جمائے رکھیے۔ اپنے آپ کو تیار کیجیے۔ پھر یقیناً فتح آپ کی ہوگی۔ آیئے ہم اس امر کا اعلان کریں کہ ہمارے خلاف زبردستی اور دباؤ، ظلم اور تشدد اور فوجداری مقدمات کچھ کام نہ دیں گے۔ ان سب کی شدت چاہے کتنی ہو، ہم اپنے ادارے سے منحرف نہ ہوں گے اور نہ اپنی منزلِ مقصود کی راہ سے بے راہ۔

حواشی

1۔ بنگال اور پنجاب میں گو مسلمان اکثریت میں تھے، لیکن مجالسِ آئین ساز میں وہ ایک اقلیت کی حیثیت رکھتے تھے اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اکثریت میں ہونے کے باوجود وہ بے بس تھے اور ایسی وزارت بنانے سے قاصر جو مسلم رائے عامہ کے سامنے جواب دہ ہو۔ وزارت سازی کے لیے ہندوؤں اور سکھوں کا تعاون حاصل کرنے پر مجبور تھے اور ظاہر ہے یہ تعاون اسی صورت میں حاصل ہو سکتا تھا، جب من مانی شرائط قبول کر لیں۔

2۔ یہ مسٹر فضل الحق کا آغاز تھا، جب تک وہ اس خیالِ خام میں مبتلا تھے کہ لیگ کو اپنا نیاز مند بنائے رکھیں گے۔ ان سے بڑا لیگی کوئی نہ تھا، لیکن جب لیگ نے ان کی باگ اپنے ہاتھ میں لینا چاہی، وہ اس سے کٹ گئے۔

3۔ مسٹر فضل الحق نے چوں کہ لیگ کا فرمان نہیں مانا اور مسلم لیگ نے تعاون سے ہاتھ کھینچ لیا، لہٰذا انھوں نے استعفیٰ دے کر مسلم لیگی وزارت توڑ دی اور کانگریس و مہاسبھا کے تعاون اور انگریزوں کی سرپرستی سے نئی وزارت قائم کر لی۔

4۔ ایسے طنزِ لطیف کی مثال قائداعظم کے خطبات میں اکثر ملتی ہے۔

5۔ آئینی اعتبار سے یہ بات غلط تھی کہ وزیراعظم بذاتِ خود اس طرح کی حرکتیں کرے اور اپنی وزارت قائم رکھنے کے لیے ایسے اوچھے طریقوں پر اُتر آئے۔

6۔ اس واقعہ پر مغربی پاکستان کی ری پبلکن پارٹی یاد آ گئی۔ اس نے بھی مسلم لیگ کو زک دینے کے لیے وزیروں، نائب وزیروں اور پارلیمنٹری سیکریٹریوں کا ایک پورا کارواں تیار کر لیا تھا...... حق مغفرت کرے!

7۔ قائداعظم کا کوئی معتوب کبھی پھر رائے عامہ کے سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکا۔ آج تک یہی کیفیت ہے۔ خضر حیات خان وغیرہ کی مثال سامنے ہے۔

8۔ سر سپرو نے ایک نان پارٹی کانفرنس کی بنیاد ڈالی تھی جو پاکستان کے خلاف اور کانگریس کی تائید میں مصروفِ عمل تھی۔

9۔ لارڈ ویول کے زمانے میں ایسا ہی ہوا بھی۔

یومِ پاکستان

23 مارچ 1942ء

آج سارے ہندوستان کے طول وعرض میں پورے جوش وخروش کے ساتھ یومِ پاکستان منایا گیا۔ تجویز پاکستان کو منظور ہوئے دو سال کی مدت گزر چکی تھی۔ آج اس کی سالگرہ منائی جا رہی تھی۔
دہلی کے مسلمانوں نے زیادہ جوش وخروش کے ساتھ یہ دن منایا۔ ایک عظیم الشان جلوس شہر کا گشت کرتا ہوا اُردو بازار پہنچا جہاں قائداعظم نے سیاساتِ حاضرہ پر اپنے افکار وتاثرات کا اظہار فرمایا۔
رئیس احمد جعفری

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر تجاویز کرپس (1) مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہوگی تو نہ صرف ہم اسے مسترد کر دیں گے بلکہ اپنی پوری طاقت سے اس کے مزاحم ہوں گے اور اس کوشش میں اگر جان بھی دینی پڑے تو لڑتے ہوئے جان دیں گے۔ میں حکومت کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ مسلم لیگ کو دبانے یا اُس کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے، یہ کہنا سراسر تہمت اور بہتان طرازی ہے کہ ہم برطانوی شہنشاہیت کے مویداور معاون ہیں جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے۔ مجھے اپنی ساری زندگی میں کبھی اس کا تصور بھی نہیں ہوا کہ اس ملک میں کسی اجنبی اقتدار کے تحت رہنا چاہیے۔
مسلمانوں کو اس کا خوف ہے کہ سر اسٹیفورڈ کرپس کانگریس کے دوست ہیں۔ وہ آنند بھون میں پنڈت جواہر لال نہرو کی مہمان نوازی کا لطف اٹھا چکے ہیں۔ یہ سب صحیح ہے لیکن ہمیں محض اس وجہ سے خوفزدہ نہ ہونا چاہیے۔ آپ ذرا حوصلے سے کام لیں! سر سٹیفورڈ کرپس خانہ جنگی حیثیت سے نہیں، بلکہ برطانوی حکومت کے نمائندے کی حیثیت سے ہندوستان آئے ہیں۔ اس لیے حکومت برطانیہ کی جو تجویز یا جو منصوبہ وہ اپنے ساتھ لائے ہیں، جب تک ہمارے سامنے نہ آجائے ہمیں صبر سے کام لینا ہوگا۔
سر اسٹیفورڈ کرپس نے پریس کانفرنس میں اس امر پر زور دیا تھا کہ مسلمانوں اور دوسرے فرقوں

کے دل میں جو گہری تشویش جاگزیں ہے اُسے رفع کرنا چاہیے۔ میں یہ واضح کردوں کہ ہم بالکل بے خوف ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارا مقصد صداقت پر مبنی ہے۔ ہم انصاف اور راست بازی کے طلبگار ہیں۔ ہمیں اپنے ساتھی فرقوں سے کوئی ناجائز فائدہ حاصل نہیں کرنا چاہیے۔ ہم ایک آزاد اور خودمختار قوم کی طرح اس ملک میں بسر کرنا چاہتے ہیں۔

ہم حکومت کو دق کرنا نہیں چاہتے۔ گو ہم حقیقت حال سے باخبر ہیں لیکن ہم بیگاروں کی طرح حکومت کی کوئی مدد بھی کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ہم نے ایسی حیثیت نہ کبھی قبول کی ہے اور نہ کریں گے۔

اگر ہندو قیادت یا برطانوی قیادت، الگ الگ یا دونوں مل کر ہمارے خلاف فریب کاریوں اور سازشوں پر اُتر آئیں تو ہم اس کی مدافعت کریں گے تا آنکہ ہم سب کے سب مرجائیں گے۔

حاشیہ

1۔ اشارہ ہے سر اسٹیفورڈ کرپس وزیر خزانہ حکومت برطانیہ کی طرف، جنھیں مسٹر (اب سر) چرچل نے کابینۂ جنگ کی طرف سے چند تجاویز دے کر کانگریس اور مسلم لیگ کے پاس بھیجا تھا۔ اگر یہ منظور ہوں تو قومی حکومت بنائی جا سکتی ہے

❋❋❋

مسلم لیگ کے اجلاس الٰہ آباد کا خطبۂ صدارت!

تجاویز کرپس کے مضمرات

14 اپریل 1942ء

الٰہ آباد، پنڈت موتی لال اور پنڈت جواہر لال کا وطن ہے۔ ہندو مہا سبھا کے روح رواں پنڈت مدن موہن مالوی کا ہیڈ کوارٹر بھی یہی شہر تھا۔ ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو جو فی الحال مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ ہیں اور جن کی گردن پر مسلمانانِ جبل پور کا خونِ ناحق ہے۔ گو ایک مسلمان ریاست جاورہ کی رعیت تھے۔ لیکن ان کی سرگرمیوں کا مرکز بھی یہی شہر تھا۔ پنڈت پرشوتم داس ٹنڈن اسپیکر یو پی اسمبلی اور سابق صدر کانگریس جو مسلم آزار ذہنیت کے باعث شہرتِ دوام حاصل کر چکے ہیں، اسی شہر کے رہنے والے تھے۔

دھوم دھام سے لیگ کا اجلاس یہاں ہوا اور قائداعظم نے ایک نہ بھولنے والا خطبہ ارشاد فرمایا۔

رئیس احمد جعفری

خواتین و حضرات! میں سچے دل سے آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ریلوے اسٹیشن پر بڑی دھوم دھام سے میرا استقبال کیا۔ میں یہ حقیقت اپنے لیے باعث فخر سمجھتا ہوں کہ مسلم لیگ ہر مہینے ہر سال راہِ ترقی پر تیز رفتار ہے۔ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا بھی شکر گزار ہوں کہ اس نے اس برس بھی مجھے اپنا صدر انتخاب کر کے معزز فرمایا۔ میں ان تمام کارکنوں اور عہدہ داروں کو مبارکباد کہتا ہوں جو گزشتہ تین ماہ میں متواتر ان تمام تیاریوں کے لیے محنت کرتے رہے ہیں جو آج ہمارے سامنے ہیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ہماری طاقت روز بروز بیش از بیش ہو رہی ہے اور ہم اپنی تنظیم کی قوت اور کاروبار کے اعتبار و انصرام میں ترقی کر رہے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ آج سب سے بڑا موضوع جو نہ صرف سارے ہندوستان بلکہ دنیا بھر کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ سر سٹیفورڈ کرپس کا مشن یا کام اور کوشش ہے، جس پر ملک معظم کی حکومت نے اسے مامور

کیا ہے۔ آپ اس کے متعلق حالات اور واقعات کا روزانہ مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ میں نہایت مختصر طور پر اور جہاں تک مجھ سے ممکن ہے، مشن مذکور کی تجاویز کے ''اعلان بشکل مسودہ'' (ڈرافٹ) کی تشریح کرتا ہوں۔ آپ لفظ ''ڈرافٹ'' کو زیر نظر رکھیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ تجاویز جو ملک معظم کی حکومت کی شرمندۂ فکر و ترتیب ہیں اور وہ اس نتیجہ پر پہنچ چکی ہے کہ یہ منصفانہ اور آخری ہیں۔ آیئے ہم ان کا منشا سمجھیں اور امتحان کریں۔ میں تفصیلوں پر بحث نہیں کروں گا، بلکہ صرف بڑے بڑے نکات پر نگاہ ڈالوں گا۔ یہ حسب ذیل ہیں:

اول یہ کہ ان کا مقصد ایک جدید انڈین یونین (مملکت متحدہ ہندیہ) کی تخلیق ہے۔ جو ایک ڈومی نیین یا مملکت ہو اور برطانیہ کی رفیق اور برطانوی تاج کے زیر نگیں ہو۔ مگر ہر معاملۂ ملکی میں سلطنتِ برطانیہ کی باقی سب ڈومی نیین یا مملکتوں کے برابر ہو اور اپنے داخلی و خارجی معاملات میں کسی طرح بھی ماتحت نہ ہو۔ اس ضمن میں اس جدید انڈین یونین کے اعمال اور اختیارات کے متعلق کچھ شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً تین چیزیں بالخصوص قابلِ توجہ اور اہم ترین ہیں۔ ایک تو ''درجہ''، دوسرے ''اختیارات'' اور انجام کار، عمل اور کام۔ مگر یہ ہے وہ معاملہ جس پر اس وقت غور و خوض کرنا ہوگا، جب کہ ہم سلطنت برطانیہ کے کسی ایک ڈومی نیین یا دو یا دو سے زیادہ کے ساتھ معاہدہ یا معاہدات پر دستخط کریں گے۔

میں نے ابھی کرپس کے مشن اور حکومت برطانیہ کی تجاویز کے متعلق بڑے بڑے امور کے ذکر کے آغاز میں پہلی بات یہ بیان کی تھی کہ ان تجاویز کا مقصد ایک جدید انڈین یونین کی تخلیق ہے۔ دوسرا اہم امر یہ ہے کہ جنگ کے خاتمے کے بعد ہندوستان کے اندر فوراً ایسے اقدامات کیے جائیں گے، جن کے وسیلے سے ایک مجلس منتخب کی جائے گی اور اس کے ذمے یہ کام ہوگا کہ ہندوستان کی آئندہ حکومت کے لیے ایک نیا آئین وضع کرے۔ اس مجلس کی تشکیل کا طریق بھی تجاویز میں موجود ہے۔ میں اس کے متعلق اس وقت بحث کروں گا۔ جب کہ تجاویز کی اس دفعہ پر نگاہ ڈالوں گا، جس میں مجلس مذکورہ آئین ساز مجلس کی ترتیب و تشکیل کے لیے قواعد درج کیے گئے ہیں۔

تیسرا اہم امر یہ ہے کہ ایک شرط اور قاعدہ ایسا بنایا گیا ہے، جس سے ہندوستانی ریاستوں کا استقلال مقصود ہے۔

چوتھا اہم امر یہ ہے: ملک معظم کی حکومت اقرار کرتی ہے کہ جب اس قسم کا آئین مرتب ہو جائے گا تو فی الفور عمل میں لایا جائے گا۔

چند مستثنیات رکھی گئی ہیں مگر وہ اس اعلان زیرِ بحث کے اصولوں کو بہر حال برقرار رکھتے ہوئے کی جائیں گی۔ پہلی اور اہم ترین چیز جو مستثنیٰ ہے، یہ ہے کہ:

جب آئین جدید بن چکے تو برطانوی ہند کے ہر صوبے کو اس امر کا حق حاصل ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو جدید انڈین یونین میں اس جدید آئین کے ماتحت شامل نہ ہو اور اپنی موجودہ آئینی حیثیت پر قائم رہے، لیکن ان شرائط کی تعین بھی کر دی گئی ہے، جن کے مطابق کوئی صوبہ جو علیحدہ رہے گا، بعد میں شمول اختیار کر سکے گا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جب مجلس آئین ساز جسے اختیاراتِ شاہی کی سرمایہ داری کہنا چاہیے۔ آئین مرتب کر لے گی تو جو صوبہ چاہے یوں کہے، ''ہم اس آئین سے متفق نہیں۔ پس ہم اس میں شامل نہیں ہوتے۔'' لیکن ہمارے لیے مؤثر ترین اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اس حق عدم شمولیت کو کس طرح عمل میں لائیں گے اور اس کے متعلق خود کس طرح درست فیصلہ کریں گے۔ ان سوالات کا جواب اعلان یا وثیقہ زیر نظر میں نہیں۔ لیکن سر سٹیفورڈ نے یہ مشورہ دیا ہے کہ اگر کسی صوبے کی لیجسلیٹو اسمبلی ساٹھ فیصدی کثرت رائے سے شمولیت کے حق میں ہو تو صوبہ شامل ہو جائے بلکہ اس پر مجبور ہو اور اگر اکثریت کو اُنسٹھ اور اقلیت کو اکتالیس آرا حاصل ہوں تو پھر عامۃ الناس کی رائے براہِ راست لی جائے۔ گویا تمام عام لوگ کثرت رائے سے شمولیت یا عدم شمولیت کا فیصلہ صادر کریں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عدم شمولیت کا فیصلہ کرنے کے بعد کسی ایک صوبے یا ایک سے زیادہ صوبوں کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی ایک جدا اور علیحدہ انڈین یونین یا متحدہ مملکت یا ڈومی نیئن مرتب کر لیں۔ اس کے بعد وثیقہ میں وہ شرائط درج کی گئی ہیں جو ہندوستانی ریاستوں اور علیحدہ رہنے والی مملکت یا مملکتوں اور جدید انڈین یونین کے مابین معاہدات پر حاوی ہوں گی۔

اب میں حسب وعدہ ان دفعات کو لیتا ہوں جس میں مجلس آئین ساز کی تعمیر ہوگی۔ اگر دورانِ جنگ میں ہندوستان کے بڑے بڑے فرقے آپس میں سمجھوتا کر کے مجلس آئین ساز کی تعمیر کی شرائط کا فیصلہ کر لیں تو بہتر، ورنہ جنگ کے خاتمے کے بعد موجودہ آئین کے مطابق جملہ برطانوی صوبوں کی مجالس قانون ساز کے لیے انتخابات ہوں گے۔ ان سب کے ممبران کی تعداد قریباً سولہ سو ہوگی۔ یہ سب اراکین ایک حلقۂ انتخاب متصور ہوں گے اور وہی ''متناسب نمائندگی کے اصول انتخاب'' کے مطابق مجلس آئین ساز کے لیے قریباً ایک سو ساٹھ اراکین اپنے میں سے چن لیں گے۔ یہ ہوگی مجلس آئین ساز جس کو آئین سازی کے لیے کامل حاکمانہ اور شاہی اختیارات حاصل ہوں گے۔

اب ہندوستانی ریاستوں کی سنیے۔ ان کو دعوت دی جائے گی کہ اپنی آبادی کے تناسب سے اراکین بھیجیں۔ مگر ان لوگوں کا تقرر بذریعہ انتخاب ہوگا یا نمائندگی؟ اس کے متعلق وثیقہ میں کوئی ذکر نہیں۔ یہ ہے وثیقہ جہاں تک آئندہ کو دخل ہے۔

اب موجودہ وقت کے لیے یعنی دورانِ جنگ میں طرز حکومت کی عارضی تبدیلیوں کی کیفیت سنیے۔

موجودہ نازک وقت سے لے کر نئے آئین کی ترتیب و تعمیر تک ملک معظم کی حکومت لامحالہ ہندوستان کے دفاع کی کامل ذمہ داری اپنے ہاتھ میں رکھے گی۔ لیکن وہ چاہتی ہے اور اس لیے دعوت دیتی ہے کہ اہل ہند کے بڑے بڑے طبقوں کے لیڈران مشوروں میں موثر اور فوری حصہ لیں۔ جو ہندوستان اور سلطنت برطانیہ اور اقوامِ متحدہ کے مابین ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح ان کو یہ موقع ملے گا کہ اس کام کے سرانجام میں عملی اور تعمیری امداد دیں جو ہندوستان کی آئندہ آزادی کے لیے لازم ولابد اور فیصلہ کن ہے۔

خواتین وحضرات! اس دفعہ میں اہم ترین الفاظ یہ ہیں کہ دفاع ہند کی کامل ذمہ داری تو ملک معظم کی حکومت کے قبضے میں ہوگی اور بڑے بڑے ہندوستانی طبقوں کے لیڈروں کو صرف مشاورت میں شمولیت کی دعوت دی جائے گی اور محض مشورے دینے کا حق یا اختیار حاصل ہوگا۔

خواتین وحضرات! ان میں مختلف طور پر وثیقۂ ہذا کا مفہوم ومنشا جو میرے ذہن میں آتا ہے، پیش کرتا ہوں۔ خواہ ایک ڈومی نین یا مملکت یا ایک سے زیادہ کی تخلیق عمل میں آئے اور اس کا یا ان کا درجہ اور اختیارات کیا ہوں گے اور ان دو امور سے کہیں بڑھ کر قابلِ امر یہ ہے کہ سب سے بڑا مقصد ایک جدید انڈین یونین کی تخلیق ہے۔ سارا معاملہ یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ یونین کا مقصد پورا کرنے کے لیے شاہانہ اختیارات رکھنے والی ایک مجلس آئین ساز بنائی جائے گی۔ یہ مجلس بقول سر سٹیفورڈ کرپس اس امر کو ترجیح دے گی کہ سارے ہندوستان کے لیے ایک اور محض ایک یونین بنے۔

غور کیجیے کہ مجلس آئین ساز کے اراکین گیارہ برطانوی صوبوں کی اسمبلیوں کے ممبروں میں سے لیے جائیں گے۔ یہ لوگ محض ایک حلقۂ انتخاب کی حیثیت سے انتخاب کا کام کریں گے اور انتخاب کا اصول ''متناسب'' ہوگا نہ کہ جدا جدا حلقہ ہائے انتخاب کے ذریعے انتخاب عمل میں آئے گا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی تعمیر یافتہ مجلس سے اس کے سوا کوئی توقع میرے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی کہ وہ ایک اور محض ایک یونین کو یقیناً ترجیح دے گی اور اسی نتیجہ پر پہنچے گی۔ یاد رہے کہ مجلس آئین سازی کی تعمیر کے قواعد و ضوابط اسی منشا اور مقصد کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یہ درست ہے کہ جب مجلس آئین ساز ادنیٰ سے ادنیٰ کثرت رائے کے مطابق مثلاً اکیاون فیصدی تائید کے ساتھ جدید آئین مرتب کرے گی تو ہر صوبے کو جو آئین جدید کو ناپسند کرے یہ موقع دیا جائے گا کہ اور امتحان میں سے گزرے، جس کا ذکر میں ابھی کروں گا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حلقہ ہائے انتخاب کی صورت میں بھی مسلمانوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ پچیس فیصدی ہوگی۔ لیکن ''متناسب نمائندگی'' کے طریق کار سے اس کا کم ہو جانا عین ممکن ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ مجلس آئین ساز میں غالب ترین اکثریت غیر مسلموں کی ہوگی۔ اس لیے قیاس غالب یہی ہو سکتا ہے کہ اکثریت کی رائے صرف ایک انڈین یونین کے حق میں ہو۔

دوسرا اہم امر یہ ہے، کیا مجلس آئین ساز کا فیصلہ محض ادنیٰ سے ادنیٰ رائے کے مطابق ہوگا؟ اس وثیقے کے مطالعہ سے میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہاں ہوگا۔ کیوں کہ اس قسم کے قواعد وضوابط کے وثیقوں میں جب تک ایک مقررہ مقدار کی اکثریت کے لازمی ہونے کا ذکر نہ کیا جائے تو مطلب کم سے کم یا ادنیٰ سے ادنیٰ اکثریت سے ہوتا ہے اور ایک مقررہ اکثریت کی ضرورت ہو تو واضح طور پر لکھ دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مسلم لیگ کا آئین لیجیے۔ اس میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر آئین میں تبدیلی کی ضرورت لاحق ہو تو دو تہائی اکثریت کی رائے کے بغیر کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔

یہ ہے مجلس آئین ساز کی کیفیت مختصر اور اس کے متعلق اگر میں کسی رائے کا اظہار کروں تو میں کہوں گا کہ جب مسٹر گاندھی اس مجلس میں آئیں گے تو انھیں کامل یقین ہوگا کہ ہمیں ایک ایسا آئین ضرور مل جائے گا، جو ایک آل انڈیا یونین کے لیے سارے ہندوستان کی ایک متحدہ ریاست کے لیے ہوگا۔

جب یہ سب کچھ ہو چکے گا تو علیحدگی پسند صوبے یا صوبوں سے یوں خطاب کیا جائے گا:

''سنو، سنو! گھبراؤ نہیں۔ تمھیں پھانسی پر لٹکائے جانے سے پہلے ایک موقع دیا جاتا ہے۔''

(قہقہہ)

یہ موقع وثیقہ میں درج نہیں۔ محض سر سٹیفورڈ کا پیش کردہ مشورہ ہے اور ہم بھی جب وقت آئے گا تو اس کے متعلق اپنے مشورے دیں گے۔ ہاں تو کیا فرماتے ہیں سر سٹیفورڈ کرپس؟ سنیے۔ وہ یوں کہتے ہیں:

''ادھر دیکھو! اگر تم میں سے اکتالیس فیصدی مخالف ہوئے تو عامۃ الناس سے براہِ راست رائے لی جائے گی۔''

اس پر میں پوچھتا ہوں کہ ''کس عامۃ الناس کی رائے؟'' جواب اس کا ظاہر ہے کہ صوبۂ متعلقہ کے عام لوگوں کی رائے۔ اس کو ہم یوں بھی بیان کر سکتے ہیں کہ ''کن لوگوں سے آپ ان کا اپنا فیصلہ طلب کرتے ہیں؟ کیا ایک قوم کے لوگوں سے یا دونوں قوموں سے یک جا طور پر؟ (سنیے، سنیے) اس پر جواب ملتا ہے کہ ''دونوں قوموں کو یکجا کر کے''۔ یہ ہے اس موقع کی حقیقت۔ جو وثیقہ عنایت فرماتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اے علیحدگی پسندو! اگر عامۃ الناس کی رائے تمھارے حق میں ہوئی تو تم ذبح خانے سے بچ جاؤ گے اور ایک اور محض ایک یونین بنانے کے خواہشمندوں اور اس لیے کسی صوبے کو علیحدگی سے باز رکھنے کے حامیوں کی قربانی کی باری بعد میں آئے گی۔ (قہقہہ) یہ ہے وہ امر جو اثر و تاثر کی ہمہ گیری کے لحاظ سے مسلمانوں کے لیے اہم ترین ہے۔

میں نے مسودہ قانون کی تجاویز کی تشریح کر دی ہے۔ اس کے متعلق میں کہوں گا اور میں سمجھتا ہوں کہ میری آواز آپ ہی کے احساسات کی صدائے بازگشت ہوگی کہ مسلمانوں کو سخت ترین مایوسی ہوئی ہے،

کیوں کہ ان کی قومی وحدت اور یقینی اخلاقی قوت کو واضح طور پر اور صاف صاف الفاظ میں تسلیم نہیں کیا گیا۔ (سنیے، سنیے) یہ کوشش قطعی طور پر بنیادی لحاظ سے غلط ہے کہ مسئلہ ہند کے حل کرنے میں امور واقعی سے پہلوتہی کی جائے اور صوبوں کی جغرافیائی وحدت کے قیام پر ضرورت سے زیادہ اصرار کیا جائے۔ کیوں کہ یہ تقسیم برطانوی حکومت کی حکمت عملی کا نتیجہ ہے اور حکومت کے انتظام وانصرام کے لیے کی گئی۔ (سنیے، سنیے) اسلامی ہند کی تسلی وتشفی نہ ہوگی، سوا اس کے قومی اختیارِ فیصلہ متعلقہ آئین کا حق صاف اور قطعی طور پر تسلیم کیا جائے۔ (سنیے، سنیے) اس حقیقت کا احساس ہونا چاہیے کہ ہندوستان کسی زمانے میں بھی نہ ایک ملک تھا، نہ ایک قوم پر مشتمل تھا۔ اس براعظم تحتی کا مسئلہ بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے اور تمدنی، معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی اختلافات اس قدر شدید اور بنیادی ہیں کہ ہم ان کو نہ دبا سکتے ہیں نہ چھپا سکتے ہیں۔ نہ خلط ملط کر کے مطلب حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم سب کے لیے لازم ولابد ہے کہ واقعیت پسند، اہلِ عمل کی طرح ان سے نپٹیں۔

وثیقہ کے مجوزہ آئین کے مطابق وہ نام نہاد اختیار جو اقلیتوں کو حق علیحدگی عطا کرتا ہے۔ محض فریب نظر کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیوں کہ اہلِ ہنود اس فیصلہ میں غالب فوقیت کے حامل ہوں گے کہ سارے ہندوستان کے لیے فقط ایک آل انڈیا یونین (ریاست متحدہ) قائم ہو اور اس میں سب صوبے شامل ہوں۔ چناں چہ مسلمانِ پنجاب وبنگال ہر وقت اپنے اپنے ہاں کی ہندو اقلیت کے رحم پر ہوں گے۔ اہلِ ہنود اپنی انتہائی کوشش اس امر پر صرف کر دیں گے کہ مسلمان ہمیشہ ہندوؤں کی گاڑی کے پہیوں سے بندھے رہیں۔ اس طرح تمام صوبوں کے اندر مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔

ہمیں اس امر کا کامل احساس ہے کہ اس وقت ہمیں غیر ملکی حملہ آوروں کی جانب سے سخت خطرہ اور اس بات کی تشویش ہے کہ جس طرح ہو سکے ہندوستان کی حفاظت کی جائے اور جنگ میں ہر طرح سے مدد بہم پہنچائی جائے۔ مگر ان سب اہم امور کے باوجود ہم زمانۂ حاضر کی خاطر اپنے مستقبل کو فروخت نہیں کر سکتے۔ اگر ہم یہ کام کریں گے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنی اولاد اور آنے والی نسلوں کے کروڑہا مسلمانوں کے خلاف ایک سخت جرم کے مرتکب ہوئے۔ (سنیے، سنیے)

ان تجاویز کی رُو سے مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں میں فوری تغیرات کیے جائیں گے اور موجودہ مروجہ آئین کی حدود کے اندر رہ کر۔ مگر اعلان ہذا کے مطالعہ سے ان کے متعلق کسی صاف اور عملی تجویز کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ مگر یہ امر ناگزیر ہے کیوں کہ تصویر ابھی تکمیل تک نہیں پہنچی اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی آخری کیفیت صورت کیا ہوگی۔ سرِ دست تو یہ وثیقہ محض ایک خاکہ یا ڈھانچہ ہے اور ظاہر ہے کہ اسے قابلِ قبول بنانے کے لیے بہت سی تفصیلوں کی ضرورت اور تجاویز میں تغیرات اور تکمیل کی حاجت۔

یہ معاملہ ان معاملات میں سے ایک ہے جن میں محض اصولوں کے بیان کر دینے سے کہیں بڑھ کر موثر اور دُوررس تفصیلات ہوا کرتی ہیں۔ اس اعلان کے سبب ہمیں سخت تشویش ہو رہی ہے اور شدید خطرات کا خدشہ تکلیف دے رہا ہے۔ بالخصوص تجویز پاکستان کے متعلق جو مسلمانوں کے لیے حیات و ممات کا مسئلہ ہے۔ اس لیے ہم انتہائی کوشش کریں گے کہ پاکستان کا اصول صاف صاف الفاظ میں اور قطعی طور پر تسلیم کیا جائے۔ کیوں کہ اس وقت تو اعلان میں نہایت معمولی طور پر مانا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانانِ ہند یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہماری اپنی پوری تسلی اور تشفی کے مطابق اس بات کا فیصلہ کیا جائے کہ ہم کس طرح اور کن شرائط سے ایک قوم کی حیثیت میں علیحدہ رہ سکتے ہیں، یا اگر چاہیں تو شامل ہو سکتے ہیں۔ ہم اس کے متعلق بھی اپنی شدید کوشش جاری رکھیں گے۔ ہم نہیں چاہتے کہ جس طرح گزشتہ جنگ عظیم کے بعد فلسطین کا حشر ہوا تھا۔ وہی ہم پر اس جنگ کے بعد صادق آئے جب کہ ہم اپنی آزادی اور علیحدگی کے اقراروں کی قیمت میں روپیہ، خون اور ساز و سامان ادا کر چکے ہوں گے۔ (سنیے، سنیے)

اس اعلان سے ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان دور مستقبل کے اندر بہت دور کی ایک چیز ہے اور اس کی تخلیق کا محض امکان بھی دیر طلب ہے۔ پھر اس کے مقابلے میں ایک نئی متحدہ ریاست ہند (انڈین یونین) کے لیے قطعی ترجیح موجود ہے۔ بلکہ اس وقت سب سے بڑا مقصد یہی ہے۔ چناں چہ اس وقت تک بعض اہم امور ہمارے خلاف جا رہے ہیں۔ یعنی مجوزہ آئین کے متعلق سیاسی اور آئینی مشورے، طریق کار کے قواعد و ضوابط، سر سٹیفورڈ کرپس کے ساتھ ملاقاتیں اور صاحبِ مذکور کی اپنی تشریحات وغیرہ۔ پس ان حالات کے پیشِ نظر میں کہوں گا کہ ہمیں ایک ایسا کھیل کھیلنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ جس میں فریق مقابل فریب کاری سے کام لے رہا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہماری مجلس عاملہ 27 مارچ سے ان تجاویز کا مطالعہ بڑی احتیاط سے کر رہی ہے اور دِقت نظر سے اس کا امتحان لے رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سر سٹیفورڈ کرپس اور ملک معظم کی حکومت بلا تامل وہ ضروری تغیرات کر دیں گے جن سے پاکستان کے اصول قطعی طور پر اور واقعی عمل میں لائے جا سکیں اور مسلمانانِ ہند ایک اور محض ایک قوم کی حیثیت میں اپنی حکومت کے متعلق خود فیصلہ کرنے کے مختار ہوں۔ ہمیں امید ہے کہ انجام کاران مشوروں اور باہمی صلاح کار سے ایک ایسا منصفانہ سمجھوتا پیدا ہوگا جس سے سب کا احترام برقرار رہے گا اور جسے سب قبول کریں گے۔

(بلند نعرہ ہائے تحسین)

***

حکومت برطانیہ کا ایک دامِ ہمرنگ زمین

تجاویز کرپس

13 اپریل 1942ء

برطانوی کابینہ جنگ نے سرسٹیفورڈ کرپس کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا، مقصد یہ تھا کہ وہ کانگریس، مسلم لیگ اور ملک کی دوسری سیاسی جماعتوں کے سامنے کابینہ کی تجاویز پیش کریں۔ اگر یہ تجاویز منظور کر لی جائیں تو دورانِ جنگ میں امکانی حد تک زیادہ سے زیادہ نمائندہ اور ذمّہ دار قومی حکومت کی تشکیل کر دی جائے گی۔ وائسرائے دستوری سربراہ مملکت کی حیثیت رکھیں گے، البتہ امور دفاع پر قومی حکومت کا کوئی کنٹرول نہ ہوگا اور جنگ کے کامیاب اختتام کے بعد انھی لائنوں پر ہندوستان آزاد کر دیا جائے گا۔

تجاویز کرپس میں زبانِ قلم سے تو نہیں، البتہ معنوی طور پر ڈرتے ڈرتے پوری احتیاط اور پیش بندیوں، شرائط اور قیود کے ساتھ حق خود ارادیت تسلیم کر لیا گیا تھا، جس کی صورت یہ تھی کہ ہر صوبے کو حق دیا گیا تھا کہ وہ ہندوستان کے مرکز سے وابستہ ہو یا نہ ہو، گویا بنگال اور پنجاب، سرحد اور سندھ و بلوچستان اگر چاہتے تو وفاق ہند سے الگ رہ کر خود اپنا وفاق بنا سکتے تھے۔

کانگریس نے ان تجاویز کو اس لیے رد کر دیا کہ وہ ان میں پاکستان کو چلتا پھرتا دیکھ رہی تھی اور مسلم لیگ نے اس لیے مسترد کر دیا کہ اس میں بہ الفاظ واضح مسلمانوں کا حق خود ارادیت تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔

سر کرپس مزدور جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ کئی مرتبہ ہندوستان آ چکے تھے۔ وہ کانگریس کے ہمدرد اور کئی کانگریسی لیڈروں کے ذاتی دوست تھے۔ پھر ان تجاویز سے دستبرداری کے بعد جب وہ لندن واپس پہنچے تو انھوں نے صاف صاف اقرار کیا کہ ''بنتی ہوئی بات اس لیے بگڑی کہ کانگریس سب کچھ خود لے لینا چاہتی تھی، دوسروں کے لیے کچھ بھی چھوڑنا اسے منظور نہ تھا۔''

قائداعظم نے اس سلسلے میں ایک پریس کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا وہ یہ ہے۔

رئیس احمد جعفری

حضرات! ہز میجسٹی کی حکومت کے جو تجاویز سر سٹیفورڈ کرپس ہندوستان لے کر آئے تھے، نا قابلِ ترمیم تھے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ اس کو جزوی طور پر نہیں، بلکہ پوری تجویز قبول کرنی ہوگی۔ ہز میجسٹی کی حکومت نے سر سٹیفورڈ کرپس کو اس کی کسی ایسی متبادل صورت پر بھی غور کرنے کا اختیار نہیں دیا تھا جو تجویز کے حال یا مستقبل پر اثر انداز ہو۔

حالاتِ حاضرہ کے تعلق سے کوئی بدل پیش کرنے کی بھی ہمارے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی گئی تھی۔ اس میں صرف یہی دو صورتیں تھیں کہ یا تو ساری تجویز بجنسہٖ قبول کر لی جائے یا پھر اسے مسترد کر دیا جائے۔ پھر یہ کیوں کر ممکن تھا کہ ہم مستقبل کو نظر انداز کر کے صرف حال پر غور کرتے۔ اس میں پاکستان کو غیر مبہم اور واضح طور پر قبول نہیں کیا گیا تھا اور نہ مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان تجاویز کو مسترد کر دیا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو نمائندگان پریس سے گفتگو کے دوران میں اب بھی کانگریس کا اسی طرح ذکر کرتے ہیں کہ وہ ہندوستان کی نمائندہ ہے اور اسی کی طرف سے بولتی ہے۔ اس ادعا کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ مسلم ہندوستان اس دعوے کو رد کر چکا ہے۔ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ کانگریس نہ صرف مسلمانانِ ہند کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ وہ سارے ہندوؤں کی بھی نمائندہ نہیں ہے۔ جیسے غیر برہمن، پست اقوام اور دوسری اقلیتیں ہیں۔

جب سر سٹیفورڈ نے اپنی تجاویز کی وضاحت کر دی تو مسلم لیگ نے بڑی احتیاط سے اس کو جانچا۔ ایک تو یہ تجویز نا قابلِ ترمیم اور ایک قطعی انکار یا اقرار کے مترادف تھی، دوسرے اگر مستقبل پر اتفاق ہو جاتا تو حالاتِ حاضرہ پر بھی غور ہو سکتا تھا لیکن سر سٹیفورڈ مستقبل کے کسی بدل پر غور کرنے کے مجاز ہی نہ تھے۔

ان حالات کے تحت ہم نے تمام تجاویز کو ایک دستاویز کی طرح جانچا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ مستقبل کے تعلق سے اس میں تقسیم (پاکستان) کے اصول کو قبول نہیں کیا گیا ہے۔ تاہم کسی صوبے یا صوبوں کے لیے اختیارِ علیحدگی ہے۔ اس مقصد کے لیے جو طریقہ بتایا گیا ہے اس کے مدنظر ہمارا خیال ہے کہ اسلامی صوبوں میں طریقہ کار کے ضابطے کچھ اس طرح وضع کیے گئے ہیں کہ نو کروڑ مسلموں کی قسمت صوبائی مجلس آئین ساز میں چند آراؤں سے بندھی رہے گی۔ جہاں مسلمان بنگال اور پنجاب کی طرح مجلسِ آئین ساز میں اقلیت میں ہیں، حالاں کہ یہی مسلمانوں کے بڑے صوبہ ہیں۔ اسی طرح دوسرے اسلامی صوبے شمال مغربی سرحد اور سندھ میں غیر مسلموں کو ایسا وٹھیج دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی منزلِ مقصود پر پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ پاکستان کو اور نہ مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو صاف طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے یہ تجاویز رد کر دیں۔ لیکن ہم اس کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ یہ ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے جس پر آئندہ برطانوی حکمت عملی کی تعمیر ہو سکتی ہے۔ مسلم ہندوستان اس حقیقت کو بنظرِ پسندیدگی دیکھتا ہے کہ اس تجویز میں بہرحال تقسیم ہند کے اصول کو مبہم طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔

پھر اس تجویز کی تفصیلات بھی ہمارے سامنے نہیں لائی گئیں۔ صورتِ حال کے مدنظر اصول سے زیادہ تفصیل کی اہمیت تھی۔ سر سٹیفورڈ اور میرے مابین یہی گفتگو ہوئی کہ وائسرائے متعلقہ جماعتوں کے ساتھ اس کی تفصیل اور ترتیب کا تصفیہ کر لیں گے۔ ان مضامین اور بیانات کے اس طومار سے جو کانگریس کیمپ سے جاری ہوئے ہیں۔ یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ سر سٹیفورڈ نے کانگریسی قائدین سے بعض متبادل صورتوں پر بھی گفتگو کی، حالاں کہ ایسی گفت و شنید سے موصوف نے انکار کیا ہے۔

کانگریس کی متبادل تجاویز (1) ایک قومی حکومت کی آڑ میں ہندوستان کے برتر اور اہم امور کو بے ربط اور متناقص بنا رہے ہیں۔ یہ تو ابھی ابتدا ہے۔ کانگریس کو علم ہے کہ اس کی تجویز کے تحت جو کابینہ تشکیل پائے گی، وہ مخلوط ہوگی اور ملک کی مختلف جماعتوں کے مختلف تصورات کی نمائندہ ہوگی۔ اس میں کچھ تو کانگریس سے، کچھ ہندو مہاسبھا سے، کچھ مسلم لیگ اور سکھوں کی جماعت سے نمائندے آئیں گے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی یہ غیر مبہم تشریح میرے پیش نظر ہے کہ پندرہ ارکان کی ایک مفروضہ کابینہ میں کانگریسی اکثریت آٹھ یا نو کی ہوگی۔ پھر اس کانگریسی اکثریت میں ہندو مہاسبھا اور سکھوں کا اضافہ ہوگا اور مسلمان ایک بے اثر اقلیت میں رہ جائیں گے۔ اس میں پنڈت نہرو نے اس پیشکش سے مسلمانوں کی اشک شوئی کی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو مستعفی ہو سکتے ہیں۔ یہ اکثریت کے استبداد کا مظاہرہ نہیں تو اور کیا ہے۔

پنڈت نہرو کے اس بیان سے بھی تعجب ہوا کہ مجھے ایک قومی حکومت کے مطالبہ پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ میں یقین دلاتا ہوں، اگر کانگریس کا یہ مطالبہ منظور ہو جاتا تو یہ مسلمانانِ ہند کے لیے پیامِ اجل ہوتا۔

سوال: موجودہ حالات میں مسلم لیگ کیا چاہتی ہے؟

جواب: اگر تمام جماعتیں مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان و تقسیم ہند اور حق خود ارادیت کو تسلیم کر لیں۔ خواہ اس کی تفصیلات کا تصفیہ بعد جنگ ہی کیوں نہ ہو، تو ہم صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے کسی معقول عارضی انتظام میں شریک ہوں تاوقتیکہ اصول پاکستان کو تسلیم نہ کر لیا جائے۔ ہم کسی عارضی انتظام پر متفق نہیں ہو سکتے۔ جو مطالبۂ پاکستان کے مغائر ہو، یا اُسے کسی طرح متاثر کرتا ہو۔

حاشیہ

1۔ کانگریس کی متبادل تجاویز کا لب لباب اور خلاصہ یہ تھا:

(1) مرکز میں ایک قومی حکومت فوراً بنا دی جائے، جو مرکزی مجلس آئین ساز کو جوابدہ ہو اور جس میں کانگریس کی اکثریت ہو۔

(2) آزاد ہندوستان کا دستور وضع کرنے کے لیے جلد از جلد مجلس دستور ساز کا اعلان کیا جائے اور اس کا بنایا ہوا دستور نافذ کر دیا جائے۔

یہ دونوں تجویزیں مسلمانوں کے لیے مضر تھیں، کیوں کہ مجوزہ حکومت اور مجلس دستور ساز میں لازمی طور پر ہندو اکثریت ہوتی اور مسلمانوں کی آواز دب کر رہ جاتی۔

***

امریکی، چینی اور برطانوی نمائندگان صحافت سے خطاب!

قومی حکومت! ایک فریب

13 ستمبر 1942ء

کانگریس کے مطالبہ ''قومی حکومت'' کے سلسلے میں، اپنے دولت کدے، اورنگ زیب روڈ پر منعقدہ پریس کانفرنس میں امریکی، چینی اور برطانوی نمائندگان صحافت کے سامنے قائداعظم کا بیان۔
رئیس احمد جعفری

قابلِ اطمینان معاہدات اور انتظامات کی رُو سے منتقل ہونے والے اختیارات کو میں کسی نوبت پر بھی معین نہیں کرتا۔ خواہ وہ کتنے ہی وسیع کیوں نہ ہوں، لیکن یہ اس امر پر لازماً مشروط ہوں گے کہ ساری جماعتیں مسلمانوں کے حق خودداریت کو تسلیم کرلیں اور ضمانت دیں اور مسلم رائے عامہ کے فیصلے پر عمل پیرا ہوکر اس کے مطابق ہندوستان کو تقسیم کرنے کا اپنے آپ کو حلفاً پابند کرلیں۔

اگر اس شرط کو پورا نہیں کیا گیا اور موجودہ دستور کے خاکے کے باہر کوئی عارضی حکومت بنائی گئی اور ان ہی خطوط پر بنائی گئی جن پر کہ چند اہم گوشوں سے اصرار ہو رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم گرفتارِ دام ہو گئے ہیں، کیوں کہ موجودہ دستور کے خاکے کے باہر اگر کوئی عارضی حکومت بنے گی تو اس میں دستور کی اساسی اور بنیادی تبدیلیاں ضرور ہوں گی اور ایک دفعہ ایسی تبدیلی ہو جائے اور ہمارے پاس کوئی مابعد جنگ معاہدے یا ضمانتیں نہ ہوں۔ جس پر آج ہمیں اس قدر اصرار ہے تو اس کو مٹانا دشوار ہی نہیں، ناممکن ہو جائے گا۔

ہم نہیں چاہتے کہ جنگ کی ناگہانی ضرورتوں کے دباؤ سے ہمیں بدحواس کر کے تم ایک ایسی عارضی حکومت ترتیب دے دو جو ہمارے مطالبہ پاکستان کے مغائر ہو یا اس کو متاثر و مفلوج کردے۔

میں خاص طور پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ (کانگریس کی یہ تحریک) محض برطانیہ اور حکومت کے خلاف اعلانِ جنگ نہیں ہے بلکہ مسلم لیگ اور ان غیر کانگریسی اداروں کے خلاف بھی ہے۔ جن سے کوئی

مشورہ نہیں لیا گیا، بلکہ ان کی ناراضی کے باوجود انھیں قابلِ اعتنا نہ سمجھ کر اس تحریک سونا فرمانی کا آغاز کر دیا گیا ہے، تا کہ اپنے ان مطالبات کو جبراً منوالیا جائے جن کی شدید مخالفت مسلم لیگ، دوسری اقلیتوں اور اس میں ملک میں دیگر مفادات رکھنے والوں نے کی ہے۔

قومیت کی آڑ میں کانگریس کا مطالبہ مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ اسے ایسا اقتدار دے دیا جائے کہ ملک میں ہندو راج قائم ہو جائے۔ ہم نے لمحات آزمائش میں بھی اپنے حق خود ارادیت کی دست برداری سے انکار کر دیا ہے، اس لیے اب کانگریس یہ چاہتی ہے کہ حکومت برطانیہ اسے اقتدار کا کوئی جواز عطا کر دے کہ وہ مسلمانوں اور ملک کے دوسرے غیر کانگریسی اداروں کو حلقہ بگوش بنا سکے۔

مسٹر چرچل کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، تقریر کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ:

> ''سارے ہندوستان کی نیابت اور نمائندگی کا کانگریس نے جو ادعا کیا ہے، وہ سراسر غلط ہے۔''

میرا خیال ہے کہ کوئی سلیم الطبع شخص شاید ہی یہ کہہ سکے گا کہ کانگریس کا یہ دعویٰ کسی حقیقت پر مبنی ہے لیکن بمبئی میں کل ہند کانگریس کمیٹی کے آخری اجلاس میں مسٹر گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی تقریروں میں یہی دعویٰ کیا ہے۔ مسٹر گاندھی نے اپنی آخری تقریر میں اس پر بے حد زور دیتے ہوئے کہا کہ کانگریس ہی ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ یہی مسٹر نہرو نے بھی کہا، بلکہ یہ اس سے اور آگے گئے اور فرمایا کہ کل ہند مسلم لیگ ایک رجعت پسند جماعت ہے۔ مسلم عوام کانگریس کے ساتھ ہیں اور کانگریس ہی سارے ہندوستان کی نمائندگی کرتی ہے۔ (1)

سمندر پار رہنے والے چوں کہ صحیح حالات سے کماحقہٗ واقفیت نہیں رکھتے، اس لیے وہ اس کذب و افترا کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ شرارت آمیز اور منظم پروپیگنڈا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے برابر جاری ہے۔

اس نوبت پر ایک امریکی نامہ نگار نے سوال کیا کہ ''کیا آپ کو توقع ہے کہ کوئی ذلت آمیز تصفیہ سر منڈھ دیا جائے گا؟''

آپ نے جواب دیا کہ:

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، مجھے اس کا خوف ہے۔ تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ دنیا کی مہذب ترین اقوام شرمناک اقدامات کی مرتکب ہوئی ہیں۔

مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ جیسی کانگریس ہے ویسی ہی مہاسبھا بھی ہے۔ البتہ مسلمانوں کے تعلق سے ہندومہاسبھا کانگریس سے بھی زیادہ مخاصمت رکھتی ہے اور وہ اس میں کوئی رازداری نہیں برتتی۔ اس کو ہندومہاسبھا کا ایک وصف ہی سمجھنا چاہیے۔ کیوں کہ یہ کانگریس کی طرح زہد و پاکیزگی کی آڑ تو نہیں لیتی۔ وہ پھکڑ پن سے دوٹوک کہہ تو دیتی ہے کہ اس ذیلی براعظم میں ہندوراج قائم کرنا چاہتی ہے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ اس پر سرتسلیم خم کر دیں، ورنہ ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے گا جیسا کہ جرمنی میں یہودیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اس موقع پر ایک نامہ نگار نے پوچھا کہ اس بیان سے آیا، وہ یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ کل والی ''جناح مکرجی'' گفتگو بہت زیادہ کامیاب نہیں رہی۔

قائداعظم نے جواب دیا کہ:

میں اس گفتگو کو ظاہر تو نہیں کر سکتا، لیکن یہ کہوں گا کہ مسلم لیگ نے کبھی ایسا مطالبہ ہی نہیں کیا جسے کوئی انصاف پسند آدمی غیر معقول کہہ سکتا ہو۔ مسلم لیگ تو مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی آزادی چاہتی ہے۔ ہماری تجویز کے مطابق تین چوتھائی ہندوستان تو ہندوؤں کو مل ہی چکا ہے اور اب یہ ہندو اس فکر میں ہیں کہ اگر ہو سکے تو بقیہ ایک چوتھائی کا بھی سودا کر لیں۔ کسی قوم کے حق خودارادیت پر کوئی سمجھوتا ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ اس کا آبائی اور پیدائشی حق ہے۔ اس سے انکار کرنا خود اس کے وجود سے انکار کرنا ہے۔

آپ نے مسٹر چرچل کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اس تقریر سے مسلمانوں کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ برطانوی حکومت مسلمانوں کا تعاون نہیں چاہتی اور اسے وقیع نہیں سمجھتی۔ مسٹر چرچل نے ان دس کروڑ مسلمانوں کا ذکر کیا جو کانگریس سے بنیادی اختلاف رکھتے ہیں اور یہ بھی کہا کہ انھیں اظہار رائے کا حق حاصل ہے۔

مسلم لیگ کی 20 اگست والی قرارداد بمبئی (جس میں مسلمانوں کے موقف اور ان کے مطالبات کی غیر مبہم وضاحت کی گئی تھی) سے متعلق برطانیہ کے وزیراعظم کا بس یہی ایک استعارۂ لطیف ہے! کیا اس سے برطانیہ کی مبینہ تمنائے تعاون کا اظہار ہوتا ہے؟ کیا تمھارے نزدیک مسلم لیگ اور مسلمانوں کی بس اتنی ہی قدر و قیمت ہے؟ کیا تمھارے لیے اسی قدر کافی ہے کہ مسلمان کانگریس کے خلاف ہیں، جو ایک حقیقت ہے اور انھیں اظہار رائے کا حق حاصل ہے۔ جو ایک بدیہی صداقت ہے؟ کیا وزیراعظم کو اسی قدر کہنا ہے؟

حکومت برطانیہ نے کانگریس کے سوا ساری جماعتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر حال ہی میں اخبار ٹائمز نے لکھا تھا کہ کانگریس کو نظر انداز کر کے کوئی تصفیہ نہیں کیا جا سکتا۔ میں اس بیان

سے قطعی متفق نہیں ہوں۔ اس کے پڑھنے سے میرے ذہن میں برطانوی حکمت عملی کا جو تصور پیدا ہوا وہ یہ ہے کہ ''کانگریس ناقابلِ برداشت سہی لیکن جب تک اسے اپنے ساتھ نہ رکھو۔ کچھ نہیں ہو سکے گا۔'' میں ممکنہ قوت سے اس طریقہ کار کی تردید کرتا ہوں۔ اس کے معنی تو ہیں کہ تم ایک ایسی جماعت کے تابع فرمان ہو گئے ہو کہ جس کے مطالبات ناممکن اور محال ہیں۔

مسلم لیگ مساعی جنگ کی حمایت نہیں کر رہی ہے۔ یہ اس لیے نہیں ہے کہ لیگ ضدی اور بداندیش ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اس وقت تک کشادہ دلی اور سرگرمی سے مساعی جنگ کی حمایت کرنے سے معذور ہے جب تک کہ عوام کو یہ محسوس نہ ہو کہ اس ملک کی حکومت میں ان کا حقیقی اشتراک اور آواز ہے۔

گزشتہ سہ سالہ برطانوی حکمت عملی کتنی ہی قابلِ ملامت کیوں نہ ہو، ہمارا موقف تو محض خربوزے کا سا ہے۔ اب خربوزہ چھری پر گرے یا چھری خربوزے پر، نقصان تو خربوزے کا ہی ہوگا۔ فرض کیجیے کہ اس برطانوی حکمت عملی سے تنگ آ کر مارے غم و غصے کے کل کو یہ کہہ دوں کہ ''حکومت سے عدم تعاون کرو'' تو یقین کیجیے کہ حکومت آج کل جس قدر مصیبت (کانگریس کے ہاتھوں) بھگت رہی ہے۔ اس سے کم سے کم پچاس گنی زیادہ اس کو (ہمارے ہاتھوں) بھگتنی پڑے گی۔ یہ بندوق اور تلوار کی بات نہیں ہے۔ مسلمان پچاس گنا زیادہ دلیر ہیں۔ میں ہندوؤں پر کوئی چوٹ نہیں کرتا۔ مسلمان کا مزاج اور طریقہ تربیت ہی کچھ ایسا ہے۔

مسلم لیگ اب اس قدر طاقتور ہو گئی ہے کہ اگر وہ چاہے تو جنگ کے کاموں میں رکاوٹ پیدا کر سکتی ہے۔

ایک برطانوی نامہ نگار نے پوچھا کہ کیا ایسے اقدام سے فوج اور مشرق وسطیٰ کے مسلمان متاثر ہوں گے؟

قائداعظم نے فرمایا کہ جب یہ مخصوص سوال کیا ہی گیا ہے تو میں اس کا جواب ضرور دوں گا۔ میں کوئی سنسنی خیز اور خونیں داستان نہیں سنانا چاہتا، پھر فوج سے میرا ربط بھی نہیں ہے...... لیکن فوج 65 فیصدی مسلمانوں پر مشتمل ہے اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر لیگ اپنی مہم آغاز کر دے تو بڑا حصہ متاثر ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ سارا سرحد بھڑک اٹھے گا۔

افغانستان، ایران، عراق، ترکی، مصر اور دیگر ممالک اسلامیہ کے اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کو اسلامیانِ ہند کے مطالبات سے پوری ہمدردی ہے۔ ان ممالک کے اخبارات مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتے ہیں۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اگر حکومت برطانیہ اور مسلمانانِ ہند میں ٹھن جائے تو لازماً مشرقِ وسطیٰ کے مسلمان متاثر ہوں گے۔

کانگریس نے ایک اہم فیصلہ کیا ہے کہ وہ ہندوستان چھوڑ دیں اور اس کے ساتھ ہی اعلان کیا ہے کہ جب تک برطانوی یہاں سے چلے نہ جائیں، ہندو مسلم تصفیہ کے سوال پر غور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کانگریس کا تازہ ترین گریز ہے۔ اس کا یہ جدید موقف اس کی بائیس سالہ معلنہ بنیادی حکمت عملی کے قطعی مغائر ہے۔ آج سے پہلے وہ یہی کہا کرتے تھے کہ ہندو مسلم سمجھوتے اور اتفاق کے بغیر باشندگان ہند کو آزادی نہیں مل سکتی۔

جب تک ایسی ذہنیت کارفرما رہے گی ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین سمجھوتا کی گفت شنید کی گنجائش کہاں؟ اس کے باوجود شب و روز کہا جاتا ہے اور خاص طور پر ہندو کہتے ہیں کہ کانگریس سے سمجھوتا کرنے کے لیے مسلم لیگ کو قدم اٹھانا چاہیے۔

حاشیہ

1۔ ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی، غیر معمولی قابلیت کے شخص تھے۔ ہندو مہاسبھا کا دورِ آخر کا فروغ انھیں کا رہینِ منت ہے۔

پروپیگنڈے کا جواب!

9 نومبر 1942ء

مسلم لیگ اور مطالبۂ پاکستان کے خلاف نہ صرف ہندوستان میں، بلکہ غیر ممالک میں بھی کانگریس کی طرف سے وسیع پیمانہ پر پروپیگنڈے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

قائداعظم نے اس موضوع پر اظہار خیال فرمایا ہے۔ یہ تقریر لیگ کونسل کے اجلاس میں ہوئی تھی۔

رئیس احمد جعفری

حضرات! ہندوستان کی ایک جماعت...... ایک نہایت منظم جماعت جس کا خاص کام ہمیں بیرونِ ملک میں بدنام کرنا ہے، پروپیگنڈا جاری رکھے ہوئے ہے۔ وہ امریکا، چین، انگلستان اور دنیا کے دوسرے حصوں کی رائے عامہ کو گمراہ کرنے میں مصروف و منہمک ہے۔ قدرتی طور پر امریکا کے عوام ہندوستان کے صحیح حالات سے بہت کم واقف ہیں۔

بڑی دیدہ دلیری و بیباکی سے ہمارے بارے میں یہ غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے کہ ہم ہندوستان میں برطانوی شہنشاہیت کے معین و مددگار ہیں اور ملک کی آزادی و خودمختاری کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

جو اشخاص ہندوستان کے حالات اور اس کی سیاسی رفتار کا صحیح مطالعہ کرتے ہیں۔ اس سے واقف ہیں کہ راہ آزادی میں رکاوٹ پیدا کرنے کا یہ الزام نہ صرف بے بنیاد ہے، بلکہ سراسر شرمناک بھی ہے۔

ہندوستان کبھی ایک نہیں رہا، ایک قوم نہیں رہا، ایک ملک نہیں رہا اور اس پر کوئی ایک طاقت بہ نوکِ شمشیر بھی حکومت نہ کر سکی۔ یہ مختلف اقوام و ملل کا ایک ذیلی براعظم ہے حتیٰ کہ آج بھی جب کہ برطانیہ قلمروئے ہندوستان پر فرماں روائی کر رہا ہے۔ ایک تہائی حصہ برطانیہ کے زیر نگین نہیں ہے۔ نظم و نسق کی

موجودہ یکسانیت خالص برطانوی پیداوار ہے، پھر اس ذیلی براعظم کی یہ حکومت جو 150 یا 160 سال سے قائم ہے۔ ایسی حکومت نہیں جو عوام کی منظوری سے قائم ہوئی ہو۔ (نعرۂ تحسین)

یہ محض مغل طرزِ حکومت پر جمہوری طرزِ حکومت کا نظری اطلاق ہے۔ اس کی منظوری عوام نے نہیں بلکہ برطانوی سنگینوں نے دی ہے۔ (1) (نعرۂ تحسین) عوام میں ایک عظیم سیاسی شعور پیدا ہو چکا ہے۔ ہم آزادی چاہتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ اپنے ملک کے آپ مالک بنیں۔ اب ہم برطانوی حکومت کو خدا حافظ کہنا چاہتے ہیں۔ (نعرۂ تحسین) ہمارے مطالبۂ پاکستان میں ہندوستان کی آزادی اور خودمختاری مضمر ہے۔ (بلند نعرہ ہائے تحسین)

یہ کس قدر صاف اور واضح ہے...... میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کسی کو غلط فہمی ہونی چاہیے...... ہم ہندوستان کا تین چوتھائی دینے کا اقرار کرتے ہیں...... چین اور روس کے سوائے دنیا کے ہر ایک ملک سے بڑا علاقہ 25 کروڑ آبادی کے ساتھ ہم ہندوؤں کے حوالے کرنے پر تیار ہیں!

ہم یہ کہتے ہیں کہ اپنے منطقوں میں تم آزادی اور خودمختاری سنبھالو اور ہمارے علاقوں میں ہمیں حکمرانی کرنے دو! لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندو قیادت یہ سوچتی ہے کہ ''تین چوتھائی تو بہرحال ہماری جیب میں ہے ہی، اب اگر ہو سکے تو باقی ایک چوتھائی بھی ہڑپ کر جاؤ۔''

بس یہی ذہنیت اور چالبازی ان مختلف کانگریسی تجاویز کے پس پردہ کارفرما ہے، جو تا حال ہمارے سامنے لائی گئی ہے۔ اس ہیر پھیر کا مطلب وہی قومی حکومت! کس قوم کی قومی حکومت! ہندو قومی حکومت!

ایک اور فقرہ ہے۔ اکثریتی حکومت (2) جو مجلس آئین ساز کو جواب دہ ہو! یہ روزمرہ کے چلتے ہوئے آوازے ہیں اور ان سب کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ مسلمان ایک اقلیت کی حیثیت سے اپنے آپ کو ہندو راج کے حوالے کر دیں لیکن مسلمان اس کو کبھی قبول نہ کرے گا۔ (نعرے)

اب وہ زمانہ لد گیا، اس وقت تو موت و حیات کی کشمکش جاری ہے۔ ہندوستان کی سرحدوں کو سخت خطرہ لاحق ہے۔ کسی حملہ آور کے خلاف مدافعت کے لیے ہر ایک سمجھدار ہندوستانی تیار ہو جائے گا اور ہمارے سارے وسائل و ذرائع مجتمع کرنے میں بڑی خوشی سے ممکنہ مدد کرے گا۔ ہمارے امریکی دوست امریکا جا سکتے ہیں، ہمارے برطانوی دوست انگلستان جا سکتے ہیں، لیکن میں کہاں جاؤں گا؟ پس اس سرزمین کی حفاظت و صیانت سے تعلق خاطر سب سے زیادہ مجھے ہے۔ (نعرۂ تحسین)

انھی وجوہات کی بنا پر ہم نے حکومت برطانیہ اور اس ملک کی دوسری جماعتوں سے کہا کہ وہ مسلمانوں کے حق خودارادیت کو تسلیم کر لیں اور مسلمانوں کی رائے عامہ کے فیصلے کو مان لیں۔ اگر یہ فیصلہ

تقسیم ہند کے حق میں ہو، خودمختار و آزاد اسلامی منطقے بنانے کے حق میں ہو تو تمام جماعتوں کو دیانتداری سے اس کا اقرار کرنا چاہیے کہ وہ اس کو روبہ عمل لائیں گے۔

اگر ایک مرتبہ ایسے عہد و اقرار سے ہمیں طمانیت دلائی جائے تو ہم مساوی حیثیت سے عارضی حکومت میں نہ صرف شریک ہوں گے بلکہ اس کی امکانی کوشش کریں گے کہ تمام ضروری اختیارات اس عارضی حکومت کو منتقل ہو جائیں۔

اس کے جواب میں ہندو قیادت صرف ہوا کا رخ دیکھنے کی کوشش کر رہی ہے اور غیر اقوام سے استدعائیں کر رہی ہے۔ بیگانوں سے کیا توقع ہو سکتی ہے؟ کیا وہ اس براعظم کی حکومت کو چلائیں گی؟ اس ملک کی حکومت کو اصولاً دو بڑی جماعتیں چلائیں گی، وہ ہندو اور مسلمان ہیں؟ کسی قسم کی تجویز کیوں نہ ہو، ان دونوں کا اس میں شامل ہونا ضروری ہے۔

برطانیہ کی منطق بھی ناقابلِ فہم اور انوکھی ہے۔ محض اس لیے کہ ایک جماعت نے یہ مہمل اور ناممکن روش اختیار کی ہے۔ برطانوی حکومت وقت گزاری کر رہی ہے اور ''انتظار کرو اور دیکھو'' کی حکمت عملی پر گامزن ہے! یہ فاش غلطی ہے...... اب آپ انتظار نہیں کر سکتے! وقت گزر رہا ہے، ہماری سرحدیں محفوظ نہیں ہیں، ہمارے جنگ کے میدانوں سے ابھی خطرہ دور نہیں ہوا۔ یہ انتظار کرو اور دیکھو کی حکمت عملی برطانیہ کی سب سے بڑی غلطی ہوگی جو اس سے سرزد ہو سکتی ہے۔

میں تو یہ کہوں گا کہ بڑھے چلو، حرکت کرتے رہو! اگر صد فیصد نہیں تو نوے فیصد سہی، اسّی فیصد سہی، مگر حرکت ضرور کرو۔

اگر برطانوی حکومت نے ہمارے مطالبہ کو تسلیم کر لیا تو نہ صرف ہندوستان کی رائے عامہ کی عدالت کے سامنے، بلکہ تمام دنیا پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی۔ وہ باشندگانِ ہند کو بعجلت ممکنہ خودمختاری دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ پھر اس ملک کی یا کسی ملک کی رائے عامہ کی عدالت میں ہندو برطانیہ کے اس موقف کو جھٹلانے کے قابل نہ ہوں گے۔ کیوں کہ انھیں بہت معقول اور کافی سے زیادہ حصہ مل رہا ہے۔

مسلم لیگ کے بارے میں مجھے یہ کہنا ہے کہ اب یہ تنظیم سارے ہندوستان میں دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ ہم نے ایک سول ڈیفنس کمیٹی بنائی تھی جو دو مہینوں میں چودہ ہزار میل کا دورہ کر چکی ہے، جس کا مقصد یہ تھا کہ ہر جگہ مسلمانوں کو منظم کر دیا جائے۔ کوئی فتنہ برپا کرنے کے لیے نہیں بلکہ اندرونی اور بیرونی خلفشار کے مدنظر مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ اپنی خدمت خلق اور اپنی مدافعت کے جذبہ کے تحت اپنی آبرو، جان و مال کی حفاظت کے لیے کمربستہ ہو جائیں، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں

ہے کہ یہ تنظیم غیر مسلموں کی امداد واعانت نہیں کر سکتی۔

ہماری پنج سالہ تجویز خدا کا شکر ہے کہ بخیر وخوبی اختتام کو پہنچی۔ اس کی تکمیل کے لیے مسلمانوں سے رقمی امداد کی کوئی اپیل نہیں کی گئی۔ آپ ان شاندار نتائج کو دیکھ کر مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ہماری پنج سالہ تجویز کامیاب رہی۔ آج مسلم لیگ کے پرچم تلے ہزاروں نہیں لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمان متحد ہو گئے ہیں۔ میں نے بیرونی نامہ نگاروں اور انگریزوں سے جو اس ملک کے طول وعرض میں دورے کرتے رہتے ہیں، سنا ہے کہ وہ جہاں بھی گئے مسلمانوں کو انھوں نے لیگ کے ساتھ پایا۔

میں نے سرمائے کے لیے جو اپیل کی تھی، وہ اس عظیم ادارے کو چلانے کے لیے ضروری ہے۔ لیکن میرا روپیہ جمع کرنے کا طریقہ کسی قدر بے تکا ہے۔ ممکن ہے بہت سوں کے لیے یہ طریقہ سازگار نہ ہو۔ میں نے کسی کو روپیہ جمع کرنے کا اختیار نہیں دیا ہے بلکہ معطیان سے اپیل کی ہے کہ وہ براہ راست مجھے بھیج دیں۔ مجھے مسرت ہے کہ چار لاکھ روپے میرے پاس جمع ہو گئے ہیں۔ نہ کسی کو مجبور کیا گیا اور نہ کسی سے تقاضا کیا گیا۔

ہم نے پہلی مرتبہ ایک درجہ اول کا انگریزی اخبار جاری کیا ہے۔(1) اس کو چند ہی ہفتے ہوئے ہیں تاہم ہندوستان کے ایسے بہت سے اخبارات سے اس کا موازنہ کیا جا سکتا ہے جو 25 سال سے جاری ہیں۔ جوں جوں دن گزرتے جائیں گے، ہم ہندوستان کے اعلیٰ ترین اخبارات سے مسابقت کر سکیں گے۔ اس کے مالیہ کو مسلم لیگ کے سرمایہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ صرف دو یا تین اشخاص کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہ اخبار زندہ رہے گا۔ (فلک شگاف نعرے)

حاشیہ

1۔ اشارہ ہے روزنامہ ڈان کی طرف، جس کے ایڈیٹر مسٹر پوتھن جوزف سابق ایڈیٹر روزنامہ ہندوستان ٹائمز تھے۔

کانگریس کی طرف سے ہندوستان کی ضمنی قوموں کو بڑھاوا

دُشمن کا نیا حربہ!

15 نومبر 1942ء

جالندھر میں آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجتماع میں قائداعظم نے تقریر کرتے ہوئے بعض نہایت اہم اور توجہ طلب باتیں ارشاد فرمائیں، جنھوں نے ایک دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

رئیس احمد جعفری

آپ ہندوستان کے مسلمان طلبہ کی اس طرح تنظیم کیجیے کہ وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ایک نقطہ پر جمع ہو جائیں اور ملت اسلامیہ کی معاشرتی، اقتصادی اور تعلیمی ترقی وارتقا کے لیے تعمیری لائحہ عمل ترتیب دیں۔ ثقافت اسلامی اور تعلیمات محمدی کا احیا کریں اور ہندوستان کی مختلف اقوام وملل کے درمیان بھائی چارہ اور خیر سگالی کے احساسات کو ترقی دیں۔

پھر آپ کا یہ بھی فرض ہونا چاہیے کہ ہندوستان، ممالک اسلامیہ اور دیگر اقطاع عالم کے طالب علموں میں باہمی ربط وتعاون پیدا کریں اور اس کو وسیع تر کرتے جائیں۔

میں وفاق مسلم طلبہ پنجاب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انھوں نے مارچ 1941ء سے اب تک بڑی قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ انھوں نے ضلع ضلع مسلم لیگ کا پیام اور لائحہ عمل پہنچا دیا ہے۔

کل ہند کانگریس کمیٹی نے الٰہ آباد میں نہ صرف مسٹر راج گوپال اچاری کی تجویز کو جو ہماری تجویز سے مختلف تھی۔ ایک بڑی اکثریت سے مسترد کر دیا بلکہ ایک نئی قرارداد اتنی ہی بڑی اکثریت سے منظور کی، جس کا مفہوم یہ تھا کہ مسئلہ پاکستان یا "تقسیم اکھنڈ ہندوستان" سے کانگریس کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتی...... وہ مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان پر غور کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہے۔ اس لیے اس نے (کانگریس نے) مفاہمت کا دروازہ بھی بند کرلیا ہے۔

اس کے بعد مسٹر گاندھی پر ایک غیر معمولی نظریہ کا القا ہوا اور وہ یہ تھا کہ برطانوی حکومت

ہندوستان چھوڑ دے...... اگر انگریز کل ہی ایسا کریں تو مجھے بڑی مسرت ہوگی...... پھر ہم ان سے بخوبی سمجھ لیں گے۔ (فلک شگاف نعرے)

اب مسٹر گاندھی یہ کہنے لگے ہیں کہ تاوقتیکہ انگریز ہندوستان سے چلے نہ جائیں ہندو مسلم سمجھوتا کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھایا جا سکتا! حالاں کہ یہ ان کا بنیادی اصول اور ایقان تھا اور جس کو مسٹر گاندھی نے بار ہا دہرایا ہے کہ ہندو مسلم سمجھوتے کے بغیر ہندوستان کو آزادی اور خودمختاری نہیں مل سکتی۔

یہ ان شرائط اولین میں سے ایک ہے جو آزادیٔ ہند کے لیے معین کی گئیں تھیں۔ لیکن اسے ایک ہی رات میں دریابرد کر دیا گیا۔ برطانوی حکومت کو ہمارے استمزاج کے بغیر تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ ہندوستان کو چھوڑ دے۔ یہ دفعتاً اور بیک وقت کیوں کر ہوا۔ مسٹر گاندھی ادھر ابھی تو حکومت کو کچھ خوشامد، کچھ دھمکی اور کچھ گفت و شنید میں لگائے ہوئے تھے اور ایک مرتبہ تو انھوں نے ٹسوے بھی بہائے تھے۔

جب یہ سارے حربے ناکام ہو چکے تو انھیں انگریزوں پر اس قدر غصہ آیا کہ انھیں ہندوستان سے نکل جانے کو کہہ دیا۔ کیوں؟ وجہ ظاہر ہے! ان کا مقصد وہ نہیں ہوتا جو وہ کہتے ہیں اور جو ان کا مقصد ہوتا ہے وہ کہتے نہیں! (نعرۂ تحسین)

حکومت نے ایک ناقابلِ فہم موقف اختیار کر رکھا ہے۔ برطانوی کہتے ہیں ہم کیا کر سکتے ہیں؟ کانگریس کے بغیر ہم کس طرح عارضی حکومت ترتیب دے سکتے ہیں؟

اس کے بعد قائداعظم نے پنجاب بالمیک اچھوت وفاق لدھیانہ کے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ:

میں جہاں بھی رہوں آپ کے فرقے کے مفادات کو کبھی فراموش نہیں کروں گا۔ آپ میں سے جو لوگ ہمارے پاکستان میں رہیں گے، ان سے نہ صرف مہذب حکومت کے ہمارے جد تصور کے پیش نظر انسانیت اور مساوات کا سلوک کیا جائے گا، بلکہ ہماری مذہبی ہدایات بھی ہیں کہ ہر اس غیر مسلم اقلیت کے ساتھ جو اسلامی حکومت کے تحت ہو منصفانہ اور مناسب برتاؤ کیا جائے۔ (طویل نعرہ ہائے تحسین)

اس وقت چوں کہ میں سرزمین پنجاب میں ہوں اس لیے یہ کہوں گا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین جو مسئلہ ہے وہ کل ہند سوال ہے اور سکھوں اور مسلمانوں کے مابین جو مسئلہ ہے وہ پاکستان سے متعلق ہے اور عملی طور پر مسلمانوں اور سکھوں کا مسئلہ ہے۔

اگر ہمارے سکھ دوست چاہتے ہیں اور ہماری بھی یہی خواہش ہے کہ ان کے اور ہمارے مابین کوئی سمجھوتا ہو جائے تو میں ان سے کہوں گا کہ ایک دوسرے کے خلاف نہ کہیں بلکہ ایک دوسرے سے کہیں! ہم اپنے سکھ دوستوں سے کسی جلب منفعت کا ارادہ نہیں رکھتے۔ میں ان سے صرف یہی اپیل

کروں گا کہ وہ بیرونی اثرات سے آزاد ہو جائیں، ہم سے ملیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم ایک ایسے سمجھوتے پر پہنچ جائیں گے جو ہمارے سکھ دوستوں کو معقول حد تک مطمئن کر دے گا۔ [1] (نعرۂ تحسین)

یوں تو تجویز پاکستان پر متعدد اعتراضات وارد کیے گئے جن کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا گیا ہے اور اب ان کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہی ہے۔ لیکن اب ایک نئی چال چلی گئی ہے...... نیا ضابطہ یہ ہے کہ حق خود ارادیت صرف مسلمانوں تک کیوں محدود رکھا جائے اور اسے دوسرے فرقوں تک کیوں نہ وسیع کیا جائے؟

اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ ہر فرقہ خود ارادیت رکھتا ہے، اس لیے پنجاب صوبہ سرحد، سندھ وغیرہ کو اتنے ٹکڑوں میں تقسیم کر دینا چاہیے اس طرح سیکڑوں پاکستان ہو جائیں گے۔

یہ ضابطہ کہ ہر فرقہ کو حق خود ارادیت حاصل ہے یا تو سراسر جہالت ہے یا پھر فتنہ انگیزی ہے......

میں اس کا جواب دوں گا۔ مسلمان ایک نشان زدہ علاقے میں جو ان کا وطن ہے من حیث القوم اپنے حق خود ارادیت کا مطالبہ کر رہے ہیں اور وہ منطقے ایسے ہیں جہاں ان کی اکثریت ہے۔

کیا آپ نے تاریخ میں کہیں دیکھا ہے کہ منتشر ذیلی جماعت [2] ہائے قومی کو مملکت کا مستحق سمجھا گیا ہو؟ ان کو تم کہاں سے مملکت دلواؤ گے؟ جب یہی ٹھہری تو صوبجات متحدہ میں 14 فیصد مسلمان ہیں، انھیں ایک مملکت کیوں نہیں دے دیتے؟ صوبجات متحدہ میں مسلمان من حیثیت قوم نہیں ہیں۔ وہ منتشر ہیں، جنھیں دستوری زبان میں ذیلی جماعت قومی کہا جاتا ہے اور جس قدر کسی مہذب حکومت میں ایک اقلیت کو مل سکتا ہے انھیں ملے گا لیکن اس سے زیادہ کی وہ توقع نہیں کر سکتے۔

حواشی

1۔ مسٹر راج گوپال اچاریہ نے کانگریس میں تجویز پیش کی تھی کہ مسٹر جناح کا پاکستان مان لیا جائے۔

2۔ لیکن کانگریس نے اس تجویز کو مسترد کر کے ایک دوسری تجویز منظور کی، جس کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان اکھنڈ ہے اور اکھنڈ رہے گا۔

3۔ اگر سکھوں نے اس اپیل پر لبیک کہا ہوتا تو آج اُن کی حالت بالکل مختلف ہوتی اور وہ ازاں سور انده ازیں سو درمانده نہ ہوتے۔

4۔ ذیلی اقوام، جو کسی ایک جگہ مرتکز نہ ہوں بلکہ مختلف مقامات پر بکھری ہوں، جیسے ہندو مشرقی پاکستان میں، مسلمان یوپی، سی پی اور بہار وغیرہ میں، اقلیت کی حیثیت سے رہنے پر مجبور ہیں۔ جداگانہ وطن کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

خودی کیا ہے؟ رازِ درونِ حیات
خودی کیا ہے؟ بیداری کائنات

اقبال

1943ء

جب کانگریس پوری قوت سے قائداعظم پر حملہ آور تھی۔
جب برطانوی حکومت قائداعظم کو دَبا رہی تھی۔
جب احرار، خاکسار اور نیشنلسٹ مسلمان قائداعظم کی قیادت کو چیلنج کر رہے تھے۔
جب بلوچستان کے پٹھان مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہونے لگے تھے۔
اور جب قائداعظم ان کے بارے میں کہہ رہے تھے:

اے ز خود پوشیدہ خود را بازیاب
در مسلمانی حرام است ایں حجاب
رمز دین مصطفی دانی کہ چیست؟
فاش دیدن خویش را شاہنشہی است
بندۂ حق وارث پیغمبراں
او نہ گنجد در جہانِ دیگراں!

تا جہانے دیگرے پیدا کند
ایں جہانِ کہنہ را برہم کند!

اخلاص کا دعویٰ سچا ہے تو ثبوت کیوں نہیں دیتے؟

تبدیلئ قلب و نظر کا مطالبہ!

24 جنوری 1943ء

جب اقلیتوں پر بالعموم اور مسلمانوں پر بالخصوص کانگریس کی بالادستی برطانوی حکومت تسلیم نہ کر سکی تو مساعی جنگ میں رخنہ ڈالنے اور انگریز کو مرعوب کر کے اس سے اختیارات لینے کے لیے گاندھی جی نے ''ہندوستان خالی کردو'' کا نعرہ لگایا اور سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے کا اعلان کر دیا۔

حکومت نے اقدام و عمل سے پہلے تمام کانگریسی لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔ گاندھی جی پونہ کے آغا خان پیلس میں محبوس کر دیے گئے۔ جواہر لال، مولانا آزاد اور سردار پٹیل وغیرہ احمد نگر کے قلعہ میں بند کر دیے گئے۔

تحریک سول نافرمانی شروع نہ ہو سکی، گاندھی جی ہار گئے، ملک پر ایک عام تعطل طاری ہو گیا۔

اس موقع پر ان کانگریسی لیڈروں نے جو جیل نہیں گئے تھے اور قائداعظم کے بدترین نکتہ چیں تھے اور ان اخبارات نے جو ہمیشہ قائداعظم کو گالیاں دیا کرتے تھے۔ ان سے رجوع کیا اور مطالبہ شروع کیا کہ وہ اس تعطل کو دور کرائیں۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ یہ تحریک انگریزوں سے زیادہ خود مسلمانوں کے خلاف تھی، لہٰذا جب تک کانگریس اور گاندھی جی تبدیلئ قلب و نظر کا ثبوت نہ دیں۔ وہ کیا کر سکتے ہیں؟

قائداعظم نے یہ تقریر بمبئی میں کی تھی۔

رئیس احمد جعفری

حضرات! موجودہ تعطل کو دُور کرنے کا اختیار مسٹر گاندھی اور کانگریسی زعما کو حاصل ہے۔ اگر مسائل کو سلجھانے کی کوئی حقیقی خواہش انھیں ہے تو سارا معاملہ بآسانی طے ہو سکتا ہے۔ یہ کہا جا رہا ہے کہ میں بحیثیت صدر مسلم لیگ کے اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لوں اور کانگریسی قائدین کو جیل سے رہائی دلواؤں۔ میں اسے ستائش اور قدر افزائی پر محمول کروں گا، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ملک کی صورت حال کیا

ہے۔

کانگریس کی 8 اگست والی قرارداد اور آزادیٔ ہند سے متعلق اس کے گزشتہ رویہ میں بہت بڑا فرق ہو گیا ہے۔ مسٹر گاندھی نے 1942ء میں کہا تھا کہ:

''تاوقتیکہ مسلم لیگ سے کوئی قابل عمل سمجھوتا نہ ہو جائے، سول مدافعت، ''مخالف لیگ مدافعت'' میں تبدیل ہو جائے گی اور کوئی کانگریسی ایسی تحریک کا موئید نہیں ہو سکتا۔''

ایک اور موقع پر مسٹر گاندھی نے کہا تھا کہ:

''فرقہ وارانہ سمجھوتا کے بغیر دوران جنگ میں اگر کسی عام تحریک کا آغاز کر دیا جائے تو یہ خانہ جنگی کی شکل اختیار کر لے گی اور یہ خودکشی کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔''

الغرض مسٹر گاندھی نے اس پر زور دیا تھا کہ ہندو مسلم سمجھوتا کے بغیر آزادی کبھی نہیں مل سکتی۔ کیا اب مسٹر گاندھی یا کانگریس یہ سمجھتی ہے کہ مسلم لیگ سے کسی سمجھوتے کے بغیر ہی وہ آزادی حاصل کر لیں گے؟ یہ حکمت عملی خود مسٹر گاندھی کے قول کے مطابق خودکشی کے مترادف ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مسلمان تعداد میں ایک چوتھائی ہیں۔ لیکن تم ہمیشہ سروں کو گن کر تو کام نہیں چلا سکتے! اس براعظم میں مسلمان ایک طاقتور قوم ہیں۔ کانگریس کا طرز عمل بالکل صاف ہے۔ مسٹر گاندھی اور کانگریس یہ سمجھتے ہیں کہ وہ برطانوی حکومت کو جھکانے کے لیے کافی ہیں تاکہ حکومت مجبور ہو کر مسلمانوں کے اہم ترین اور وقیع مفادات کو پامال کر دے۔ مسلم لیگ کو نظرانداز کرنے کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے۔

ہندو مہاسبھا جو کانگریس کا مثنیٰ ہے۔ ان ارادوں کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتی۔ وہ کہتے ہیں، ہم ہندوستان کی آزادی و خودمختاری اگر آپ چاہیں تو آپ کے ساتھ مل کر اور اگر آپ نہ چاہیں تو آپ کے بغیر ہی حاصل کر لیں گے۔

فرض کیجیے کہ کانگریس کامیاب بھی ہو گئی اور انگریزوں نے ہندوستان بھی چھوڑ دیا اور کانگریس ہی کے تصور کے مطابق ہندوستان کو خودمختاری مل گئی تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کانگریس اس ذیلی براعظم کی آزادی برقرار رکھ سکے گی؟ یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ اسلامی ہندوستان کبھی ہندو راج قبول نہ کرے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک میں صرف انتشار اور طوائف الملوکی ہوگی۔

خود مسٹر گاندھی نے بڑے وثوق سے کہا ہے کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد ہو سکتا ہے کہ

کوئی مصالحت ہو یا نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ خونریزی اور خانہ جنگی برپا ہو جائے۔ ان متضاد تصورات کے مدنظر کانگریس اور ہندو مہاسبھا کی حکمت عملی کو سمجھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن ہندو اخبارات برابر لکھ رہے ہیں کہ ''کسی نہ کسی سمجھوتے پر پہنچنا ہی چاہیے۔''

اس کے علاوہ متعدد سمتوں سے مختلف مشورے دیے جا رہے ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ''ہندوستان چھوڑ دو'' کی حکمت عملی پر وہ ایقان نہیں رکھتے۔ وہ صرف مصالحت چاہتے ہیں۔ مسلمانوں سے نہیں بلکہ برطانوی حکومت سے! گوان کی مبینہ حکمت عملی یہ نہیں ہے لیکن وہ چاہتے یہی ہیں کہ انگریز اس ملک میں رہیں۔ وہ ہندوستان کی فوری آزادی یا ہندوستان چھوڑ دو کی حمایت نہیں کرتے بلکہ وہ ایک ایسی طرز حکومت چاہتے ہیں کہ جس میں ہندو برطانیہ کے سہارے سے مسلمانوں پر مسلط ہوں اور آہستہ آہستہ ان کا گلا گھونٹ دیں۔

اُدھر مسٹر ایمری تاریخ ہند پر تحقیقی کام کرنے میں مصروف تھے (1) اور متحدہ ہندوستان کی تلقین کر رہے تھے اور ادھر لارڈ لن لتھگو وائسرائے ہند نے یہاں سات سال گزارنے کے بعد دفعتاً انکشاف کیا کہ ہندوستان ایک جغرافیائی وحدت ہے۔ (2) کوئی سمجھدار آدمی اس سے کس نتیجہ پر پہنچے گا۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ ہندو مہا سبھا اکھنڈ ہندوستان کی قرارداد کانپور کو برطانوی قدامت پرستوں کی خدمت میں سالِ نو کے تحفہ کے طور پر پیش کرتی ہے۔ ان حالات میں اب آپ ہی بتائیے کہ میں اس مبینہ تعطل کو کس طرح ختم کر سکتا ہوں۔ 8 اگست سے اب تک کانگریس کے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ہر چند کہ بہت سے کانگریسی جیل میں تھے۔ تاہم سب کے سب تو جیل میں نہیں تھے، ہندو پریس تو جیل میں نہیں تھا۔

تاحال کسی ذہنی تبدیلی کے کوئی آثار نہیں نظر آتے اور ان کے پیش نظر اہم تجویز بھی نہیں ہے، سوائے اس کے کہ کانگریس کے اس موقف کی شدت سے حمایت کی جائے جو 8 اگست کی قرارداد سے پیدا ہوا ہے اور ہندو مہا سبھا نے جس کی انتہائی جارحانہ انداز میں توثیق کی ہے۔

کیا سلیم الطبع اشخاص کی کوئی جماعت موجود نہیں ہے۔ ہندو فہم و رائے کی ایک ایسی مختار و مجاز جماعت جس کے پاس موجودہ تعطل کو ختم کرنے کی کوئی تجویز ہو؟ کیا کوئی ایسا صائب الرائے ہے جو کسی قدر طمانیت دلا سکتا ہو اور کوئی ایسی تجویز پیش کرنے کا مجاز ہو جس سے یہ ظاہر ہو جائے کہ اب ذہنیت تبدیل ہو چکی ہے اور گفت و شنید کے ذریعہ اسلامی ہند اور مسلم لیگ سے سمجھوتا کرنے کی تمنا پیدا ہو چکی ہے؟

اب اگر آپ سارے موقف کا تجزیہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ موجودہ تعطل کو دُور کرنے کا اختیار مسٹر گاندھی اور کانگریس کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ اپنی ذہنی تبدیلی کے ذرا سے اشارے سے ایسا کر سکتے ہیں۔

وہ اختیار و مجاز جو مجھ سے منسوب کیا گیا محض قدر افزائی ہے۔ جب انھیں جیل بھیجنے ہی کا مجھے کوئی اختیار نہیں ہے تو پھر جیل کے دروازے کھولنے کا اختیار کہاں سے لاؤں؟

حواشی

1۔ مسٹر ایمری وزیر ہند، انھوں نے شہنشاہ اکبر کے نظامِ مملکت کا مطالعہ شروع کیا تھا، تاکہ آزاد ہندوستان میں آئینِ اکبری کا سا نظام رائج ہو۔

2۔ کرسمس کے موقع پر لارڈلن لتھگو نے کلکتہ میں ایک تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہندوستان جغرافیائی وحدت ہے اور جغرافیہ میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی، یعنی پاکستان کا مطالبہ نہیں مانا جاسکتا۔

بلوچستان مسلم لیگ کے اجتماع سے خطاب

3 جولائی 1943ء

قاضی محمد عیسیٰ کی زیر صدارت بلوچستان مسلم لیگ کا تیسرا سالانہ جلسہ کوئٹہ میں منعقد ہوا تھا۔ اس موقع پر قائداعظم بھی تشریف فرما تھے اور انھوں نے ایک دل نشیں تقریر بھی ارشاد فرمائی تھی جو درج ذیل ہے۔

رئیس احمد جعفری

هم ایک اضطراری دور سے گزر کر ایک جادۂ مستقیم پر گامزن ہو گئے ہیں۔ اسلامی اکثریت کے تمام صوبوں میں مسلم لیگ کی وزارتیں قائم ہو چکی ہیں۔ بنگال، پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد سب کے سب معاشرتی اصلاحات اور ثقافتی و اقتصادی ترقی کے لیے کوشاں ہیں۔ آسام کی وزارت میں بھی مسلم لیگ ہی کا اقتدار ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان آج سے پہلے کبھی اس قدر متحد نہیں ہوئے تھے۔

اب وقت آ گیا ہے کہ مسلمانانِ بلوچستان بھی اپنی گراں خوابی سے چونکیں اور اُمت مسلمہ کی صفوں میں شامل ہو جائیں۔ آپ کے صوبے میں بھی مسلم لیگ کا نظام روز بروز وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کی یہی بیداری قومی تعمیر کی خشتِ اول ہوگی۔ کسی قوم کو بیدار کرنا ایک بڑی عظمت ہے۔ اس کو منظم کرنا اس سے بھی بڑی عظمت ہے۔ بس اب اٹھو اور دوسرے صوبوں کے شانہ بشانہ صف آرا ہو جاؤ۔

باہمی حسد و کینہ پروری اور اپنے ہی کنبوں کے فائدوں کو نظر انداز کر دو، ذرا ذرا سے اختلافات، نجی قضیے اور قبیلوں کی توہم پرستیوں کو خیر باد کہہ دو، اگر تم نے اتنا کر لیا تو یقیناً بلوچستان آگے بڑھ کر ہندوستان میں اپنا باعزت مقام حاصل کر لے گا۔

میں بلوچستان کے نوابوں کو یہ مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ وہ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کو پیشِ نظر رکھیں۔

بلوچستان میں تعلیمی فقدان کی تمام تر ذمّہ داری موجودہ نظم ونسق کی مجرمانہ غفلت پر عائد ہوتی ہے۔ یہاں کی مدنی وشہری ترقی درجہ صفر پر ہے۔ کوئٹہ جیسے مقام پر بھی مقامی حکومت خوداختیاری نہیں دی گئی ہے۔ حالاں کہ ایسے شہروں میں جو کوئٹہ سے کمتر درجہ کے ہیں۔ منتخب بلدیات اور مقامی مجالس قائم ہیں۔ میں مرکزی مقننہ کی مسلم لیگی جماعت کو اس کی پوری اطلاع دوں گا۔

لیکن ان مشکلات سے باشندگان بلوچستان کو پست ہمت نہ ہونا چاہیے۔ ان کو چاہیے کہ اپنی تنظیم کرلیں اور مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہوجائیں۔ دوسرے صوبوں کے سارے مسلمانوں نے مسلم لیگ میں شریک ہوکر اُسے ایک مستحکم تنظیم بنادیا ہے۔

کانگریس نے مسلم لیگ میں اختلال پیدا کرنے کے لیے بڑی باریک چالیں چلیں، لیکن آخر میں وہ سب ناکام ہوگئیں۔ جب ہم ہندوؤں کی برائی نہیں چاہتے اور ان میں افتراق نہیں پیدا کرتے تو پھر وہ کیوں اپنے اعمال سے باز نہیں رہتے؟

اسی کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں مسلمانانِ بلوچستان نے قائداعظم کی خدمت میں ایک تاریخی تلوار پیش کی، جس کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ متعدد اسلامی محاربات میں اس سے کام لیا گیا ہے۔ قائداعظم نے اس تحفہ کو قبول کرتے ہوئے بلوچیوں کی بیداری پر اظہار مسرت فرمایا اور حسبِ ذیل تقریر فرمائی:

آپ کی منظورہ قرارداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی مشکلات اور ذمّہ داریوں کا احساس ہے۔ اب تک آپ ظلمت اور تاریکی میں تھے۔ مسلم لیگ اس تاریکی کو منور کرنے کے لیے ایک شمع نور لائی ہے۔ ہندوستان کے دوسرے مسلمانوں کی طرح آپ کے قوائے عقلی بھی مضمحل اور مفلوج ہوچکے تھے اور احساسِ زیاں جاتا رہا تھا۔ مسلم لیگ نے آپ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور آپ کو صحت وتوانائی کا پیام پہنچایا ہے۔

اگر آپ سب لیگ کے پرچم تلے جمع ہوجائیں تو نہ صرف آپ اپنی ہی رکاوٹوں کا خاتمہ کردیں گے بلکہ اسلامی ہندوستان کے حقیقی اقتدار کا ذریعہ ثابت ہوں گے۔ یہ پرچم آپ کا محافظ ہے اور یہی آپ کو اقتدار بھی عطا کرے گا۔

یہ تلوار جو آپ نے مجھے عنایت کی ہے، صرف حفاظت کے لیے اٹھے گی لیکن فی الحال جو سب سے ضروری امر ہے، وہ تعلیم ہے۔ علم تلوار سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔ جائیے اور علم حاصل کیجیے۔ میں جانتا ہوں کہ اگر وقت آجائے تو ہم اپنی جان اور سب کچھ قربان کردیں گے۔ لیکن پہلے اس کی تیاری تو کرلو! ہم بے کار اور بے مقصد قربانی نہیں چاہتے۔

وفاق مسلم طلبہ بلوچستان کے سپاسنامے کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:

ہندوستان اور دنیا کے سیاسی تغیرات اور مسائل حاضرہ کا مطالعہ بھی تمھاری تعلیم کا ایک لازمی جزو ہونا چاہیے۔ تم اپنے قومی ادارے کل ہند مسلم لیگ کی حکمت عملی اور لائحہ عمل کا بغور مطالعہ کیا کرو۔ تمھارے ملک کی ایک عظیم الشان تاریخ ہے۔ گردشِ ایام نے اس ملک میں بڑے بڑے انقلاب کیے ہیں۔ لیکن تم کم وبیش صدیوں پہلے کی سی زندگی بسر کر رہے ہو۔ تم اس سے بالکل بے خبر رہے ہو کہ تمھارے پڑوس میں کیا ہو رہا ہے، بلکہ اس سے بھی ناواقف ہو کہ خود تمھیں کیا ہو گیا ہے۔

دنیا سے دور تم اپنی ہی مخصوص دنیا میں تنہا رہتے ہو، جیسا کہ صدیوں پہلے ہوتا تھا...... اگر آج بھی تم بلوچستان پر نظر ڈالو تو دیکھو گے کہ واقعی تم نے کوئی ترقی نہیں کی ہے۔

1945ء

جب قائداعظم نے برطانوی امپیریلزم کا چیلنج ”ہندوستان ایک جغرافیائی وحدت ہے“ قبول کر لیا تھا۔

جب قائداعظم نے کانگریس کے دعوائے ہمتائی کو چیلنج کیا تھا اور اسے شکست دے دی تھی۔

جب قائداعظم نے سرحد کا دورہ کیا تھا اور زبانِ حال سے کہا تھا:

طے نمودم باغ و راغ و دشت دور
چوں صبا بگزشتم از کوہ و کمر
خیبر از مردانِ حق بیگانہ نیست
در دلِ او صد ہزار افسانہ ایست
سر زمینے کبک او شاہیں مزاج
آہوئے او گیرد از شیراں خراج
لیکن از بے مرکزی آشفتہ روز
بے نظام و ناتمام و نیم روز!

تجاویز ویول

14 جولائی 1945ء

گاندھی جی کی تحریری اجازت سے مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے لیاقت علی خاں سے ہندو مسلم مساوات کی بنیاد پر سمجھوتا کر لیا (یہ گویا "تبدیلی قلب و نظر کا ثبوت تھا) اور اس کی اطلاع لارڈ ویول کو بھی دے دی۔

لارڈ ویول ایک فوجی آدمی تھے اور ابھی کچھ مدت پہلے تک ہندوستان کے کمانڈر انچیف بھی رہ چکے تھے، لیکن وہ ایک مدبر اور سیاست دان بھی تھے، جیسا کہ مولانا آزاد نے اپنی خودنوشت میں اعتراف کیا ہے۔ انھوں نے اس روشنی میں تجاویز کا ایک خاکہ مرتب کیا، لندن اڑ کر گئے اور برطانوی کابینہ سے اس کی منظوری بھی لے آئے۔

تجاویز ویول کا خلاصہ یہ ہے:

1۔ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد مساوی ہوگی۔

2۔ یہ ایگزیکٹو کونسل رائج الوقت دستور کے ماتحت کام کرے گی۔

3۔ وائسرائے اور کمانڈر انچیف کے علاوہ تمام ممبران ایگزیکٹو کونسل ہندوستانی ہوں گے۔ آخر الذکر کی حیثیت وزیر جنگ کی ہوگی۔

4۔ امور خارجہ کا محکمہ بھی ہندوستانی ممبر کے سپرد کر دیا جائے گا۔

5۔ حکومت برطانیہ ہندوستان میں اپنا ایک ہائی کمشنر مقرر کرے گی جو اس کے تجارتی اور دوسرے مفادات کی دیکھ بھال کرے گا۔

6۔ یہ ایگزیکٹو کونسل، آزادئ ہند کی طرف پہلا قدم ہے۔ اس کے ممبر سیاسی جماعتوں کے منتخب کردہ ہوں گے لیکن ملک معظم کی توثیق لازمی ہے۔

7۔ یہ ایگزیکٹو کونسل رائج الوقت دستور کے ماتحت کام کرے گی۔ گورنر جنرل کو اس کے فیصلوں میں

مداخلت کا حق ہوگا۔ لیکن اس حق کا کم سے کم استعمال کیا جائے گا۔ وہ بھی صرف ناگہانی موقع پر۔

8۔ مجوزہ قومی حکومت ہندوستان کے آئندہ دستوری خاکے پر اثر انداز نہ ہوگی۔ بالاتفاق جو اور جیسا دستور بھی منظور ہو جائے۔

9۔ نئی ایگزیکٹو کونسل، یعنی قومی حکومت کے خاص فرائض یہ ہوں گے:

الف۔ جاپان کے خلاف اس وقت تک پوری شدت سے جنگ جاری رکھنا، جب تک اسے شکست کامل نہ ہو جائے۔ (واضح رہے جرمنی کو شکست فاش ہو چکی تھی۔ ہٹلر نے خودکشی کر لی تھی اور مسولینی مارا جا چکا تھا)۔

ب۔ جدید دستور کے نفاذ تک یہ حکومت کام کرتی رہے گی۔

ان تجاویز پر غور کرنے کے لیے شملہ کی وائسرائیگل لاج میں تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندے مجتمع ہوئے لیکن کانگریس کی ہٹ دھرمی کے سبب یہ کوشش بھی ناکام ہو گئی۔ ناکامی کے اسباب پر قائداعظم نے پریس کانفرنس میں جو بیان دیا، درج ذیل ہے۔

رئیس احمد جعفری

تجاویز ویول کا تجزیہ کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ یہ دامِ تزویر ہے۔ ہندو قومیت کے علمبردارِ آزادی مسٹر گاندھی اور کانگریس، جغرافیائی وحدتِ ہند کے قائل لارڈ ویول، اسلامیان پنجاب میں تشتت و تفرقہ اندازی پر آمادہ گلاسی (1) خضر میں (2) ایک اتحاد اور اشتراک موجود ہے۔

ان کا مقصد یہ تھا کہ ان انتظامات میں ہمیں پیچھے دھکیل دیں۔ لارڈ ویول کی تجاویز اگر ہم قبول کر لیتے تو گویا یہ اپنے ہی قتل نامہ پر دستخط کرنے کے مترادف ہوتا۔ آیئے لارڈ ویول کی تجاویز کا صحیح صحیح تجزیہ کر ڈالیں۔

1940ء سے ہم نے متعدد مرتبہ اس کا اظہار کیا ہے...... کہ ہم کسی عارضی تجویز یا حکومت میں شریک نہیں ہو سکتے۔ تاوقتیکہ حکومت برطانیہ اس کا اعلان نہ کر دے کہ مسلمانوں کو حقِ خود ارادیت حاصل ہے اور مابعد جنگ یا جس قدر بھی جلد ممکن ہو قرارداد لاہور کے بموجب پاکستان کا قیام عمل میں آ سکتا تھا۔

کسی عارضی انتظام میں ہمارے اشتراک کی یہی شرط اولین تھی۔ دوسرے یہ کہ ہم اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم ہیں۔ کسی ہنگامی انتظام میں ہماری شرکت اور انصرام جنگ میں ہماری امداد و تعاون اسی امر پر موقوف و منحصر ہے کہ مجوزہ مجلس عاملہ میں ہماری نمائندگی مساوی تعداد پر ہو۔

لیکن اس کی کوئی طمانیت تجاویز ویول میں نہیں دی گئی تھی۔ اس کے باوجود ہم سے عظیم ترین

ایثار و قربانی کی خواہش کی گئی ہے۔ مجھے علم ہے کہ لارڈ ویول نے اپنی نشری تقریر میں فرمایا تھا کہ ہندوستان کے کسی آئندہ دستور پر یہ تجویز اثرانداز نہ ہوگی اور پاکستان اس سے متاثر نہ ہوگا۔ لیکن اس کے برخلاف انھیں کے الفاظ سے اس کی تردید بھی ہو جاتی ہے۔

ہر ذی فہم شخص یہ جانتا ہے کہ اگر ہم نے اس انتظام کو قبول کر لیا ہوتا تو مسئلہ پاکستان نذر طاق ہو جاتا اور بلاتعین مدت ایک سرد خانے میں دھرا رہتا۔ پھر کانگریس کی تمنائیں پوری ہوتیں اور اس کو ہندوؤں کی قومی آزادی کے لیے ایک صاف اور سیدھا راستہ مل جاتا اس لیے کہ ایک متحدہ حکومت کی طرح یہ عارضی حکومت ایک غیر معین مدت تک برسرکار اور برقرار رہے گی۔ برطانیہ کی وہ شہرۂ آفاق حکمت عملی اور لارڈ ویول کا یہ نظریۂ وحدت ہند ہمارے لیے موجب تباہی و ہلاکت تھا۔

اس موقع پر میں مسٹر ایمری کے بیان کا حوالہ دوں گا۔ انھوں نے سمجھوتے کی کوشش تو کی تھی لیکن صرف اشک شوئی کر کے رہ گئے۔ ان کا بیان غیر مبہم ہے اور اس سے برطانوی حکمت عملی کی صحیح وضاحت ہوتی ہے۔ مسٹر ایمری نے ''وہائٹ ہاؤس'' میں قرطاس ابیض کو پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

> ''ہمارا مطمح نظر یہ رہا ہے کہ ریاستوں کے اشتراک و تعاون کے ساتھ ایک کل ہند وفاق قائم ہو اور اس کے ساتھ ہی ہم نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ متحدہ ہندوستان کے مسئلہ پر ہندو اور مسلمان متفق نہ ہو سکیں گے۔ چناں چہ ایسا کوئی عارضی انتظام نہ ہونا چاہیے جو مستقبل کے منقسمہ یا متحدہ ہندوستان کے مسئلہ پر اثرانداز ہوتا ہو۔''

دوسرا اَمر یہ ہے کہ اس مجوزہ مجلس عاملہ میں تجویز کے بموجب ہم ایک اقلیت میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور ہماری تعداد گھٹ کر صرف ایک ثلث رہ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر تمام دوسری اقلیتیں، پست اقوام، سکھ اور پارسیوں کا وہی مقصد ہے جو کانگریس کا ہے۔

ہر چند کہ انھیں کچھ شکایات اور دعاوی ہیں لیکن یہ محض اقلیت ہونے کی حیثیت سے ہیں۔ ان کے تصورات اور مطمح نظر ایک متحدہ ہندوستان ہی ہے۔ اس کے خلاف ہو نہیں سکتا۔ تہذیب اور ثقافت کے نقطۂ نظر سے بھی ان اقلیتوں کا ہندو معاشرے سے بالکل قریبی رشتہ ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ان کے ساتھ منصفانہ سلوک نہ کیا جائے۔ ان کو تحفظات نہ دیے جائیں اور وہ جہاں بھی آباد ہوں ان کی نگہداشت نہ کی جائے۔ میرا مقصد صرف اس قدر ہے کہ جب عملی طور پر رائے شماری کا وقت آئے گا تو ان اقلیتوں کی آرا ہمارے خلاف ہوں گی۔

اس خطرناک حیثیت کے بارے میں ہمیں کوئی تحفظ نہیں دیا گیا ہے، البتہ وائسرائے کو حق تنسیخ

حاصل ہے، لیکن مقننن اور دستور ساز جانتے ہیں کہ ملک کے نظم ونسق یا مقننہ کی حکمت عملی کے خلاف اکثریت کے فیصلوں کو اس حق تنسیخ سے بار بار بے اثر نہیں کیا جاسکتا۔

سب سے آخری نکتہ یہ ہے کہ مجلس عاملہ کی جن پانچ نشستوں کا فرقہ وارانہ اساس و بنیاد پر تعین کیا گیا تھا اور جو منصوبہ ویول کی روح ہے۔ ان پر ہم اپنے نمائندوں کا انتخاب نہیں کر سکتے۔

اس کے دو دعویدار تھے۔

ایک کانگریس جس کا مطالبہ یہ تھا کہ ہمارے حصہ رسدی میں سے دو نشستیں اسے دی جائیں، دوسرے گلانسی خضر پنجاب کی طرف سے دو نشستوں کے طالب تھے۔ یہ مطالبات مسلم لیگ کے وجود، موقف اور وقار پر ایک کاری ضرب تھے۔

گفت وشنید اس امر پر ناکام ہوگئی کہ پنجاب کی جانب سے لارڈ ویول ملک خضر حیات کے نامزد ایک غیر لیگی مسلمان کو لینا چاہتے تھے۔ جیسا کہ میں نے اس سے پہلے بھی کہا ہے کہ صرف کور چشم ہی اس حقیقت کو نہیں دیکھ سکتے کہ کل ہند مسلم لیگ مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ تنظیم ہے۔

اگر ہم لارڈ ویول کے مجوزہ موقف کو قبول کر لیتے تو گویا ہم اس کانفرنس سے سب کچھ کھو کر لوٹتے۔

حواشی

1۔ کیوں کہ کانگریس اپنی ''قومی'' حیثیت کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتی تھی اور اپنے نامزد کردہ مسلمان کو پیش کر کے ثابت کرنا چاہتی کہ مسلمانوں کی نمائندگی جزوی طور پر سہی اُسے بھی حاصل ہے۔

2۔ سر برٹرینڈ گلانسی، گورنر پنجاب۔ جنھوں نے پنجاب اسمبلی میں مسلم لیگ کی اکثریت کے باوجود لیگی حکومت نہ بننے دی اور یونینسٹ پارٹی کے سربراہ ملک سر خضر حیات خان کو جو مولانا آزاد کی رہنمائی میں کانگریس سے سمجھوتا کر چکے تھے، وزیراعظم بنا دیا۔

عام قومی نمائندگی کے صحیح معیار اور امتحان کی کسوٹی

حکومتِ ہند سے انتخابات کا مطالبہ

6 اگست 1945ء

ویول کانفرنس ختم ہو چکی ہے۔ لارڈ ویول وائسرائے ہند کا منصوبہ کانگریس اور مسلم لیگ کی طرف سے مسترد کیا جا چکا ہے۔ کانگریس کی طرف سے اس لیے کہ وہ سب کچھ لے لینا چاہتی تھی اور مسلم لیگ کی طرف سے اس لیے کہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہونے پر تیار نہیں تھی۔

اب صوبائی مجالسِ آئین ساز اور مرکزی اسمبلی کے انتخابات ہونے والے ہیں اور انھی انتخابات پر اس امر کا فیصلہ ہوگا کہ مسلم لیگ مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے یا نہیں؟ اس کا مطالبہٗ پاکستان درخور اعتنا ہے یا نہیں؟ ہندوستان تقسیم کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

کانگریس کی مشینری پوری قوت کے ساتھ حرکت میں آچکی ہے، یہ اس کے لیے بھی امتحان کا نازک وقت ہے۔ اب تک وہ دعویٰ کرتی آئی تھی کہ وہ ''قومی'' جماعت ہے۔ مسلمان بھی اس کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہیں۔ وہ مسلمانوں کی نمائندگی کا بھی حق رکھتی ہے۔ اب اس دعوے کو پرکھنے کا وقت آیا ہے۔ آنے والے انتخابات فیصلہ کر دیں گے کہ اس کا دعویٰ کہاں تک مبنی بر صداقت ہے۔

ویول کانفرنس کی ناکامی کے بعد قائداعظم کی یہ پہلی پبلک تقریر ہے۔ اس تقریر میں انھوں نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے۔

اس جلسہ میں ٹمبر ایسوسی ایشن بمبئی نے ایک لاکھ روپیہ نذر کیا۔

رئیس احمد جعفری

حضرات! میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ میری اپیل کا آپ نے اس قدر خلوص اور گرم جوشی سے جواب دیا ہے۔ انتخابات کی مہم کے سلسلہ میں آپ کی مالی امداد سے مستحکم عزائم کا اظہار ہو رہا ہے۔ شملہ کانفرنس کے دوران میں حکومت اور کانگریس کی اس روش کے باوجود میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلم

لیگ مسئلۂ پاکستان پر ان میں سے کسی کو بھی خاطر میں نہ لائے گی۔ حکومت سے میری یہ خواہش ہے کہ وہ انتخابات کا فوراً اعلان کر دے تا کہ ملت اسلامیہ ہند اس خصوص میں اپنا فیصلہ صادر کر سکے۔

اس کانفرنس میں مسٹر گاندھی نے شرکت کیوں نہیں کی؟ انھوں نے در پردہ ریشہ دوانیوں کے لیے اپنے آپ کو علیحدہ رکھا۔ وہ محض کانگریس کے مشیر بننے پر قانع نہیں تھے، بلکہ انھوں نے اپنے آپ کو وائسرائے کا اور ان کے توسط سے برطانوی قوم کا بھی مشیر بنا لیا تھا۔ (1) شملہ میں مجلسِ عاملہ کانگریس کے روح رواں اور ہدایت کار مسٹر گاندھی ہی تھے۔ جب ان کے مفید مطلب ہوتا ہے تو وہ کسی کی نمائندگی نہیں کرتے۔ وہ محض انفرادی حیثیت سے گفتگو کرتے ہیں۔ (2) وہ چار آنے کے رکن بھی باقی نہیں رہتے اور سیاسی امور تنقیح طلب پر فاقے شروع کر دیتے ہیں (3) اور جب ضرورت ہوتی ہے تو اپنے آپ کو گھٹا کر درجہ صفر تک پہنچا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اپنی اندرونی آواز پر عمل پیرا ہیں (4) اور کبھی اس کے خلاف وہ کانگریس کے اعلیٰ ترین اور مطلق العنان آمر بن جاتے ہیں اور سارے ہندوستان کی نمائندگی کا ادعا کرتے ہیں۔ ایسے شخص سے ہم کس طرح سمجھوتا کر سکتے ہیں؟ وہ ایک چیستاں، ایک معمہ ہیں۔

کانگریسی حلقوں میں مسلمانوں اور مسلم لیگ کے خلاف خوب زہر اُگلا گیا۔ اس وقت دو مقاصد کانگریس کے پیش نظر تھے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے وہ کسی حد تک بھی جانے کے لیے تیار تھے۔ پہلا تو یہ تھا کہ مسلم لیگ کو نیچا دکھایا جائے۔ اس خصوص میں جبر و استبداد کے سارے طریقے آزمائے گئے۔ ہمیں جھکانے اور سرنگوں کرنے کے لیے انھوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ دوسرے یہ کہ ان کی خواہش تھی کہ مسلم لیگ کسی طرح سے نظر انداز ہو جائے اور اس کے لیے انھوں نے اپنے اصولوں کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ درجہ مقبوضات کے مدعی بھی نہیں، بلکہ ہندوستان چھوڑ دو اور مکمل آزادی کے سورما، جس کو وہ ہر سال عہد و اعلان سے دہرایا کرتے ہیں، ایک عالمِ مایوسی میں ناکام و نامراد، شکست خوردہ اور ہزیمت اٹھائے ہوئے اس آس میں شملہ پہنچے تھے کہ انھیں لارڈ ویول کے داہنے بازو نشست مل جائے گی۔

پہلے پہل تو اُنہوں نے مسلم لیگ کو دھمکانے کی کوشش۔ پھر لارڈ ویول کی خوشامد کرنے لگے کہ وہی مسلم لیگ کو نظر انداز کر دیں۔ (5) لیکن ان کی عاقبت نا اندیشانہ حکمت عملی قطعی ناکام رہی۔ اب انھوں نے لارڈ ویول کو عہد شکنی کا مجرم؟ ٹھہرایا ہے۔ (6) ان کا بیان ہے کہ لارڈ موصوف نے انھیں یقین دلایا تھا کہ اگر لیگ نے خود رائی کی تو وہ اسے نظر انداز کر دیں گے۔ میں باور نہیں کرتا کہ انھوں نے ایسی کوئی ضمانت دی ہوگی۔ اگر وہ چاہتے بھی تو ایسا نہ کر سکتے تھے۔

وائسرائے کی نشری تقریر کی شرائط کے لحاظ سے اور اس قرطاس ابیض کی رُو سے جو وزیر ہند نے جاری کیا ہے، ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں دو بڑی جماعتیں ہیں، چناں چہ مسٹر گاندھی کو اور مجھے دونوں

اہم جماعتوں کے مسلمہ قائدین کی حیثیت سے مدعو کیا گیا۔ برطانوی انھیں جماعتیں کہتے ہیں۔ حالاں کہ یہ دو اقوام ہیں۔ بے شک اور اقلیتیں بھی تھیں، جیسے اینگلو اینڈین عیسائی اور پارسی جن کے مفادات کا تحفظ بھی ضروری تھا۔

بہر حال مسلمانوں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ ہندوستان کے مغربی اور مشرقی منطقوں میں ایک ٹھوس اکثریت رکھتے ہیں۔ جہاں پاکستان کا قیام عمل میں آئے گا۔

کانگریس ہندو راج کے خواب دیکھ رہی تھی۔ اس کو یہ توقع نہ رکھنی چاہیے کہ جیسے ہی برطانیہ کا اقتدار ہندوستان سے اٹھ جائے گا۔ مسلمان ہندوؤں کے ہاتھ پڑ جائیں گے۔ اب شملہ کانفرنس کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو چکا ہے۔

اب جب کہ یورپ میں جنگ اختتام کو پہنچ چکی ہے، (7) اس لیے ہندوستان میں کسی عارضی حکومت سے متعلق گفت و شنید کو جاری رکھنا بے سود ہوگا۔ برطانوی حکومت اور وائسرائے بڑی خوبی سے اس ملک کے لیے مستقل دستور کی تجویز سوچ سکتے ہیں۔ اگر ہندوؤں اور مسلمانوں کو خود مختاری ملتی ہے تو اس کا واحد اور منصفانہ حل ہندوستان اور پاکستان کا دستور ہے۔ سرمایۂ انتخابات میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ بیشمار غریب مسلمان بھی اس میں بڑے جوش سے حصہ لے رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان سے انھیں کس قدر گہری وابستگی ہے۔

حواشی

1۔ گاندھی جی نے شروع شروع میں تجاویز ویول کا بڑے زور شور سے خیر مقدم کیا تھا، انھیں امید تھی کہ اب گوہر مقصود ہاتھ آ جائے گا، انھوں نے جوشِ مسرت سے بے قابو ہو کر شملہ جاتے وقت اعلان کیا تھا کہ وہ کانفرنس کے مندوب بن کر نہیں، بلکہ لارڈ ویول اور برطانوی قوم کے ''مشیر'' بن کر جا رہے ہیں۔

2۔ گاندھی جی جب بھی وائسرائے سے گفتگو کرتے تھے، انفرادی حیثیت سے یہ دوسری بات ہے کہ کانگریس کے ڈکٹیٹر ترجمان اور نمائندے کی حیثیت سے ہمیشہ وہی بلائے جاتے تھے اور جو فیصلہ بھی وہ کر لیتے تھے، کانگریس بے چون و چرا اسے تسلیم کر لیتی تھی۔

3۔ اور جب انھیں تدبر کے میدان میں شکست ہوتی تھی تو مرن برت رکھ کر ساری دنیا میں ہلچل پیدا کر دیتے اور بالآخر اپنی بات منوا لیتے تھے جسے ایک وائسرائے، لارڈ لن لتھگو، نے بلیک میلنگ کہا تھا اور جس کے بارے میں سیاست دانوں کی عام رائے یہی تھی کہ یہ مرن برت بھی ایک قسم کا تشدد ہے۔

4۔ گاندھی جی کا جب استدلال اور حقائق کی دنیا میں مقابلہ کیا جاتا تھا، تو وہ اپنے ہر قول اور فیصلے کی بنیاد

''اندرونی آواز'' کو قرار دیتے تھے۔ جس کے بعد بحث و دلیل اور افہام و تفہیم کی گنجائش ہی نہیں باقی رہ جاتی تھی۔

5۔ گاندھی جی اور اربابِ کانگریس کا مطالبہ لارڈ ویول سے یہ تھا کہ ہم آپ کی تجاویز مان لیتے ہیں، ہمیں ''قومی حکومت'' بنانے کا موقع دیجیے۔ مسلم لیگ اگر اپنی ضد پر اڑی ہے تو اسے نظر انداز کر دیجیے۔ لیکن لارڈ ویول مسلم لیگ جیسی عظیم اور منظم جماعت کو کم از کم فی الحال نظر انداز کر کے اپنے لیے دردِسر مول لینا نہیں چاہتے تھے۔

6۔ لارڈ ویول نے جب کانگریس کا یہ مطالبہ نہیں مانا تو کانگریس کی طرف سے ان پر تابڑ توڑ حملے شروع ہو گئے اور انھیں عہد شکنی کا مجرم قرار دیا گیا۔ حالاں کہ انھوں نے وعدہ صرف یہ کیا تھا کہ اگر تمام قابلِ ذکر سیاسی جماعتیں (یعنی مسلم لیگ اور کانگریس) ان تجاویز پر متفق ہو گئیں تو اپنی ایگزیکٹو کونسل میں توسیع کر لیں گے!

7۔ یورپ کی جنگ اب ختم ہو چکی تھی۔ ہٹلر خودکشی کر چکا تھا۔ مسولینی ہلاک کیا جا چکا تھا، لیکن جاپان نے اب تک ہتھیار نہیں ڈالے تھے، اب اتحادیوں کی ساری طاقت اسی کو زیر کرنے میں صرف ہو رہی تھی۔

چاندی کی گولیاں!

12 اگست 1945ء

جدید انتخابات کا وقت قریب تر آتا جا رہا تھا۔ قائداعظم نے اس جنگ کو جیتنے کا فیصلہ کر لیا تھا، سارے ہندوستان میں انتخابات کی مہم کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لیے روپے کی ضرورت تھی، کانگریس کے پاس روپے کی کمی نہ تھی، لیکن مسلم لیگ کا خزانہ خالی تھا اور اس لیے خالی تھا کہ اب تک قائداعظم نے پبلک سے چندے کی کوئی اپیل نہیں کی تھی۔

اب انھوں نے اپیل کی اور مسلم قوم نے جوش و خروش کے ساتھ اس اپیل پر لبیک کہا۔ ٹمبر ایسوسی ایشن ایک لاکھ روپیہ اسی سلسلے میں ابھی چند روز پہلے نذر کر چکی تھی، اب مسلمانانِ بمبئی نے تین لاکھ گیارہ ہزار روپے کی تھیلی اپنے قائد کی خدمت میں پیش کرنے کی عزت حاصل کی۔

قائداعظم نے اسی تقریر میں اپنی قوم سے مطالبہ کیا کہ میری جیب و دامن کو چاندی کی گولیوں سے بھر دو تا کہ اس جنگ کو کامیابی کے ساتھ اتمام تک پہنچا سکوں۔

رئیس احمد جعفری

مسلمانوں کے مطالبات اس قدر واضح اور عام فہم ہیں کہ ان کو ایک طفل مکتب بھی سمجھ سکتا ہے۔ اس اجتماع میں سنی، شیعہ، مومن، بوہرے اور خوجے سبھی موجود ہیں [(1)] اور یہ اس حقیقت کی ایک ناقابلِ تردید دلیل ہے کہ یہ سب بحیثیت مسلمان یہاں جمع ہوئے ہیں۔ یہ ایک اسلامی اجتماع ہے۔ ملت اسلامیہ ہند کا ایک جزو! اتحاد بین المسلمین کے اس بصیرت افروز مظاہرے سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟

اس وقت خانگی اختلافات کو یک لخت ختم ہو جانا چاہیے۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی صفوں کو درست کر کے ایک جسد واحد کی طرح کھڑے رہیں، جس کے بعد نہ صرف ہمارا قومی کردار نمایاں اور وقیع ہوگا، بلکہ ہمارا قومی مطالبہ بھی قبولیت حاصل کر لے گا۔

یاد رکھیے گا کہ کوئی قوم مکمل اتحاد کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی! کیا انگلستان کو اس جنگ میں فتح حاصل ہوتی، اگر انگریز آپس کے اختلافات میں الجھے رہتے؟

نجی اختلافات کو آئندہ کے لیے اٹھا رکھیے۔ اس سے نمٹنے اور کسی تصفیہ پر پہنچنے کے لیے کافی وقت ملے گا۔ لیکن اس وقت سب سے اہم اور اولین ضرورت اس امر کی ہے کہ اقتدار حاصل کیا جائے۔ میں آپ سے جو کچھ چاہتا ہوں، وہ تھوڑا سا ایثار ہے۔ کسی پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا جائے گا، کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔ انتخاب کے فنڈ میں آپ کو حسب استطاعت دے کر اپنا فرض ادا کرنا ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ ایک ایسی جنگ ہے جو صرف چاندی کی گولیوں سے لڑی جاتی ہے۔ مجھے آپ چاندی کی گولیاں دیجیے، میں اس کو کامیاب اختتام تک پہنچا دوں گا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس ہمارے لیے سخت ترین مشکلات پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے گی۔ مسٹر گاندھی نے پھر اپنے لائحہ عمل کی تلقین شروع کر دی ہے۔ جو دراصل مسلمانوں کے لیے تخریبی لائحہ عمل ہے۔ میں مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ کانگریس ان میں انتشار و افتراق پیدا کرنے اور انھیں گمراہ کرنے کی کوشش کرے گی۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو کانگریس کی یہ ساری کوشش ناکام ہو جائے گی۔

مسلمانوں میں تشتت و افتراق پھیلانے کے لیے کانگریس اپنا روپیہ ضائع کر رہی ہے۔ کاش اس روپیہ کا کوئی بہتر مصرف ہوتا۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اب ہم مسلمانوں کی ٹھوس تائید اور پرخلوص تعاون سے منزل مقصود کو جالیں گے۔ مسلمانوں کی یہ سیاسی بیداری موجبِ مسرت و اطمینان ہے اور میں سیم و زر سے بھی زیادہ اس کی قدر کرتا ہوں۔ آپ کا یہ تیقن کہ مسلم لیگ پوری دیانت کے ساتھ آپ کے مفادات کے لیے نبرد آزما ہے۔ ایک واقعہ میری قوت عمل کو ہمیشہ بیتاب رکھے گا۔ شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد کانگریس نے مجھ پر یہ بہتان تراشا کہ حکومت نے مجھے اختیار تنسیخ دے رکھا ہے اور یہ کہ میں نے رجعت پسندی سے آزادی ہند کی راہ میں روڑے اٹکائے ہیں۔ یہ کانگریس کا ایک مخصوص کرتب ہے اور سراسر کذب و افترا پر مبنی ہے۔ جس کو یہ بہتان طراز بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور جب وہ زیادہ سمجھ سے کام لیں گے تو انھیں محسوس ہوگا کہ اس پروپیگنڈا کو جاری رکھنا کس قدر احمقانہ فعل ہے۔

وہ جانتے ہیں کہ ان چالبازیوں کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے اسلامی صوبجات کو ایک عارضی یا مستقل کل ہند وحدت کے تحت جبراً لایا جائے اور انتہا یہ ہے کہ وہ اس مذموم مقصد کی تکمیل برطانوی سنگینوں سے کروانا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے طریقہ کار میں وہ تبدیلی بار بار کرتے رہتے ہیں۔ کبھی تو برطانوی حکومت کی چاپلوسی کرتے ہیں، کبھی گالیاں دیتے اور جھنجھلاتے ہیں اور کبھی دھمکیوں پر اُتر آتے ہیں۔

ہمارا ایک ہی عزم ہے اور غیر متزلزل! ہم کسی کل ہند وفاق کی تجویز کو قبول نہ کریں گے، خواہ وہ عارضی ہو یا مستقل! اور ہم ہر ایسی کوشش کو بے اثر کر دیں گے جو ایسی وحدت کو ہم پر زبردستی عائد کرے۔

ہمارے حق مدافعت کو وہ شرانگیزی سے ''اختیار تنسیخ'' کہتے ہیں۔ یہ لغویت ہے اور اس سے وہ لوگ بھی پوری طرح واقف ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ ہماری روش ہندوؤں اور مسلمانوں کی آزادی میں حائل ہے۔ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ کیوں کہ ہندو اور مسلم ہندوستان کی آزادی تو ہماری عین خواہش ہے۔ لیکن ہم کسی ایسے نظام کو قبول نہیں کر سکتے۔ جس کا مطلب ہندوؤں کی آزادی اور ہندو راج کا قیام اور مسلمانوں کی غلامی ہے۔ یعنی اسلامی ہند کا برطانوی راج سے ہندو راج کو انتقال۔

کانگریس جو کچھ چاہتی ہے یہی ہے کہ اسلامی اکثریت کے صوبوں کو ایک کل وفاق کے تحت لایا جائے۔ جبراً وقہراً لایا جائے۔ اس سے نہ صرف ہم بنیادی اختلاف رکھتے ہیں۔ بلکہ اگر ایسا ہوا تو ہم اس کی مدافعت میں اپنی ساری طاقتیں اور توانائیاں صرف کر دیں گے۔ مجھے توقع ہے کہ ہندوؤں کا سمجھدار طبقہ آخر کار اس کو محسوس کرے گا۔ برطانوی حکومت سے یہ توقع رکھنا بے سود ہے کہ وہ مسلم ہندوستان کو ہندوؤں کے رحم و کرم پر ڈال دے گی۔ مسلم ہندوستان پر کسی ایسے دستور کو نافذ کر کے جو انھیں تصورات پر مبنی ہو، برطانوی سنگینوں سے اسے قائم رکھنا قطعی احمقانہ حرکت ہو گی۔ ہندوستان کے دستوری مسئلہ کا منصفانہ اور واحد حل پاکستان اور ہندوستان کا قیام ہے، جس کی ہم اندرون اور بیرون ملک شرح و توضیح کر رہے ہیں۔

یہ کانگریس ہی ہے جو تمام باشندگانِ ہند کی آزادی میں حائل ہو رہی ہے اور اس سارے خلفشار کی ذمہ دار ہے کیوں کہ اس کی خواہش یہ ہے کہ یا تو سب کچھ اسی کو ملے یا پھر کسی کو کچھ نہ ملے اور یہ ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو گا۔

حاشیہ

1۔ واقعی یہ قائداعظم کی کرامت تھی! ہندوستان میں تحریک خلافت سے بڑھ کر طوفان بدوش پر جوش پر خروش، ہنگامہ خیز اور زبردست تحریک مسلمانوں نے کوئی نہیں اٹھائی۔ اس تحریک نے انگریزوں کو مرعوب کر دیا تھا اور ہندو بھی خائف ہو گئے تھے۔ لیکن اتحاد بین المسلمین کی وہ کیفیت جو قائداعظم کے دور قیادت میں نظر آئی۔ وہ چیز ہی اور تھی۔ تحریک خلافت کے دور میں شیعہ من حیث الجماعت غیر جانبدار تھے۔ خوجے بالکل الگ تھے۔ بوہروں کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔ تجارت پیشہ طبقہ بھی بہ حیثیت مجموعی کوئی حصہ نہیں لے رہا تھا۔ لیکن قائداعظم نے اپنے دور قیادت میں مسلمانوں کے ہر فرقے کو ایک پلیٹ فارم پر اس طرح مجتمع کر دیا کہ واقعی مسلمان سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔

ہم کامیاب ہوں گے

اکتوبر 1945ء

قائداعظم نے یہ تقریر مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن بلوچستان کے اجلاس کوئٹہ میں ارشاد فرمائی تھی۔
اس تقریر میں قائداعظم نے آنے والے دور کی ایک جھلک پیش کی ہے وہ دور جس سے بہت جلد مسلمان دوچار ہونے والے ہیں اور جو ان کی قسمت کا فیصلہ کر دے گا...... اِدھر یا اُدھر، تخت یا تختہ، کامرانی کی خوش کامیاں یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناکامی کی نامرادیاں!

رئیس احمد جعفری

حضرات! میں مسلم طلبہ کو ہدایت کروں گا کہ وہ سیاست کا بہ نظرِ تعمق مطالعہ کریں۔ سیاست تمھاری تعلیم کا ایک حصہ ہے۔ میں تمھیں متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ تمھاری سیاسی بیداری اور جدوجہد کے راستہ میں چند شخصیتوں اور حکومت کی طرف سے رُکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ تمھاری متحدہ اور پیہم کوشش ملک کے اندر ایک انقلاب برپا کرسکتی ہیں۔تم اپنی جدوجہد جاری رکھو، مخالفین اور رکاوٹوں کی پروانہیں کرنی چاہیے۔مجاہد کی طرح اپنے عزم واستقلال کے ہتھوڑے سے راستے کے پتھروں کو پاش پاش کردو۔تمھاری پیش قدمی جاری رہنی چاہیے۔آگے بڑھو۔فتح ونصرت تمھارے قدم چومنے کے لیے بےتاب و بےقرار ہے۔

آپ کے سپاس نامہ میں یہ سن کر مجھے دلی مسرت حاصل ہوئی کہ آپ اپنی جماعت میں تمام طبقوں کے درمیان اتحاد وتعاون کی اہمیت کا احساس رکھتے ہیں۔صرف آپ ہی کو اپنے صوبہ کے حکام کی روش کے خلاف شکایت نہیں، بلکہ اس قسم کی شکایات دوسرے مقامات کے لوگوں کو بھی ہیں۔ ہر صوبہ میں عوام حکام کے رویہ سے نالاں ہیں۔ (1) اگر آپ منظم اور متحد ہوکر اپنی شکایات اور مطالبات کو پیش کریں گے تو یقیناً بہتر نتائج برآمد ہوسکتے ہیں اور حکومت آپ کے مطالبات سننے کے لیے مجبور ہوسکتی ہے۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ بلوچستان کروٹ بدل رہا ہے۔ بلوچستان کی نیم سیاسی اور فوجی حکومت کے نظم ونسق کو بدلنے کے لیے عوام میں بیداری کی لہر اور جدوجہد کی تڑپ پیدا ہوچکی ہے۔ وہ اٹھ کھڑے

ہوئے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی بیداری، آپ کی جدوجہد، آپ کی یکجہتی اور عزم اور استقلال سے اس صوبہ کے نظام میں تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ اپنی جدوجہد آزادی میں صبر واستقلال کے دامن کو ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیں۔ خواہ حالات کتنے ہی اشتعال انگیز کیوں نہ ہوں۔

میں بہت ہی خوش ہوا ہوں کہ آپ ہندوستان کے سیاسی معاملات سے پوری پوری دلچسپی اور لگاؤ رکھتے ہیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آئندہ انتخابات ہندوستانی سیاست کا ایک نہایت اہم مرحلہ ہوں گے۔ یہ بہت بڑی آزمائش کی ساعت ہے۔ یہ آخری اور فیصلہ کن آزمائش ہے۔ ان انتخابات سے بہت سی گتھیاں وابستہ ہیں، جو ان کے نتائج کے بعد حل ہو جائیں گی۔ ان انتخابات ہی سے ہمیں بتانا ہوگا کہ مسلمان پاکستان چاہتے ہیں یا کانگریس کے اکھنڈ ہندوستان کے حامی ہیں؟

ہمارا پرزور مطالبہ یہ بھی ہے کہ انتخابات آزادانہ ہونے چاہئیں اور کسی قسم کا سرکاری دباؤ یا اثر استعمال نہ کیا جائے۔ ہم کانگریس کے مقابلہ میں نمایاں اکثریت سے کامیاب وکامران ہوں گے۔ کانگریس کے ساتھ چند مسلمان ہیں۔ وہ گنتی کے مسلمان ہیں۔ کانگریس ان کے ذریعہ ملت اسلامیہ کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ کانگریس کے پاس دولت ہے۔ کانگریس کے پاس مضبوط اور طاقتور پریس ہے، لیکن ہمارے ساتھ خدا ہے۔ ان شاء اللہ ہم ان طاقتوں کے مقابلہ میں کامیاب ہوں گے۔

پنجاب میں ایک جماعت خفیہ طور پر ہمارے خلاف کوشاں ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ پنجاب کا گورنر مسٹر گلانسی یونینسٹ پارٹی کی حمایت میں مسلم لیگ کو شکست دینے کی پوری کوشش کرے گا۔ اس کی طرف سے ہر وہ کارروائی کی جائے گی جس سے مسلم لیگ کو ناکام بنایا جاسکے۔ میں بانگِ دہل اعلان کرتا ہوں کہ نوکرشاہی کی پروردہ یونینسٹ کی طاقت کو پنجاب میں توڑ کر رکھ دیں گے اور ملت اسلامیہ فتح وظفر کا پرچم اڑاتی ہوئی مخالفتوں کے گرداب سے ابھرے گی۔ (نعرہ ہائے تکبیر) (2)

پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی تقریروں میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ 1942ء کی کانگریسی تحریک سے مسلمان بالکل الگ تھلگ رہے۔ میں خوش ہوں کہ انھوں نے حقیقت کا اعتراف کرلیا ہے۔ مسلمانوں نے 1918ء سے لے کر 1931ء تک آزادی کی جدوجہد میں نمایاں حصہ لیا۔ قید وبند کی مصیبتیں جھیلیں، گولیاں کھائیں، عمر قید اور پھانسی کی سزائیں پائیں۔ آج میں فخر کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ مسلم لیگ کی ہدایات کے مطابق مسلمان 1942ء کی تحریک سے بالکل الگ رہے اور انھوں نے ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ ہی ان کا نمائندہ ادارہ ہے۔ (پرزور تالیاں) (3)

حواشی

1۔ یہ عجیب بدبختی اور پریشانی کا دور تھا۔ ہندو اکثریت کے صوبوں میں کانگریس کی حکومت تھی اور وہ مسلمانوں کے سیاسی بلوغ و شعور سے اتنی برہم تھی کہ جو کچھ نہ کر گزرتی کم تھا اور اسے ایسا کرنا بھی چاہیے تھا۔ آخر اسے ہم سے اور ہمارے مطالبات سے کیوں ہمدردی ہوتی؟ اس نے متحدہ ہندوستان کا ایک نقشہ بنا رکھا تھا۔ وہ جمہوریت کے نام پر سارے ہندوستان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اب مسلمانوں کے عمل پیہم اور جوش کردار کے باعث یہ نقشہ کٹ رہا تھا۔ اس فیصلے کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے امکانات ختم ہو رہے تھے، لہٰذا یہ حکومتیں اور اُن کے حکام و عمال اگر مسلمانوں کے راستے میں روڑے اٹکا رہے اور انھیں پریشان کر رہے تھے۔ تو یہ بات نہ خلاف توقع تھی، نہ حیرت انگیز۔
لیکن جو بات حد درجہ خلاف توقع اور حیرت انگیز تھی، یہ تھی کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں بھی عامہ مسلمین کو دبایا اور کچلا جا رہا تھا۔ وہاں کی حکومتیں ملت کے غداروں کے ہاتھ میں تھیں۔ وہ بھی اپنے حکام و عمال کے ذریعہ مسلمانوں کو دبا رہی تھیں۔ کچل رہی تھیں۔ یہی حال پنجاب کا تھا، یہی سرحد کا، یہی سندھ کا، یہی بنگال کا، ان حالات میں پاکستان کا نام لینا اور پاکستان کے لیے جدوجہد کرنا، بظاہر بڑا مضحکہ خیز تھا۔ جب مسلم اکثریت کے صوبے ہی پاکستان نہیں چاہتے تو ہندو اکثریت کی مسلم اقلیتیں کیوں اس منزلِ نامعلوم کی طرف لپک رہی ہیں؟ لیکن یہ بھی قائداعظم کی قیادت کا کرشمہ تھا کہ انھوں نے ان حالات میں بھی جدوجہد جاری رکھی اور بالآخر پاکستان بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

2۔ بلوچستان کی پسماندگی سے قائداعظم بہت متاثر تھے، چناں چہ پاکستان بننے کے بعد پہلا کام انھوں نے یہ کیا کہ اسے چیف کمشنر کا صوبہ بنا کر براہ راست اپنی نگرانی میں لے کر اس کی سیاسی پسماندگی دور کرنے کی مساعی کا آغاز کر دیا اور ذاتی دلچسپی کا ثبوت یوں دیا کہ ''زیارت'' کو اپنا گرمائی صدر مقام بنالیا۔

3۔ پنجاب میں سر خضر حیات خان یونینسٹ پارٹی کے لیڈر، وزارتِ عظمٰی کے منصب پر فائز تھے اور مسلم لیگ کو زک دینے اور مطالبہ پاکستان کو تارپیڈو کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کر رہے تھے اور پنجاب کا انگریز گورنر سر برٹرینڈ گلانسی، خضر حیات خاں کا پشت پناہ بنا ہوا تھا اور ان کی ہر جائز اور ناجائز کارروائی کی تائید و توثیق کر رہا تھا۔ مسلم اکثریت کے اس صوبے میں ان مسلم عوام پر جو پاکستان کے لیے مصروف سعی و جہد تھے، اتنی سختی روا رکھی گئی کہ بالآخر انھیں سول نافرمانی تک کرنا پڑی۔

4۔ کیوں کہ 1942ء میں کانگریس نے جو تحریک انگریزوں کے خلاف ''ہندوستان خالی کر دو'' کے نعرے سے شروع کی تھی، وہ درحقیقت مسلمانوں کے خلاف تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان تقسیم کیے بغیر پورے ملک کی حکومت کانگریس کے حوالے کر کے انگریز یہاں سے چلے جائیں اور پھر وہ اپنے من مانے طور پر اقلیتوں کا مسئلہ ''حل'' کر دے۔

سرحد کے شاہین زادوں سے بابائے قوم کا خطاب

زندہ رہنا ہے تو مسلم لیگ کا ساتھ دو!

21 نومبر 1945ء

صوبہ سرحد...... شاہینوں کا مسکن۔ بہادر، نڈر، جری، دلیر، بیباک اور غیور مسلمانوں کا علاقہ، جنھوں نے جبر و استبداد، قہرمانیت اور فرعونیت، تشدد اور سختی کا ہمیشہ مردانہ وار مقابلہ کیا۔ جو انگریز کی بے پناہ قوت سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے جنھوں نے انتہائی بے سروسامانی کے باوجود ہمیشہ ڈٹ کر اس فوجی قوت کا مقابلہ کیا، جس کی مملکت میں آفتاب کبھی غروب نہیں ہوتا تھا، ہندوستان کا ہر صوبہ، آئین و قانون کی نعمت سے مالا مال تھا۔ وہ کوئی چور ہو یا ڈاکو، یا قاتل، یا باغی اس وقت تک سزا نہیں پا سکتا تھا جب تک عدالت اسے مجرم نہ قرار دے۔ جب تک اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع نہ حاصل ہو، جب تک اسے عدالت بالا میں اپیل کرنے کی سہولت نہ حاصل ہو اور آخر میں درخواست رحم پیش کرنے کی اجازت نہ حاصل ہو۔

لیکن سرحد میں نہ کوئی آئین تھا، نہ قانون، یہ سرزمین بے آئین تھی۔ یہاں چیف کمشنر کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ حرفِ آخر تھا۔ اس کے فیصلے کی نہ اپیل ہو سکتی تھی، نہ دلیل سے اسے بدلا جا سکتا تھا۔ نہ اس کے نفاذ میں تاخیر روا رکھی جا سکتی تھی۔ ایک شخص حبیب نور نے ایک افسر پر گولی چلائی۔ نشانہ خطا ہو گیا، انگریز افسر زندہ رہا۔ لیکن چند گھنٹوں کے اندر ساری عدالتی کارروائیاں چیف کمشنر کے دربار میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئیں اور ''مجرم'' زندگی سے محروم کر دیا گیا۔

ان حالات میں بھی سرحد کے غیور باشندے، غیر اسلامی تسلط کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔

مگر یکا یک خان عبدالغفار خان نمودار ہوئے۔ عدم تشدد کا ورد کرتے ہوئے اور انھوں نے اس جیالی قوم میں افسردگی اور اضمحلال پیدا کرنے کی سعی شروع کر دی، کیوں کہ وہ گاندھی کے پیرو تھے اور اصلی گاندھی کا حکم بھی تھا۔ اس پر تو اقبالؔ نے جل کر کہا تھا:

خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ

یہ پورا صوبہ خان عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب کے باعث کانگریس کے طلسم میں اسیر

تھا۔ یہاں مسلمانوں کی کوئی تحریک پروان نہیں چڑھ سکتی تھی۔ مسلم لیگ کے ذکر پر ایک مرتبہ چمک کر ڈاکٹر خان صاحب نے فرمایا تھا اور شاید بجا فرمایا تھا۔

''مسلم لیگ...... وہ کہیں اور ہو تو ہو، سرحد میں تو نہیں ہے!''

ان الفاظ میں کتنا ہی تکبر ہو، رعونت ہو، خود پرستی ہو، مگر ان کی واقعیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا! لیکن مسلم لیگ کو سرحد میں بھی کامیابی حاصل کرنی تھی، بغیر اس کے پاکستان نہیں بن سکتا تھا۔ یہاں عبدالرب نشتر اور اورنگ زیب خان وغیرہ عرصۂ دراز سے مصروفِ جہد وعمل تھے۔ لیکن اس کا نتیجہ ابھی تک زیادہ حسب دل خواہ نہیں نکلا تھا۔ اب ایک نئی قوت بھی مسلم لیگ کو حاصل ہو رہی تھی۔ وہ مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر اور بھولا بھائی ڈیسائی کے دست راست خان عبدالقیوم خان کی تھی۔

غرض قائداعظم ان حالات میں پشاور پہنچے۔ یہاں ان کا شاہانہ استقبال ہوا اور انھوں نے ایک معرکہ آرا تقریر ارشاد فرمائی۔

رئیس احمد جعفری

معزز حضرات! سب سے پہلی بات جو مجھے آپ سے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ آپ انتخابات میں مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ یہاں مسلمانوں کی کل 38 نشستیں ہیں اور اس کے لیے سو سے زائد درخواستیں آ چکی ہیں۔ بورڈ کی اولین کوشش یہی ہوگی کہ بہتر سے بہتر امیدوار کا انتخاب کیا جائے۔

مسلمانوں سے یہ امید نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ غلامی کے لیے اپنا خون بہائیں گے۔ جب تک میں زندہ ہوں ہندوؤں کی غلامی کے لیے مسلمانوں کا ایک قطرۂ خون بھی ضائع نہ ہونے دوں گا۔

حضرات! یہ فیصلہ کرنا لیڈر کا کام ہوتا ہے کہ اس کے پیرو کس وقت اپنے مخالفوں پر چوٹ لگانے کے قابل بنیں گے۔ ایک اچھا جرنیل اس وقت تک حملہ نہیں کرتا، جب تک اسے فتح کا یقین نہ ہو۔ یا کم از کم اسے عزت مندانہ شکست کا یقین ضرور ہونا چاہیے۔ میں اس میں یقین نہیں رکھتا کہ پہلے لوگوں کو گولیاں کھانے اور جیل جانے پر آمادہ کروں اور اس کے بعد جیل سے معصومانہ انداز میں یہ اعلان کر دوں کہ اس معاملہ میں میرا کوئی ہاتھ نہیں اور جیل سے باہر آؤں تو لوگوں کی قربانیوں کا کریڈٹ حاصل کرنے کی کوشش کروں۔

یہ کہنا بھی سراسر غلط ہے کہ مسلمانوں نے قربانیاں نہیں کیں۔ 1921ء کی جدوجہد میں مسلمان پیش پیش تھے۔ 1930ء میں اسی صوبہ کے مسلمانوں نے اپنی زندگیاں قربان کی تھیں۔ لیکن اس کے برعکس ہندوؤں نے اور کانگریس نے صوبہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کی مخالفت کی۔

میں نو سال کے بعد پشاور آیا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلم لیگ پٹھانوں میں بہت ہر دلعزیز ہو چکی ہے۔ یہاں مسلمان کانگریس کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو گئے تھے۔ اب اس سازش سے نجات حاصل کر چکے ہیں، مسلمان ایک خدا، ایک کتاب اور ایک رسول میں یقین رکھتے ہیں۔ مسلم لیگ کی کوشش یہ ہے کہ ان کو ایک پلیٹ فارم پر ایک پرچم تلے جمع کیا جائے۔ یہ پرچم پاکستان کا پرچم ہے۔

ہمارا کوئی دوست نہیں ہے۔ ہمیں نہ انگریز پر بھروسہ ہے، نہ ہندو پر۔ ہم دونوں کے خلاف جنگ کریں گے۔ خواہ وہ آپس میں متحد کیوں نہ ہو جائیں۔

کانگریس کے لیڈر جو ہر سال یوم آزادی منایا کرتے ہیں اور ''ہندوستان خالی کر جاؤ'' کے نعرے میں یقین رکھتے ہیں۔ شملہ کانفرنس میں انھوں نے لارڈ ویول کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے۔ ہندو مسلمان کو دھوکا دینا چاہتے تھے، لیکن اس قسم کی کوششیں اب مسلمانوں کو گمراہ نہیں کر سکتیں۔ شملہ کانفرنس میں کانگریس کا حقیقی مقصد مسلم لیگ کو خوفزدہ کرنا تھا اور جب کانگریس مسلم لیگ کو جھکانے میں کامیاب نہ ہو سکی تو اس نے لارڈ ویول کے سامنے سر جھکانا شروع کر دیا، تاکہ وائسرائے یہ اعلان کر دے کہ حکومت بھی لیگ کے خلاف ہے، لیکن کانگریس یہاں بھی ناکام رہی۔

میں ایک بار پھر اپیل کروں گا کہ جن لوگوں کو انتخابات میں حصہ لینے کے لیے مسلم لیگ بورڈ کی طرف سے ٹکٹ نہیں ملے، اگر انھوں نے دس کروڑ مسلمانوں سے غداری کی تو وہ خود بھی وزیر اعظم یا وزیر بننے کے لیے زندہ نہ رہ سکیں گے۔ (پر زور تالیاں)

حاشیہ

1۔ یہ ایک حقیقت ہے، مرکزی اسمبلی میں جب صوبہ سرحد کو سیاسی اصلاحات دینے کی تجویز پیش ہوئی تو کانگریس پارٹی نے (یہ واقعہ 25ء یا 26ء کا ہے) اس کی مخالفت کی اور کانگریس پارٹی کے مرد آہن پنڈت موتی لال نہرو نے مسلمان ممبروں کو یہ اجازت تک نہ دی...... جیسا کہ بارہا ہوتا رہا تھا...... کہ وہ اپنے ضمیر کے مطابق رائے دے سکیں یا کم از کم غیر جانبدار رہ سکیں۔ اسی بات پر سیّد مرتضیٰ بہادر (مدراس) اور مولانا شفیع داؤدی (بہار) نے مرکزی اسمبلی کی کانگریس پارٹی سے استعفیٰ دے دیا تھا اور مولانا محمد علی نے جواب تک کانگریس کے لیڈر تھے۔ ہمدرد میں ایک زبردست مقالۂ افتتاحیہ میں پنڈت موتی لال کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''پنڈت جی کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اس طرح کے معاملات میں مسلمانوں کا تعاون حاصل نہیں کر سکتے۔''

اور مولانا کے اس مقالے پر ایک شور مچ گیا تھا کہ لیجیے، مولانا محمد علی بھی چلے۔ وہ بھی کانگریس کے باغی بن گئے۔

جیتے ہوئے کھلاڑی کی عالی ظرفی اور شرافت طبع

نیشنلسٹ مسلمانوں سے اپیل!

21 دسمبر 1945ء

مرکزی اسمبلی کا انتخاب ختم ہو چکا ہے۔ اسمبلی کی تمام مسلم نشستوں پر مسلم لیگ نے قبضہ کر لیا ہے۔ کانگریس کا کوئی مسلمان امیدوار کامیاب نہیں ہو سکا۔ کوئی آزاد امیدوار بھی کامیاب نہیں ہو سکا۔

سیاست کی دنیا میں مسلم لیگ کی یہ کامیابی عدیم النظیر تھی۔ دنیا کے کسی ملک میں کوئی مثال ایسی شاندار اور یادگار کامیابی کی نہیں ملتی۔ اس کامیابی نے مسلم لیگ کا سر اونچا کر دیا ہے اور مسلم لیگ کے مخالفین سرنگوں ہو گئے ہیں۔

لیکن نہیں، ابھی صوبائی مجالس آئین ساز کا انتخاب باقی ہے اور یہ جنگ بھی مسلم لیگ کو جیتنی ہے۔ قیام پاکستان کا انحصار اسی پر ہے۔

مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں شکست فاش سے دو چار ہو کر کانگریس اب سارا زور صوبائی مجالس آئین ساز پر لگا رہی ہے۔ اس میدان میں مسلم لیگ کو شکست دینے کا وہ فیصلہ کر چکی ہے۔ سردار پٹیل نے احمد آباد سے ایک بیان شائع کیا ہے اور مسلم لیگ کو چیلنج دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ مرکزی اسمبلی میں رائے دہندگان کی تعداد محدود تھی، لہٰذا اس انتخاب میں کامیاب ہو کر لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ صوبائی مجالس آئین ساز کے لیے ہم مسلمان امیدوار کھڑے کر رہے ہیں اور ڈٹ کر لیگ کا مقابلہ کریں گے۔ لیگ نے یہ چیلنج بڑی خوشی سے قبول کر لیا ہے۔

قائداعظم نے یہ تقریر مسلم چیمبر آف کامرس کے اجلاس میں بہ مقام بمبئی ارشاد فرمائی تھی۔ اس موقع پر سوا لاکھ سے زیادہ کی رقم قائداعظم کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔

رئیس احمد جعفری

حضرات! آپ نے ایک لاکھ ستائیس ہزار روپے کا کیسۂ زر پیش کر کے مسلم لیگ اور پاکستان

کے حق میں کامل اعتماد کا اظہار فرمایا ہے۔ آپ کے اس جوش کو دیکھ کر میں دلی مسرت کا اظہار کرتا ہوں۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے پچھلے دنوں آسام اور بنگال میں بہت زور شور سے تقریریں کی ہیں۔ حقیقت میں یہ تنگ مزاج پنڈت کوئی نئی چیز سیکھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔ مرکزی اسمبلی کے انتخابات نے ان لوگوں کا دماغ درست کر دیا ہے۔ اگر صوبائی انتخابات آزاد ماحول میں ہوئے تو مسلم لیگ کو ہر صوبے میں کامیابی حاصل ہوگی۔

نیشنلسٹ مسلمان جانتے ہیں کہ انھیں صوبائی انتخابات میں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ وہ مسلم لیگ کے کارکنوں اور حامیوں کو مشتعل کرنے کی کوشش کریں گے اور اس طرح ملک بھر میں فسادات کرائیں گے۔ لیکن میں مسلمانوں سے اپیل کروں گا کہ وہ صوبائی انتخابات کے دوران میں پُرامن رہیں۔

مرکزی اسمبلی کے انتخابات نے جدوجہد کی پہلی منزل طے کر لی ہے۔ کانگریس نے نہایت بزدلی کا ثبوت دیا ہے۔ اسے دیانتداری کے ساتھ کانگریس ٹکٹ پر کسی مسلمان کو کھڑا کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ کانگریس نے یہ راہِ فرار کیوں اختیار کی؟ اسے خوب معلوم تھا کہ اس کے لیے وہی ناکامی مقدر ہو چکی ہے، جو اس کے نام نہاد قوم پرست حلیفوں کے حصہ میں آئی ہے، وہ اب منہ کی کھا چکے ہیں۔ مسلمان ثابت کر چکے ہیں کہ وہ پاکستان اور صرف پاکستان ہی چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ آخری فیصلہ ہے۔ مسلمان دنیا پر یہ حقیقت واضح کر چکے ہیں کہ اسلامی ہند بیدار ہو چکا ہے۔

پنڈت نہرو نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ کانگریس کے انتخابی منشور میں ہندوستان کے مستقبل کا واضح خاکہ پیش کر دیا گیا ہے۔ ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ پنڈت نہرو ہندوستان میں کس قسم کا آئین نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ آج وہ آزادی کے علمبردار بنے بیٹھے ہیں۔ کیا سرزمین ہندوستان میں ایک متنفس بھی ایسا موجود ہے جو اس براعظم کی آزادی اور خودمختاری کا حامی نہیں۔ ہمارے پیش نظر اصل سوال یہ ہے کہ کانگریس حکومت کا انتظام وانصرام کسے سونپنا چاہتی ہے؟ ہم پوری طرح جانتے ہیں کہ کانگریسی قائدین اپنی تقریروں میں کہہ چکے ہیں کہ وہ یہاں ''کاسٹ ہندو'' کانگریس کی حکومت چاہتے ہیں۔

پنڈت نہرو نے ایک بیان میں کہا کہ کانگریس نے مسلم لیگ سے مصالحت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کی کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کانگریس خواب وخیال کی دنیا میں ہی رہنا چاہتی ہے اور اس طرح مسلمانوں کو فریب میں مبتلا کرنا چاہتی ہے تو میں فخر کے ساتھ کہوں گا، اس کی کوششیں ناکام ہوئی ہیں تو نہایت ہی اچھا ہوا ہے، جب تک کانگریس خواب وخیال کی دنیا میں رہے گی، اسے آزادی کی جدوجہد میں اپنا قدم آگے بڑھانے میں ناکامی ہی رہے گی۔

اگر قوم پرست مسلمان واقعی دیانتدار ہیں تو انھیں مسلم لیگ کی حریف کانگریس کی پناہ چھوڑ دینی چاہیے۔ وہ مسلمانوں کی قومی تنظیم میں شریک ہوں اور اس کی رہنمائی کریں۔ (1) اگر انھیں مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام سے اختلاف ہے تو انھیں چاہیے کہ وہ مسلم لیگ میں آئیں اور اس کی پالیسی اور پروگرام کو متشکل کریں اور وہ اپنی علیحدہ آزاد جماعت قائم کریں اور اپنی پالیسی اور پروگرام مسلمانوں کے سامنے رکھیں۔ یہ خودکشی کی پالیسی ترک کر دیں۔ اگر مسلمان ان کے پروگرام سے متفق ہو گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ مسلم لیگ کی پالیسی نقصان دہ ہے تو وہ ان کی تائید پر آمادہ ہو جائیں گے۔

مسلم لیگ صرف مسلمانوں کے طبقہ امرا پر مشتمل نہیں ہے، بلکہ مسلم لیگ کی پشت پناہی عوام الناس کر رہے ہیں۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی قومی بیداری کی وہ طوفانی لہر ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ ہم پاکستان کی طرف قدم بڑھاتے چلے جائیں گے۔

حواشی

1۔ قائداعظم بار بار نیشنلسٹ یعنی کانگریسی مسلمانوں سے اپیل کرتے رہے کہ وہ مسلم لیگ میں شریک ہو کر اپنا نقطۂ نظر پیش کریں اور مسلمانوں کو ہم نوا بنانے کی کوشش کریں۔ لیکن مسلمانوں سے کٹ کر حریف کے کیمپ میں جا کر اپنے خلوص اور صداقت کا ڈھنڈورا پیٹنا شیوۂ دانش نہیں۔

2۔ یہ حقیقت سورج کی طرح روشن اور واضح تھی۔ اگر عوام مسلم لیگ کے پشت پناہ نہ ہوتے تو اتنی نمایاں کامیابی کسی طرح اسے حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی

اقبال

1946ء

○ جب برطانیہ کا ''کابینہ مشن'' اپنے ساتھ دام ہمرنگ زمیں لایا تھا۔

○ جب کانگریس مسلمانوں میں تفرقہ انگیزی کے لیے اپنے تمام وسائل و ذرائع استعمال کر رہی تھی۔

○ جب وائسرائے نے بدعہدی کر کے عارضی حکومت ہند کی تشکیل کا کام مسلم لیگ کو نظرانداز کر کے پنڈت نہرو کے سپرد کر دیا تھا۔

○ جب صوبہ بہار میں پچاس ہزار کے قریب بے گناہ اور معصوم مسلمانوں کا قتل عام ہوا تھا۔

○ جب قائداعظم تدبیر و سیاست، تنظیم و وحدتِ ملی کی چومکھی جنگ لڑ رہے تھے۔

ہو رہے تھے جور ہفت افلاک کے

امتحاں تھے ایک مشتِ خاک کے!

مسلم کنونشن کا خطبہ صدارت!

پاکستان - ورنہ موت

7 اپریل 1946ء

پاکستان کی منزل قریب تر آتی جارہی ہے۔

مسٹر چرچل کی حکومت انتخابات میں شکست کھا کر ختم ہوچکی ہے۔ اب لیبر پارٹی کے ہاتھ میں برطانیہ کی حکومت ہے۔ مسٹر اٹیلی وزیر اعظم ہیں۔ مسٹر اٹیلی ہمیشہ سے ہندونواز رہے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کا رویہ ہمیشہ سے معاندانہ رہا ہے اور قائداعظم کے تو وہ بدترین دشمن ہیں۔ انھوں نے وزارتِ عظمیٰ کی کرسی پر جلوس فرماتے ہی اعلان کر دیا تھا کہ اقلیت کو اکثریت کی راہ میں روڑا نہیں بننے دیا جائے گا۔ کابینہ وفد جو لارڈ پیتھک لارنس، وزیر ہند سر سٹیفورڈ کرپس اور مسٹر الیگزینڈر پر مشتمل تھا، وارد ہند ہو چکا ہے۔ مرکزی اسمبلی اور صوبائی مجالس آئین ساز کے انتخابات ختم ہو چکے ہیں اور مسلم رائے عامہ نے متفقہ طور پر پاکستان کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔

اس موقع پر قائداعظم نے دہلی میں جملہ صوبائی مجالس آئین ساز اور مرکزی اسمبلی کے مسلمان ممبروں کا ایک کنونشن طلب کیا، تا کہ ملت اسلامیہ کے یہ نمائندے ایک بار پھر متفقہ طور پر دنیا کو اور خاص طور پر حکومت برطانیہ کو بتا دیں کہ وہ پاکستان سے کم پر کسی طرح رضامند نہیں ہو سکتے۔ یہ ان کا آخری اور ناقابلِ مفاہمت مطالبہ ہے۔

قائداعظم نے اس کنونشن میں جو خطبہ ارشاد فرمایا، وہ جوش بیان، زورِ خطابت اور مغز و معنی کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

رئیس احمد جعفری

مرکزی اور صوبجاتی مجالس مقننہ کے معزز ارکان!

میں آپ جملہ حضرات کی خدمت میں جو اس کنونشن میں شرکت کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں،

صمیم قلب سے ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں اور اس کنونشن میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔

آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ گزشتہ چند مہینوں میں ہندوستان کے طول وعرض میں جنگ انتخابات لڑی جا رہی تھی۔ اس معرکہ میں خدائے بزرگ و برتر کی تائید اور آپ حضرات کی عرق ریزی اور جانفشانی سے ہم نے ایک ایسی فتح حاصل کی ہے جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ ہماری کامیابی کا یہ تاریخی کارنامہ اس امر کا شاہد ہے کہ ہم نے تقریباً نوے فیصدی مسلم نشستوں پر قبضہ کر لیا ہے۔[1] (نعرہ ہائے تکبیر اور تالیاں) اور آپ حضرات ہندوستان کے مختلف مسلم حلقہ ہائے انتخاب سے منتخب شدہ واضعان قانون کی حیثیت سے تشریف لائے ہیں۔ یہ اجتماع ایک ایسی بے مثل نوعیت رکھتا ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں آج تک ایسا کوئی دوسرا اجتماع منعقد نہیں ہوا ہے۔ اس لیے اب یہ ہمارا فرض ہے کہ یہ غور کریں کہ آئندہ ہمیں کیا کرنا ہے۔

ملت کے منتخب شدہ اور پسندیدہ نمائندہ ہونے کی حیثیت سے ہم پر ذمّہ داری عائد ہوتی ہے۔ یہ کنونشن آئندہ کے لیے قطعی اور غیر مبہم الفاظ میں اس امر کا اعلان کرے گا کہ ہمارا نصب العین کیا ہے۔ مجھے اس امر میں مطلق کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس مسئلہ میں ہماری ایک اور صرف ایک ہی رائے ہے اور وہ یہ کہ ہم پاکستان چاہتے ہیں اور اس کے حصول کی جنگ میں ہمارے قدم نہ ڈگمگائیں گے اور ہم پیش قدمی کرنے میں پس و پیش نہ کریں گے اور اگر ضرورت پڑی تو ہم پاکستان کے لیے اپنی جانیں دے دیں گے۔

ہم پاکستان حاصل کر کے رہیں گے یا فنا ہو جائیں گے۔

(مسلسل کئی منٹ تک نعرے اور تالیاں)

خواتین و حضرات! میں آپ کے سامنے موجودہ صورت حال رکھنا چاہتا ہوں۔ میرا ارادہ طویل تقریر کرنے کا نہیں ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ موجودہ حالات کی ایک تصویر مختصر سے مختصر الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کر دوں۔

آپ نے وہ بیانات اور تقاریر پڑھی ہوں گی جو روزانہ کی جا رہی ہیں اور بالخصوص آپ نے گزشتہ تین ہفتوں میں کانگریسی قائدین کے بیانات اور تقاریر کا مطالعہ کیا ہوگا۔ میں نے کانگریس کی پوزیشن کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور میں نے اس کے متعلق جو کچھ سمجھا ہے، اس کو آپ کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کے جواب میں کانگریس کے سرکردہ رہنماؤں نے جو تازہ تازہ اعلانات کیے ہیں اور خصوصاً اس ہفتہ میں انھوں نے جو بیانات دیے ہیں، ان بیانات کے بموجب کانگریس کی پوزیشن یہ ہے۔ سردار پٹیل یہ فرماتے ہیں کہ "کانگریس اس حد تک مسلم لیگ، کے لیے گنجائش

نکالنے کو تیار ہے کہ صوبوں کی از سرِ نو تنظیم کی جائے اور ان علاقوں کو جہاں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے، جہاں تک ہو سکے، پوری خود مختاری دے دی جائے۔''

وہ مزید فرماتے ہیں کہ ''اور یہ اس شرط کے ساتھ ہوگا کہ ایک مضبوط مرکز قائم رہے، جس کا ہونا ہندوستان کی مدافعت کے لیے ضروری ہے۔''

سردار پٹیل یہ بھی کہتے ہیں کہ کانگریس کبھی اس نظریے کو قبول نہ کرے گی کہ ہندوستان میں دو قومیں ہیں اور نہ وہ مذہب کی اساس پر قومیت کے وجود کو تسلیم کرے گی۔''(2)

پنڈت جواہر لال نہرو 14 اپریل کو فرماتے ہیں کہ ''موجودہ صورت حال کو طے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی کو واضح طور پر تسلیم کر لیا جائے اور ہندوستانیوں کو علیحدہ چھوڑ دیا جائے کہ وہ مداخلت کے بغیر اپنے اختلافات کو طے کریں اور حل تلاش کریں۔'' ایک ایسی تیسری پارٹی کی موجودگی میں جو صورت حال پر قابو رکھتی ہے، ان اختلافات پر غور کرنا ہمیشہ دشوار ہوا کرتا ہے اور جب یہ بات بالکل صاف صاف اور واضح طور پر محسوس کر لی جائے گی کہ ہندوستان ایک آزاد وجود کی حیثیت رکھتا ہے تو ہندوستان کے فرقوں اور گروہوں کو لازماً سمجھوتا کرنا پڑے گا۔ (3)

پنڈت جی یہ بھی فرماتے ہیں کہ آزادی تسلیم کر لینے کے بعد سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ ایک آئین ساز مجلس کی تشکیل کی جائے، جس کو حاکمانہ اقتدار حاصل ہو۔ انھوں نے اپنی ایک دوسری حالیہ تقریر میں ازراہِ کرم ایک ایسے مسخ شدہ پاکستان کی پیشکش کی ہے جو ایک مضبوط مرکزی کانگریسی حکومت کے تابع رہے گا۔

اگر آپ اس کانگریسی فارمولے کا تجزیہ کریں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ سب سے پہلے تو برطانوی حکومت آزادی تسلیم کرے اور حکومتی نظام جس میں سول اور ملٹری تمام امور شامل ہیں۔ کانگریس کے حوالہ کر دے جو اپنے تخیل کے بموجب قومی حکومت کی تشکیل کرلے اور برطانوی حکومت بے تعلق ہو جائے اور جب کانگریسی مکمل طور پر حکومت و اقتدار کے تخت پر براجمان ہو جائیں گے۔ اس وقت وہ آئین ساز مجلس کی تشکیل کا کام شروع کریں گے۔ جس کو اختیار حاکمیت حاصل ہوگا اور یہ آئین ساز جماعت اس وسیع برکوچک کے چالیس کروڑ باشندوں کے مقدر کا فیصلہ کرے گی۔ پنڈت نہرو کے قول کے مطابق اس وقت مختلف فرقوں اور گروہوں کو اس کے فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا، ورنہ جنگ وجدال کریں اور جب ہی حقیقی صورت نمایاں ہوگی۔

لیکن ہمارے سامنے تو اس وقت بھی حقیقی صورت حال موجود ہے اور یہ حماقت ہوگی کہ ہم ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں اور یہ تصور کر لیں کہ عارضی کانگریسی قومی حکومت یا کانگریسی قائدین کے

نقطۂ نظر کے مطابق بنی ہوئی مجلس آئین ساز کا کوئی حکم نامہ یا فیصلہ لوگوں کی تائید و وفاداری حاصل کر سکے گا۔ اگر اس تجویز کو عملی صورت دی گئی اور پنڈت نہرو کے منصوبے کے بموجب حکومت کا قیام ہوا تو یہ حکومت اڑتالیس گھنٹے بھی قائم نہ رہ سکے گی۔

یہ امر ناقابلِ یقین ہے کہ اس فسطائی گرانڈ (4) کو ایسے مکمل اختیارات تفویض کر دیے جائیں گے کہ فوراً دس کروڑ کی قوم کے مستقبل اور مقدر کا فیصلہ نافذ کر سکے۔ یا یہ کہ موجودہ حکومتی مشینری اس کے سپرد کر دی جائے گی، تاکہ وہ دس کروڑ مسلمانوں، دیگر کروڑوں اقلیتوں اور دیگر مفادات کے خلاف اس کو استعمال کرے۔ اس کی یہ تجویز اور اسکیم خواہ اس کا آپ کچھ بھی نام رکھیں، انتہائی مضحکہ خیز ہے۔

اس کے برخلاف مسلم لیگ جو طرزِ عمل اختیار کیے ہوئے ہے، وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ میں ہندو اور مسلمانوں کے مابین بنیادی اور اساسی اختلافات کو مکمل تفصیلات کے ساتھ بیان کر چکا ہوں۔ ان دونوں بڑی قوموں کے درمیان پچھلی تمام صدیوں میں کسی وقت بھی معاشرتی، مجلسی یا سیاسی اتحاد نہیں ہوا ہے۔ ہندوستانی وحدت کا جو راگ الاپا جاتا ہے، وہ محض مادی ہے۔ ہندوستان پر برطانوی حکومت مسلط ہے، پولیس اور فوج کی قوت سے اس ملک میں قانون اور امن و امان برقرار رکھا جاتا ہے۔ اس طرح ہندوستان کو ایک مادی وحدت میں جکڑ لیا گیا ہے۔

کانگریس کا دعویٰ قومیت کی بنیاد پر قائم ہے۔ متحدہ قومیت تو عالمِ وجود میں ہی نہیں ہے اور جو لوگ خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں، ان کے ذہن میں یہ موجود ہے۔ ہمارا فارمولا اس اساس پر قائم ہے کہ اس برکوچک کی زمین کو دو علیحدہ با اقتدار اور آزاد مملکتوں یعنی ہندوستان اور پاکستان میں منقسم کر دیا جائے۔

کسی عارضی مرکزی حکومت میں مسلم لیگ کے تعاون کرنے کے مسئلہ پر غور کرنے کی لازمی شرط یہ ہے کہ پاکستان کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کر لیا جائے اور غیر مبہم الفاظ میں واضح طور پر یہ عہد کیا جائے کہ قیام پاکستان کو بلا تاخیر پورا کیا جائے۔ صرف اس وقت ہم دوسرا قدم اٹھائیں گے۔

اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ صرف ایک دستور ساز اسمبلی کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ایک متحدہ ہندوستان کی بنیاد پر جو کہ ناممکن ہے، کارروائی کرنے پر رضامند ہوں گے۔ دیگر متعدد اعتراضات کے علاوہ ایک یہ اعتراض بھی ہے جو کہ بالکل واضح ہے کہ ایک آئین ساز جماعت صرف کانگریس کے حکم کی پابند ہوگی اور یہ نتیجہ پہلے ہی سے ہمارے سامنے ہے کہ مسلمان اس میں بے یار و مددگار اقلیت کی حیثیت سے ہوں گے۔

اس کے برخلاف ہمارے فارمولے کے مطابق دو با اختیار آئین ساز مجالس ہوں گی۔ ایک ہندوستان کے لیے اور دوسری پاکستان کے لیے۔ پاکستان کی مجلس آئین ساز کا یہ کام ہوگا کہ وہ باہمی

ربط و اتصال کے لیے ڈیفنس یا دیگر امور جن کو ترتیب دینا ضروری ہو، ان کو طے کرے اور یہ سب کچھ پاکستان اور ہندوستان ہر دو مملکتوں کے درمیان معاہدوں اور عہد ناموں کے ذریعے طے پائے گا۔

ہم کوئی ایسی تجویز منظور نہیں کر سکتے جو کسی صورت میں بھی پاکستان کے مکمل اقتدار کے لیے تنقیص آمیز اور حقارت آمیز ہو۔

ہندوؤں کو ہمارے فارمولے سے اس برکوچک کا تین چوتھائی حصہ مل جاتا ہے جس کی آبادی تقریباً پچیس کروڑ ہے۔ مملکت ہندوستان چین کے ماسوا دنیا کی ہر مملکت سے رقبہ اور آبادی میں بڑی ہو گی۔ ہم کو تو صرف ایک چوتھائی حصہ ملے گا۔ اس طرح سے ہم دونوں بڑی قومیں اپنے اپنے نظریوں، تمدن اور معاشرتی ساخت کے مطابق زندگی بسر کریں گے۔ اس کے برخلاف، اگر کانگریس کا مطالبہ منظور ہو جاتا ہے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہم نہ صرف ہندو راج کے رحم و کرم پر چھوڑ دیے جائیں گے، بلکہ سامراجی عزائم والی کانگریس کو یہ دلیری حاصل ہو جائے گی کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ تن تنہا ہندوستان کی ترجمانی کرتی ہے۔ وہ لوگ یہ بھی دعویٰ کریں گے، وہ برطانوی راج کے واحد وارث ہیں اور اس لیے کانگریسی راج قائم کریں گے۔

اس ناپاک منصوبہ کی تکمیل پر اسلامی ہند کبھی متفق نہ ہوگا۔ مسلمانانِ ہند مجبور ہوں گے اور اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی دوسرا چارہ کار بھی باقی نہ رہے گا کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے اس کی مزاحمت کریں۔

برطانیہ کو یہ دھمکیاں دی جا رہی ہیں کہ اگر اس نے کانگریس کے مطالبہ کے آگے سرنگوں نہ کیا تو کشت و خون ہوگا، جس کے لیے تیاریاں بھی ہو رہی ہیں اور وہ برطانوی تجارت کو مفلوج کر دیں گے۔ برطانیہ کو مزید یہ بھی دھمکی دی جا رہی ہے کہ اگر اس نے مطالبہ پاکستان کی تائید کی تو اس کے نتائج بھی یہی ہوں گے۔

اگر بدقسمتی سے خونریزی کی دھمکی سے جو محض گیدڑ بھبکی ہے اور جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ برطانیہ نرغہ میں آ جاتا ہے تو اس مرتبہ اسلامی ہند غیر جانبدار اور تماشائی نہیں رہے گا، اسلامی ہند اپنا کام کرے گا اور تمام خطرات کا مقابلہ کرے گا۔ مسٹر نہرو بہت زیادہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ معمولی شورش ہوگی، وہ ابھی تک آنند بھون کی فضا میں رہتے ہیں۔

اسی طرح اگر برطانیہ کانگریسی عیاری کا شکار بن جاتا ہے اور اپنے لیے تجارتی سہولتیں حاصل کرنے کے لالچ میں مسلمانوں کو فروخت کر دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ وہ سہولتیں جو آج کل انتہائی فراخدلی کے ساتھ کانگریسی رہنما پیش کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں مسٹر گاندھی تو بہت سبقت لے گئے ہیں اور انھوں نے پرزور طریقہ پر اس امر پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے کہ وہ برطانوی سامانِ تجارت کو

''ترجیحات'' دے دیں گے۔ لیکن کانگریسی قائدین یہ بھول جاتے ہیں کہ اس مسئلہ میں نہ صرف کانگریس کے مربی اور سرپرست ہندو سرمایہ دار، بلکہ سامان خریدنے والے اور استعمال کرنے والوں کو بھی دخل ہے اور یہ حقیقت بھی بھول جاتے ہیں کہ برطانوی مال کے سب سے زیادہ خریدار اور استعمال کرنے والے مسلمان ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ برطانیہ کے تجارتی رجحانات، ان حرص دلانے والے وعدوں اور دل کش تجارتی پیشکشوں سے نرغہ میں نہ پھنسیں گے۔

حقیقت امر تو یہ ہے کہ کانگریسی ہمیشہ سے وعدے کرنے اور شرائط پیش کرنے کے عادی رہے ہیں، مگر وہ ان پر کاربند ہونے کی نیت نہیں کرتے۔ حالات کے بموجب اور حسب ضرورت اپنے سابقہ وعدوں اور عہد کو مسترد کر دیا کرتے ہیں۔

اس سب سے قطع نظر کیا برطانیہ ہندوستان میں تجارتی خوشحالی سوداگری اور منڈیوں کی پرفریب امیدوں اور وعدوں کے عوض دس کروڑ مسلمانوں اور کروڑوں دیگر اقلیتوں کو فروخت کرنا چاہتا ہے؟ اگر برطانیہ اس حد تک جانے کو تیار ہے تو برطانیہ عظمیٰ کی تاریخ میں یہ سب سے بڑا سانحہ ہوگا۔

معزز حضرات! جیسا کہ آپ کے علم میں ہے، میں نے وزیر ہند سے غیر سرکاری طور پر متعدد طویل گفتگوئیں کی ہیں اور اس کے بعد بحیثیت مجموعی سرکاری طور پر گفتگو کی۔ سردست میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ آپ سے اس کے متعلق کچھ کہوں۔ ماسوائے اس کے مسئلہ دستور ہند کے حل کے سلسلہ میں ہم سب کے درمیان آزادانہ صاف صاف انتہائی خوشگوار انداز میں تبادلہ خیالات ہوا۔ لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے، پاکستان کے بنیادی نظریوں اور اس کے حاکمانہ اقتدار پر کوئی سودے بازی نہیں ہو سکتی۔

ہم ایک دستور ساز مجلس پر متفق الرائے نہیں ہو سکتے، کیوں کہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم خود اپنے پروانۂ موت پر دستخط کر رہے ہیں۔ ہم کسی عارضی انتظام کے مسئلہ پر بھی غور کرنے کے لیے تیار نہیں، جب تک کہ پاکستان کی اسکیم کو لازمی شرط کی حیثیت سے منظور نہیں کر لیا جاتا۔

اگر کوئی عارضی نظام اور آئین ہم پر زبردستی نافذ کیا گیا تو ہمارے لیے اس کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ کار نہ ہوگا کہ ہم ہر ممکن طریقہ سے اس کی مخالفت کریں۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ آپ سب کی جانب سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہم اپنی ہر متاع عزیز کو حتیٰ کہ سب کچھ قربان کر دینے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن نظامِ حکومت کے متعلق کسی ایسی تجویز کو جو ہماری رضامندی کے بغیر مرتب کی گئی ہو، قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اگر برطانیہ اس حد تک تجاوز کرے تو وہ ان حلیفہ بیانوں اور حتمی وعدوں کی بدترین اور صحیح عہد شکنی

کا مرتکب ہوگا، جو اس نے ہمارے ساتھ اعلان اگست 1942ء کے ذریعہ اس وقت کیے تھے جب کہ وہ مصائب جنگ میں گھرا ہوا تھا اور ہمارے خون و مال کی ضرورت تھی۔ حکومت کے اس طرزِ عمل سے معاملات انتہا کو پہنچ جائیں گے اور ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہوجائیں گے۔ مگر انھوں نے ہمارے ساتھ غداری کی تو ہم عزم مستقیم اور دلیری کے ساتھ مقابلہ کریں گے اور تمام ممکن طریقوں سے اس کی مزاحمت کریں گے۔

اس برکوچک میں بسنے والی ہر دو قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے پہلا مطالبہ یکساں طور پر مبنی بر انصاف ہے اور ہمارا مقصد عادلانہ ہے۔ اس لیے خدا ہمارے ساتھ ہے، تامل یا تردّد نہ کرنا چاہیے اور پاکستان کے منظم تربیت یافتہ مجاہدوں کی طرح اپنی صفوں میں کامل اتحاد کے ساتھ ہم کو اپنے قدم آگے بڑھانے چاہئیں۔

حضرات! مجھے یقین ہے کہ انتخابات میں ہم نے جو عظیم الشان کامرانی حاصل کی ہے، آپ سب اصحاب اس پر مسرور و شاداں ہوں گے۔ آپ نے دنیا پر یہ ثابت کردیا کہ ہم ایک ''ملت متحدہ'' ہیں اور یہ کہ ہم کچھ کام کرنا چاہتے ہیں۔

اب صرف ایک اور بات عرض کرنی چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ کوئی ایسی طاقت اور حکومت نہیں جو ہم کو اپنے محبوب ترین نصب العین پاکستان کے حصول سے باز رکھ سکے۔ لیکن صرف ایک شرط ہے اور وہ شرط اتحاد ہے اور مجھے یقین واثق ہے کہ ہم یکے بعد دیگرے فتح و کامرانی حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہیں گے اور ہم پاکستان حاصل کر کے ہی رہیں گے۔

حواشی

1۔ مسلم لیگ کی یہ کامیابی سیاسی دنیا کا ایک معجزہ ہے، کسی جمہوری ملک میں بھی کسی پارٹی نے اتنی نمایاں اور زبردست کامیابی کبھی نہیں حاصل کی۔

2۔ لیکن یہی سردار پٹیل تھے جنھوں نے مذہب کی اساس پر دو قوموں کا وجود مولانا ابوالکلام آزاد کے سامنے قبول کیا اور مذہب کی اساس پر دو قوموں کا وجود تسلیم کرنے کے بعد بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا مطالبہ بھی کیا۔

3۔ یعنی اکثریت کے سامنے سرِ تسلیم خم کردینا ہوگا۔

4۔ یہ مسولینی کی باجبروت اور تشدد پسند اور جابر پارٹی کا نام ہے۔ قائداعظم کانگریس کی مجلس عاملہ کو اسی نام سے یاد کیا کرتے تھے۔

حلف نامہ!

جس پر قائداعظم نے بھی دستخط کیے

17 اپریل 1946ء

انگریزوں اور کانگریس کی سازش نے جب بظاہر یہ امکان پیدا کر دیا تھا کہ پاکستان نہیں بننے دیا جائے گا تو قائداعظم نے مرکزی اسمبلی اور تمام صوبائی مجالس آئین ساز کے مسلم ممبروں کا ایک کنونشن دہلی میں طلب کیا اور ایک مرتبہ پھر مطالبہ پاکستان کا اعادہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ سب نے ایک حلف نامے پر دستخط بھی کیے۔

یہ حلف نامہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔

رئیس احمد جعفری

حلف نامہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ۔

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُكِیۡ وَمَحۡيَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ۔

کہہ دو کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

میں .... رکن مسلم لیگ پارٹی صوبائی لیجسلیٹو اسمبلی/کونسل صوبہ .... اپنے اس پختہ عقیدہ کا اعلان کرتا ہوں کہ برکوچک ہند میں بسنے والی مسلم قوم کی نجات، اس کی سلامتی، اس کا تحفظ اور اس کا مستقبل حصولِ پاکستان میں مضمر ہے اور پاکستان ہی اس وسیع برکوچک کے پیچیدہ دستوری

مسائل کا حل، باوقار اور معقول حل ہے اور اسی کے ذریعہ یہاں بسنے والی تمام قوموں اور فرقوں کو امن، آزادی اور خوش حالی حاصل ہو سکتی ہے۔

میں بہ صمیم قلب اقرار کرتا ہوں کہ اس مقصد عزیز یعنی پاکستان کو حاصل کرنے کے لیے آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے جو تحریک بھی روبہ عمل لائی جائے گی اور اس سلسلہ میں ہدایات واحکام جاری کیے جائیں گے۔ میں بلا پس و پیش کمال رضامندی کے ساتھ ان کی پوری پوری تعمیل کروں گا اور اس امر کا یقین کامل رکھتے ہوئے کہ میرا مقصد و مدعا حق و انصاف پر مبنی ہے۔ میں عہد کرتا ہوں کہ اس راہ میں جو خطرات اور آزمائشیں پیش آئیں گی اور جن قربانیوں کا مطالبہ ہوگا، انھیں برداشت کروں گا۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔

اے ہمارے پروردگار! ہمیں صبر و استقامت دے۔ ہمیں ثابت قدم رکھ اور قومِ کفار پر ہمیں فتح ونصرت عطا فرما۔

دستخط ....

مورخہ ....

⁂

ہندو مسلم نزاع کا برطانیہ کی طرف سے آخری حل

کابینۂ وفد کی پیشکش

22 مئی 1946ء

کابینۂ وفد نے جو تجاویز پیش کیں تھیں، ان کے سلسلے میں قائداعظم نے شملہ سے یہ بیان جاری کیا تھا۔

رئیس احمد جعفری

مسلم لیگ کی پوزیشن یہ تھی کہ:

1۔ شمال مشرق میں بنگال اور آسام اور شمال مغرب میں پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان پاکستان میں شامل ہیں اور اُسے (پاکستان کو) خودمختار اور آزاد حکومت کی حیثیت سے حاصل ہونا چاہیے۔ نیز یہ کہ بلاتاخیر قیام پاکستان کا صاف الفاظ میں وعدہ کیا جائے۔

2۔ دونوں حکومتوں کا آئین بنانے کے لیے پاکستان اور ہندوستان کے لوگوں کے لیے علیحدہ علیحدہ دسور ساز جماعت بنائی جائے۔

3۔ پاکستان اور ہندوستان کی اقلیتوں کے تحفظات لاہور والے ریزولیوشن کے خطوط پر کیے جائیں۔

4۔ مسلم لیگ کا تعاون حاصل کرنے اور مرکز میں عارضی حکومت کے قیام میں اس کے شریک ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے مطالبہ کو تسلیم کرلیا جائے اور اس پر فوری طور سے عمل درآمد ہو۔

5۔ ہم نے متحدہ ہندوستان کی بنیاد پر کوئی وفاقی آئین مسلط کرنے یا مسلم لیگ کے مطالبہ کے خلاف مرکز میں عارضی حکومت کے قیام پر زور دینے کے خلاف حکومت برطانیہ کو متنبہ کیا۔ اگر کوئی ایسا اقدام کرنے کی کوشش کی گئی تو مسلم ہندوستان اس کا مقابلہ کرے گا۔ علاوہ ازیں یہ اقدام حکومت برطانیہ کے اس اعلان کے صریحاً خلاف ہوگا، جو اگست 1940ء میں برطانوی پارلیمنٹ کی منظوری سے کیا گیا تھا۔ نیز یہ اقدام ان بیانات کے بھی خلاف ہوگا جو وزیر ہند اور دیگر ذمّہ دار

برطانوی سیاستدان حکومت برطانیہ کے اعلان کی تصدیق میں وقتاً فوقتاً دیتے رہے ہیں۔

ہم نے بلا کسی تعصب کے خود کو کسی بات کا پابند کیے بغیر وزارتی مشن کے دعوت نامہ کو منظور کر لیا۔ ہم نے وزیر ہند کے خط مورخہ 19 اپریل 1946ء کے حسب ذیل الفاظ کے مطابق مشن کے مندرجہ بالا مختصر فارمولے پر اظہار رضامندی کیے بغیر گفت و شنید میں حصہ لیا۔ وزیر ہند کے اس خط کے الفاظ یہ ہیں:

ہم نے یہ بات پیش نظر رکھتے ہوئے کانگریس اور مسلم لیگ کو مدعو نہیں کیا ہے کہ کانفرنس میں ان کی شرکت کے لیے خط میں درج کی ہوئی شرائط منظور کرنا لازمی ہے۔ ہم نے ان شرائط کو سمجھوتا کے لیے بنیادی تجویز کے طور پر رکھا ہے اور ہم نے کانگریس ورکنگ کمیٹی سے یہی درخواست کی ہے کہ وہ ہمارے اور مسلم لیگ کے نمائندوں کے ساتھ اس پر گفتگو کرنے کے لیے رضامندی کا اظہار کرے۔

مشن کے دعوت نامہ کے جواب میں کانگریس نے اپنے 28 اپریل 1946ء کے خط میں اپنی پوزیشن کا اظہار اس طرح کیا تھا کہ مرکز میں ایک مضبوط وفاقی حکومت قائم ہو، جس کے وفاقی یونٹ (واحدہ) موجودہ صوبجات ہوں۔ مرکزی وفاقی حکومت امور خارجہ، دفاع، سکہ (سکہ جات) محاصل و چنگی کے شعبہ جات ہوں۔ علاوہ ازیں دیگر ایسے شعبہ جات بھی اس میں شامل ہوں جن کا بہت قریبی تعلق ہو۔ کانگریس نے صوبوں کی گروپ بندی کے خیال سے انکار کر دیا۔[1] وزارتی مشن کے فارمولے پر گفت و شنید کرنے کے لیے وہ بھی کانفرنس میں شریک ہونے پر رضامند ہو گئی۔

بحث و تمحیص کے کئی روز بعد بھی گفت و شنید میں کوئی خاص تبدیلی نہ ہوئی تو پھر مجھ سے کہا گیا کہ ہم اپنی کم از کم شرائط تحریری صورت میں پیش کریں۔ نتیجہ کے طور پر ہم نے اپنے خاص مطالبات کی شرائط کو پُرامن اور دوستانہ سمجھوتا کی خواہش کے پیشِ نظر ہندوستان کے عوام کی فوری آزادی اور خودمختاری کے حصول کی خاطر ایک پیشکش کے طور پر تحریری صورت دے دی۔ 12 مئی کو ان تجاویز سے کانگریس کو مطلع کر دیا گیا اور اسی وقت اس کی ایک نقل وزارتی مشن کو بھیج دی گئی۔

پیشکش کی شرائط حسب ذیل ہیں:

1۔ چھ مسلم صوبوں (پنجاب، صوبہ سرحد، بلوچستان، سندھ، بنگال اور آسام) کا ایک گروپ ہونا چاہیے۔ یہ صوبے امور خارجہ، ڈیفنس اور ذرائع رسل و رسائل (جس حد تک ڈیفنس کے لیے ضروری ہوں)، اس کے علاوہ تمام معاملات کے خود ذمّہ دار ہوں گے۔ امور خارجہ ڈیفنس اور ذرائع رسل و رسائل کا دونوں گروہوں مسلم صوبوں (پاکستان گروپ) اور ہندو صوبوں کے گروپوں کی آئین ساز جماعتیں مل کر انتظام کریں گی۔

2۔ مذکورہ بالا چھ مسلم صوبوں کے لیے علیحدہ ایک آئین ساز اسمبلی ہونی چاہیے، جو گروپ اور گروپ

کے صوبوں کے آئین بنائے گی اور پاکستان وفاق کے تحت صوبہ داری اور مرکزی معاملات کی فہرست مرتب کرے گی۔ اس طرح کہ صوبوں کو باقی ماندہ معاملات میں اختیار کلی حاصل ہوگا۔

3۔ آئین ساز جماعت کے نمائندوں کے انتخاب کا طریقہ ایسا ہوگا جس سے پاکستان گروپ کے ہر صوبے میں بسنے والے ہر فرقے کی آبادی کے لحاظ سے اس کی مناسب نمائندگی ہو۔

4۔ جب پاکستان کی وفاقی حکومت اور صوبوں کے آئین کی ترتیب آئین ساز جماعت مکمل کر دے۔ اس کے بعد گروپ کے ہر صوبے کو حق حاصل ہوگا کہ وہ گروپ سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کرے، بشرطیکہ اس صوبے کے باشندوں کی رائے اس علیحدگی کے متعلق شوریٰ عام کے ذریعہ حاصل کر لی جائے۔

5۔ یہ بات مشترکہ آئین ساز جماعت میں بحث سے طے ہوگی۔ یونین کے لیے مالیات فراہم کرنے کے ذرائع کے متعلق بھی دونوں آئین ساز جماعتیں مشترکہ طور پر طے کریں گی، ٹیکس کے ذریعہ کسی صورت میں روپیہ فراہم نہیں کیا جائے گا۔

6۔ اگر یونین میں ایگزیکٹو اور لیجسلیچر ہوئی تو ان صوبوں کے دونوں گروپوں کی نمائندگی برابر کی ہوگی۔

7۔ یونین کے آئین میں کوئی چیز جو فرقہ وارانہ سوال کے متعلق ہو، مشترکہ آئین ساز جماعت میں اس وقت تک پاس نہیں کی جائے گی۔ جب تک کہ مسلم اور ہندو صوبوں کی آئین ساز جماعت کے ممبروں کی اکثریت علیحدہ علیحدہ اس کے حق میں رائے نہ دے۔

8۔ کسی ایسے مسئلہ پر جس کے متعلق اختلاف ہو، یونین کوئی قانونی، انتظامی اور عاملانہ فیصلہ اس وقت تک نہیں کرے جب تک کہ تین چوتھائی اکثریت اس کے حق میں نہ ہو۔

9۔ گروپوں اور صوبوں کے آئین میں مختلف فرقوں کے مذہب، معاشرت اور دوسرے فرقہ وارانہ معاملات میں ان کے بنیادی حق اور ان کی حفاظت کا انتظام رکھا جائے۔

10۔ یونین کے آئین میں ایک ایسی مد بھی ہوگی، جس کے ذریعہ سے ہر صوبہ اپنی لیجسلیٹو اسمبلی میں ووٹوں کی اکثریت کی بنیاد پر آئین کی شرائط پر نظر ثانی کا مطالبہ کر سکے گا اور اسے حق حاصل ہوگا کہ ابتدائی دس سال گزرنے کے بعد کسی وقت بھی وہ یونین سے الگ ہو جائے۔

ہماری پیشکش کا لب لباب، جیسا کہ اس کے متن سے ظاہر ہوگا، یہ تھا کہ چھ مسلم صوبوں کا ہندوستان گروپ اور دو وفاقوں کی بنیاد پر ہم یونین یا متحدہ وفاق پر غور کرنے کے لیے تیار تھے کہ اس کے تحت صرف تین چیزیں ہوں، یعنی امور خارجہ، دفاع اور دفاع کے لیے جس حد تک ذرائع رسل و رسائل

ضروری ہوں۔ یہ دونوں آزاد وفاق خوشی کے ساتھ یہ چیزیں متحدہ وفاق کے سپرد کر دیتے۔ باقی تمام معاملات اور اختیارات وفاق اور صوبوں کو حاصل رہتے، یہ انتظام صرف عبوری دور کے لیے تھا اور ابتدائی دس سال کے زمانے کے بعد ہم یونین سے علیحدگی کے لیے آزاد ہوتے۔ لیکن سخت افسوس ہے کہ اس مصالحانہ اور معقول پیشکش کا جو انھوں نے جواب دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کے برعکس کہ ان کی بنیادی تجاویز مرکز میں رہنے والے معاملات کے متعلق وہی تھیں جو کانگریس کی کانفرنس میں شرکت سے قبل تھیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایک اور سخت تجویز ہمارے سامنے رکھی۔ وہ یہ کہ مرکز کو اختیار ہونا چاہیے کہ وہ آئین کی شکست اور نازک موقعوں پر فوری اقدام کر سکے۔ یہ چیز ان کے 12 مئی کے جواب میں تھی، جو ہمیں پہنچایا گیا تھا۔

یہ بیان بے روح ہے۔ اس میں کئی جگہ خلا ہے۔ اس کا عملی حصہ چند مختصر پیروں پر مشتمل ہے جس پر میں آئندہ تبصرہ کروں گا۔

مجھے افسوس ہے کہ مشن نے کیسے مسلمانوں کا یہ مطالبہ نظرانداز کر دیا کہ پاکستان کی کامل خودمختار حکومت قائم کی جائے جس کے متعلق ہمارا اب بھی یہی نظریہ ہے کہ ہندوستان کی آئینی مشکلات کا وہی واحد حل ہے اور اسی کے ذریعہ پائیدار حکومتیں قائم ہو سکتی، جو نہ محض دونوں بڑی قوموں کے لیے باعثِ فلاح وخوشحالی ہوگی، بلکہ اس برکوچک کے تمام باشندوں کے لیے بھی اس سے بھی۔ زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ مشن نے پاکستان کے خلاف وہی عامیانہ باتیں پیش کرنی مناسب سمجھیں جس کی دھجیاں اڑائی جا چکی ہیں اور ایسی خاص چیزوں کی وکالت کی ہے اور ایسے ناگفتہ بہ انداز میں کہ مسلم ہند کے جذبات کو صدمہ پہنچنا یقینی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشن نے یہ سب کچھ محض کانگریس کو خوش کرنے کے لیے کیا ہے، کیوں کہ جب ان لوگوں کے سامنے اصل مسئلہ پیش ہوا تھا تو انھوں نے حسب ذیل اعلان کیا تھا جو بیان کے پانچویں پیرے میں موجود ہے۔

یہ خیال بہر حال ہمیں اس سے باز نہیں رکھ سکا کہ ہم اچھی طرح اور غیر جانبدارانہ طریقہ سے ہندوستان کی تقسیم کے امکان پر غور کریں۔ اس لیے کہ ہم پر مسلمانوں کے ان نہایت صحیح جذبات اور فکر کا گہرا اثر پڑا تھا کہ کہیں وہ اپنے آپ کو مستقل طور پر ہندو اکثریت کا محکوم نہ بنا لیں۔

یہ جذبات مسلمانوں میں اتنی شدت سے ہیں اور عالمگیر ہیں کہ ان کی تسکین محض کاغذی تحفظات کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتی۔ اگر ہندوستان میں امن قائم کرنا ہے تو اسے ایسے اقدامات کے ذریعہ محفوظ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے تمام امور میں اقتدار کامل حاصل ہو، جن کا تعلق ان کی تہذیب، مذہب اور معاشی اور دوسرے امور سے ہے۔

اور پھر بارھویں پیرے میں ہے:

''اس فیصلے کے معنی یہ نہیں کہ ہم نے مسلمانوں کی اس حقیقی تشویش کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں کہ کہیں ان کی سیاسی اور معاشرتی زندگی خالص وحدانی ہند میں غرق نہ ہو جائے، جس میں ہندوؤں کا ان کی بہت بڑی عددی قوت کی بنا پر غالب عنصر ہوگا۔''

اب دیکھنا یہ ہے کہ اپنے بیان کے بارھویں پیرے میں جن نہایت واضح اور زوردار نتائج پر وہ پہنچے ہیں۔ ان کے حصول کے لیے انھوں نے کیا طریقۂ کار اختیار کیا ہے؟

اب میں اس بیان کے عملی حصہ کے چند اہم نکات پر بحث کروں گا۔

1۔ انھوں نے پاکستان کے دو حصے کر دیے ہیں، جن میں شمال مغربی علاقوں کو وہ ''سیکشن بی'' کہتے اور شمال مشرقی علاقوں کو سیکشن سی۔

2۔ بجائے دو دستور ساز اسمبلیوں کے انھوں نے دستور اساسی بنانے والی ایک ہی جماعت بنائی ہے، یعنی سیکشن اے، بی اور سی تینوں کے لیے۔

3۔ وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کی ایک یونین ہو، جس میں برطانوی ہند اور ریاستیں شامل ہوں اور جو حسب ذیل امور سے تعلق رکھے گا، امور خارجہ، دفاع اور رسل و رسائل۔ نیز اُسے یہ بھی طاقت ہو کہ مذکورہ بالا امور کے لیے ضروری روپیہ بھی فراہم کر سکے۔

اس کی کوئی توضیح نہیں کہ رسل و رسائل کے تحت صرف اتنا ہی آئے گا جس کا تعلق دفاع سے ہے۔ نہ اس کی تشریح کی گئی ہے کہ کس قسم کی طاقت یونین کو ان تینوں امور کے لیے روپیہ فراہم کرنے کی غرض سے دی جائے گی۔ اس کے برخلاف ہماری رائے یہ تھی کہ مرکزی یونین کے اخراجات دونوں مجموعے اپنے حصے کے طور پر ادا کریں، ٹیکس کی صورت میں نہیں۔

4۔ یہ تجویز ہے کہ یونین میں ایک مجلس عاملہ اور ایک مجلس واضعان قانون ہوگی جو برطانوی ہند اور ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔ اگر کوئی فرقہ وارانہ مسئلہ مجلسِ واضعان میں پیدا ہوا تو اس کے فیصلے کے لیے دونوں بڑے فرقوں کے موجود اور رائے دینے والے نمائندوں کی اکثریت ضرور ہوگی۔

5۔ ہماری یہ تجویز بھی حذف کر دی کہ پاکستانی مجموعے کو یونین سے ابتدائی دس سال کے بعد الگ ہو جانے کا حق رہے۔ حالاں کہ کانگریس کو اس سے شدید اختلاف نہ تھا اور اب ہم صرف اس روک کے ساتھ محدود کر دیے ہیں کہ یونین کے دستور اساسی میں ہر دس سال کے بعد ترمیم کرا سکیں۔

6۔ دستور اساسی بنانے والی جماعت کے متعلق یہ ہے کہ برطانوی بلوچستان کا نمائندہ شعبۂ (ب) میں شامل کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ اس کا انتخاب کیوں کر ہوگا۔

7۔ رہی دستور اساسی بنانے والی جماعت جو سامنے بیٹھے گی کہ مجوزہ یونین کا دستور بنائے تو اس میں ہندوؤں کی بہت بڑی اکثریت ہوگی۔ دوسو بانوے کے ایوان میں برطانوی ہند سے مسلمانوں کی تعداد صرف اناسی ہوگی۔ اگر وہ تعداد بھی جو ریاستوں کے لیے متعین کی گئی ہے ہے یعنی ترانوے شامل کر لی جائے تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا تناسب اور بھی گھٹ جائے گا اس لیے ریاستوں کے نمائندوں میں بھی بہت بڑی اکثریت ہندوؤں کی ہوگی۔ اس طرح جو اسمبلی بنے گی وہ اپنی کثرت سے اپنے صدر اور دوسرے افسروں کا انتخاب کرے گی اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشاورتی کمیٹی کے ارکان بھی یہی اسمبلی چنے گی جیسا کہ بیان کے بیسویں پارے میں ہے اور یہی اصول دوسری عمومی کارروائیوں میں مدنظر رہے گا۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تحفظ ایک جملہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

''یونین کی کانسٹی ٹوائنٹ اسمبلی کی تجویزوں میں جو مذکورہ الصدر پندرھویں پیرے کے تحفظات کے خلاف ہوں یا کسی بڑے فرقہ وارانہ مسئلہ کے متعلق ہوں تو اس کے منظور ہونے کے لیے موجودہ نمائندوں کی اکثریت بھی ضرور ہوگی اور دونوں فرقوں میں سے ہر ایک کی اکثریت بھی۔ اسمبلی کا صدر فیصلہ کرے گا کہ کونسی تجویز ایسی پیش ہوئی ہے جس سے فرقہ وارانہ سوال اٹھتا ہے اور اگر نمائندوں کی اکثریت اس سے مطالبہ کرے گی تو اپنا فیصلہ دینے سے پہلے وہ فیڈرل کورٹ سے مشورہ کرے گا۔''

اس کے معنی یہ ہوئے کہ فیصلہ صدر کرے گا اور وہ فیڈرل کورٹ کی رائے کا پابند نہیں ہوگا اور نہ کوئی شخص یہ جان سکے گا کہ وہ رائے کیا ہے۔ اس لیے کہ چیئرمین کو صرف یہ ہدایت ہے کہ وہ فیڈرل کورٹ سے مشورہ کرے۔

8۔ رہا صوبوں کا اپنے مجموعے سے نکل جانے کا مسئلہ تو اس کا فیصلہ صوبے کی مجلس واضعان قانون پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جو نئے آئین کے تحت عام انتخابات سے بنے گی کہ وہ اس کا فیصلہ کرے۔ حالاں کہ ہماری تجویز تھی کہ تمام باشندوں سے عام استصواب رائے کیا جائے۔ (1)

9۔ رہا بیسواں پیرا جس کے الفاظ یہ ہیں:

''ایڈوائزری کمیٹی جس کے متعلق شہریوں، اقلیتوں، قبیلوں اور خارجی علاقوں کے حقوق کا تحفظ ہو گا۔ اس میں متعلقہ لوگوں کی پوری نمائندگی ہوگی اور اس کا کام یہ ہوگا کہ یونین کی کانسٹی ٹوائنٹ

اسمبلی میں ان کے بنیادی حقوق اقلیتوں کے تحفظ کے لیے دفعات اور قبائلی، نیز خارجی علاقوں کے انتظام کی اسکیم پیش کرے اور یہ مشورہ دے کہ آیا یہ حقوق صوبوں، مجموعوں اور یونین کے دستور اساسی میں شامل کر دیے جائیں یا نہیں۔

اس سے ایک نہایت اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیوں کہ اگر یونین کی کانسٹی ٹیوائنٹ اسمبلی ہی پر یہ فیصلہ چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنی اکثریت سے رائے دے کہ ایڈوائزری کمیٹی کی سفارشات یونین کے دستور اساسی میں شامل ہوں یا نہیں تو اس سے راستہ کھل جاتا ہے کہ مزید شعبے یونین گورنمنٹ کے حوالے ہو جائیں۔ اس سے یہ بنیادی اصول تباہ ہو جائے گا کہ یونین سختی کے ساتھ تین شعبوں تک محدود رہے۔

یہ ہیں چند بڑے نکات جو میں نے یہ اہم دستاویز پڑھنے کے بعد پبلک کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی اور کونسل کے فیصلے کے متعلق جس کا اجلاس عنقریب دہلی میں ہونے والا ہے۔ قبل از وقت کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ برطانوی وزارتی وفد اور ہز ایکسیلنسی وائسرائے کے بیان کا گہرا اور غیر جانبدارانہ مطالعہ کرنے اور پورے غور سے اس کے مالہٗ وماعلیہ کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم جو کچھ بھی مناسب سمجھیں گے وہی آخری فیصلہ کریں گے۔

حاشیہ

1۔ ظاہر ہے یہ تجویز زیادہ منصفانہ اور عادلانہ تھی۔

جہاں تک مسلم اقلیت کے صوبوں کا مسئلہ ہے، میں بھی ایک اقلیت کے صوبہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ ان صوبوں کے مسلمان پاکستان کے مجاہد ہیں۔ انھوں نے پاکستان کی جانب سب کی رہبری کی ہے۔ اب اکثریت اور اقلیت کا کوئی سوال نہیں رہا۔ پاکستان کے اصول پر سب کو اتفاق ہے۔ ہاں چند مسلمان اب بھی ایسے ہیں جو ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ میں ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچانی نہیں چاہتا اور اس میں کوئی فائدہ بھی نہیں۔ یہ لوگ تو کسی شمار میں نہیں ہیں، لیکن ان لوگوں کو اب خاموش ہو جانا چاہیے۔ لیکن وہ خاموش نہ ہوں گے وہ اپنی حرکات جاری رکھیں گے۔ کیوں کہ ان کا کام تو یہ ہے کہ اپنے آقاؤں کے سُر سے سُر ملائیں۔ (تالیاں)

کبھی ایسے آدمیوں کا خیال نہیں کیا جاتا، آج صرف ہندو ہی نہیں بلکہ انگریز اور امریکی بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایسے لوگ کانگریس کے نمائشی کھلونے کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ میں اس پلیٹ فارم سے بلاخوفِ تردید کہتا ہوں کہ اسلامی ہند کلیتاً متحد و متفق ہے اور پاکستان ہمارا مطالبہ ہے۔

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ میرا تعلق بھی ایک اقلیت کے صوبہ سے ہے۔ سات کروڑ برادران اسلام کو اپنی مملکت قائم کر لینے دیجیے۔ اگر دنیا میں اقلیت والے صوبوں کے لیے کوئی تحفظ ہو سکتا ہے تو سب سے زیادہ موثر تحفظ قیامِ پاکستان ہے۔

اگرچہ موجودہ دستور میں تحفظات موجود ہیں، مگر یہ تمام محض کاغذی ہیں، ان سے مطلق کوئی فائدہ نہیں۔

اگر اکھنڈ ہندوستان قائم ہو جائے اور ہندو اس آئین کو تبدیل کرنا چاہیں تو اس وقت آپ کیا کریں گے؟ ان کو پھر کون روک سکے گا؟ اگر پانچ یا دس سال کے بعد وہ یہ کہیں کہ ہم جداگانہ طریق انتخاب کو ختم کرتے ہیں تو پھر ان کے ہاتھ کون پکڑے گا؟ وہ روز افزوں طاقتور ہوتے جائیں گے اور آپ اکھنڈ ہندوستان میں کمزور ہوتے جائیں گے اور تمام تحفظات یکے بعد دیگرے نیست و نابود کر دیے جائیں گے۔

ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی ساتھ اختلافات اور جھگڑے شروع ہو جائیں۔ ہمارے سامنے بہت کافی کام ہوگا۔ اسی طرح برادرانِ وطن کو اپنی مملکت میں بہت سے کام کرنے ہوں گے۔ لیکن اگر وہ ہماری اقلیتوں کے ساتھ بدسلوکی شروع کر دیتے ہیں اور ان کو ستاتے ہیں تو پاکستان ایک خاموش تماشائی نہ بنے گا۔ (نعرہ ہائے تکبیر)

پاکستان نہیں تو...... کچھ نہیں!

سب کچھ قربان کر دینے کا عہد!

گزشتہ صفحات میں جس مسلم کنونشن کا خطبۂ صدارت قائداعظم نے دیا تھا۔ اس کے بعد تمام ممبران نے ایک حلف نامے پر دستخط کیے کہ حصولِ پاکستان کے لیے وہ اپنی جان بھی قربان کر دیں گے اور کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

اسی حلف نامے پر دوسروں کی طرح خود قائداعظم نے بھی دستخط کیے تھے۔ یہ بڑا اثر آفرین اور جذبات انگیز موقع تھا۔ اس منظر کی کیفیت کا اندازہ صرف وہی خوش قسمت کر سکتا ہے جس نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا ہو۔

حلف نامے پر دستخط کے بعد قائداعظم نے پھر ایک ولولہ انگیز تقریر فرمائی، جو کبھی فراموش نہ کی جا سکے گی۔

رئیس احمد جعفری

هم کس لیے جدوجہد کر رہے ہیں؟ ہمارا نصب العین کیا ہے؟ ہمارا مقصد تنگ نظری اور تعصب نہیں۔ ہم ایسی مملکت کا قیام نہیں چاہتے جو تنگ نظری اور مذہبی تعصب پر قائم ہو۔ مذہب ہم کو انتہائی محبوب ہے۔ مذہب کے مقابلہ میں تمام دنیاوی چیزیں ہمارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ لیکن بعض دوسرے امور بھی ہیں جو ملّی زندگی کے لیے اہم اور ناگزیر ہیں۔ مجلسی زندگی اور اقتصادی زندگی بھی قوم کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ سیاسی قوت کے بغیر آپ اپنے مذہب کی بھی حفاظت نہیں کر سکتے اور آپ کی اقتصادی زندگی کا بھی تحفظ نہیں ہو سکتا۔

ہم نے مکمل غور و فکر اور بحث و مباحثے کے بعد ایک قرارداد منظور کی ہے۔ ہم نے اس عالیشان اور تاریخی کنونشن میں ایک حلفیہ اعلان کیا ہے۔ ہم اگرچہ بہتری کی توقع رکھتے ہیں، مگر بدترین حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہم نے ایک واضح، غیر مبہم اور پرزور اعلان کیا ہے۔ ہم نے تمام خطرات کا مقابلہ کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ ہمارے لیے اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ بھی باقی نہیں ہے۔

اگر گلیڈ اسٹون کے زمانہ میں برطانیہ اقلیتوں کے تحفظ کے نام پر امریکا میں مداخلت کرسکتا تھا، تو اگر ہندوستان میں ہماری اقلیتوں پر مظالم کیے گئے تو ہمارا مداخلت کرنا کیوں کر حق بجانب نہ ہوگا؟

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جب آپ اپنے اکثریت کے صوبوں میں اپنی وزارتیں تک نہیں بنا سکتے تو پاکستان کا خواہ مخواہ کیوں چرچا کیا جاتا ہے؟ میں ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ یہی تو اصل وجہ ہے، جس کی بنا پر ہم 1935ء کے موجودہ آئین سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اسی لیے تو ہم پاکستان قائم کرنا چاہتے ہیں۔

مجھے نواب صاحب ممدوٹ کا یہ جملہ سن کر خوشی ہوئی کہ وہ اصول کے لیے ہزاروں وزارتیں قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ فی الواقع وزارتیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ یہ تو ذریعہ ہیں۔

ہم مسلمانوں کو خدا کے فضل سے بہت سی چیزیں حاصل ہیں۔ ہمارے پاس دماغ، فہم، ادراک، قابلیت اور ہمت موجود ہے۔ یہی وہ تمام خصوصیتیں ہیں جو قوموں کو حاصل کرنی ضروری ہیں۔ لیکن ہماری راہ میں کچھ دشواریاں حائل ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی تمام توجہات ان کی جانب مرکوز کرلیں۔ ہم گزشتہ ڈیڑھ سو برس سے غیر ملکی اقتدار اور ہندو غلبہ کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ برطانیہ اور ہندوؤں کے اس میل نے جو ممکن ہے کہ کسی سازش کا نتیجہ نہ ہو یا مخصوص حالات کے دباؤ سے پیدا ہو۔ ہماری حالت پر ضرررساں اثر ڈالا ہے، جس سے ہماری مذکورہ صلاحیتوں کو نقصان پہنچا ہے۔

کردار کسے کہتے ہیں؟ کردار کا مطلب یہ ہے کہ عزت، خودداری، ارادہ اور عزم کی پختگی، دیانتداری ان تمام خصوصیات کا بدرجۂ اتم موجود ہونا بلندی کردار ہے۔ قوم کے اجتماعی مفاد کے لیے افراد کا اپنے آپ کو قربان کردینے کے لیے ہمہ وقت آمادہ تیار رہنا اچھا کردار ہے۔

قومی کردار کی موجودہ کمزوری کے باوجود ہم نے حیرت ناک ترقی کی ہے۔ ہم نے اپنی نشاۃ ثانیہ کے اس پنج سالہ دور میں معجزانہ انداز میں کامیابیاں حاصل کی ہیں، جب میں ملت کی اس محیرالعقول ترقی کا خیال کرتا ہوں تو مجھ کو خواب کی سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ کتنی تیزی کے ساتھ ملت اپنے کردار کی سابقہ عظمت و رفعت تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہے۔ مردوں، عورتوں اور بچوں سب کے بات کرنے، سوچنے اور عمل کرنے کا انداز ہی مختلف ہوگیا ہے۔

مسرت کی بات یہ ہے کہ مسلمان عورتوں میں بھی تبدیلی ہو رہی ہے۔ یہ تبدیلی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ دنیا میں کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی جب تک اس قوم کے مردوں کے ساتھ عورتیں بھی

دوش بدوش آگے بڑھیں۔

میں آخر میں ایک مرتبہ پھر نظریہ پاکستان پر اپنے عقیدہ کا اعادہ کرتا ہوں۔کیا برطانیہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کر سکتا ہے؟نہیں مسلمانوں کے مقدمہ کا فیصلہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔

مخالفین رخنہ اندازی کر سکتے ہیں۔ وہ ہمیں تاخیر پر مجبور کر سکتے ہیں۔ وہ ہمارے راستہ میں رکاوٹ بن سکتے ہیں،لیکن وہ ہمیں منزلِ مقصود تک پہنچنے سے روک نہیں سکتے۔اس لیے اس تاریخی کنونشن کے برخاست ہونے پر آپ پورے یقین،مکمل اعتماد اور ہمت کے ساتھ یہاں سے اُٹھیں۔

***

پاکستان لے کر رہیں گے

5 جون 1946ء

مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدۂ نئی دہلی کا افتتاح کرتے ہوئے قائداعظم نے یہ تقریر ارشاد فرمائی اور کابینۂ وفد نے جو تجاویز پیش کیے تھے، ان کے مالہ وماعلیہ پر اظہارِ خیال فرمایا۔

رئیس احمد جعفری

ورکنگ کمیٹی نے برطانوی وزارتی مشن کی تجاویز کے عواقب ونتائج پر غور کیا ہے لیکن اسے کونسل کے فیصلہ پر جو مسلم قوم کی پارلیمنٹ ہے، اثر انداز نہیں ہونا چاہیے، لہٰذا ورکنگ کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر کونسل ہی اس سلسلہ میں کوئی قطعی فیصلہ کرے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر ممبر آزادانہ طور پر اپنی رائے کا اظہار کرے اور اس سلسلہ میں خود کو کسی پابندی میں جکڑا ہوا نہ سمجھے۔ (1)

میں یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ مسلم ہندوستان اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا، جب تک ہم کامل طور پر خودمختار آزادانہ پاکستان قائم نہ کرلیں۔ (پرزور تالیاں، ''پاکستان لے کے رہیں گے'' نعرے) میں پوری قوت کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ مشن نے جن اسباب اور دلائل کے ساتھ، نیز جس طریقہ سے حقائق کو مسخ کیا ہے، اس کا مقصد سوائے کانگریس کو خوش کرنے کے اور کچھ نہیں۔

دراصل ان کے اپنے بیان میں پاکستان اساسی حیثیت سے موجود ہے، آپ نے فرمایا کہ کانگریسی اخبارات اور ہندو شکر سے لپٹی ہوئی ان گولیوں پر بہت مسرور ہوئے، مگر ان گولیوں پر شکر اتنی کم تھی کہ انھیں جلد ہی معلوم ہوگیا کہ اس کی اصلیت نہیں۔ (قہقہہ)

جیسا کہ میں نے حال میں شملہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اہم ترین مسائل محض جذبات اور نعروں سے اور تلخ حالات میں طے نہیں ہوسکتے اور یہ کہ ہم ہمیشہ لڑتے جھگڑتے نہیں رہ سکتے۔ اس سے میرا مطلب برطانیہ، والیانِ راست، کانگریس اور مسلم لیگ سے تھا۔

ان اخبارات میں اطلاع یوں دی گئی ہے کہ ”ہم مسٹر جناح اب اپنے حواس میں آ گئے ہیں۔“ مجھے مسرت ہے کہ میں اپنے حواس میں آ گیا۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ وہ بھی ہوش میں آئیں۔ یقیناً کسی جھگڑے کے لیے دو جماعتوں کی ضرورت ہوتی ہے، مگر یہاں تو تین نہیں چار ہیں اور اقلیتوں کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

میں جانتا ہوں کہ مسلمانوں نے مصائب برداشت کیے ہیں اور انھیں اب بھی زبردست مصیبتوں کا سامنا ہے۔ ان آلام و مصائب کا خاتمہ صرف قیام پاکستان کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

پاکستان منظور کرنے میں تاخیر سے کام لینا برطانیہ یا ہندو کے لیے کسی طرح بہتر ثابت نہیں ہوگا۔ اگر انھیں آزادی محبوب ہے اور اگر اُنہیں ہندوستان کی خودمختاری اور اس کا استقلال عزیز ہے اور وہ آزاد ہونا چاہیے تو جتنا جلد وہ اس حقیقت کو سمجھ لیں اتنا ہی بہتر ہے کہ اس کے حصول کے لیے سب سے قریبی راستہ پاکستان پر رضامند ہونا ہے۔ یا تو تم متفق ہو جاؤ اور ورنہ ہم تمھارے بغیر اس کو حاصل کر کے رہیں گے۔ (چیئرز) اس کے لیے کیا طریقہ اور ذرائع اختیار کیے جائیں گے، یہ وقت اور حالات پر منحصر ہوگا۔

جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا۔ میں جانتا ہوں کہ جنرل اسمٹس یہی کہے گا کہ ہندوستان میں بھی تو چھ کروڑ اچھوت بستے ہیں اور یہ صورت شرمناک ہے۔ مگر کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ دو کالوں کو ملا کر ایک سفید بنتا ہے۔ چوں کہ ہندوستان کے ماتھے پر یہ ایک سیاہ دھبہ ہے، اس لیے کسی مہذب قوم کا کوئی سردار یہ کہہ سکتا ہے کہ ”اسی لیے میں بھی یہ کلنک کا ٹیکہ لگانا چاہتا ہوں اور چوں کہ ابھی تک یہ دھبہ نہیں لگا ہے اس لیے اب لگانا چاہیے۔“

دیانتدار آدمیوں میں اس بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے کہ یہ قانون تہذیب کے ماتھے پر ایک بدنما داغ ہے۔ ہماری ساری ہمدردیاں ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو اس قانون کے مقابلہ میں جدوجہد کر رہے ہیں۔

اینگلو امریکی کمیٹی نے ایک لاکھ یہودیوں کو فلسطین میں داخلہ کی اجازت دینے کو جو سفارش کی ہے، وہ قابلِ مذمت ہے۔

کیا آپ اس کے سوا کسی اور فیصلے پر پہنچ سکتے ہیں کہ یہ نہایت ہی بے ایمانی کا فیصلہ ہے اور اس میں انصاف کا خون کر دیا گیا ہے۔

عربوں کو چاہیے کہ وہ ان سفارشات کا مقابلہ کریں اور ایک یہودی کو بھی فلسطین میں داخل نہ ہونے دیں۔ مسلم ہندوستان ان کی ہر ضروری امداد کرے گا۔

میں برطانیہ سے کہتا ہوں کہ تم خود یہ اعلان کر رہے ہو کہ شہنشاہیت مردہ ہو چکی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی تجہیز و تکفین کے لیے ہی وزارتی مشن دہلی آیا تھا۔ کیا تم اس تجہیز و تکفین کو لندن میں انجام نہیں دو گے اور ولندیزوں سے انڈونیشیا خالی کرنے کو نہ کہو گے۔ (2)

جو وعدے لیبیا اور سرینکا سے کیے گئے تھے کہ انھیں اٹلی کو واپس نہ کیا جائے گا، ان وعدوں کو پورا کیا جائے۔ اگر برطانیہ ایک دوست قوم کی حیثیت سے رہنا چاہتی ہے اور یہ چاہتی ہے کہ دہلی سے لے کر لیبیا اور سرینکا تک سب اس کے دوست رہیں۔ لیکن اگر تم ایسا ہی کرتے رہے جیسا کہ اس وقت فلسطین، لیبیا، شام اور انڈونیشیا میں کر رہے ہو، تو تمھیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ تم کمزوروں اور مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کر رہے ہو اور ان جذبات کا بڑھنا خطرناک ہوگا۔

کشمیر سے متضاد اطلاعات آ رہی ہیں مگر مسلم کانفرنس کے جن لیڈروں نے مجھ سے شملہ میں ملاقات کی تھی۔ انھوں نے مجھے پوری رپورٹ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ جھگڑے کی وجہ خواہ کچھ بھی ہو مگر حکومت کا طریقہ تشدد کا ہے اور ہر جگہ مسلمان ہی نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ جب تک رپورٹ پہنچے، میں اپنی رائے کے اظہار سے اجتناب کروں گا۔ مگر میں مہاراجہ کشمیر اور وہاں کے وزیر اعظم سے یہ بات کہہ دینا چاہتا ہوں کہ براہ مہربانی آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ کسی بے گناہ مسلمان کو کوئی تکلیف اور اذیت نہ پہنچے۔ میں اس بات پر زور دوں گا کہ لاپرواہی سے کام نہ لیا جائے، ورنہ آپ مسلمانوں کو اس آگ میں کودنے کے لیے مجبور کر دیں گے۔

حواشی

1۔ قائداعظم کو گوان کے دشمن آمر کے نام سے یاد کرتے تھے، مگر حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت اُن کی رگ رگ میں بسی ہوئی تھی۔

2۔ جنگ عظیم ثانی ختم ہونے کے بعد جب جاپانی فوجوں نے انڈونیشیا کو خالی کر دیا تو ولندیزی پھر اس پر قابض ہو گئے اور حکومت برطانیہ نے اُن کی ہر طرح سے مدد کی۔

❋❋❋

حیدرآباد دکن کے ایک اجتماع عام میں قائداعظم کا خطاب!

حیدرآباد دکن کے اجتماع عام سے خطاب

11 جولائی 1946ء

میں ہندوستان میں کسی قوم کے جائز حقوق ومفاد کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتا، لیکن یہ بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ ہماری گردنوں میں اغیار کی غلامی کا گراں بار طوق پڑا رہے۔ پاکستان کے مطالبہ سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کی اکثریت کے علاقوں میں اسلامی تعلیمات کے مطابق آزادی کی فضا میں زندگی بسر کرنے کا حق حاصل ہوجائے۔ میں نے بابِ عالی کے ممبروں اور حیدرآباد کے لیڈروں کو مشورے دیے ہیں۔ ان سے حیدرآباد میں بسنے والی تمام قوموں کو فائدہ پہنچے گا اور کسی قسم کی حق تلفی نہیں ہو گی۔

مملکت نظام میں مسلمانوں کی تعداد صرف پچیس لاکھ ہے اور وہ اقلیت میں ہیں، لیکن انھوں نے شجاعت، مستقل مزاجی اور ایمان وایقان کی قوت سے دولت آصفیہ کی تاریخ میں حیرت انگیز اور نمایاں ترین حصہ لیا ہے۔ جغرافیائی حدودِ اسلام کے عالمگیر رشتۂ اخوت کو منقطع نہیں کر سکتیں۔ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں اور انھیں مصیبت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے۔ مسلمانانِ حیدرآباد کو میرا مشورہ یہ ہے کہ لیڈروں کے انتخاب میں وہ ہمیشہ احتیاط کریں۔ آدھی جنگ تو لیڈروں کے صحیح انتخاب ہی سے فتح ہو جاتی ہے۔

ہندوستان میں کوئی قابلِ ذکر جماعت ایسی نہیں جو ریاستوں میں ذمہ دار حکومت کے قیام کی حامی نہ ہو، لیکن ہر مقام کے حالات دوسرے مقام سے مختلف ہوتے ہیں اور ساری دنیا کے لیے ایک ہی دستور مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ انگلستان، فرانس، امریکا اور روس وغیرہ میں کیا ایک ہی دستور رائج ہے۔ اگر نہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہندوستانی ریاستوں پر ایک ہی دستور مسلط کرنے کی کوشش کی جائے۔ انصاف اور حقِ خوداختیاری کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر ریاست کو اس کے حالات کے مطابق دستور مرتب کرنے کا حق دیا جائے۔ حیدرآباد کشمیر کے حالات ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ تاریخ کا

ہر مبصر مجھ سے اتفاق کرے گا کہ ان دونوں کی تاریخ و روایات میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اس وقت میدانِ سیاست میں ہندو مسلمانوں کی جنگ ہو رہی ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں، کون فتح یاب ہو گا۔ علم غیب خدا کو ہے، لیکن میں ایک مسلمان کی حیثیت سے علی رؤس الاشہاد کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم قرآن مجید کو اپنا آخری اور قطعی رہبر بنا کر شیوہ صبر و رضا پر کار بند ہیں اور اس ارشاد خداوندی کو کبھی فراموش نہ کریں کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں تو ہمیں دنیا کی کوئی ایک طاقت یا کئی طاقتوں کا مجموعہ بھی مغلوب نہیں کر سکتا۔

ہم تعداد میں کم ہونے کے باوجود فتح یاب ہوں گے اور اسی طرح فتح یاب ہوں گے جس طرح مٹھی بھر مسلمانوں نے ایران و روم کی سلطنتوں کے تختے الٹ دیے۔

میں نے اعلیٰ حضرت نظام دکن کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبروں اور حیدرآباد کے لیڈروں کو مشورے دیے ہیں۔ وہ حیدرآباد میں بسنے والی تمام قوموں کے لیے یکساں مفید ہیں اور ان سے نہ کسی ہندو کو نقصان پہنچ سکتا ہے، نہ اچھوت کو، نہ عیسائی کو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ مسلمان کسی قوم کے بھی جائز حق کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

***

وائسرائے اور وزیرِ ہند کی ملتِ اسلامیہ سے غداری

27 جون 1946ء

کابینہ وفد چلا گیا۔ کانگریس نے اس کی سفارشات کو قبول بھی کیا اور مسترد بھی کر دیا۔ مسلم لیگ نے بادلِ نخواستہ محض اتحاد اور آشتی کی خاطر یہ تجویزیں مان لی تھیں اور اب تک وہ اپنے مسلک پر قائم تھی۔

حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا تھا کہ ملک کی جو پارٹیاں ان تجویزوں کو مان لیں گی، انھیں تشکیل حکومت کا موقع دیا جائے گا۔ اگر کانگریس نہ شریک ہوئی تو بھی۔ لیکن ہوا یہ کہ اٹیلی کی ہدایت کے مطابق لارڈ ویول وائسرائے ہند نے کانگریس کے ترکِ تعاون سے خوفزدہ ہو کر مسلم لیگ کو بھی جو کانگریس کے بعد سب سے بڑی پارٹی تھی، تشکیل وزارت کا موقع نہیں دیا۔

یہ حالات تھے جب قیصر باغ بمبئی میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ہوا اور قائداعظم نے وہاں ایک ناقابلِ فراموش تقریر ارشاد فرمائی۔

اس موقع پر قائداعظم کے حسب الحکم مسلم لیگ کے تمام ممبران نے اپنے خطابات واپس حکومت برطانیہ کو بطور احتجاج واپس کر دیے۔

رئیس احمد جعفری

تین ماہ کی گفت وشنید اور برطانوی مشن کے ہندوستان سے جانے کے بعد جو کچھ ہوا، اس کی بنا پر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلم لیگ کے لیے اپنی طاقت پر بھروسہ رکھنے اور اپنے نصب العین پاکستان پر جمے رہنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ برطانیہ کے وعدوں پر کبھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ دس دن کے اندر ہی حکومت برطانیہ کے نمائندے اپنے وعدے سے منحرف ہو گئے۔ وزارتی مشن نے کانگریس دیوی کو منانے کے لیے بہت کوشش کی اور انھوں نے عارضی حکومت کی تشکیل ملتوی کر دی۔ مشن نے اعلان کر دیا ہے کہ کانگریس نے طویل مدت کی تجویزیں منظور کر لی ہیں، لیکن درحقیقت اسے صحیح معنوں میں منظوری نہیں کہا جا سکتا۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ اب مسلم لیگ کے لیے وہ وقت آ گیا ہے، جب کہ ہمارا نعرۂ تنظیم، اتحاد اور

اپنی قوم پر اعتماد ہونا چاہیے۔ اگر تمھاری قوم میں کافی طاقت نہیں ہے تو ہمیں طاقت پیدا کرنی ہوگی۔

مسلم لیگ نے ایماندارانہ اور منصفانہ کارروائی کے لیے جتنی کوششیں کیں، وہ سب بے کار ثابت ہوئیں اور ہندوستان کی آزادی کے لیے جتنی بھی سعی مفاہمت کی وہ سب بے اثر رہی۔

اس نے التجائیں اور استدعائیں کیں۔ مگر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وزارتی مشن کانگریس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا رہا ہے۔ وہ اپنا ہی کھیل کھیلتا رہا ہے۔

میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ کانگریس نے ہندوستان کے باشندوں کو جن میں اونچی ذات کے ہندو بہت بڑی اکثریت میں ہیں، حالیہ آئینی گفت وشنید کے دوران میں اپنی خفیف الحرکات اور کوتاہ اندیشانہ رویہ کی بدولت انتہائی زبردست نقصان پہنچایا۔ کانگریس مسلمانوں کی مخالفت کے جذبات سے مغلوب ہو چکی ہے۔

کانگریس نے دہلی میں نوکر شاہی حکومت اور شخصی راج قائم کرا کر ملک کو چالیس برس پیچھے دھکیل دیا ہے۔ کانگریس کا یہ خیال ہے کہ وہ عارضی حکومت میں شامل ہو جائے گی اور مسلم لیگ کو ایک طرف چھوڑ دے گی۔ کانگریس بخوشی مرکزی حکومت میں جائے۔ ہم اس سے خائف نہیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا ہوگا۔ جب کانگریسی دستور ساز اسمبلی کو آزاد اور خود ساز اسمبلی کو، جسے وائسرائے طلب کر رہے ہیں اور جس کا تقرر حکومت برطانیہ نے کیا ہے، کیا پنڈت جواہر لال نہرو کے طفلانہ بیانات اور دلیرانہ الفاظ کے ذریعہ آزاد اور خود مختار جماعت میں نہیں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

وزارتی مشن کے بیان میں انیسواں پیراگراف جو صوبوں کی گروپ بندی اور دستور ساز اسمبلی کے طریقہ کار کے متعلق اسلامی زاویہ نظر سے پوری اسکیم کا بہت ہی اہم ضروری حصہ ہے، اس رُو سے کسی صوبہ کو اس وقت تک اپنی مقررہ گروپ سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا، جب تک صوبوں اور ان کے گروپوں کے دساتیر مرتب اور نئے صوبائی دستور کے ماتحت عام انتخابات نہ ہو جائیں۔ لیکن پنڈت جواہر لال نہرو اپنے بیان کے مطابق اسکیم کے اس ضروری جزو کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صوبوں کو ابتدائی موقع ہی پر مقررہ گروپوں سے علیحدہ ہو جانے کا حق حاصل ہے۔ (1) کانگریس کی اس پرغرور ہٹ دھرمی کی وجہ صرف یہ ہے کہ اسے دستور ساز اسمبلی میں بہیمانہ غلبہ حاصل ہے اور اسی بل بوتے پر اسے امید ہے کہ وہ وزارتی مشن کی تجاویز کے ہر جزو کو جس طرح چاہے گی توڑ مروڑ کر یا نظر انداز و مسترد کر کے اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کر سکے گی۔ کانگریسی لیڈروں کی موجودہ پالیسی کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم تجاویز کی کسی شرط کے پابند نہیں۔ ہم دستور ساز اسمبلی میں صرف اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے شریک ہو رہے ہیں اور اپنی من مانی تاویلات کے مطابق جن سے ہم دنیا کو روشناس کر چکے ہیں، جو

چاہیں گے کریں گے۔ یہی وہ صورت حال ہے جس کی بنا پر آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس طلب کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

وزیر ہند نے کہا ہے کہ ہندوستانی پارٹیوں کو منظور کردہ تجاویز کے دائرہ سے قدم نہیں بڑھانا چاہیے، کیوں کہ اس طرح دوسری جماعتوں کے ساتھ بے انصافی ہو گی۔ لیکن اس مخلصانہ مشورہ کے علاوہ وزیر ہند نے یہ نہیں بتایا کہ اگر کانگریس نے اپنے بہیمانہ غلبہ کے بل پر شرائط کی خلاف ورزی کی اور فیصلے کیے جو اسمبلی مذکور کے دائرہ عمل سے باہر ہیں تو حکومت اس کی روک تھام کے لیے کیا موثر تدابیر اختیار کرے گی۔ وزارتی مشن کے ارکان اچھی طرح جانتے ہیں کہ کانگریس نے وزارتی مشن کی تجاویز محض نام کے لیے اپنی من مانی تاویلات کی بنا پر منظور کی ہیں۔ میں نے اور نواب زادہ لیاقت علی خاں نے اپنے بیانات میں اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا۔

پارلیمنٹ میں مباحثہ شروع ہونے سے پیشتر تمام تفصیلات حکومت کے علم میں تھیں، لیکن اس کے باوجود وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس اس مخلصانہ مشورہ کی حد سے آگے اپنے قدم نہیں بڑھاتے کہ ہندوستانی پارٹیاں تجاویز مشن کی منظور کردہ حد سے آگے قدم نہ بڑھائیں۔ کیا اس طرح صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ وزارتی مشن کے ارکان ہندوستان میں ساڑھے تین ماہ گزارنے کے بعد معاملہ فہمی کے اعتبار سے کورے رہے۔ نہ تو اب تک ان پر حقیقت منکشف ہوئی اور نہ انھیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔

پنڈت جواہر لال نے 23 جولائی کو دہلی کے جلسہ عام میں کہا ہے کہ ہم دستور ساز اسمبلی سے اپنی مرضی کے مطابق کام نہ کر سکے تو اسے ختم کر دیں گے اور جب اخبارات نے یہ خیال ظاہر کیا کہ پنڈت جواہر لال نے بمبئی کے اجلاس میں ہنگامی جذبات سے مغلوب ہو کر دستور ساز اسمبلی اور وزارتی مشن کی تجاویز کے متعلق اس قسم کے خیالات ظاہر کر دیے ہیں تو پنڈت نہرو نے اس نقطۂ نظر کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے، اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے عمداً کہا ہے اور میں اپنی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو اعادہ کر کے پھر کہتا ہوں کہ کانگریس اس پالیسی پر عمل کرے گی اور ضرورت ہوئی تو وہ دستور ساز اسمبلی کو موت کے گھاٹ اتار دے گی۔ وزیر ہند پیتھک لارنس اس عالم آب و گل میں نہیں، بلکہ خوابوں کی دنیا میں بستے ہیں اور کانگریس کے ان صاف و صریح عزائم کے باوجود سنہرا خواب دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان کی سیاسی پارٹیاں کسی فیصلہ کی خلاف ورزی نہیں کریں گی۔

ہم بحث و تمحیص کرتے کرتے تھک گئے۔ کسی سے استعانت کرنا بے سود ہے۔ دنیا میں کوئی ایسی عدالت نہیں جس سے ہم استعانت کر سکیں۔ ہماری آخری عدالت ملت اسلامیہ ہے اور ہم اسی کے فیصلے کی پابندی کریں گے۔ (نعرہ ہائے تحسین)

مسلمانوں کا منہ دھونے کے لیے لارڈ پیتھک لارنس یا سر سٹیفورڈ کرپس کا یہ زبان سے کہہ دینا کہ مسلم لیگ نے مذاکرات کے دوران میں فراخ حوصلگی و رواداری کا ثبوت پیش کیا اور کانگریس اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہٹی، ہمارے لیے باعثِ طمانیت نہیں ہوسکتا۔ اگر وزارتی مشن کے طرزِ عمل میں جرأت و تدبر کا شائبہ بھی ہوتا تو میں خندہ پیشانی سے اعتراف کرتا، لیکن انھوں نے ثابت کر دیا کہ وہ اخلاق و جرأت اور فہم و تدبر کے اعتبار سے دیوالیہ ہیں اور کانگریس کی جانب سے بھی نہ تو نیک نیتی اور مفاہمت کا کوئی اشارہ ہے اور نہ خواہشِ اشتراک کا۔

میں وزارتی مشن پر صاف الفاظ میں الزام لگاتا ہوں کہ اس نے کانگریس کے ساتھ سازش کی اور وائسرائے کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر ان میں ہمت ہے تو اس واقعہ کی تردید کریں کہ 24 جون کو رات کے اجلاس میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے مشن کی طویل مدت والی تجاویز بھی مسترد کر دی تھیں اور عارضی حکومت کی اسکیم بھی۔ کانگریس کے اس فیصلہ سے وزارتی مشن کے ارکان گھبرا گئے۔ 25 جون کو سر سٹیفورڈ کرپس علی الصباح بھنگی کالونی میں پہنچے۔ مسٹر گاندھی کو سوتے سے جگایا اور انھیں بہت دیر تک سمجھاتے بجھاتے رہے کہ کانگریس مشن کی تجاویز کو مسترد نہ کر دے۔ لیکن جب مسٹر گاندھی کسی طرح رضامند نہ ہوئے تو واپس چلے گئے اور وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس کانگریس کے روئین تن لیڈر سردار پٹیل کی تلاش میں نکلے اور انھیں گھیر گھار کر اپنی قیام گاہ پر لے آئے اور وہاں دونوں کے مابین یہ سازش ہوئی کہ کانگریس اپنا سابقہ فیصلہ واپس لے کر وزارتی مشن کی طویل مدت والی تجاویز کی منظوری کا اعلان کر دے اور وزارتی مشن اس کے معاوضہ میں عارضی حکومت کی اسکیم کو ختم کر دے گا۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ وزارتی مشن کے ارکان لندن واپس جا کر کہہ سکیں کہ دہلی میں ساڑھے تین ماہ تک بھاڑ نہیں جھونکتے رہے بلکہ ہندوستان کی دونوں پارٹیوں سے اپنی تجاویز منظور کروا لائے۔

میں اپنی ذمہ داریوں کو خوب اچھی طرح محسوس کرتے ہوئے پھر ایک مرتبہ کہتا ہوں کہ میں نے جس سازش کا انکشاف کیا ہے، وہ واقعہ ہے، عین حقیقت ہے۔ میں وائسرائے کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اس واقعہ کی تردید کریں اور اس کی تردید ان پر فرض ہے کیوں کہ یہ ایسا الزام نہیں ہے جسے نظرانداز کیا جائے، بلکہ اس سے وزارتی مشن کے ارکان اور وائسرائے کی عزت پر حرف آتا ہے۔

ان تمام باتوں سے بلاشک و شبہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مسئلہ کا واحد حل پاکستان ہے۔ جب تک کانگریس اور مسٹر گاندھی ''اکھنڈ بھارت'' کی ترجمانی و نمائندگی کا خواب دیکھتے رہیں گے، جب تک کانگریس مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانے کے لیے اپنے روپیہ سے چند بے غیرتوں اور بے شرموں کے ایمان خریدتی رہے گی، جب تک کانگریس اس حقیقت سے انکار کرتی رہے گی کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ

جماعت مسلم لیگ ہے، اس وقت تک آزادی کے سوال پر کسی تصفیہ یا مفاہمت کا امکان نہیں۔

کانگریس کا یہ دعویٰ کہ وہ پورے ہندوستان کی نمائندہ جماعت ہے، بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ دستور ساز اسمبلی کی 79 مسلم نشستوں میں وہ صرف تین نشستیں حاصل کر سکی۔ کانگریس نے صوبہ جات متحدہ سے جو اپنا امیدوار منتخب کیا ہے، اسلامی حلقوں میں اس کی عزت کا یہ حال ہے کہ پراونشل اسمبلی کے انتخابات میں وہ تین مسلم نشستوں سے بطور امیدوار کھڑا ہوا اور ہر جگہ اس کے ٹھوکر رسید کی گئی۔

مسٹر گاندھی کو اب ساری دنیا کا مشیر بننے کا شوق چرایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کانگریس تمام ہندوستان کی نمائندہ اور اس کے چالیس کروڑ باشندوں کی امین ہے۔ تم دہلی میں بیٹھ کر تو یہ کہتے ہو کہ ہمیں وزارتی مشن کی تجاویز منظور نہیں اور بمبئی جا کر کہتے ہو کہ ہم تجاویز کے کسی جز کے خلاف نہیں ہیں۔

میں بلاخوف تردید اعلان کرتا ہوں کہ مذاکرات کے دوران میں مسلم لیگ نے قدم قدم پر اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ ایک شریف اور معزز جماعت ہے۔ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں نہیں الجھتے، بلکہ اعلیٰ مقاصد کو سامنے رکھا۔ ہم نے حیرت انگیز رواداری سے اس لیے کام نہیں لیا کہ ہم نے دوسروں کو رعایت پر رعایت اس لیے نہیں دی کہ ہم کسی سے ڈرتے تھے، بلکہ صرف اس لیے کہ مسلمانوں کے دلوں میں آزادی کامل کی تڑپ ہے۔ ہم چاہتے تھے کہ متنازعہ مسائل حسن وخوبی کے ساتھ طے ہو جائیں۔ برعظیم کی ترقی میں جو رکاوٹیں ہیں وہ دور ہوں اور نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو اور تمام دوسری قومیں برطانوی شکنجۂ استعمار سے نجات پا کر آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہو جائیں۔ ہمارے مقابلہ میں کانگریس کا طرزِ عمل افسوسناک تھا۔ اس نے قدم قدم پر رکاوٹیں ڈالیں اور ثابت کر دیا کہ اس کے سامنے سوائے اس کے اور کوئی نصب العین نہیں کہ وہ مسلم لیگ کو نیچا دکھائے۔

مذاکرات میں تین پارٹیاں شریک تھیں، مسلم لیگ، کانگریس اور حکومت۔ ان میں صرف مسلم لیگ ہی وہ جماعت ہے جس نے شریفانہ طریقہ پر ایمانداری سے کام لیا۔ وزارتی عارضی حکومت کے سلسلہ میں مشن اپنے وعدے سے منحرف ہو گیا اور کانگریس نے ایسی ذلیل حرکتیں کی ہیں کہ ان کے ارتکاب پر ایک معمولی انسان بھی شرم محسوس کرے گا۔ میں کانگریسیوں سے پوچھتا ہوں کہ تم میں دیانت وشرافت کا خفیف ترین شائبہ بھی ہے۔ کیا تم میں اخلاقی جرأت بھی ہے جو تم صاف الفاظ میں کہہ دیتے کہ وزارتی مشن کی تجاویز چوں کہ ہمارے بنیادی اصول ومقاصد کے خلاف ہیں، اس لیے ہم انھیں منظور نہیں کر سکتے۔ سو برس سے ایک ''امین'' کی امانت ودیانت کا تلخ ذائقہ چکھ رہے ہیں اور اب ہمیں کسی بھی دوسرے امین کی ضرورت نہیں۔ اب ہم بچے نہیں، بالغ ہو چکے ہیں۔ (قہقہہ) ملت اسلامیہ اپنی امین آپ ہے۔

مسٹر گاندھی کچھ عرصہ سے اچھوتوں کے خود ساختہ امین بنے ہوئے ہیں۔ مسٹر گاندھی سے میں پوچھتا ہوں کہ کیا وہ ایمانداری کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انھیں اچھوتوں کا اعتماد حاصل ہے۔ اچھوتوں کا وجود کسی بھی مہذب قوم کی پیشانی پر مکروہ ترین داغ ہے۔ چھ کروڑ انسان صدیوں سے اونچی ذات والے ہندوؤں کے اقتصادی اور سماجی شکنجۂ عذاب میں جکڑے ہوئے ہیں اور جن کی حالت نہایت دردناک ہے۔ میں اچھوتوں کے ان خود ساختہ امین مسٹر گاندھی سے پوچھتا ہوں کہ انھوں نے مظلوم اچھوتوں کے حقوق و مفاد کی حفاظت کے لیے اب تک کیا کیا ہے۔ مظلوم اور بے کس اچھوت ستیہ گرہ کر کے جیل جا رہے ہیں (2) اور ظاہر ہے کہ کوئی جماعت یہ حربہ اس وقت تک استعمال نہیں کرتی جب تک کہ مصائب ناقابلِ برداشت حد تک نہ پہنچ جائیں اور مظلوموں کے ضبط و صبر کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے۔ وزارتی مشن نے بھی کانگریس کی دیوی کو خوش کرنے کے لیے مظلوم اچھوتوں کے مفاد سے غداری کی۔

عارضی حکومت کے سلسلہ میں یہ بات بالکل غلط ہے کہ میں نے مسلم لیگ کی طرف سے کوئی فہرست پیش کی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے وائسرائے سے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ میں اپنی فہرست اس وقت تک پیش نہیں کروں گا، جب تک آپس میں سمجھوتا نہ ہو جائے یا سمجھوتا ہونے کی صورت میں اس بات کا یقین نہ دلایا جائے کہ کسی بڑی پارٹی نے اسکیم کو مسترد کر دیا تو وائسرائے دوسری پارٹی کی مدد سے عارضی حکومت قائم کریں گے۔ ایسی صورت میں جب کہ میں نے یہ بات بالکل واضح کر دی تھی، وائسرائے کو اپنی فہرست میں میرا نام شامل کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ وائسرائے نے مجھے شیشہ میں اتارنے کی کوشش کی۔ لیکن میں اس بات پر قائم رہا کہ جب تک میں آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر ہوں، کوئی عہدہ قبول نہیں کروں گا۔

کانگریس نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا اور اس کے بعد مسلم لیگ نے بھی۔ اب ہم سے کہا جا رہا ہے کہ آٹھویں پیراگراف کے معنی وہ ہیں جو درحقیقت نہیں ہیں۔ میں بلاخوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ جب دارالعوام میں سر سٹیفورڈ کرپس سے سوالات کیے گئے تو وہ جواب شافی نہ دے سکے اور انھوں نے الفاظ کے گورکھ دھندے سے ہاؤس کو گمراہ کرنا چاہا۔ مجھے افسوس ہے کہ سر سٹیفورڈ کرپس نے اپنی قانونی صلاحیتوں کا احترام مدنظر رکھا اور آٹھویں پیراگراف کی وہ تشریح کھلی ہوئی بددیانتی پر مبنی ہے۔

25 جون کو رات میں وزارتی مشن سے میری جو ملاقات ہوئی تھی، اسے بہت اہمیت دی جا رہی ہے۔ وائسرائے کے پاس کانگریس کا جواب 25 جون کو 12-11 بجے پہنچ گیا تھا۔ ہمیں بالکل نہیں بتایا گیا کہ عارضی حکومت کے لیے وزارتی مشن کی پیش کش واپس لے لی گئی اور ظاہر ہے کہ یہ پیشکش صرف اسی وقت واپس لی جا سکتی تھی جب دونوں پارٹیاں اسے مسترد کر دیتیں اور ان ملاقاتوں میں الفاظ سے کھیلنے

والے سرسٹیفورڈ کرپس نے آٹھویں پیراگراف کی غلط تاویلات شروع کیں۔ صرف مسٹر الیگزینڈر نے گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ ابھی وزارتی مشن نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے، وہ مسٹر جناح کے خیالات معلوم کرنا چاہتی ہے۔

لارڈ پیتھک لارنس نے دار الامرا میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ مسٹر جناح مسلمانوں کی نامزدگی کے اجارہ دار نہیں ہیں، سوداگر نہیں ہوں۔ میں کسی ملک سے پیٹرول کی اجارہ داری نہیں مانگ رہا ہوں۔ میں کسی بنیے کی طرح مول تول نہیں کر رہا ہوں۔ اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا وزیر ہند کے شایاں نہیں۔ کیا ملت اسلامیہ بھی مالِ تجارت ہے، جس کا کوئی اجارہ دار ہو۔ علاوہ بریں میرا مطالبہ شروع سے یہ ہے کہ عارضی حکومت میں کسی ''کوئزلنگ'' کو شامل نہیں کیا جا سکتا۔ خود وائسرائے نے 22 جون کو صدر کانگریس کو لکھا تھا کہ وہ عارضی حکومت میں کسی غیر مسلم لیگی کو شامل نہیں کریں گے۔ میں لارڈ پیتھک لارنس سے پوچھتا ہوں کہ اگر ''مسٹر جناح'' کو پہلے مسلم نامزدگیوں کی اجارہ داری حاصل تھی تو وہ دو دن بعد کیوں ختم ہوگئی؟ کیا صرف اس لیے کہ کانگریس کو اس پر اعتراض تھا۔

برطانوی حکومت شدید وعدہ خلافی کی مرتکب ہوئی اور اس نے کانگریس کو خوش کرنے کے لیے عارضی حکومت کی تشکیل ملتوی کر دی۔ وزارتی مشن نے جو افسوسناک رویہ اختیار کیا ہے، اسے سامنے رکھتے ہوئے مشن کے ارکان ایمانداری کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ برطانوی حکومت جس نے تجاویز کی تصدیق کی تھی۔ اسلامی ہند کے کسی اعتماد کی مستحق نہیں رہی ہے۔ جب ملک معظم کی حکومت کے ارکان صرف دس دن کے اندر زبان پلٹ کر اپنی ذات اپنی حکومت اور اپنی قوم کو رسوا کر سکتے ہیں تو ہم ان لوگوں پر کیا بھروسہ کر سکتے ہیں۔

حواشی

1۔ حالاں کہ کابینۂ وفد کے ارکان کئی مرتبہ وضاحت کر چکے تھے کہ کوئی صوبہ گروپ سے اسی وقت الگ ہو سکتا ہے، جب دستور ساز اسمبلی بن لے اور نئے انتخابات ہو جائیں، لیکن کانگریس کی طرف سے جواہر لال نے اعلان کیا کہ ہر صوبہ کو حق ہے کہ وہ دستور ساز اسمبلی بننے سے پہلے بھی اپنے گروپ سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔

2۔ اچھوتوں کے مسلمہ لیڈر ڈاکٹر امبیدکر بھی ان سفارشات سے نالاں تھے۔ کیوں کہ اچھوتوں کا سیاسی وجود بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ چناں چہ ناگپور، بمبئی اور دوسرے مقامات پر اچھوتوں نے باقاعدہ سول نافرمانی شروع کر دی، تاکہ حکومت کی اندھی آنکھیں دیکھ سکیں اور بہرے کان سن سکیں، لیکن نہ ان آنکھوں نے دیکھا، نہ اُن کانوں نے سنا۔

کانگریس خفیہ طور پر ایسی تحریک شروع کرنے کی زبردست تیاریاں کر رہی ہے جو 1942ء کی تحریک سے بھی زیادہ خطرناک ہوگی اور اس کے لیے کانگریسیوں کو خفیہ ہدایات بھیج دی گئی ہیں۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے آزاد ہند فوج کے لوگوں سے مدد لی جارہی ہے۔

ایسی صورت میں جب کہ برطانوی حکومت اور کانگریس دونوں اپنے اپنے طریقہ پر مسلح ہیں، ایک کے پاس آتشیں اسلحہ ہیں اور دوسرے کے پاس تحریکِ عوامی کی دھمکیاں۔ مسلم لیگ نے محسوس کیا کہ اس وقت کی سخت ضرورت ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنے طور پر اپنی قوت کو مجتمع کرے چناں چہ پاکستان کے مطالبہ کو پورا کرنے کے لیے وہ بھی تیار ہوگئی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ کانگریس نے 16 مئی کے بیان کی اسکیم کو منظور نہیں کیا ہے اور یہ صدر کانگریس کے مکتوب مورخہ 25 جون کے فیصلے میں شامل ہے اور جس سے اس کو مزید تقویت پہنچتی ہے۔ پھر 17 جولائی کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اس کی تائید بھی کر دی ہے اور سابق و موجودہ صدر کانگریس اور دوسرے چوٹی کے کانگریسی لیڈروں نے اپنی تقریروں میں اسے بالکل پاک صاف کر دیا۔ لہٰذا قدرتی طور پر ہم نے سوچا کہ یہ صورت حال کسی قدر سنگین ہے۔ اسی اثنا میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کے خاتمہ کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے 10 جولائی کو یہ بات واضح کر دی کہ کانگریس کسی چیز کی بھی پابند نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ کانگریس دستور ساز اسمبلی کو آزاد و خود مختار بنانے کے لیے اس میں شرکت کر رہی ہے۔

بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ ہم دستور ساز اسمبلی کے مخالف ہیں۔ حقیقت میں ہمارا مطالبہ یہ رہا ہے کہ دو آزاد خود مختار دستور ساز اسمبلیاں قائم کی جائیں اور اگر ایک آزاد خود مختار دستور ساز اسمبلی ہوگی تو ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک قوم کی اکثریت اپنی کثرتِ تعداد کی بنا ہو جس کا تناسب 1:3 ہے۔ دوسری قوم کی اکثریت پر اپنے فیصلوں کو مسلط کرے گی۔

طویل المدت اسکیم سے مطمئن نہیں ہیں۔ ہمارے نقطۂ نظر کے بہ نسبت دراصل کانگریس کے نقطۂ نظر کے بہت زیادہ موافق ہے۔ سوال صرف یہ تھا کہ اسے قبول کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ ہم نے اسے قبول کر لیا ہے۔ جو کچھ میں پہلے کہہ چکا ہوں اسے پھر دُہراتا ہوں کہ ہم نے اسے پورے علم وقوف کے ساتھ بغیر کسی تذبذب کے قبول کیا تھا، مگر کیوں کیا تھا؟

ہم نے محدود پاکستان کو منظور کر کے زبردست قربانی کی ۔ایسا محدود پاکستان جو دفاع، مواصلات اور خارجی معاملات کے اختیار سے بھی محروم تھا، اس لیے کہ ہمارے پیشِ نظر ہندوستان میں بسنے والے ہر فرقہ کی فلاح تھی اور ہم یہ سمجھتے تھے کہ اس سے کم سے کم مدت میں ہم غیر ملکی اقتدار سے آزاد

مسلم لیگ کی طرف سے قانون شکنی کا فیصلہ

31 جولائی 1946ء

کانگریس کی ہٹ دھرمی، حکومت برطانیہ کی دھاندلی، مسٹر اٹیلی کی غداری اور لارڈ ویول کی بدعہدی کا ایک ہی جواب ہوسکتا تھا کہ مسلم لیگ میدانِ عمل میں اتر آئے۔ چناں چہ لیگ کونسل نے ''راست اقدام'' یعنی سول نافرمانی کی تجویز منظور کر لی۔ راست اقدام کی تفصیلات طے کرنے کے لیے، ایک کمیٹی قائداعظم نے نامزد کردی، جس کے ممبران نواب اسمٰعیل خاں، لیاقت علی خاں اور چودھری خلیق الزماں تھے۔

لیگ کے اس فیصلہ نے سارے ہندوستان میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ حکومت برطانیہ بھی دم بخود رہ گئی۔ وہ اس کا گمان بھی نہیں کرسکتی تھی کہ قائداعظم جیسا آئین پسند شخص، قانون شکنی بھی کرسکتا ہے۔

اس تجویز کی وضاحت قائداعظم نے ایک پریس کانفرنس میں فرمائی۔

رئیس احمد جعفری

ہم سمجھوتے کے لیے بہترین کوشش کر چکے ہیں۔ اب اگر مزید کوئی اقدام ہونا ہے تو وہ برطانوی حکومت یا کانگریس کی طرف سے ہونا چاہیے۔

پریس کانفرنس میں قائداعظم نے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے فیصلے پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ امر واضح کیا کہ براہ راست اقدام کا فیصلہ کسی کے خلاف اعلانِ جنگ نہیں ہے۔ ریزولیوشن مذکور محض ایک بیان ہے، جس میں وہ کارروائی ظاہر کی گئی ہے۔ ہم اپنے وجود کے بقا و تحفظ کے لیے اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

کانگریس نے وزارتی مشن کے 16 مئی کے بیان کو جس طرح قبول کرنا نہیں ہے، کیوں کہ یہ مشروط ہے اور اس وجہ سے مسترد کرنے یا زیادہ صحیح یہ کہ جوابی پیشکش کے برابر ہے۔

ہو جائیں گے اور ہم سب کی گلو خلاصی ہو جائے گی۔ ہم نے جو کچھ کیا، پوری طرح سوچ سمجھ کر کیا اور یہ اس کے قبول کرنے کا ایک سبب تھا۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ ہم نے سوچا کہ اگر ہمیں قربانی بھی کرنا پڑے تو لڑائی جھگڑے، خونریزی اور جمود و تعطل کے سد باب کے لیے کرنا چاہیے۔ ہم نے خیال کیا، پرامن اور دوستانہ تصفیہ زیادہ قیمتی ہے۔ چناں چہ ہم نے رضا کارانہ طور پر مرکزی یونین کو تینوں اختیارات تفویض کر دیے۔

اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جب ہم نے یہ فیصلہ کر لیا تو وزارتی مشن اور وائسرائے 16 جون کے بیان کے سلسلہ میں اپنے عہد سے دس دن کے اندر پھر گئے۔ حالاں کہ اعلان یہ کیا گیا تھا کہ یہ بیان واقعی اور فیصلہ کن ہے۔ انھوں نے اس کے پیراگراف نمبر 8 کو بد دیانتی کے ساتھ خلاف حقیقت معنی پہنائے اور اب میں دیکھتا ہوں کہ انھوں نے ایک نئے لفظ کا انکشاف کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان تجاویز کی مدت ختم ہو گئی۔ کیوں ہو گئی، اس لیے نہیں کہ مسلم لیگ نے بیان مذکور کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ اس لیے کہ کانگریس نے 16 مئی کے بیان کو منظور کیا۔

وزارتی مشن کے ارکان اور وائسرائے جیسے تجربہ کار آدمی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ قبولیت قبولیت ہے۔ مگر میں آپ کو بتاتا ہوں کہ انھوں نے ایسا کیوں سمجھا محض اس لیے کہ ڈوبتے کو تنکے کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ انھوں نے برطانوی پارلیمنٹ اور دنیا کو دھوکا دیا۔

وزارتی مشن ہمارے اعتماد کو متزلزل کر چکا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ کانگریس کی دھمکیوں جو گفت و شنید کے دوران میں وہ دیتی رہی ہے، سے مرعوب و مجبور ہو کر اس کے سامنے جھک گیا ہے۔

کانگریس عام سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے کے لیے اپنے آپ کو منظم کر رہی ہے۔ پوری تیزی کے ساتھ تیاریاں ہو رہی ہیں۔ آزاد ہند فوج کے آدمی بلائے جا رہے ہیں۔ ان کو بھرتی کیا جا رہا ہے۔ ان کی مالی امداد کی جا رہی ہے اور تمام ملک میں انھیں بھیجا جا رہا ہے۔ مختلف دوسری جماعتیں مقرر اور قائم ہو چکی ہیں اور وہ ضروری قواعد اور جسمانی تربیت کا کام کر رہی ہیں۔ موقعہ موقعہ ہر شخص سے کہا جا رہا ہے کہ اگر ہمارے مقصد کے حصول میں رکاوٹ پیدا کی گئی تو ہم جدوجہد شروع کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں جو 1942ء کی جدوجہد سے ہزار گنا سخت ہو گی۔

صرف مسلم لیگ ایک ایسی جماعت ہے جو نہایت احتیاط کے ساتھ آئینی طریقہ پر قائم اور آئینی طریقے اختیار کرتی اور آئین پسندی پر اعتماد کرتی چلی آئی ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اس کانفرنس میں اور گفت و شنید میں آئین پسندی اور آئینی طریقوں سے اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے رہے۔ مگر ہم نے دیکھا کہ برطانوی مشن وائسرائے اور برطانوی حکومت کے سر پر کانگریس کی دھمکیوں کی تلوار لٹکی ہوئی ہے

اوراس پر ان کا جادو چل رہا ہے اور انھوں نے یہ سمجھا کہ اگر کانگریس کو ٹھنڈا نہیں کیا گیا تو یہ ایسی جدوجہد شروع کردے گی جو 42ء کی جدوجہد سے ہزار گنا زیادہ سخت ہوگی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم اس طرح بیٹھے رہیں اور ہمارے ہاتھ پیر بندھے رہیں۔ برطانیہ کے پاس مشین گنیں ہیں اور وہ اپنی قوت کو جس طرح چاہیں تعمیر کریں، کوئی عدالت نہیں جہاں ہم اس کے خلاف اپیل کریں وہ اپنے قول وعمل میں آزاد و مختار ہے۔ دوسری پارٹی کانگریس ہے وہ پوری طرح دوسری قسم کے ہتھیار کو استعمال کرے گی۔ دشمن کو معمولی اور حقیر نہیں سمجھنا چاہیے اس لیے اب ہم اپنے حفظ و بقا کے لیے آئینی طریقوں کو خدا حافظ کہنے پر مجبور ہیں اور اب ہم نے یہ طے کیا ہے کہ براہ راست اقدام کی تیاریاں اور عمل ہماری پالیسی و پروگرام کا جزو ہوگا۔

کانگریس سرکاری دستاویز کے متعلق اپنی تعبیر کو آسام اسمبلی کی کانگریس پارٹی کو یہ ہدایت دے کر عملی جامہ پہنا چکی ہے۔ ایوانِ اسمبلی میں یہ تجویز منظور کی جائے کہ صوبوں کی گروپ بندی سے آسام کو کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ کانگریس ہائی کمانڈ کی حاکمیت کے ماتحت آسام اسمبلی کی یہ قطعی اور واضح کارروائی ہے۔ (1)

وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس نے 16 مئی نشری تقریر میں کہا کہ مشن تجاویز پاکستان کے فوائد اس کے نقصانات سے محفوظ رہتے ہوئے ممکن بناتی ہیں اور تمام جماعتوں کے ہندوستانیوں کو دعوت دی تھی کہ وہ دستور سازی کے کام میں حصہ لیں۔ مسلم لیگ نے بھی سمجھا تھا کہ گروپ بی اور سی سے مرکزی یونین کے تین مضامین نکال کر پاکستان بن جائے گا اور وہ اس پر رضامند ہو گئے کہ دس سال تک مرکزی یونین کے اختیارات انھی تینوں مضامین تک رہیں گے۔ لیکن پنڈت نہرو نے اسی وقت سے یہ واضح کر دیا کہ کانگریس اپنے آپ کو صرف ان تینوں مضامین تک محدود رکھنے کی پابند نہیں ہے، بلکہ مرکزی یونین کے اختیارات اور اس کی طاقت کو وسیع کرنے کی اسے آزادی ہوگی۔ (2)

مسلم لیگ کے ریزولیوشن پر غیر ملکی اخبارات کے ردعمل کے متعلق قائداعظم نے فرمایا کہ میں برطانوی اخبارات سے یہ توقع نہیں کرسکتا کہ وہ کہیں گے کہ مشن عہد شکنی کے جرم کا مجرم ہے۔ اس پر ان کا تبصرہ قدرتی طور پر یہ ہونا چاہیے تھا کہ مسلم لیگ کا فیصلہ سنگین ہے اور ہے بھی میرا خیال کہ یہ چیز اصل حالات سے ناواقفیت کے سبب سے ہے۔ جب کچھ اخبارات جمہوریت کے چرچے کرتے ہیں تو وہ ہندوستان کے حقائق کو بھول جاتے ہیں۔ اگر ہندوستان ایک ایسا ملک ہوتا جس کے تمام حصے یکساں ہوتے اور ایک قوم آباد ہوتی تو جمہوریت کی گفتگو کی گنجائش تھی۔ لیکن ہندوستان برکوچک ہے جس میں مختلف قومیں رہتی ہیں اور اس کا اعتراف لارڈ پیتھک لارنس نے پارلیمنٹ کے حالیہ مباحثہ میں کیا ہے اور یہی ہماری ساری تکلیفوں کی جڑ ہے۔ جب ملک میں دو یا دو سے زیادہ قومیں آباد ہوں تو جمہوریت کی گفتگو

کس طرح کی جاسکتی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اکثریت والی قوم دوسری قوم کے لیے ہر معاملہ کا فیصلہ کرے گی۔ خواہ وہ اس کے خلاف کیسی ہی متفق الرائے اور ہم آواز ہو۔ اگر تمام مسلمان یہ کہیں کہ ہم اس کو منظور نہیں کرتے، جب بھی اکثریت کا فیصلہ مسلمانوں پر مسلط ہو جائے گا، کیوں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں تناسب تین ایک کا ہے۔ اگر ایک قوم ہوتی تو کوئی جھگڑا ہی نہیں تھا۔ ان دونوں قوموں کو مغربی جمہوریت سے جانچا جاسکتا۔

جب آپ سے پوچھا گیا کہ مسلم لیگ دوسری سامراج مخالف جماعتوں مثلاً کانگریس سے اشتراکِ عمل کرے گی تو آپ نے فرمایا کہ کانگریس کی براہِ راست کارروائی برطانیہ کے خلاف نہیں ہوتی۔ مختلف مواقع پر کانگریس نے جو براہِ راست کارروائی کی ہے، وہ اور 1942ء کی تحریک برطانیہ کو ڈرانے، مرعوب کرنے اور مسلم لیگ نظر انداز کر کے اپنے مطالبات تسلیم کرانے کے لیے تھی اور یہی وہ اب بھی کر رہی ہے اور اسی سے وزارتی مشن مرعوب اور خوفزدہ ہوا۔ کانگریس نے برطانوی حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ ہندوستان کو چھوڑ کر چل دے۔ اب وہ کس طرح خودداری کے ساتھ ایسی عارضی حکومت کو منظور کر سکتی ہے جو 1919ء کے آئین کے ماتحت قائم ہوگی۔ (3) مگر وہ اس کے لیے شملہ میں تیار تھی۔ بشرطیکہ مسلم لیگ کو نظر انداز کر دیا جائے۔

سوال کیا گیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ریزولیوشن کے بعد گفت وشنید کا امکان ختم ہو گیا ہے۔ آپ نے جواب دیا، باہر دیکھیے، دوسری قومیں کیا کر رہی ہیں؟ وہ انتہائی طور پر مسلح ہیں، یہاں تک کہ ایٹم بم بھی ان کے پاس ہیں۔ مگر کیا وہ بحث و گفتگو نہیں کر رہی ہیں اور اسی کے ساتھ جنگی تیاریوں میں بھی مصروف نہیں ہیں؟ کیا حکومت ہند ہر اس جماعت کو جسے وہ چاہے کچلنے کی تیاریاں نہیں کر رہی ہے۔ آپ صرف مسلم لیگ سے یہ کیوں چاہتے ہیں کہ وہ ہاتھ باندھے ہی بیٹھی رہے اور اپنی تیاری نہ کرے۔ مسلم لیگ بھی ہر صورت حال کے لیے تیار رہنا چاہتی ہے۔

سوال کیا گیا کہ مجوزہ براہ راست اقدامِ تشدد کے ساتھ ہوگا یا بغیر تشدد کیے تو قائداعظم نے فرمایا کہ میں اخلاقی اصولوں پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔

سوال کیا گیا کہ کیا یہ فیصلہ نا قابلِ تنسیخ ہے؟

آپ نے فرمایا کہ اگر آپ سیاستدان ہیں تو مجھ سے یہ سوال نہیں کریں گے۔

ایک اور سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ براہ راست اقدام میں ہم ہر اس شخص کو اپنے ساتھ ساتھ شامل کر لیں گے جو ہمارے ساتھ شامل ہونے کو تیار ہوگا۔

سوال: کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ کانگریس سے مفاہمت کی گفت وشنید کا کوئی امکان ہے؟

آپ نے کہا کہ میں نے اپنے امکان بھر کوشش کر لی۔ اب پہل یا تو برطانوی حکومت کی طرف سے ہونی چاہیے یا کانگریس کی طرف سے۔

سوال کیا گیا کہ عارضی حکومت کی تشکیل کے سلسلہ میں آپ کو وائسرائے کا کوئی خط موصول ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا: ہاں، ایک خط موصول ہوا ہے، مگر مجھے لکھا گیا کہ یہ بالکل پرائیویٹ ہے۔ آپ نے اس خط کی نوعیت پر گفتگو کرنے سے انکار کر دیا۔

حواشی

1۔ آسام بنگال کے گروپ میں شریک تھا، لیکن کانگریس نے اسے اس گروپ سے علیحدہ ہو جانے کا حکم دیا۔

2۔ یہ بھی کانگریس کی کھلی ہوئی دھاندلی تھی، کیوں کہ کابینۂ وفد کی سفارشات کے بموجب وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی اور ان سفارشات کو اُس نے قبول کرنے کا اعلان بھی کر دیا تھا۔

3۔ جو اسمبلی کے سامنے نہیں بلکہ وائسرائے کے سامنے جواب دہ ہوگی۔

***

نام نہاد قومی حکومت کا قیام!

کانگریس اور مسٹر اٹیلی کی سازش

26 اگست 1946ء

اور......

اور پھر ایک دن کانگریس اور اٹیلی کی سازش رنگ لائی۔ لارڈ ویول نے تمام گزشتہ اعلانات کے برعکس اور تمام یقین دہانیوں کو نظرانداز کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو کو تشکیل وزارت کی دعوت دے دی۔

اس مبارک موقع پر وائسرائے اور پنڈت نہرو دونوں نے مسلم لیگ کو شریک وزارت ہونے کی دعوت دی، لیکن اس نے پائے حقارت سے یہ دعوت ٹھکرا دی۔

مسلم لیگ وزارت کی بھوکی نہیں تھی۔ وہ چاہتی تھی، کانگریس کابینہ وفد کی تجویزوں کو اگر قبول کرتی ہے تو گروپنگ کے اصول کو بھی مانے۔ کانگریس کہتی تھی، ہم کابینۂ وفد کی تجویزیں قبول کرتے ہیں، لیکن گروپنگ کو نہیں مانتے۔ قائداعظم کا ارشاد تھا، پھر تم تجاویز ہی کو نہیں مانتے۔

اس دھاندلی اور ہٹ دھرمی کے باوجود وائسرائے نے حکومت کانگریس کو سونپ دی۔ یہ بڑا نازک اور کٹھن وقت تھا۔ اگر اس وقت قائداعظم ذرا بھی کمزوری دکھاتے تو پاکستان ایک خواب ہی رہ جاتا۔ ایک ٹھوس اور اٹل حقیقت کبھی نہ بن سکتا۔ لیکن کمزوری قائداعظم کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتی تھی، انھوں نے اس سازش کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔

ذیل کا بیان اسی موقع پر قائداعظم نے جاری فرمایا تھا۔

رئیس احمد جعفری

وائسرائے کی نشریاتی تقریر نے مسلم لیگ اور مسلم ہندوستان پر ایک ضرب کاری لگائی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمانانِ ہند اسے پوری ہمت اور جوانمردی کے ساتھ برداشت کریں گے اور عارضی حکومت

اور آئین ساز اسمبلی میں اپنا باعزت اور انصاف کے مطابق مقام حاصل کرنے میں اپنی ناکامی سے سبق حاصل کریں گے۔

وائسرائے نے جو قدم اٹھایا ہے، وہ انتہائی غیر دانش مندانہ اور غیر مدبرانہ ہے اور وہ خطرناک اور نازک ترین نتائج سے مملو ہے۔ انھوں نے تین مسلمانوں کو نامزد کر کے (1) اور مزید دو مسلمانوں کو جن کے ناموں کا اعلان کیا جانا باقی ہے، مسلمانوں پر زخم لگانے کے ساتھ ہی ان کی توہین بھی کی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ انھیں (نامزد کردہ مسلم ممبروں کو) مسلم ہندوستان میں کسی قسم کی وقعت اور اعتماد حاصل نہیں۔

مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ ہندوستان کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس کا مطلب دونوں بڑی قوموں کی صحیح آزادی اور دونوں ریاستوں میں اقلیتوں کے لیے ہر ممکن تحفظ ہے۔

میں پھر اپنے سوال کو دُہراتا ہوں کہ وائسرائے اور وزارتی وفد اپنے 16 جون کے بیان سے جسے قطعی و آخری بتایا گیا تھا اور 20 جون کے خط میں مسلم لیگ کو جن باتوں کا یقین دلایا گیا، ان سے کیوں پھر گئے۔ 16 جون اور 22 جولائی کے وقفہ میں کون سی ایسی بات تھی جس کے باعث وائسرائے نے اس فارمولا میں اہم تبدیلیاں کرنا ضروری سمجھا۔ نیز 22 جولائی اور 24 اگست کے درمیانی عرصہ میں کون سی ایسی چیز ہوئی ہے، جس کی بنا پر وہ آگے بڑھے ہیں اور بالجبر ایک پارٹی کی حکومت قائم کر دی ہے۔

وائسرائے نے اپنے نشریہ میں کہا ہے کہ میں ان لوگوں سے خطاب کر رہا ہوں، جن کا یہ مشورہ تھا کہ اس وقت اور اس طریقہ پر یہ قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔ میں بھی ان بدقسمت لوگوں میں سے تھا، میں اب بھی ان پر قائم ہوں۔

وہ (وائسرائے) ابھی تک یہی راگ الاپ رہے ہیں کہ ہم برطانوی حکومت کی اس خاص پالیسی کے خلاف نہیں کہ ملک معظم کی حکومت ہندوستان کو خود اپنی منزل پر پہنچنے کے لیے آزاد کر کے اپنے مواعید پورے کرے۔ بے شک ہم ہندوستان کے لوگوں کی آزادی کے مخالف نہیں اور ہم نے یہ امر واضح کر دیا ہے کہ مسئلہ ہند کا واحد حل ہندوستان کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کرنا ہے۔ جس کا مطلب دونوں بڑی قوموں کے لیے حقیقی آزادی اور اقلیتوں کے لیے دونوں ریاستوں میں ہر ممکنہ تحفظ ہے۔

مشترکہ حکومت قائم کرنے میں اپنی ناکامی سے وائسرائے کو صدمہ پہنچا ہے۔ مجھے اس باب میں ان سے بھی زیادہ رنج ہے۔ مگر میرے رنج کا سرچشمہ مختلف ہے اور اس کے اسباب بھی مختلف ہیں۔ مجھے مسرت ہے کہ وائسرائے یہ سمجھتے ہیں کہ اصل ضرورت مشترکہ حکومت کی ہے، جس میں دونوں بڑی جماعتوں کو نمائندگی حاصل ہو اور مجھے اس پر بھی مسرت ہے کہ انھوں نے یہ بات پنڈت جواہر لال نہرو اور کانگریس کی جانب سے بھی کہی ہے کہ ان کی طرح کانگریس کا بھی یہ پکا خیال ہے کہ وہ حکومت میں

شامل ہونے کے لیے مسلم لیگ کو ترغیب دینے کی کوشش جاری رکھیں گے۔ وائسرائے نے اپنی نشریاتی تقریر میں کہا ہے کہ جو پیشکش کی گئی ہے، وہ ابھی تک قائم ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وائسرائے کا اس سے کیا مطلب ہے، سوائے اس کے کہ مسلم لیگ کو پانچ نشستیں ملیں گی۔ یہ بالکل مبہم ہے اور اس کے علاوہ کوئی بات صاف طور پر بیان نہیں کی گئی۔

انھوں نے بہت سی دیگر چیزوں کا حوالہ دیا ہے، جن کے متعلق اس وقت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک کہ دستور ساز اسمبلی کا تعلق ہے، میں نہیں سمجھتا کہ وائسرائے کا ان الفاظ سے کیا مطلب ہے کہ ''پھر آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ لیگ کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ صوبوں اور گروپوں کا آئین بنانے میں 16 مئی کے بیان میں پیش کردہ طریق کار پر دیانتداری کے ساتھ عمل کیا جائے گا۔''

پھر آگے چل کر وہ (یعنی وائسرائے) کہتے ہیں کہ 16 مئی کے بیان میں پیرا15 میں آئین ساز اسمبلی کے لیے جو بنیادی اصول تجویز کیے گئے ہیں، ان میں تبدیلی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوسکتا۔ پھر وہ کسی کی آواز پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کانگریس اس بات پر رضامند ہونے کے لیے تیار ہے کہ کسی قسم کے نزاع یا الفاظ کی ترجمانی کو فیڈرل کورٹ میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ (2)

لیکن ہم ان شرائط اور بنیادی اصولوں پر جو 16 مئی کے بیان میں تجویز کیے گئے ہیں، کس طرح سمجھوتا ہونے کی توقع کر سکتے ہیں، جب کہ ایک پارٹی مشن کے 16 مئی کے مستند بیان میں پیش کردہ شرائط اور اصولوں کے معنی دوسرے لے رہی ہو اور دوسری پارٹی اس کا دوسرا مطلب لیتی ہو۔ جو 25 مئی کے بیان کے زیادہ مطابق ہو۔ لیکن وہ بڑی صفائی کے ساتھ کہتے ہیں کہ کسی قسم کے جھگڑے اور (غلط) ترجمانی کو فیڈرل کورٹ میں پیش کرنے کے بارے میں کوئی دفعہ نہیں رکھی گئی ہے اور دوسرے یہ کہ دونوں جماعتیں ابتدا ہی میں اہم بنیادی اختلاف رکھتی ہیں اور بنیادی شرائط کی مختلف ترجمانی کرتی ہیں۔

کیا ہم ان جھگڑوں اور مقدمات کو فیڈرل کورٹ میں لے جا کر آئین ساز اسمبلی کی کارروائیوں کی ابتدا کریں گے۔ کیا اس جذبے کے تحت اس برکوچک کے 40 کروڑ انسانوں کے لیے مستقبل کا آئین وضع کیا جائے گا۔

حواشی

1۔ یہ تین مسلمان یہ تھے:

1۔ سر شفاعت احمد خان

2۔ سیّد علی ظہیر

3۔ مسٹر آصف علی

2۔ قوموں اور ملتوں کے مستقل کا فیصلہ عدالتیں نہیں کرتیں اور فیڈرل کورٹ، جس کے چیف جسٹس سر مارس گائر، ہندو نوازی میں مسٹر اٹیلی سے کسی طرح کم نہ تھے۔

''اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے!''

پیامِ عید!

29 اگست 1946ء

یہ پیام ایک نہایت غم انگیز موقع پر دیا گیا ہے، جب مرکز میں مسلم لیگ کو نظر انداز کر کے نام نہاد قومی حکومت کی تشکیل پنڈت جواہر لال نہرو کر چکے ہیں اور وائسرائے، نیز حکومت برطانیہ کی پوری تائید انھیں حاصل ہے۔

رئیس احمد جعفری

اس مبارک اور سعید موقع پر میں تمام مسلمانوں کو تہِ دل سے ''عید مبارک'' کا ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں اور ان کی عظمت و اقبال مندی کے لیے دست بدعا ہوں۔ رمضان کا پاکیزہ مہینہ جسے تمام مسلمانوں نے کمال استقلال اور خود اعتمادی کے ساتھ گزارا اور ختم ہو گیا ہے۔ یہ مبارک مہینہ بجائے خود علم و معارف کا سرچشمہ اور مسلمانوں کو ایک بصیرت افروز پیام دیتا ہے کہ سخت کوشی، رنج و محن، صعوبتوں اور قربانیوں کے بغیر کوئی شخص اپنی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ یہ مبارک مہینہ اسلامیان ہند کو نظم و ضبط کا ایک زبردست درس دیتا ہے۔ اب ہمیں حقائق پر نظر ڈالنی ہے اور میں مسلمانوں سے التجا کروں گا کہ وہ ایک منظم، باعظمت اور تربیت یافتہ قوم کی طرح اپنی تمام قوتوں کو ایک مرکز پر مجتمع کریں۔ مصیبتیں جھیل کر اور قربانیاں دے کر اپنے راستے سے تمام رکاوٹیں دور کریں۔ اس کے سوا آزادی کی اور کوئی شاہراہ نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج اس مبارک موقع پر تمام اسلامیانِ ہند مرد، عورتیں، بوڑھے، جوان اور بچے ایک تربیت یافتہ سپاہی کی طرح پوری مستعدی کے ساتھ زندگی کے تمام تعلیمی، ترقی، معاشرتی اور سیاسی شعبوں میں کام کرنے کا عہد کریں، تاکہ دس کروڑ مسلمانوں کی اس زندہ جاوید قوم کو اپنے درخشندہ ماضی اور تاریخی روایات کے مطابق عظمت و سربلندی حاصل ہو۔

آج ہمارے سیاسی افق پر تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ سلطنت برطانیہ اور وائسریگل لاج کی

کارروائیاں صیغۂ راز میں ہیں، ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہمارے حق نمائندگی کو مسخ کیا گیا ہے۔ ہمیں ہر طرف سے دھمکیاں دی جارہی ہیں۔ وائسرائے نے متشددانہ طرزِ عمل اختیار کیا ہے اور مسلم لیگ کو نظرانداز کر دیا ہے۔ مسلم لیگ کو موردِ الزام بنانے کے لیے نہایت وسیع پیمانہ پر ایسا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے، جس کو انصاف پسندی اور صداقت سے ذرہ بھر بھی تعلق نہیں ہے۔ حکومت برطانیہ کے ارباب حل و عقد اور جناب وائسرائے نے کانگریس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ہیں اور اب ان کے لیے کھلے الفاظ میں صرف اعلان کرنا باقی رہ گیا ہے کہ ہم سب ذمہ داریوں سے دست کش ہو چکے ہیں اور اس ملک کی حکومت اونچی ذات کے ہندوؤں کو سونپنے والے ہیں۔ برطانوی عوام الناس محض تاریکی میں ہیں اور پارلیمنٹ کو تفریح و تفنن میں مصروف کر دیا ہے۔ ہمارے لیے نہایت نازک اور خطرناک حالات پیدا ہو چکے ہیں۔ ہمیں ان نامساعد حالات کا ایک منظم اور متحد قوم کی طرح مقابلہ کرنا ہے اور کامیابی حاصل کرنی ہے۔ میں کامل یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر ہم دس کروڑ مسلمان متحد و منظم ہو جائیں تو ہمارے مخالفین کی تمام سازشیں اور تدبیریں بری طرح ناکام ہوں گی اور ہم اس جدوجہد میں فتح یاب ہوں گے۔ ہم پاکستان حاصل کر کے رہیں گے، کیوں کہ ہماری مشکلات کا واحد حل پاکستان ہے اور اس کے بغیر ہم نیست و نابود ہو جائیں گے۔

ہم نے دلائل پیش کیے، اسباب و علل بیان کیے۔ ہم نے رواداری سے درخواستیں کیں اور حتی الامکان مراعات دیں، لیکن بے سود۔ اب ہمارے سامنے ایک صبر آزما جدوجہد ہے اور ہمیں نہایت تہور و استقلال اور بلند حوصلگی سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ یہ مقابلہ نظم و ضبط کے ساتھ کیا جائے گا۔ ہمیں اپنی پسپائی اور ناکامی سے مایوس نہیں ہونا چاہیے اور نہ اپنی فتح یابی پر مغرور ہونا چاہیے۔

ہمارے مطالبات حق و انصاف پر مبنی ہیں اس لیے ہم کبھی خاسر و ناکام نہیں ہو سکتے۔ میں ہر مسلمان سے التجا کرتا ہوں کہ ایسے نازک موقع پر قطعی طور پر مسلم لیگ میں شامل ہو جائے۔ ہماری صفوں میں کسی قسم کی باہمی ناراضی اور مخاصمت نہیں ہونی چاہیے۔ اس وقت ہمیں ایک متحد و منظم قوم کی طرح ایک پرچم کے نیچے ایک پلیٹ فارم پر کھڑا ہونا چاہیے اور بلند کردار آدمیوں کی طرح اپنے لائحہ عمل اتحاد و خوداعتمادی اور نظم و ضبط کے ماتحت ہر قسم کی صعوبتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے عزم بالجزم کر لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔

مسلم سیاسی جماعتوں سے اتحاد کی اپیل!

30 اگست 1946ء

قیصر باغ بمبئی میں بسلسلہ جشن عید قائد اعظم کا حالاتِ حاضرہ پر مدبرانہ تبصرہ۔
رئیس احمد جعفری

حضرات! ''عید مبارک'' کا ہدیہ تبریک پیش کر چکا ہوں۔ بلاشبہ اسلامی دنیا کے لیے آج کا دن مسرت وشادمانی کا دن ہے، لیکن ہم حقائق سے چشم پوشی نہیں کر سکتے۔ آج ہمارے سروں پر سیاہ بادل کا ایک ٹکڑا منڈلا رہا ہے۔ ایسے نازک حالات میں مَیں اسلامیانِ ہند سے درخواست کروں گا کہ وہ آنے والے خطرات کو محسوس کریں اور اپنے اختلاف کو بھول جائیں، شانہ سے شانہ ملا کر سارے ملک میں متحد و منظم ہو جائیں اور اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ میں جمعیۃ العلما ہند، مجلس احرار، خاکسار اور مسلم مجلس سے اپیل کرتا ہوں کہ اسلام کی فلاح و سربلندی کی خاطر متحد ہو جائیں اور مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں۔

ہمارے مخالفین اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم میں اتنی قوت و طاقت نہیں ہے کہ مردانہ وار حالات کا مقابلہ کر سکیں گے۔ ہمیں یہ غلط فہمی دور کرنی ہے اور انھیں احساس دلانا ہے کہ انھوں نے اسلامیان ہند کے عزم استقلال کا کتنا غلط اندازہ لگایا تھا۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اگر ہم متحد و منظم ہو کر مقابلہ کے لیے کمر بستہ ہو جائیں تو مخالفین کی تمام طاغوتی سازشوں کو بُری طرح ناکام بنا دیں گے۔ ہمارے مطالبات حق و انصاف پر مبنی ہیں اور خدا ہمارے ساتھ ہے۔ دس کروڑ مسلمانوں کی زندہ اور جاوید قوم مٹائی نہیں جا سکتی۔ اگر ہم منظم ہو کر ایک پرچم تلے جمع ہو جائیں تو ہم اپنے محبوب نصب العین کو حاصل کر کے رہیں گے۔ خواہ ہمیں کتنی ہی مصیبتوں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑے۔ ہم پاکستان حاصل کریں گے۔ پاکستان کے بغیر مسلمانانِ ہند تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

مسلم ہندوستان کو حکومت برطانیہ کی بدعہدیوں اور وعدہ خلافیوں نے ورطۂ استعجاب میں ڈال دیا ہے۔ ہم نے اگست 1940ء کے اعلان کے ماتحت اُن سے یہ وعدہ لے لیا تھا کہ جب تک ہندوستان کی بڑی سیاسی جماعتوں اور قومی زندگی کے دوسرے اہم عناصر میں کوئی سمجھوتا نہ ہو جائے، حکومت کے اختیارات کسی ایک پارٹی کے نام منتقل نہیں کیے جائیں گے۔ اس اعلان میں یہ بھی تحریر ہے کہ جب تک ہندو مسلم سمجھوتا نہیں ہوگا، ہندوستان کے لیے کوئی نیا آئین متشکل نہیں کیا جائے گا۔ نا صرف یہ بلکہ جب تک ملک کے قومی زندگی کے اہم عناصر آپس میں کوئی سمجھوتا نہ کرلیں۔ نیا دستور مرتب کرنے کی مشینری بھی معرضِ وجود میں نہیں آسکتی۔ لیکن آج حکومت برطانیہ نے اس صاف اور واضح اعلان کے پرزے پرزے کردیے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں اسلامیانِ ہند اور مسلم لیگ کو یہ زبردست دھکا دیا گیا ہے۔ لیکن مجھے کامل یقین ہے کہ ہم اسی مستعدی سے آگے بڑھتے جائیں گے۔ ہمارے راستہ میں کوئی چیز مزاحم نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی چیز ہمیں اپنے نصب العین سے منحرف کر سکتی ہے۔ ہم تمام رکاوٹوں کا مقابلہ کریں گے، مصائب جھیلیں گے، یہاں تک کہ آگ کے شعلوں کو بھی پار کر کے آگے نکل جائیں۔ راستہ میں ہمیں ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ہمیں نقصانات بھی برداشت کرنا پڑیں گے۔ لیکن کوئی چیز ہمارے راستے میں حائل نہ ہو گی۔ کوئی چیز ہمیں مغلوب نہ کر سکے گی۔

وائسرائے کی تقریر جو انھوں نے عبوری حکومت کے سلسلہ میں 24 اگست کو دہلی سے نشر کی تھی۔ بعض لوگوں نے جب اسے ریڈیو پر سنا تو بہت متاثر ہوگئے تھے۔ لیکن جب وہی چیز اخبارات میں شائع ہوئی اور اس پر غور و خوض کیا گیا تو اس کی اصلیت کھل گئی، بلاشبہ تقریر کے الفاظ بہت چالاکی سے مرتب کیے ہوئے تھے۔ وائسرائے نے اپنا وعدہ ایفا نہ کر کے اور اس کے ساتھ مسلم لیگ کو نظرانداز کر کے دوہری بدعہدی کا ثبوت دیا۔ میں نہیں جانتا کہ برطانوی حکومت یا مزدور پارٹی اصل حالات سے واقف ہے یا نہیں۔ لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برطانوی عوام اور برطانوی پریس کو حقائق کی طرف سے تاریکی میں رکھنے کے لیے درپردہ کوئی تحریک کام کر رہی ہے۔ وائسرائے کا طرزِ عمل 1940ء کے اعلان سے ایک شرارت آمیز انحراف ہے۔ یہ اعلان برطانوی حکومت نے تیار کیا تھا اور اس کی ترتیب میں مزدور پارٹی بھی شریک تھی۔

آج کانگریس خوش ہے کہ اس کی دلی مراد پوری ہوگئی اور مسلم لیگ کو نظرانداز کرانے میں کامیاب ہوگئی۔ اگر برطانوی حکومت کانگریس کی نخوت و خودنمائی کو متحرک کر کے خوش ہے اور اس سے سودا بازی کی متمنی ہے تو ہم بھی خوش ہیں۔ ہم اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل نے غیر مطمئن ہونے کے باوجود طویل المیعاد اور قلیل المیعاد تجاویز کو صرف اس لیے منظور کر لیا تھا کہ وائسرائے کے 3 جون کے وعدے کے مطابق کوئی قابلِ عمل فیصلہ ہو جائے گا، لیکن اس کے بعد انھوں نے اصل تجاویز میں تغیر و تبدل کر کے اپنے وعدے سے انحراف کیا۔ اس کے بعد فی الفور مرکز میں عبوری حکومت بنانے کا اعلان کر دیا۔ کانگریس نے قلیل المیعاد اسکیم کو مسترد کر دیا، لیکن طویل المیعاد سکیم کو منظور کر لیا۔ اس کی یہ منظوری محض دکھاوے کی منظوری تھی۔ بہ ایں ہمہ وزارتی کابینہ کے وفد نے بدعہدی کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام کارروائی کے پیچھے کوئی پراسرار ہاتھ تھا۔ یہ کانگریس کے ساتھ خفیہ ساز باز تھی۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ وزیر ہند اپنے دونوں خصوصی ساتھیوں اور وائسرائے کے ساتھ اپنے صاف و صریح وعدوں کی موجودگی میں کسی طرح بدعہدی پر آمادہ ہو گئے۔ اب مسلم لیگ سے بدعہدی کرنے کے بعد وائسرائے نے کانگریس کے ساتھ عہد و پیمان کی تکمیل کر لی ہے اور مسلم لیگ کو نظر انداز کر دیا۔

حاشیہ

1۔ یہ بھی ایک نیشنلسٹ جماعت تھی، جس کے صدر مسٹر عبدالمجید خواجہ تھے۔

***

تاریخ شقاوت کا سب سے زیادہ لرزہ خیز باب

مسلمانانِ بہار کا قتلِ عام

6 نومبر 1946ء

پاکستان، تخیل سے حقیقت کی طرف منتقل ہو رہا ہے!

پاکستان کا قیام اب روز بروز اٹل ہوتا جا رہا ہے!

لیکن.......

ہندوستان کے مسلمانوں سے اپنی قیمت بھی طلب کر رہا ہے!...... کٹی ہوئی گردنوں، لٹی ہوئی عصمتوں اور بے گور و کفن لاشوں کی صورت میں۔

اور مسلمان یہ قیمت خوشی خوشی دے بھی رہے ہیں!

اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے بارہا کہا تھا، گو ہمیں ہندو اکثریت کا بہرحال غلام بن کر رہنا ہے لیکن جن مقامات پر مسلمانوں کی اکثریت ہے، اپنی وجہ سے ہم انھیں بھی غلامی کے حلقہ میں جکڑا ہوا دیکھنا نہیں چاہتے۔

ہمارا کچھ بھی حشر ہو، لیکن پاکستان قائم ہو جائے، ہم خوش ہیں!

اور اب وقت آ رہا تھا کہ یہ دعویٰ عمل کی کسوٹی پر کسا جائے!

اور وہ وقت آ گیا!

محشرستان بہار!

صوبۂ بہار کی سرزمین، مسلمانوں کے خون سے لالہ زار ہو گئی، سارے صوبے میں،

ہو گیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو!

یہ صوبہ کوئی معمولی صوبہ نہ تھا، اس صوبے کی اقلیت، اپنی ایک باعظمت اور ناقابلِ فراموش تاریخ رکھتی تھی۔ فتوحات اور کشور کشائی کی بھی، لیکن اسے چھوڑیے آزادی ہند کی تحریک میں ہر طرح کی قربانی دینے کی...... طرح طرح کے مصائب برداشت کرنے کی بھی!

یہ مظہر الحق کا صوبہ تھا، مظہر الحق جس کے متبعین میں کبھی راجندر پرشاد بھی تھے اور جو آج حکومتِ ہند کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز تھے۔

یہ سر علی امام کا صوبہ تھا...... سر علی امام جنھوں نے مسلمان قوم سے کٹ کر مسلمانوں کے جذبات نظرانداز کر کے، مسلمانوں کی رائے عامہ ٹھکرا کر، ہندوؤں کا ساتھ دیا تھا۔ نہرو رپورٹ کی تائید کی تھی۔

یہ حسن امام کا صوبہ تھا۔ حسن امام، کانگریس کا سابق صدر اور ہر نیشنلسٹ تحریک کا روحِ رواں۔

یہ ڈاکٹر سیّد محمود کا صوبہ تھا...... سیّد محمود جنھوں نے گاندھی جی اور نہرو کے لیے اپنے ہمیشہ کے ساتھیوں کو چھوڑا، جنھوں نے خلافت سے ترک تعلق کیا اور کانگریس سے وابستہ ہو گئے۔ جنھوں نے اپنے محسن اور معمار، محمد علی، شوکت علی سے ناطہ توڑ لیا۔

یہ پروفیسر عبدالباری کا صوبہ تھا...... پروفیسر عبدالباری، جنھوں نے اپنی ساری زندگی کانگریس کے لیے وقف کر دی تھی، جنھوں نے کبھی ایک مسلمان کی حیثیت سے کچھ نہیں سوچا، جب سوچا ایک ہندوستانی کی حیثیت سے۔

یہ عزیز ملت سید عبدالعزیز کا صوبہ تھا...... سیّد عبدالعزیز جن کے احسانات سے کوئی ہندو مسلم قومی کارکن سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

یہ ابوالمحاسن مولانا سیّد سجاد بہاری، امیر شریعت صوبہ بہار کا صوبہ تھا۔ ابوالمحاسن، جنھوں نے نہرو رپورٹ کی تائید کی، سول نافرمانی کی تھی، کانگریسی تحریکوں کی عملی تائید، جب قید و بند کا موسم آیا، یہ بھی داخل زنداں ہوئے۔

اس صوبے میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا!...... محض اس جرم میں کہ وہ مسلمان تھے اور پاکستان کے دل و جان سے حامی تھے۔

ہزارہا مسلمان قتل ہوئے۔ ان قتل ہونے والوں میں جوان بھی تھے، بوڑھے بھی، بچے بھی اور عورتیں بھی اور...... کانگریسی مسلمان بھی!

پروفیسر عبدالباری تک قتل کر ڈالے گئے۔

سیکڑوں کنویں ان مسلمان عورتوں کی لاشوں سے پٹ گئے جو اپنی لاج بچانے کے لیے کود پڑی تھیں۔

یہ وہ دور ہے کہ مرکز میں عارضی قومی حکومت قائم ہے اور یہ حکومت کانگریس ہی چلا رہی ہے۔

وزیر داخلہ سردار ولبھ بھائی پٹیل ہیں، جن کے ایک اشارے پر یہ خون ریزی رک سکتی تھی۔ لیکن وہ ایک غیر جانب دار تماشائی کی طرح یہ منظر دیکھ رہے ہیں۔

گاندھی جی اور جواہر لال نے لاکھ لاکھ اس آگ کو بجھانے کی کوشش کی، لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے...... اس لیے بھی کہ وہ یہ قتلِ عام اپنی طبعی شرافت کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتے تھے اور اس لیے بھی کہ اس طرح ہندوستان بدنام ہو رہا تھا اور اس لیے بھی کہ اس طرح پاکستان کا قیام یقینی ہوتا جا رہا تھا!

مسلمان ہونا اور پاکستان کا حامی ہونا، اتنا بڑا جرم تھا، جسے صوبہ کی اکثریت معاف نہیں کر سکتی تھی، اس نے معاف نہیں کیا، وہ معاف کر ہی نہیں سکتی تھی!

کوئی حادثہ کتنا ہی الم انگیز اور روح فرسا ہو، لیکن اس کی وجہ سے تقویم ماہ و سال تو نہیں بدلتی۔ اسی زمانے میں آسمان کے ایک گوشے پر عید کا چاند نمودار ہوا...... ہلالِ عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے!

عید بھی آئی اور مسلمانوں نے دوگانۂ شکر بھی ادا کیا۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس موقع پر قائداعظم دہلی میں تھے۔ مسلم ایسوسی ایشن نے قرول باغ میں عید پارٹی دی، قائداعظم تشریف لائے اور وہاں درد سے بھری ہوئی ایک تقریر بھی ارشاد فرمائی۔

رئیس احمد جعفری

ہم انتہائی المناک ماحول میں عید منا رہے۔ میں اپنے دلی احساسات الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ بہار کی المناک صورت حال کی وجہ سے میں نے اپنا پروگرام تبدیل کر دیا ہے۔ اب میں ایک ہفتہ کے لیے باغپت (1) نہ جاؤں گا اور دہلی میں مقیم رہوں گا۔ جب اور جس وقت میں محسوس کروں گا کہ میرا بہار جانا ضروری ہے تو فوراً روانہ ہو جاؤں گا۔ (2) مجھے معلوم ہے کہ مسلمان دلیر اور بہادر ہیں مگر یہ وقت ایسا ہے، انھیں اپنے گھر کی خبر لینی چاہیے۔ کیا تم نے اپنے گھر کی حالت درست کر لی ہے؟ اس سوال پر غور کیجیے اور خود اپنے دل سے پوچھیے کہ اس کا جواب کیا ہے۔ میں جہاں کہیں جاتا ہوں، یہی نعرے سنتا ہوں، ''قائداعظم ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔'' میں کہتا ہوں قائداعظم ہرگز ہرگز حکم دینے کے لیے تیار نہیں۔ جب تک اس کو یہ یقین نہ ہو جائے۔ مسلمانوں کا جو خون بہے گا، وہ رائیگاں نہ جائے گا۔ اگر میں یقین کیے بغیر مسلمانوں کو حکم دے دوں تو میں جنرل نہیں ہوں گا بلکہ مجرم ہوں گا۔ اسی لیے میں تم سے کہتا ہوں، پہلے اپنے گھر کی حالت درست کرو۔ کافی تاخیر ہو چکی ہے، مگر ابھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا۔ بلند بانگ دعوؤں اور باتوں کی ضرورت نہیں ہے۔

مسلمانوں نے ایک ایسا آدمی ڈھونڈ لیا ہے۔ جو ان کی کمزوریوں اور خوبیوں دونوں سے واقف

ہے، لہٰذا اس کا ہاتھ بٹاؤ اور اس کی مدد کرو۔

ہم نے گزشتہ پانچ سال کے دوران میں بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ ہم نے ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک قوم بنا دیا۔ مگر ابھی بہت کچھ کرنا ہے، اپنی کمزوریاں معلوم کرو۔ اپنی کوتاہیاں معلوم کرو۔ اپنے دلوں کا جائزہ لو۔ دیکھو کہ تم نے کیا نظر انداز کیا ہے اور کیوں کر کیا ہے۔ متحد ہو جاؤ، سوسائٹی کے گوشہ گوشہ میں تحقیق اور جستجو کرو اور طے کرو کہ کیا کرنا ہے۔

اس تیاری اور حصولِ طاقت کی مہم میں سماج کے ہر طبقہ کو حصہ لینا چاہیے۔

بہار میں دہشت ناک واقعات ہو رہے ہیں۔ میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ اس لیے کہ صورت حال بہت نازک ہے۔ دستور اور تربیت کے اعتبار سے میں ایک ٹھنڈے دل کا آدمی ہوں اور ہر چیز منطق اور دلیل کے نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ جب میں اس نتیجہ پر پہنچوں گا کہ میرا بہار جانا مفید ہے، فوراً روانہ ہو جاؤں گا۔

اگر کل میں یہ سمجھوں کہ مجھے وہاں پہنچنا چاہیے تو کل ہی بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہو جاؤں گا۔ میں باغپت جانے والا تھا، مگر بہار کے واقعات کی وجہ سے میں نے وہاں جانا ملتوی کر دیا۔ میں دہلی ہی میں ٹھہروں گا اور حالات و واقعات کا قریب ہی سے مشاہدہ کرتا رہوں گا۔

مسٹر جوگندر ناتھ منڈل (3) کو مخاطب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا کہ میں خلوصِ دل سے آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ میں نے محسوس کیا ہے اور محسوس کرتا ہوں کہ آپ کی قوم ہر امکانی امداد کی مستحق ہے۔ یہ نہایت ہی شرمناک ہے کہ چھ کروڑ انسانوں کو اچھوت قرار دیا جائے۔ گول میز کانفرنس میں مَیں ہندوؤں سے زیادہ اچھوتوں کے حقوق کے لیے لڑا۔ وائسرائے سے اپنی حالیہ مراسلت میں بھی اچھوتوں کے لیے لڑا۔ (4)

میں نے محسوس کیا کہ آپ کی قوم کو محض اس لیے نظر انداز کیا کہ وہ کمزور تھی۔ آپ لوگوں کو کانگریس اور مسٹر گاندھی کی قربان گاہ پر چڑھایا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کی عظیم الشان قوم ان تمام باتوں کو دور سے کھڑی ہو کر نہ دیکھ سکتی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ وقت ایسا ہے کہ اب باتوں سے نہیں بلکہ عمل سے آپ کی مدد اور آپ کی اعانت کا وقت آ گیا ہے۔

میں بھی انسان ہوں، مجھ سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو اختیار ہے کہ میرے کام کے بارے میں مشورے دے اور اس پر تنقید کرے۔ یقین کیجیے کہ ہر خط اور ہر تار جو مجھے بھیجا جاتا ہے، میں بذاتِ خود پڑھتا ہوں۔ ایک ایک سطر پڑھتا ہوں اور میرا زیادہ تر وقت اسی میں گزرتا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان زبانی باتوں کی بجائے جو کچھ سوچے، محسوس کرے، مجھے لکھے، میں غور کروں گا اور مناسب ہے تو

اس کا مشورہ قبول کروں گا۔

میں مسلمانوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر خدا نے میری مدد کی تو ان شاء اللہ میں ان کو ان کی منزل سے قریب لے جاؤں گا۔

حواشی

1۔ نواب سر جمشید علی خان رئیس اعظم باغپت (میرٹھ) مسلم لیگ کے سرگرم حامیوں میں تھے اور قائداعظم کی ذاتِ گرامی سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ مسلسل کام کے باعث قائداعظم کی صحت پر بہت برا اثر پڑ رہا تھا۔ انھوں نے استدعا کی کہ کچھ عرصہ کے لیے باغپت میں آرام فرمائیں۔ قائداعظم نے یہ استدعا قبول کر لی تھی کہ اسی عرصے میں بہار کا حادثہ رونما ہوا۔ اب ضرورت تھی کہ وہ اس وقت دہلی میں رہیں، چناں چہ انھوں نے اپنا پروگرام ملتوی کر دیا اور باغپت نہیں گئے۔

2۔ قائداعظم فوراً آ جانا چاہتے تھے، لیکن انھیں بتایا گیا کہ اگر اس موقع پر وہ تشریف لے گئے تو مسلمانوں کو اور زیادہ ستایا جائے گا، لہٰذا حالات قابو میں آ جائیں، جب تشریف لے جائیں۔

3۔ مسٹر جوگندر ناتھ منڈل بنگال کے اچھوت لیڈر تھے۔ مسٹر شہید سہروردی نے اپنی وزارت میں شریک کر لیا تھا۔ پھر انھی کی سفارش پر قائداعظم نے انھیں مرکز کی عارضی قومی حکومت میں نامزد کر دیا تھا۔

مسٹر منڈل پر قائداعظم اور پاکستان کے بڑے احسانات تھے۔ پاکستان میں بھی انھیں مرکزی وزیر بنا لیا گیا۔ لیکن مسٹر منڈل یہ چاہتے تھے کہ بنگال کے اچھوتوں کا انھیں واحد نمائندہ تسلیم کر لیا جائے، جسے وہ نامزد کریں، اسی کو صوبائی وزارت میں لیا جائے۔ لیاقت علی خان نے یہ مطالبہ نہیں تسلیم کیا اور نورالامین نے جن اچھوتوں کو صوبائی وزارت میں شریک کیا تھا، انھیں برقرار رکھا، کیوں کہ مشرقی پاکستان کی اچھوت سیاسی جماعتوں کے وہی اصل نمائندے تھے۔ مسٹر منڈل اس بات پر اتنے برافروختہ ہوئے کہ ایک دن چپکے سے کلکتہ اُڑ گئے۔ خیال تھا کہ وہاں ہاتھوں ہاتھ لیے جائیں گے اور مرکزی حکومت میں نہیں تو صوبائی وزارت میں فوراً شریک کر لیے جائیں گے۔ لیکن نہ نہرو نے منہ لگایا، نہ گھوش نے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ازیں سو راندہ و ازاں سو درماندہ، کلکتہ کے گوشۂ گمنامی میں زندگی بسر کر رہے ہیں...... غداروں کا انجام یہی ہوتا ہے۔

4۔ اچھوتوں کے مفاد کا قائداعظم نے ہمیشہ خیال رکھا۔ گول میز کانفرنس (1930ء) میں بھی وہ اچھوتوں کے حقوق اور مفادات کے لیے جدوجہد کرتے رہے، حالاں کہ اس وقت تک نہ وہ مسلمانوں کے قائداعظم تھے، نہ کانگریس کے حریف۔

5۔ مسلم لیگ کو پانچ نشستیں وائسرائے نے عارضی قومی حکومت میں پیش کی تھیں۔ قائداعظم نے اس کوٹے میں سے ایک نشست مسٹر منڈل کو دے دی۔

مسلم لیگ عارضی حکومت میں کیوں شریک ہوئی

7 نومبر 1946ء

عرب نیوز ایجنسی کے نمائندے کو قائداعظم نے حسب ذیل بیان دیا۔

اس بیان میں انھوں نے جہاں سیاسیاتِ ہند کا مختصر سا جائزہ لیا ہے،

......اور سیاستِ ہند کے پس منظر پر روشنی ڈالی ہے۔ وہاں اس حقیقت کو بھی بے نقاب کیا ہے کہ لیگ نے وائسرائے اور حکومت برطانیہ کی غداری اور بدعہدی کے باوجود کیوں عارضی حکومت میں شرکت گوارا کی۔

ساتھ ہی ساتھ اتحاد بین المسلمین اور اتحاد عالم اسلام سے متعلق بھی اپنا نقطۂ نظر پیش فرمایا۔

رئیس احمد جعفری

قائداعظم مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے عرب نیوز ایجنسی کے ایک نمائندہ کو بیان دیتے ہوئے، اس امید کا اظہار کیا کہ جلد ہی ہندوستان میں ایک کانفرنس منعقد کی جائے گی، جس میں تمام مسلمان ملکوں کے ممتاز زعما شرکت کریں گے۔ قائداعظم نے کہا کہ یہ تجویز قاہرہ میں سب سے اول پیش کی گئی اور مسلم لیگ نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا۔ آپ نے کہا، اس جلسہ کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے لیگی لیڈروں کو مصر، عراق، سعودی عرب، شام ولبنان، ایران اور تمام ان ممالک کے مسلمان لیڈروں سے ملاقات کرنے کا موقع ملے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ہم سب کے بہت سے مفاد مشترک ہیں اور باہمی تہذیبی اور نظریاتی مفاہمت کی وجہ سے بہت کچھ فائدہ پہنچے گا اور اسی قسم کے جلسہ سے باہمی روابط میں اضافہ ہوگا۔ یہ کانفرنس اس مفہوم میں سیاسی کانفرنس نہ ہوگی۔ جس مفہوم میں بلوان کانفرنس ایک سیاسی کانفرنس تھی، البتہ اس قسم کی کانفرنس میں سیاسی مسائل پر غور کرنا، ایک حد تک ضروری ہے اور ہم سب کے لیے یہ بہتر ہوگا کہ ہم ایک دوسرے کے سیاسی سوالات کو سنیں اور سمجھیں۔ ہم سب کے سوالات

مخصوص قسم کے ہیں اور یہ جاننا کہ کس طرح ایک ملک نے ان سوالات کو حل کیا۔ جو کسی ایک ملک سے مخصوص ہیں۔ ہم سب کے لیے مفید اور فائدہ رساں ہے کہ آخر کس طرح اس قسم کے سوالات کو کسی نے حل کیا۔ اس لیے اس پہلو سے بھی اس کانفرنس سے فائدہ پہنچے گا۔ یہ کانفرنس مفید اور نتیجہ خیز ہو۔ اس کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ ان تمام ملکوں کے زعما جو اس کانفرنس میں شریک ہوں گے، وہ ان ملکوں کے بااثر نمائندے ہوں، عملی مشاورتیں ہو رہی ہیں تا کہ یہ معلوم کیا جائے کہ کیا اس وقت یعنی موسم سرما میں جب کہ ہندوستان میں بہترین موسم ہوتا ہے۔ اس کانفرنس کا انعقاد ممکن ہے یا نہیں۔ قائداعظم نے کہا کہ مسلم ہندوستان اور مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں کے درمیان قریبی روابط کا ہونا ضروری ہے۔ خصوصاً اس صورت حال کے پیش نظر کہ مسلم لیگ عارضی حکومت میں شریک ہوگئی ہے۔

قائداعظم نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ لیگ عارضی حکومت میں مسلمانوں اور دوسرے فرقوں کے مفادوں کا تحفظ کرنے کے لیے شریک ہوئی ہے، چوں کہ عارضی حکومت وائسرائے نے ہماری شرکت سے پہلے بنائی تھی اور عارضی حکومت صرف اونچی ذات کے ہندو کے اقتدار والی کانگریس کے اثر میں تھی اور مسلمان قوم اونچی ذات کے ہندوؤں سے کسی بھی چیز میں کسی بھی ایک چیز میں مشترک نہیں ہے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں کسی بھی قسم کا اشتراک واتحاد مقاصد نہیں ہے، بلکہ اتنا ہی نہیں، ہمارے انفرادی اور قومی مفاد کے مختلف اہم پہلوؤں کے پیش نظر ہندو مسلمانوں کے بالکل ہی مخالف ہیں۔ ان حالات میں ہم نے سوچا کہ حکومت کے نظم ونسق کی ساری مشینری کانگریس کے ہندوؤں کے قبضہ میں دے دینا سخت مہلک ثابت ہوگا۔ ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ اگر مسلم لیگ کے نمائندے عارضی حکومت میں شرکت نہ کرتے تو مرکز میں ہندو حکومت اور وائسرائے ایسے مسلمانوں کو شامل کر لیتے، جن پر مسلم ہندوستان کو نہ کوئی اعتماد ہوتا اور نہ بھروسہ۔ یہ چیز سخت نتائج کی حامل ہوتی بلکہ حامل ہوئی بھی۔

اس سے ہندوستان بھر میں اضطراب و بے چینی کے احساسات پھیل گئے، جن سے وہ صورت حال پیدا ہوئی جس میں سخت فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے ہیں۔ ان فسادات میں ہزارہا آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے اور یہ ابھی تک ملک کے مختلف حصوں میں ہو رہے ہیں۔ موجودہ حالات میں حکومت کا اثر ونفوذ اور اس کے اقدامات عملاً ہماری زندگیوں کے تمام پہلوؤں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ حکومت تمام فرقہ کے مفادوں کو ترقی دینے کا خیال رکھے۔ اونچی ذات کے ہندو مسلمانوں کے مفادوں سے یہ دلچسپی نہیں رکھتے۔ تاریخ، روایات، مذہب، غرضیکہ ہر عنصر کے پیش نظر ہندو مسلمانوں سے بالکل ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے اگر مسلمان قوم کو ترقی کرنا ہے جو کہ پچھلے چھ سات سال میں جب کہ مسلمان بیدار ہوئے ہیں، شروع ہوئی ہے۔ بلکہ اگر مسلمان قوم کو زندہ بھی رہنا ہے تو ہم نے فیصلہ

کیا کہ ہمیں بھی عارضی حکومت کے لیے اپنے نمائندے منتخب کرنے چاہئیں۔ چناں چہ انھوں نے چارج لے لیا ہے اور اب وہ مالیات (1) وتجارت، (2) ڈاک (3) وہوابازی، صحت (4) اور قانون (5) کے محکموں کا انتظام کر رہے ہیں۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ میں مستقبل کی بابت کچھ کہنے سے معذور ہوں۔ میرے خیال میں ہندو اور مسلمان اس سے زیادہ اشتراکِ عمل نہیں کر سکتے۔ جتنا اب تک ہو چکا ہے، میرے خیال میں وہ دو قطعی جدا گانہ قومیں ہیں اور نہیں جدا جدا اپنے اپنے مستقبل کو بنانا چاہیے۔

حواشی

1۔ یہ محکمہ لیاقت علی خاں کو تفویض کیا گیا تھا، جنھوں نے پہلا عوامی بجٹ پیش کر کے سارے ہندوستان میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔ گو یہ عوامی بجٹ تھا، اس میں عوام کے مفاد کا پورا پورا خیال رکھا گیا تھا، لیکن سرمایہ داروں پر اس سے زد پڑتی تھی اور وہ کانگریس برداشت نہیں کر سکتی تھی، لہٰذا اس کی طرف سے سخت مخالفت ہوئی۔ نہ صرف پٹیل نے زہریلی مخالفانہ تقریر کی، بلکہ راج گوپال اچاریہ جیسے انسان نے بھی اسے سرمایہ داروں کے لیے پروانۂ موت، لہٰذا ناقابلِ قبول قرار دیا۔

2۔ یہ محکمہ مسٹر چندریگر مرحوم کے ہاتھ میں تھا، انھوں نے متعدد اسلامی ممالک میں تجارتی مشن قائم کیے، جس سے گو رفقائے وزارت سخت برہم ہوئے، لیکن مسلم ممالک میں مسلمانوں کی رائے عامہ کی اچھی خاصی تشہیر ہو گئی۔

3۔ یہ محکمہ زعیم ملت، سردار عبدالرب نشتر مرحوم و مغفور کو تفویض ہوا اور انھوں نے بھی اپنے مختصر دورِ وزارت میں بڑے نمایاں کارنامے انجام دیے۔

4۔ یہ محکمہ راجہ غضنفر علی خاں کے ہاتھ میں تھا۔

5۔ اس محکمہ کے سربراہ جوگندر ناتھ منڈل تھے۔

خبردار غیر مسلم اقلیت سے انتقام نہ لینا

11 نومبر 1946ء

ہندوستان میں حکومت کی باگ عملی طور پر کانگریس کے ہاتھ میں ہے۔ سارے ہندوستان میں فسادات کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اقلیتی صوبوں کے مسلمان لوٹے، پیٹے اور قتل کیے جا رہے ہیں۔ بہار میں قیامتِ صغریٰ کا نمونہ پیش آ چکا ہے۔ یو پی کے ایک مقام گڑھ مکتیشر میں مسلمان مولی، گاجر کی طرح کاٹ کر پھینک دیے گئے۔ بمبئی میں فساد کی آگ بھڑکی اور بھڑکتی، پھیلتی چلی گئی۔

مسلم اکثریت کے صوبوں میں عام طور پر قوم کے غدار کانگریس سے ساز باز کر کے حکومت پر قابض تھے، لیکن وہاں کے عوام میں ہلچل پیدا ہو رہی تھی۔ وہ ہر روز ریڈیو سنتے اور اخبارات میں پڑھتے تھے کہ آج فلاں شہر میں فساد ہوا اور مسلمان قتل و غارت کا نشانہ بنا لیے گئے۔ آج فلاں ضلعے میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا۔ یہ سب کچھ سن کر اور پڑھ کر ان کے جذبات بھڑکتے تھے۔ ان صوبوں کی وزارتیں لاکھ غدار ہوں، لیکن ان کے عوام سچے، مخلص اور کھرے مسلمان تھے۔ دل و جان سے مسلم لیگ کے ساتھ اور تحریک پاکستان کے ہم نوا تھے۔

اب اندیشہ یہ پیدا ہونے لگا تھا کہ کہیں اکثریتی صوبوں کے مسلمان جوابی کارروائی کر کے ہندو سکھ اقلیت کو نشانۂ ستم نہ بنا لیں۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے قائداعظم یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے، چناں چہ انھوں نے بروقت ایک بیان شائع کر کے اکثریتی صوبوں کے مسلمانوں سے پرامن رہنے کی اپیل کی اور چوں کہ یہ اپیل قائداعظم کی تھی، لہٰذا کامیاب ہوئی۔

رئیس احمد جعفری

وقت کا تقاضا ہے اور مجھے اس کی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں۔ ہر ایماندار سمجھدار آدمی اچھی

طرح جانتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں جو کچھ ہو رہا ہے، مسلمانوں اور مسلم لیگ کو ذمہ دار ٹھہرانے کے لیے اس کا پروپیگنڈا بڑے زور شور سے کیا جا رہا ہے۔ مسلم لیگ کے خلاف جو کچھ الزامات لگائے جا رہے ہیں، وہ بالکل بے بنیاد اور من گھڑت ہیں۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کو ہر جگہ بڑا سخت نقصان پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے۔ لیکن سانحہ بہار کے سامنے دیگر تمام واقعات اور مظالم کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ (1) میں بربریت اور ظلم کو سخت نفرت سے دیکھتا ہوں، خواہ وہ کسی شکل وصورت میں ہو، لیکن بہار میں جو قیامت بپا کی گئی ہے، اس کی نہ تو کوئی مثال ہے اور نہ اس کا ثانی ہندوستان میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ سفاکانہ قتلِ عام ہے جو ہندو اکثریت نے مسلمان اقلیت کا نہایت بیدردی کے ساتھ کیا ہے۔ (2)

مجھے معلوم ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کا اس وقت کیا حال ہے، مگر میں انھیں بتانا چاہتا ہوں کہ ان مظلوم مسلمانانِ بہار کا بدلہ مسلم اکثریت والے صوبوں میں لینا ایک بڑی بھاری سیاسی اور اخلاقی غلطی ہو گی اور اگر ایسا ہوا تو ہم اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیلیں گے۔ (3)

اگر آپ حقیقت میں پاکستان چاہتے ہیں تو میں خداوند کریم سے دعا کرتا ہوں کہ مسلمان کے دامن پر وہ بدنما داغ نہ لگے، جس کا مظاہرہ مظلوم مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم کر کے بہار میں کیا گیا۔ ہمیں تہذیب و شرافت کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے۔ مسلمانوں پر جو ظلم ہو رہے ہیں، ان سے ہمارا کلیجا چھلنی ہو رہا ہے۔ مگر ہم مسلم اکثریت والے صوبوں میں بے گناہوں کو مار کر اپنا دل ٹھنڈا نہ کریں گے۔ ہمیں تو سیاسی طور سے بتا دینا چاہیے کہ ہم بہادر اپنے دشمنوں کو معاف کر دینے والے ایماندار اور سچے مسلمان ہیں۔ پاکستان میں غیر مسلم اپنی جان و مال اور عزت کی حفاظت خود مسلمانوں سے بڑھ کر پائیں گے۔ اگر مسلمانوں نے دامن صبر و رضا کو ہاتھ سے چھوڑ دیا اور اپنا توازن کھو دیا اور اسلام نے جو عدیم المثال سبق دنیا کو سکھایا ہے، اسے بھلا دیا تو سمجھ لیجیے کہ آپ نہ صرف اپنا حق پاکستان کھو دیں گے ہندوستان میں وہ کشت و خون ہو گا، جس سے ہماری آزادی کے دن ہٹ جائیں گے اور ہم اپنی غلامی کی بیڑیاں اپنے ہی ہاتھوں سے مضبوط کریں گے۔

مجھے خوشی ہے کہ مسلم اکثریت والے صوبوں میں امن و امان ہے اور وہ اس ظلم و فساد اور کشت و خون میں شامل نہیں ہیں، جس کا مظاہرہ باقی تمام ہندوستان میں ہو رہا ہے۔

میں ایک بار پھر ان تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ جہاں بھی اکثریت میں ہوں غیر مسلموں کی حفاظت جان و مال کے لیے جو کچھ بھی ممکن ہو کریں اور ان میں بھروسہ پیدا کریں۔ (4) اقلیت والے صوبوں میں مسلمانوں پر جو مظالم توڑے گئے ہیں، جو بے گناہ مسلمان شہید کیے

گئے ہیں، یا زخمی ہو گئے ہیں یا مال اسباب لوٹا گیا ہے، ان کی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی۔ وہ یہ سمجھ لیں کہ انھوں نے جنگ پاکستان اور آزادی کے لیے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ (5)

حواشی

1۔ اس حادثہ کی سنگینی اور بربریت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ساری دنیا اس انسانیت کشی کے خلاف چیخ اٹھی۔
2۔ اور محض اس جرم میں کہ یہ اقلیت مسلمان تھی اور پاکستان کا دم بھرتی تھی۔
3۔ ایسے اشتعال انگیز اور ہیجان آفرین موقع پر بھی ہوش و حواس کا قائم رکھنا اور اعتدال و توازن کے راستے پر گامزن رہنا قائداعظم ہی کا کام تھا۔
4۔ اور حقیقتاً ہوا بھی ایسا ہی۔
5۔ اس اپیل پر مسلمانوں نے امکانی حد تک پوری صداقت اور سچائی سے عمل کیا۔
6۔ اقلیت والے صوبوں کے مسلمانوں نے یہی سمجھ کر کہ اس قتل و غارت اور کشت و خون کی صورت میں ان سے پاکستان کی قیمت طلب کی جا رہی ہے، یہ مظالم ایسی استقامت و عزیمت سے برداشت کیے، جس کی مثال دنیا کی تاریخ نہیں پیش کر سکتی۔

غیر ملکی نمائندگان اخبارات و صحائف سے خطاب

صرف پاکستان!

14 نومبر 1946ء

عارضی قومی حکومت میں لیگ کی شرکت سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ لیگ اب مطالبۂ پاکستان سے دستبردار ہو جائے گی۔ خود مسلمانوں میں بھی ایک گروہ یہی خیال رکھتا تھا۔ ہندو پریس کی طرف سے بھی کھلے الفاظ میں یہی کہا جا رہا تھا اور غیر ملکی پریس کا عام تاثر بھی یہی تھا۔

غیر ملکی نمائندگان اخبارات سے ملاقات کے دوران میں قائداعظم نے اس غلط فہمی کی طرف توجہ فرمائی اور بہ اسلوبِ احسن اسے رفع کر دیا۔

رئیس احمد جعفری

قائداعظم محمد علی جناح نے غیر ملکی اخبار نویسوں کے مختلف سوالوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ عارضی حکومت کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ کسی انتظامی فیصلہ یا رواج سے ہندوستان کے آئندہ دستوری مسائل وحقائق پر اثر اندازی کرے یا انھیں ختم کرنا چاہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر عارضی حکومت نے ہمارے مطالبہ پاکستان کے خلاف بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی قدم اٹھایا تو ہم اس کی ضرور مزاحمت کریں گے۔ ممکن ہے کہ برطانیہ میں لیبر حکومت کی نیت بری نہ ہو، لیکن وہ شدید غلطیوں کی مرتکب ہوئی اور اب بھی فاش غلطیاں کر رہی ہے۔ لیبر حکومت گم کردہ ہے اور خوابوں کی دنیا میں زندگی گزار رہی ہے۔ ہندوستان کا موجودہ انتظام مجھے قطعاً پسند نہیں اور اسے ہم پر جبراً مسلط کر دیا گیا ہے۔ عارضی حکومت مسلم لیگی ارکان نظم و نسق میں مدد کریں گے، لیکن ان کی حیثیت مفادِ اسلامی کے پاسبانوں کی ہے۔

مسئلہ ہند کا واحد حل یہ ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ان کے دستور دو کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلیاں علیحدہ علیحدہ مرتب کریں۔ جب تک ایک قوم دوسری قوم پر حکمرانی کے خیال خام سے باز نہ آئے گی، موجودہ کشمکش جاری رہے گی۔ لیکن ہندوستان کے تقسیم ہوتے ہی یہ

جھگڑے فساد ختم ہو جائیں گے۔ اقلیتیں ان دونوں ریاستوں میں اقلیتوں کی حیثیت سے پرسکون طریقہ پر آباد ہو جائیں گی اور دونوں بڑی قوموں کے درمیان کوئی تنازعہ باقی نہ رہے گا۔ اس وقت ہمارے سامنے یہی سوال باقی رہ جائے گا کہ اقلیتوں کے حقوق و مفاد کا تحفظ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ ہمیں حیوان نہیں سمجھتے ہیں تو یاد رکھیے کہ مسلمان اپنی اقلیتوں کے ساتھ بہترین فیاضانہ سلوک روا رکھیں گے۔ (1)

قائداعظم نے مختلف سوالات کے جواب میں فرمایا کہ جب میں پاکستان کا مطالبہ کرتا ہوں تو آپ یہ نہ سمجھیے کہ میں صرف مسلمانوں کے حق کے لیے لڑ رہا ہوں۔ میری یہ جنگ ہندوستان کی مکمل آزادی کے لیے ہے، کیوں کہ صرف تقسیم ہند ہی کے ذریعہ ہندو مسلمان دونوں قلیل ترین مدت میں آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔ پان اسلامزم کا نظریہ اب فرسودہ ہو چکا ہے۔ (2) دوسرے خواہ کچھ بھی کہیں، لیکن میری قطعی رائے یہ ہی ہے کہ مشترکہ مفاد اور حق ہمسائیگی کی بنا پر ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات دوستانہ رہیں گے۔ خطرات کے موقعوں پر دونوں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور مشترکہ دشمن کے سامنے سینہ سپر ہوں گے۔ اس وقت ہم ایسی موثر پالیسی پر عمل کریں گے جو امریکا سے زیادہ ٹھوس ہو گی۔ (3)

ایک غیر ملکی اخبار نویس نے سوال کیا کہ اگر 6 ماہ یا ایک سال کے اندر تقسیم ہند کے سوال پر کانگریس اور مسلم لیگ میں مفاہمت نہ ہوئی تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ قائداعظم نے جواب دیا کہ وہی جو اس وقت ہو رہا ہے اور جو کچھ آپ اپنی نظر سے دیکھ رہے ہیں، (4) موجودہ فسادات کی بابت قائداعظم نے ارشاد فرمایا کہ خاص کر بہار کے خونین ڈرامہ سے ہمیں حتی الامکان آبادی کے تبادلہ کے سوال پر سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا۔ (5)

ایک اخبار نویس نے سوال کیا کہ موجودہ عارضی حکومت کی کامیابی کے امکانات کس حد تک ہیں؟ قائداعظم نے جواب دیا۔ یہ جواب بہت تفصیل طلب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ موجودہ عارضی حکومت نہ کابینہ ہے نہ کولیشن، بلکہ گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل ہے جو 1919ء کے انڈیا ایکٹ کے مطابق عالم وجود میں آئی ہے۔ جہاں تک میں کانسٹی ٹیوشن کو سمجھ سکا ہوں، کولیشن یا مخلوط حکومت صرف اس صورت میں قائم ہو سکتی ہے، جب کوئی آزاد پارلیمنٹ متحد سیاسی پارٹیوں پر مشتمل ہو اور وہ پارٹیاں اپنے نقطۂ نظر کے مطابق قوم کے لیے کوئی خطرہ لاحق ہو تو تمام پارٹیاں قوم اور قومی مفاد کی حفاظت کے لیے متحد ہو جائیں۔ ایسی کولیشن گورنمنٹ میں ذمہ داری یقیناً مشترکہ ہوتی ہے اور جب تک خطرہ رفع نہ ہو جائے، کولیشن پارٹیاں باہمی اتحاد سے کام کرتی ہیں۔ (6)

غیر ملکی پریس میں پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو ہندوستان کے وزیر اعظم ہیں اور عارضی حکومت جس کی حقیقت واضح کر چکا۔ نہرو گورنمنٹ ہے۔ پنڈت نہرو کو وائس پریذیڈنٹ بھی ظاہر کیا جاتا ہے، حالاں کہ حکومت ہند کے وائس پریذیڈنٹ 1919ء سے مقرر ہوتے چلے آئے ہیں اور اس کا کام صرف اس قدر ہے کہ وہ وائسرائے کی عدم موجودگی میں ایگزیکٹو کونسل کے جلسوں کی صدارت کرے۔ (7)

حواشی

1۔ اس کا ثبوت مسلمان آج دے رہے ہیں۔

پاکستان بننے کے بعد ہندوستان اور پاکستان میں فسادات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ خاص طور پر مشرقی پاکستان میں اور مغربی بنگال میں تو یہ آگ اس تیزی سے بھڑکی کہ اس نے پورے طور پر خرمنِ امن و امان جلا کر خاکستر کر دیا۔ چناں چہ 1952ء میں ''لیاقت نہرو معاہدہ'' ہوا۔ اس معاہدے کی رُو سے دونوں حکومتوں نے اپنے اپنے ملک میں اقلیتوں کے جان و مال کی حفاظت کا ذمّہ لیا۔

لیکن اب تک کہ اس معاہدے کو تقریباً دس سال ہو چکے ہیں، پاکستان میں ایک مرتبہ بھی ہندو مسلم فساد نہیں ہوا۔ کسی ہندو کی نکسیر تک نہیں پھوٹی۔ مشرقی پاکستان میں اور مغربی پاکستان کے بعض شہروں میں پورے مساویانہ حقوق کے ساتھ ہندو رہ رہے ہیں۔ تجارت ان کے ہاتھ میں ہے، کاروبار میں ترقی کر رہے ہیں، لیکن ہندوستان میں فسادات کا سلسلہ ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔ آخری شاہکار جبل پور ہے، جہاں بے گناہ مسلمانوں کا اس طرح قتلِ عام کیا گیا، جس طرح جنگل میں شکار کھیلا جاتا ہے۔ اس کے باوجود جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے، معاہدہ آج بھی قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ کیوں کہ اسلام اس کی اجازت ہی نہیں دیتا کہ بے گناہوں کو قتل کیا جائے۔ ہم جبل پور اور دوسرے مقامات کے مقتول ستم مسلمانوں کا بدلہ ان ہندوؤں سے تو لے سکتے ہیں جو اس قتل و غارت میں شریک تھے، لیکن ان ہندوؤں سے نہیں لے سکتے، جو پاکستان میں ہیں اور جن کا کوئی تعلق ان حادثات سے نہیں ہے۔

2۔ پان اسلامزم سے مراد یہ تھی کہ پاکستان بعض اسلامی ممالک سے مل کر ہندوستان پر حملہ کرے گا اور اسے فتح کر لے گا، یا کوئی اور مسلمان ملک ہندوستان پر حملہ کرے گا تو پاکستان اس کی امداد کرے گا۔

ایک عرصہ تک یہ ہوّا انگریزوں کو ڈراتا رہا۔ پھر ہندوستان بھی اس مرض میں مبتلا ہو گیا اور اس طرح کے اندیشے ظاہر کیے جانے لگے۔ قائداعظم نے اس وہمِ باطل کی تردید کی ہے۔

3۔ قائداعظم کی یہ خواہش تھی کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں ایک دوسرے کے ایسے دوست ہو جائیں کہ ایک دوسرے کے دفاع کے ذمّہ دار بن جائیں، جس طرح امریکا اور کینیڈا ہیں۔ امریکا پر اگر کوئی حملہ

آور ہو تو یہ حملہ کینیڈا پر سمجھا جائے گا اور وہ پوری قوت سے اس کے دفاع میں حصہ لے گا۔ اسی طرح کینیڈا پر کوئی دشمن حملہ کرے تو اسے امریکا اپنے اوپر حملہ تصور کرے گا۔ یہ معاہدہ بین الاقوامی سیاست میں ''منروڈاکٹرائن'' کے نام سے مشہور ہے۔ قائداعظم کی تمنا تھی کہ ہندوستان اور پاکستان بھی، اسی طرح کا معاہدہ کرلیں۔

4۔ یعنی خانہ جنگی، طوائف الملوکی، انارکی۔

5۔ تبادلۂ آبادی کے سوال پر غور کرنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہندوستان کے مسلمان پاکستان میں اور پاکستان کے غیرمسلم ہندوستان میں منتقل کردیے جائیں گے، بلکہ یہ تھا کہ ہر صوبے میں بکھری ہوئی کم تعداد اقلیتیں ایک مقام پر آباد کردی جائیں، تاکہ بات بات پر انہیں قتل نہ کیا جاسکے، لوٹا نہ جاسکے۔

6۔ جب ملک ہی ابھی آزاد نہیں ہوا تو ایسی اصطلاح سے جی خوش کرنا بے کار ہے جو صرف آزاد قوموں اور ملکوں ہی میں بروئے کار آسکتی ہے۔

7۔ یہ کابینہ (عارضی قومی حکومت) قوم یا اسمبلی کے سامنے جواب دہ نہ تھی۔ وائسرائے کے سامنے تھی، لہٰذا اس کے تمام ممبر یکساں حیثیت رکھتے تھے، نہ کوئی ''پریمیر'' تھا، نہ نائب وزیراعظم۔

محمد علی اور شیخ الہند کی بنائی ہوئی ایک ذہنی تربیت گاہ!

جامعہ ملیہ میں ایک تقریر

19 نومبر 1946ء

آل انڈیا خلافت کمیٹی...... جیسا کہ ڈاکٹر امبیدکر نے بھی اپنی مشہور کتاب ''گاندھی اور کانگریس نے اچھوتوں کے لیے کیا کیا؟'' میں لکھا ہے۔...... سب سے پہلے برطانوی حکومت کے مقابلہ میں آئی۔ کانگریس نے کافی سوچ بچار اور ردّ وکد کے بعد اس کا پروگرام قبول کیا، چناں چہ برطانوی مصنوعات، برطانوی عدالتوں اور برطانوی تعلیم گاہوں کے مقاطعہ کا حکم بھی خلافت اور کانگریس، علی برادران اور گاندھی جی نے دیا۔ لیکن اس حکم پر کسی نے مسلمانوں کی سی صداقت اور وفاداری کے ساتھ عمل نہیں کیا۔

تعلیم گاہوں کے مقاطعہ کا جب سوال پیدا ہوا تو مالوی جی نے بنارس میں ڈیرہ ڈال دیا اور ہندو یونیورسٹی کی تعلیم ایک دن کے لیے بھی بند نہیں ہونے دی۔ گاندھی جی بھی کچھ نہ کر سکے۔ محمد علی، شوکت علی نے علی گڑھ میں جا کر وہاں کے طلبہ اور اساتذہ اور ممبران کورٹ کو یہی پیام دیا۔ ممبران کورٹ نے یہ پیام رد کر دیا۔ اساتذہ کی ایک بڑی جماعت اپنے شاندار حال اور روشن مستقبل کو تباہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے مستعفی ہونے سے انکار کر دیا، لیکن طلبہ کی ایک بڑی تعداد ہر طرح کی دشواریوں کے باوجود باہر نکل آئی۔

محمد علی نے ''نیشنل مسلم یونیورسٹی'' جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام سے ایک نئی تعلیم گاہ کی بنیاد ڈال دی۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیو بند نے اس کا افتتاح کیا۔ محمد علی اس کے پہلے شیخ الجامعہ بنے اور درختوں کے نیچے چٹائیوں پر بیٹھ کر تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

جب تک خلافت کمیٹی کے پاس روپیہ رہا، وہ جامعہ کے جملہ مصارف جو کئی لاکھ سالانہ تھے، برداشت کرتی رہی۔ مسلمانوں کا جوش جب کم ہوا تو خلافت کمیٹی کی ساکھ بھی ختم ہو گئی اور ساکھ ختم ہوتے ہی اس کا خزانہ بھی خالی ہو گیا۔

آخر مسیح الملک حکیم اجمل خاں اسے دہلی لے آئے۔ خوش قسمتی سے ڈاکٹر ذاکر حسین خان......

جنھوں نے مسلم یونیورسٹی سے ترک تعلق کر کے جامعہ کو آباد کیا تھا اور پھر تکمیل تعلیم کے لیے جرمنی چلے گئے تھے...... جرمنی سے واپس آ گئے۔ انھوں نے عہد کیا، ہم فاقے کریں گے، لیکن جامعہ کو بند نہ ہونے دیں گے۔ حکیم صاحب نے یہ ذمّہ داری ڈاکٹر صاحب کو سونپ دی۔ انھوں نے فقید المثال ایثار کے ساتھ نہایت نامساعد اور ناقابلِ برداشت حالات میں واقعی فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر کے اور اپنے رفقا میں یہی جذبہ پیدا کر کے جامعہ کو چلایا۔ ڈاکٹر صاحب جب جرمنی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے تو وہاں ان کی ملاقات پروفیسر محمد مجیب اور ڈاکٹر عابد حسین سے بھی ہوئی۔ یہ دونوں بھی تکمیل تعلیم کے لیے وہاں تشریف رکھتے تھے، چناں چہ اب ڈاکٹر صاحب کے ساتھ یہ دونوں دوست بھی جامعہ کی تعمیرِ نَو میں مصروف ہو گئے۔ عابد صاحب تو بیچ بیچ میں دوسرے مشاغل بھی اختیار کرتے رہے، لیکن مجیب صاحب نے بدترین اور بہترین کسی دور میں بھی جامعہ کے سوا اپنا کوئی اور مشغلہ نہ رکھا اور اب تک شیخ الجامعہ کی حیثیت سے وہ اسی کے لیے اپنی زندگی وقف کیے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ ڈاکٹر صاحب کو تقسیم ہند کے بعد مسلم یونیورسٹی کا وائس چانسلر بننا پڑا، ورنہ یونیورسٹی ختم ہو جاتی اور اب وہ بہار کے گورنر ہیں۔

جامعہ کے اکثر اساتذہ اور طلبہ کا رجحان کانگریس کی طرف زیادہ رہا۔ لیکن ایک جماعت طالب علموں اور استادوں کی ایسی بھی رہی، جو خلافت اور بعد میں مسلم لیگ کی جان و دل سے حامی تھی، عام شہرت یہی تھی کہ جامعہ کے کارکن کانگریسی ہیں، اسی کے سبب قائداعظم بھی کچھ بدظن سے تھے۔

لیکن نومبر 1946ء میں جب جامعہ کا جشن سیمیں اوکھلا (جامعہ نگر) میں منعقد ہوا تو ڈاکٹر صاحب کی سحر طرازی، جہاں جواہر لال کو کھینچ لائی، وہاں قائداعظم کو بھی لے آئی، قائداعظم نے یہ تقریر اُسی موقع پر کی تھی۔

رئیس احمد جعفری

اسلامی ہند جامعہ کو امداد دے کر اُسے اپنے خاص قومی ادارہ میں تبدیل کر چکا ہے۔ اب جامعہ کے کارکنان کو مالی امداد کے بارے میں پریشان اور ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ مسلمان اس قومی ادارہ کی طرف دستِ تعاون ہمیشہ بڑھاتے رہیں۔ ''جامعہ ایک ایسا ادارہ ہے جو ترقی کے منازل طے کرتا جا رہا ہے۔ اب یہ بلاشبہ مسلمانوں کی قومی یونیورسٹی بن چکا ہے۔ یہ مسلمانوں کی قومی تحریک کا موجد ہے اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بھی جامع کی مثال قابلِ تقلید ہوگی۔''

ڈاکٹر ذاکر حسین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا، ''آپ نے ایک ایسا ادارہ قائم کیا ہے جو ایک صحیح طرزِ تعلیم کی طرف رہنمائی کر رہا ہے۔ لیکن میں آپ کو یہ بتا دینا ضروری خیال کرتا

ہوں کہ ماضی میں جامعہ کے متعلق جو تعصّبات اور غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں، ان کا رفع کرنا اب اشد ضروری ہے۔ اب آپ کو عملی طور پر یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ حقائق پر مبنی نہیں تھیں۔''

بد قسمتی سے اب تک اسلامی ہند مردہ تھا، لیکن اب قوم میں نئی زندگی کے آثار نمایاں ہیں۔ ہم تعلیم کے فوائد کے احساس سے سرشار ہو چکے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ مسلم قوم کی ضروریات کی تکمیل کرنے میں سرگرم کوششیں جاری رکھیں گے۔

***

کانگریسی لیڈروں سے اپیل!

مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش نہ کرو

15 نومبر 1946ء

ہندوستان میں فسادات کا سلسلہ جاری تھا۔ مسلمان کٹ رہے تھے، لٹ رہے تھے۔ نہ ان کی جان محفوظ تھی، نہ مال، نہ ان کی فریاد سننے والا تھا، نہ دادرسی کرنے والا۔ دیہاتوں کی حالت خاص طور پر ناگفتہ بہ تھی۔ شہروں میں تو خوں ریزی کا سلسلہ مسلسل نہیں جاری رہتا تھا، لیکن مسلم دیہاتوں کا تو صفایا ہو جاتا تھا۔

قائداعظم کی تجویز یہ تھی کہ ہر صوبہ میں جو اقلیت کے افراد بہت حقیر اور معمولی تعداد میں اکثریت والی قوم کے حلقے میں گھرے ہوئے ہیں، انھیں ایسی جگہ لاکر آباد کر دیا جائے، جہاں ان کے ہم قوم زیادہ تعداد میں بستے ہوں۔ فسادات کے تواتر اور تسلسل نے اس ضرورت کی اہمیت کو اور زیادہ نمایاں کر دیا تھا۔

لیکن کانگریس نے یہ تجویز نہیں تسلیم کی۔

کراچی کی ایک کانفرنس میں قائداعظم نے اس مسئلہ پر پھر پوری سنجیدگی کے ساتھ اظہار خیال فرمایا۔

ساتھ ہی ساتھ ملک کے عام حالات اور خاص طور پر مرکز کی عارضی اور نام نہاد قومی حکومت اور اس سے متعلق کانگریسی تصورات کے بارے میں بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

رئیس احمد جعفری

اس سوال کے جواب میں کہ وائسرائے کے اس مکتوب کے مطابق جو انھوں نے پنڈت نہرو کو تحریر کیا تھا، مسلم لیگ کے عارضی حکومت میں شریک ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ برطانوی وزارتی وفد کی اسکیم کو قبول کر لے۔ قائداعظم نے کہا کہ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، یہ بالکل ظاہر ہے کہ کانگریس نے

برطانوی مشن کی 16 مئی کی تجاویز اور 25 مئی کی تصریحات کو کبھی قبول نہیں کیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے اس خط میں جو انھوں نے مسٹر گوپی ناتھ باردولی (1) کو بھیجا تھا اور جس کا حوالہ میں نے وائسرائے کے نام اپنے خط میں دیا ہے۔ اس کو خود واضح کر دیا ہے اور مسٹر گاندھی نے بھی یہ اعلانات ابھی حال ہی میں 30 ستمبر اور 23 اکتوبر کو کیے ہیں۔ (2)

مزید برآں میں نے کبھی ایک لمحہ کے لیے وائسرائے کو یقین دہانی کے طور پر یا کسی اور پیرایہ میں اس کے علاوہ کچھ سمجھنے کا موقع نہیں دیا کہ طویل المدت اسکیم پر صرف آل انڈیا مسلم لیگ کونسل ہی غور اور فیصلہ کر سکتی ہے، بالکل ابتدا سے اور اس وقت تک جب کہ ہم عارضی حکومت میں شامل ہوئے ہیں۔ وائسرائے سے یہی کہتا رہا کہ طویل المدت اسکیم پر اسی وقت غور ہو سکتا ہے جب دونوں بڑی جماعتوں کے درمیان ایک مناسب دوستانہ فضا پیدا ہو جائے۔

کانگریس نے ذرا بھی پیچھے ہٹنا گوارا نہیں کیا اور وائسرائے نے بار بار یہ وضاحت کی کہ اس خیال سے کہ کانگریس سے 16 مئی کے بیان و توضیحات کو غیر مبہم طور پر تسلیم کرایا جا سکتا ہے۔ اس مسئلہ پر مزید بحث و تمحیص تضیع اوقات ہے۔ اس سوال کے جواب میں کہ مسلم لیگ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے سلسلہ میں کیا رویہ اختیار کرے گی؟ قائداعظم نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ ہم زندہ رہ سکیں گے۔ لیکن میں یہ سمجھنے سے معذور ہوں کہ ان حالات میں اور خصوصاً اس آتش گیر ماحول میں جو ملک کے اطراف خصوصاً بہار میں قتل کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ کوئی شخص کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے جاری رکھنے پر کیوں کر مُصر ہو سکتا ہے۔ (3) یہ قطعی حماقت اور عاقبت نا اندیشی ہے کہ اس راہ پر چلتے رہنے پر اصرار کیا جائے اور مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ کانگریس کے لیڈروں اور کانگریس کے اجلاس میرٹھ نے اس آگ پر تیل چھڑکنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ قائداعظم نے کانگریس کے اجلاس میرٹھ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔ پنڈت نہرو کے الزامات کے متعلق جو انھوں نے مسلم لیگ پر عائد کیے ہیں۔ صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ انھوں نے جو کچھ کہا، اس میں حقیقت کا شائبہ نہیں۔ (4)

پنڈت نہرو نے عہدہ قبول کرتے وقت دو حلف اٹھائے تھے۔ ان میں سے ایک میں انھوں نے ملک معظم کے ساتھ وفاداری کا عہد کیا تھا۔ اب انھوں نے ہم کو شاہی پارٹی کہہ کر نیز ہم پر شہنشاہیت پسند برطانوی حکومت کی مدد کرنے کا الزام لگا کر صرف دنیا کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔ یہ الزامات سراسر بے بنیاد ہیں۔

دوسرے بیوقوف سے بیوقوف آدمی سمجھ سکتا ہے کہ انھوں نے عہدہ قبول کرتے وقت گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کے ممبر کی حیثیت سے غیر مبہم طور پر حلف اٹھایا تھا۔ یہ قطعی واضح اور ظاہر ہے اور بارہا اس کی

وضاحت کی جا چکی ہے۔ خصوصاً وائسرائے 2 ستمبر کی نشریاتی تقریر میں کہ انھوں نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ وہ اپنی ایگزیکٹو کونسل کے اراکین کو روزمرہ کے انتظامی معاملات میں زیادہ سے زیادہ آزادیٔ عمل دیں گے۔ یہ محض پرواز خیال اور افسانہ طرازی ہے کہ اسے کابینہ قومی حکومت یا مخلوط وزارت کہا جائے۔

کانگریس کمیٹی کو بھی بعض اوقات کابینہ کہہ دیا جاتا ہے اور کبھی کبھی میں نے مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کو بھی کابینہ کے نام سے موسوم کیے جاتے سنا ہے۔ صرف نام رکھ دینے سے آپ اسے آئینی یا قانونی طور پر کابینہ کے اختیارات نہیں دے سکتے۔

آگے چل کر قائداعظم نے کہا کہ یہ ظاہر ہے کہ عارضی حکومت کے ممبروں کا انتخاب فرقہ واری بنیادوں پر کیا گیا ہے، لہٰذا جہاں تک روزمرہ کے انتظامی امور کا تعلق ہے، وہ صرف 1919ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت ہی عمل کر سکتے ہیں اور وہ تھوڑے بہت اختیارات اور مواقع جو روزمرہ کے انتظامات کے سلسلے میں حاصل ہیں، عام لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ ہم وہاں صرف اسی مقصد سے گئے ہیں۔ لیکن پنڈت نہرو کی خوش فہمیاں سدراہ ہو جاتی ہیں۔ وہ شترمرغ کی طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور سوچنے لگتے ہیں کہ 1919ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ خلد آشیاں ہو چکا ہے۔

اپنے تخیل کی بلند پروازیوں کے دوران میں وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ واقعی قومی حکومت ہے جو ووٹ دینے والوں اور عوام کے روبرو جواب دہ ہے اور نہ صرف یہ کہ وہ صرف یہی سمجھتے ہیں کہ وہ اس طرح کام کر سکتے ہیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی ایسا ہی کریں۔

حقیقت صرف اتنی ہے کہ اگر وہ زمین پر پاؤں رکھ سکیں اور ٹھنڈے دل سے سکون کے ساتھ غور کریں تو انھیں معلوم ہو جائے گا کہ نہ وہ وزیراعظم ہیں، نہ یہ حکومت نہرو گورنمنٹ ہے۔ وہ صرف امور خارجہ اور تعلقات دولت مشترکہ کے محکمے کے ممبر ہیں۔

قائداعظم نے مزید فرمایا، جب تک پنڈت نہرو اور کانگریس یہ سمجھتے ہیں کہ وہ عارضی حکومت کے اقدامات کے ذریعہ اپنی اکثریت کے بل پر ریشہ دوانیوں یا ہتھکنڈوں سے مطالبہ پاکستان کو تارپیڈو کر سکتے ہیں یا رفتہ رفتہ ایسی حرکتیں کر سکتے ہیں جس سے ہندوستان کے آئندہ دستور اساسی کے تصفیے پر برا اثر پڑ سکے جو اس کے لیے مضرت رساں ہو تو مسلم لیگ ہر ایسے ''اقدام پُرترکیب'' کا مقابلہ کرے گی، جس کا مقصد ہندوستان کے آئندہ آئین کے تصفیے کو بیش از بیش دشوار بنانا ہو۔

پنڈت نہرو اور کانگریس مسلم لیگ کے ممبروں یا مسلم لیگ سے یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ ان کے احکام کی تعمیل کریں۔ گویا کہ وہ ان سے کمتر درجہ رکھتے ہیں۔ یہ صورت ہمارے لیے قطعاً ناقابلِ قبول

ہے۔ ہم نہ پنڈت نہرو کی فرمانبرداری کر سکتے ہیں اور نہ کانگریس کی اور جب تک کانگریس کی یہ پالیسی ہے کہ وہ ایگزیکٹو کونسل کے اندر سے یا باہر سے مطالبہ پاکستان کو تارپیڈو کرنے کی خواہش مند رہے گی اور جب تک کانگریس مسلم لیگ کو اپنے مساوی مرتبہ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتی، ہمارے لیے مشکل ہے کہ عارضی حکومت کا مقابلہ و مزاحمت نہ کریں۔

قائداعظم کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی کہ وائسرائے نے اپنی سرکاری خط و کتابت میں ''کابینہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قائداعظم نے جواب دیا، ہاں وائسرائے پر زور ڈالا گیا اور اسے عارضی حکومت کہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ پنڈت نہرو لفظ ''کابینہ'' پر نہایت مصر تھے اور وائسرائے نے اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا کہ اگر اس سے پنڈت نہرو خوش ہو سکیں تو وہ یہ الفاظ استعمال کر لیں۔ چھوٹی طبیعتیں چھوٹی باتوں کو پسند کرتی ہیں، لیکن آپ گھوڑے کو ہاتھی کہہ دینے سے اسے ہاتھی نہیں بنا سکتے۔

ایک نمائندے نے سوال کیا کہ اجلاس میرٹھ میں سردار پٹیل نے جو تقریر کی ہے اس کے متعلق آپ کے کیا تاثرات ہیں؟ قائداعظم نے جواب دیا، کانگریس والوں کے خیال میں سردار پٹیل سخت آدمی ہیں اور اسی لیے وہ سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن الفاظ سے ہڈیاں نہیں ٹوٹا کرتیں۔ اگر یہ کہنے سے کہ ''تلوار کا مقابلہ تلوار سے کیا جائے گا'' ان کا مطلب یہ ہے کہ سارے ہندوستان میں اکثریت اقلیت کا خون بہائے گی۔ تو یہ ایک نہایت ہولناک امکان ہوگا۔ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ شاید وہ یہ محسوس نہیں کرتے کہ جو شخص اس قسم کی چیزوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، وہ ہر قوم کا بدترین دشمن ہے۔

سردار پٹیل کی تلوار کہاں ہے؟ کانگریسی وزارتیں اور وہ لوگ جو اس وقت ایگزیکٹو کونسل کے اراکین کی حیثیت سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر ان پر سے برطانوی سنگینوں کا سایہ اٹھا لیا جائے تو وہ ہرگز کام نہ کر سکیں گے۔

اپنے سندھ کے دورے کے متعلق قائداعظم نے فرمایا، میں سندھ اس لیے آیا ہوں کہ مسلم لیگ کو الیکشن لڑنے میں ہر ممکن مدد دے سکوں۔ میں ابھی آیا ہوں اور ابھی تک اپنا پروگرام نہیں بنا سکا ہوں، لیکن ہم نے ہر نشست جیتنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ سو فیصدی کامیابی ہمارا منتہائے نظر ہے اور میں یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے جو کچھ کر سکتا ہوں، کروں گا۔ اسی طرح سندھ میں پائیدار حکومت قائم ہو سکتی ہے، سندھ اسی طرح پنپ سکتا ہے۔ یہ نہ صرف احمقانہ بلکہ خطرناک بھی ہے کہ سندھ کے مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کی اور کٹھ پتلی وزیراعظم اور وزرا بنانے کی کوشش کی جائے۔ جو ہندوؤں کے اشاروں پر ناچیں، جن کے ووٹ اور جن کی امداد انھیں ان کے منصب پر قائم رکھ سکتی ہے۔ میں غیر اقوام کے ہر سمجھدار انسان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس کی حوصلہ افزائی سے باز رہیں جس سے مسلمانوں میں مختلف طریقوں سے

تفرقہ اندازی کی جائے۔ (5)

آخر میں قائداعظم نے اقلیتوں کے متعلق مسلم لیگ کے طرزِ عمل پر روشنی ڈالی اور کہا، میں اس پر زور دینا اور اسے دہرانا چاہتا ہوں کہ ہم مسلم لیگ کے اس بنیادی اصول سے کبھی منحرف نہیں ہوں گے کہ اقلیتوں کو ہر تحفظ اور ضمانت دی جائے

حواشی

1۔ گوپی ناتھ باردولائی آسام کے وزیراعظم تھے۔ کابینہ وفد کی اسکیم کی رُو سے آسام کو بنگال کے گروپ میں شریک ہونا تھا، لیکن پنڈت نہرو نے بہ حیثیت صدر کانگریس انھیں ہدایت کی کہ وہ اس گروپ میں شریک نہ ہوں۔

2۔ ان حالات میں یہ دعویٰ کہ کانگریس نے کابینۂ اسکیم قبول کر لی ہے۔ حددرجہ مضحکہ خیز تھا۔ پنڈت نہرو کی پشت پناہی گاندھی جی کر رہے تھے، ان کا فرمان بھی یہی تھا کہ آسام کو بنگال گروپ میں نہ شامل ہونا چاہیے۔

3۔ بہار میں مسلمانوں کا قتلِ عام ہو رہا تھا، لیکن پنڈت نہرو بضد تھے کہ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کا اجلاس جلد از جلد منعقد کر کے ہندوستان کا دستورِ اساسی تیار کر لیا جائے۔

4۔ میرٹھ کے اجلاس کانگریس میں پنڈت نہرو نے کہا کہ مسلم لیگ "کنگز پارٹی" ہے۔ انگریزوں کی حامی اور آزادیٔ ہند کی مخالف ہے، حالاں کہ خود نہرو لارڈ ویول وائسرائے ہند کے نامزد وزیر اور ان کی ایگزیکٹو کونسل کے نامزد وائس پریذیڈنٹ تھے۔

5۔ پٹیل نے اسی اجلاس میرٹھ میں تقریر کرتے ہوئے مسلم لیگ اور قائداعظم کو جی بھر کے گالیاں دیں۔ پھر فرمایا، "تلوار کا جواب تلوار سے دیا جائے گا۔"

یہ ذہنیت صرف پٹیل ہی کی نہیں تھی۔ چند لوگوں کو مستثنیٰ کر کے سارے کانگریسی اسی رو میں بہے جا رہے تھے...... نے ہاتھ باگ پر تھا نہ پا تھا رکاب میں!

6۔ سردار پٹیل نے سندھ کے بعض مسلم لیگی لیڈروں کو توڑ لیا تھا اور مسلم لیگ سے منحرف کر کے اپنا ساتھی بنا لیا تھا۔ چناں چہ مسٹر سیّد جو بڑے سرگرم مسلم لیگی اور پاکستانی تھے، یہاں تک کہنے لگے کہ "پہلے ہندوستان کی آزادی، پھر پاکستان!"

پھر عین وقت پر سیّد صاحب لیگ سے الگ ہوئے اور ایک نئی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے میدان میں نمودار ہو گئے، تا کہ لیگ انتخابات میں کامیاب نہ ہو سکے...... لیکن بالآخر وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

حکمران قوم کو قائداعظم کا آخری انتباہ!

اہلِ انگلستان سے خطاب

13 دسمبر 1946ء

ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے انعقاد سے چند روز پہلے وزیر اعظم برطانیہ مسٹر ایٹلی نے جو ''لیڈرز کانفرنس'' طلب کی تھی، وہ ناکامی پر ختم ہوئی۔ کانفرنس ختم ہونے کے فوراً بعد پنڈت نہرو اور سردار بلدیو سنگھ ہندوستان واپس آ گئے، کیوں کہ وہ دستور ساز اسمبلی کے انعقاد میں تاخیر، تعویق یا التوا کسی طرح بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ قائداعظم نے چوں کہ مسلمان ممبران کو اس کے بائیکاٹ کا حکم دے دیا تھا، اس لیے کوئی مسلمان ممبر اس میں شریک نہیں ہوا۔

تاریخ کا یہ کتنا بڑا الم انگیز اور حسرت خیز المیہ ہے کہ 1946ء میں حالت یہ تھی کہ بڑی سے بڑی رشوت بھی مسلمان کو خرید نہیں سکتی تھی۔ مرکزی اسمبلی میں کونسل آف اسٹیٹ میں اور صوبائی مجالسِ آئین ساز میں جتنے مسلمان ممبر تھے۔ یہ فرشتے نہ تھے۔ اپنے وقت کے جنید و بایزید نہ تھے۔ جاہ و منصب کی طرف ان کا دل بھی راغب ہوتا تھا۔ عہدے اور سربلندی کی تمنا ان کے دل میں بھی چٹکیاں لیتی تھی۔ اقتدار و اختیار کی طلب انھیں بھی تھی، لیکن قائداعظم کی قیادت نے ان میں وہ کردار پیدا کر دیا تھا جو شعلۂ مستعجل کی طرح اپنی جھلک دکھا کر ختم ہو گیا۔ ان مسلمان ممبروں کے سامنے وزارت پیش کی جاتی تھی، لیکن یہ ٹھکرا دیتے تھے۔ جاہ و منصب کی پیشکش ہوتی تھی، لیکن یہ نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ اقتدار و اختیار کا لالچ بار بار انھیں دیا گیا، مگر کیا مجال ہے کہ انھوں نے ادھر توجہ بھی کی ہو۔ یہ اپنے قائد کے فرمانبردار تھے، نہ انھیں وزارت مطلوب تھی نہ اقتدار، نہ انگریز انھیں خرید سکا، نہ کانگریس اور صرف قائداعظم کی وفات کے صرف سات سال بعد یہی لوگ تھے جو جاہ و منصب کی طرف اس طرح لپکتے تھے، جیسے شکر پر مکھی گرتی ہے۔ ڈاکٹر خان صاحب کی ری پبلکن پارٹی نے کیسے کیسے مسلم لیگیوں کو نہیں توڑ لیا؟

لیکن میں کہہ کچھ رہا تھا، کہنے کچھ لگا۔ اس قصے کو چھوڑیئے، میں عرض یہ کر رہا تھا کہ پنڈت نہرو نے دستور ساز اسمبلی کا التوا منظور نہیں کیا، واپس آ گئے۔ قائداعظم کے حکم سے مسلمان ممبروں نے اس کا

مقاطعہ کیا۔ ایک مسلمان بھی شریک نہیں ہوا۔

اب تک اہلِ انگلستان ہندوستان کی سیاست سے صحیح طور پر واقف ہی نہیں ہوئے تھے، ان کے سامنے تصویر کا صرف ایک رخ تھا۔ وہ کانگریس ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک کانگریس ہی کو ہندوستان کی نمائندگی کا حق حاصل تھا، جس جمہوری ماحول میں وہ پلے تھے، اس کے مطابق وہ اکثریت اور اقلیت کا مفہوم لیتے تھے۔ یہ بات وہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے کہ ہندوستان میں اکثریت اور اقلیت کا وجود سیاسی اور طبقاتی بنیاد پر نہیں۔ مذہب کی بنیاد پر ہے۔ طبقاتی اور سیاسی اکثریت کبھی اقلیت بھی بن جاتی ہے، لیکن مذہبی اکثریت ہر حالت میں قائم رہتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انگلستان کے لوگ پاکستان، اس کے مضمرات و داعیات اور اسباب و محرکات کو سمجھ ہی نہیں پاتے تھے۔

قائداعظم واپس نہیں آئے۔ انھوں نے اپنی واپسی چند روز کے لیے ملتوی کر دی۔ مقصد یہ تھا کہ انگلستان کے تعلیم یافتہ اصحاب اور طبقہ خواص کو اس بارے میں ضروری معلومات فراہم کر دیے جائیں، تاکہ وہ اصل حقیقت کو سمجھ سکیں۔

قائداعظم کی چند تقریروں اور بیانوں سے اس پروپیگنڈے کا اثر زائل نہیں ہوسکتا تھا جو مدتِ مدید سے کانگریس کرتی چلی آتی تھی۔ پھر بھی اس زہر کا تریاق کسی حد تک بہر حال قائداعظم کی تقریروں اور بیان سے ہوگیا۔

قائداعظم نے ذیل کی تقریر، کنگزوے ہال میں ارشاد فرمائی تھی۔ اس تقریر میں کابینۂ وفد کی غلط کاریوں کو بھی بے نقاب کیا تھا۔

رئیس احمد جعفری

میں خوش ہوں کہ مجھے ہندوستان کے متعلق صحیح واقعات پیش کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ دراصل یہ ایک طویل داستان ہے۔ یہاں چند دنوں کے قیام میں مَیں نے اخبارات کے مطالعہ سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ گزشتہ سات آٹھ ماہ کے دوران میں جب مزدور حکومت ہندوستانی مسائل کو حل کر رہی تھی، یہاں کے عوام محوِ خواب رہے ہیں۔ لیکن اب ان میں کچھ تبدیلی نظر آ رہی ہے اور حقیقتاً یہ ایک نیک فال ہے۔

مجھے اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ ایک عام ناشر اپنے کاروبار میں مصروف ہے اور صحیح نتائج پر پہنچنے کے لیے نہ تو اس کے پاس اتنا وقت ہے اور نہ ہی اسے صحیح واقعات کا علم ہے۔ اس لیے پریس آپ کی زیادہ مدد نہیں کرسکتا۔ مجھے خوشی ہے کہ صحیح حد تک انگریز اب بیدار ہو چکے ہیں۔ یہ چیز انگریز قوم میں ایک روایتی حیثیت رکھتی ہے کہ جب کبھی واقعی خطرہ ہوتا ہے تو وہ خوابِ غفلت سے چونک اٹھتے ہیں۔

وزارتی مشن کے اراکینِ مارچ میں ہندوستان آئے۔ انھوں نے وہاں کے معاملات کو سمجھنے کی کوشش کی اور طویل گفت وشنید اور بحث وتمحیص کے بعد انھوں نے دو تجاویز پیش کیں۔ طویل المیعاد سکیم قلیل المیعاد سکیم۔ (1)

کانگریس نے صحیح معنوں میں طویل المیعاد سکیم کو کبھی قبول نہیں کیا۔ انھوں نے ذہنی تحفظات کے ساتھ اپنی تشریحات پر زور دیا اور اس اسکیم کی سب سے اہم اور ضروری دفعہ ''گروپ بندی'' کی اپنی جداگانہ تعبیر پیش کی۔ (2)

ہمیں یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ اس پر وزارتی مشن نے نہایت تعجب انگیز طرزِ عمل کا ثبوت دیا۔ انھوں نے انھی تعبیرات کو منظوری سمجھ لیا (3) اور اسی بات کا ساری دنیا میں چرچا کر دیا۔ حقیقتاً انھوں نے یہ بتا کر کہ کانگریس نے طویل المیعاد سکیم کو منظور کر لیا ہے۔ برٹش پارلیمنٹ کو ایک غلط راہ پر ڈال دیا۔

پہلے انھوں نے یہ کہا کہ ہماری بنیادی تجویز 2:5:5 کی ہے، لیکن اب اس تجویز کو 3:5:5 کی شکل میں تبدیل کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ یعنی پانچ مسلمان، پانچ ہندو، ایک سکھ، ایک عیسائی اور ایک پارسی۔ اس تجویز کا اصل منشا محض کانگریس کو خوش کرنا تھا۔ ایک عام انگریز جسے ہندوستان میں کافی عرصہ رہنے کا اتفاق نہ ہوا ہو۔ ان وجوہات کو آسانی کے ساتھ نہیں سمجھ سکتا۔

وزارتی مشن اور جناب وائسرائے نے اب یہ خیال کیا کہ اگر وہ ایک پارسی کو لے لیں تو کانگریسی خوش ہو جائیں گے۔ کیوں کہ یہ تقریباً طے شدہ بات ہے کہ پارسی ممبر کانگریس کی طرف ہی جھکے گا۔ لیکن کانگریس نے رضامندی کا اظہار نہ کیا اور اس تجویز کو بھی رد کر دیا۔

اس کے بعد ہمیں یہ بتایا گیا کہ وزارتی مشن کے اراکین اور جناب وائسرائے اپنی تجاویز کا اعلان کریں گے۔ یہ تجاویز 16 جون کو منصۂ شہود پر آئیں اور قلیل المیعاد سکیم کے نام سے مشہور ہیں۔

ہمیں یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ یہ آخری تجاویز ہیں اور ان کی منظوری یا نامنظوری دونوں جماعتوں یعنی مسلم لیگ اور کانگریس کے اختیار میں ہیں۔ حضرات! آپ سن کر حیران ہوں گے کہ کانگریس نے ان تجاویز کو تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ یہ آخری تجاویز 4:5:5 کے فارمولا پر مشتمل تھیں۔

قائداعظم نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ''جب ممبران کے نام بتائے گئے تو کانگریس نے کہا کہ جن ممبران کا آپ نے انتخاب کیا ہے، وہ ہمیں منظور نہیں ہیں۔ ہم ان میں ردوبدل چاہتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہمیں یہ بھی منظور نہیں کہ مسلمانوں کو کسی قسم کے تحفظات دیے جائیں۔''

اہم فرقہ وارانہ معاملات کے تصفیہ کے سلسلہ میں یقین دلایا گیا اور اس کا تعلق صرف مسلمانوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ یعنی کوئی اہم فرقہ وارانہ مسئلہ ہو اور اس پر

دونوں قوموں کو اختلاف ہو اور ہندوؤں یا مسلمانوں کی اکثریت اس کے خلاف ہو تو اس فیصلہ کو قابلِ قبول نہ سمجھا جائے۔

انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس تجویز کو نامنظور کرنے کی اور بھی بہت سی وجوہات ہیں۔ یہ قلیل المیعاد تجویز جس کا آپ نے اعلان کیا ہے اور جس کو آپ آخری تجویز کہتے ہیں، ہمیں منظور نہیں ہے۔ چناں چہ انھوں نے 25 جون کو اس تجویز کو رد کر دیا اور اسی دن ہم نے اس اسکیم کو منظور کر لیا۔

اس کے بعد ایک اور حیرت انگیز واقعہ رونما ہوا۔ انتہائی کوشش کے باوجود میری سمجھ میں ابھی تک یہ بات نہیں آسکی کہ کن اثرات کے ماتحت وزارتی مشن نے اس اسکیم کی نہ صرف دھجیاں اڑا دیں، بلکہ میں تو یہ کہوں گا، کوئی بھی غیر جانبدار یہی فیصلہ دے گا کہ وزارتی مشن نے پیرا نمبر 8 کے صحیح مطالب کو مسخ کرنے کی کوشش کی اور اس معاملہ پر تازہ گفت وشنید شروع کرنے کا اظہار کر دیا۔

میں آپ پر یہ حقیقت واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کانگریس نے طویل المیعاد سکیم کو بھی کبھی قبول نہیں کیا۔ لیکن بہ ایں ہمہ یہ مشہور کر دیا گیا کہ کانگریس نے اس سکیم کو تسلیم کر لیا ہے۔ میرے لیے سخت مشکل ہے کہ میں اپنے الفاظ میں آج آپ کے سامنے اس طرزِ عمل پر کچھ اظہار کر سکوں۔ مسلم لیگ اور مسلمانوں کے ساتھ یہ ایک کھلی بدعہدی تھی۔

حواشی

1۔ قلیل المیعاد اسکیم یعنی عارضی قومی حکومت۔ طویل المیعاد اسکیم، یعنی دستور ساز اسمبلی کا قیام، دستور ہند کی تدوین۔

2۔ کابینۂ وفد نے یہ تصریح کر دی تھی کہ دستور بننے سے پہلے کوئی صوبہ مجوزہ گروپ سے علیحدہ نہیں ہوسکتا، لیکن صدر کانگریس (پنڈت نہرو) اور گاندھی جی اور دوسرے کانگریسی لیڈر کہتے تھے، دستور بننے سے پہلے بھی ہر صوبہ جس گروپ میں چاہے شرکت کر سکتا ہے۔ اس پر کوئی پابندی نہیں عائد کی جاسکتی۔ مطلب یہ کہ آسام، بنگال کے گروپ میں نہیں شریک ہوسکتا۔

3۔ کانگریس کے اس اعلان سے صاف طور پر یہ واضح ہو گیا تھا کہ وہ کابینہ وفد کی سفارشات کو تسلیم نہیں کرتی۔ لیکن کابینہ وفد نے خوش فہمی سے کام لیا اور اسے صرف کانگریس کی غلط فہمی قرار دیا، ورنہ اس کے نزدیک کانگریس نے یہ اسکیم ''تسلیم'' کر لی تھی۔

✵ ✵ ✵

اہلِ امریکا سے خطاب

13 دسمبر 1946ء

وزیراعظم برطانیہ کی دعوت پر قائداعظم اور پنڈت نہرو وغیرہ لندن پہنچے تو وہاں امریکن براڈ کاسٹنگ کمپنی سے اہلِ امریکا کو مخاطب کر کے آپ نے ذیل کی تقریر ارشاد فرمائی۔

رئیس احمد جعفری

ہندوستان میں موجودہ صورت حال نہایت خطرناک ہے۔ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ اور جداگانہ قومیں ہیں اور زندگی کے ہر اہم شعبہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اگر اس المناک سانحہ کا جس میں ہندوستان چند مہینوں سے مبتلا ہو چکا ہے، جلد از جلد سد باب نہ کیا گیا اور برطانوی حکومت اسی پالیسی پر کاربند رہی تو ہندوستان خانہ جنگی میں گرفتار ہو جائے گا اور اس کی صدائے بازگشت ساری دنیا میں گونج کر رہے گی۔ صرف صوبہ بہار میں ہی ہندوؤں کے منظم گروہ تیس ہزار مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اتار چکے ہیں اور پندرہ ہزار مسلمان تباہ حال اور خانماں برباد ہو چکے ہیں۔ (1)

اس مختصر سی تقریر میں مَیں تفصیلات میں نہیں جا سکتا، لیکن پورے غور و فکر کے بعد میں اسی نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ اس مسئلہ کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ ہندوستان کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا جائے۔ پاکستان میں مسلمانوں کی آبادی سات کروڑ ہوگی اور ہندوؤں کے مقابلہ میں وہ 70 فیصدی اکثریت میں ہوں گے۔ ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت ہے، مسلمانوں کے مقابلے میں وہ 75 فیصدی اکثریت میں ہوں گے۔

جتنی جلدی برطانوی حکومت اعلان کر کے اس امر کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ ظاہر کر دے گی، اتنی ہی جلدی ان ہولناک بربادیوں سے بچ کر نکلنے کی صورت پیدا ہو سکے گی۔ جن کو میں اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں۔ کئی سالوں سے ''وحدتِ ہند'' کے حق میں کوششیں جاری ہیں اور ہر دفعہ انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا

ہے۔ کیوں کہ یہ سراسر غیر ممکن چیز ہے۔ ہندوؤں کو کوئی وجہ شکایت نہیں ہونی چاہیے، کیوں کہ انھیں ہندوستان کا تین چوتھائی حصہ مل رہا ہے، لیکن اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کو اس براعظم کا صرف ایک چوتھائی حصہ ملے گا۔

مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے ''وحدتِ ہند'' اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے تغلب اور تسلط کے ماتحت ایک دوامی غلامی ہے اور مسلم ہندوستان اس کے لیے کبھی رضامند نہ ہوگا۔

آج بالآخر برطانوی حکومت ہندوستان میں موجودہ حالات کی نزاکت کا احساس کر رہی ہے اور صحیح واقعات سے روشناس ہو رہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اب آپ اس مسئلہ کے صحیح خدوخال کا مطالعہ کر سکیں گے اور ان کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

مجھے اس حقیقت کا پورا علم ہے کہ ہمارے خلاف بے پناہ پروپیگنڈہ جاری ہے اور مسلم ہندوستان کی غلط نمائندگی کر کے مسلمانوں کو بدنام کیا جارہا ہے۔ آزادی کی تڑپ ہمارے دلوں میں سب سے زیادہ ہے۔ ہم بھی برطانوی تسلط سے استخلاص کے متمنی ہیں۔ مگر ہم اس بات پر کبھی رضامند نہیں ہو سکتے کہ ہمیشہ کے لیے ہندوؤں کی غلامی میں منتقل کر دیے جائیں۔ ہم ایک آزاد اور خودمختار پاکستان چاہتے ہیں اور اپنے ہمسایہ ہندوستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے ہیں۔

مجھے اس بات پر کامل یقین ہے کہ ہندو اس حقیقت کو محسوس کریں گے کہ دس کروڑ مسلمانوں کو ظلم وتشدد کا نشانہ بنانا ایک غیر ممکن چیز ہے۔ وہ اقلیت نہیں ہیں بلکہ وہ ایک قوم ہیں۔

حواشی

1۔ یہ محتاط ترین اندازہ تھا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مقتولین، مجروحین اور تباہ حال لوگوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔

2۔ پاکستان کا مطالبہ جب بھی قائداعظم نے دہرایا، ہندوستان کے ساتھ دوستانہ اور برادرانہ تعلقات کی تمنا اور آرزو کا اظہار ضرور کیا۔

قیامِ لندن کے دوران میں ایک پریس کانفرنس سے قائداعظم کا خطاب!

لندن میں ایک تقریر

14 دسمبر 1946ء

14 دسمبر کو لندن میں ایک پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے تفصیلی طور پر یہ بتایا کہ کس طرح وزارتی مشن اور برطانوی گورنمنٹ نے مسلم لیگ کو نظرانداز کرنے کی کوشش کی۔ دورانِ گفتگو میں اس کی وقعت کو گرانا چاہا، پاکستان کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی اس کو مٹانے کی پوری کوشش کی۔

جب آپ سے ایک پریس کے نمائندے نے سوال کیا کہ کیا پاکستان سے مراد مکمل آزادی ہے۔
آپ نے جواب میں کہا، ''پھر ہم کس لیے لڑ رہے ہے۔ مکمل آزادی کا ہی دوسرا نام پاکستان ہے۔

ایک دوسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اگر فیڈرل کورٹ برطانوی حکومت کے 6 دسمبر والے بیان کے خلاف فیصلہ دے دے تو ملک معظم کی حکومت کیا رویہ اختیار کرے گی؟ کیا برطانوی حکومت فیڈرل کورٹ کے فیصلہ کے مطابق عمل کرے گی؟ میں کہتا ہوں، ایسے حالات میں مسلم لیگ کسی طرح بھی نمائندہ اسمبلی میں شریک نہ ہوگی۔

ایک جرنلسٹ کے سوال پر کہ آخر لیگ فیڈرل کورٹ سے فیصلہ لینے کے کیوں خلاف ہے۔
قائداعظم نے فرمایا کہ کسی قوم کی قسمت کا فیصلہ عدالت نہیں کرتی۔ دنیا میں کوئی ایسی مثال نہیں۔ فیڈرل کورٹ کا بار بار سوال اٹھانا بے کار ضد ہے۔ (1) گروپنگ کا سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے، بلکہ یہ تو ساری اسکیم کی جڑ ہے۔ (2) خود وزارتی مشن جو اس پلان کے خالق ہیں، اس کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکتے۔ اگر کسی کے دل میں اب بھی شک ہے تو میں صاف صاف الفاظ میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اس قسم کے سوال پر کسی کورٹ کا فیصلہ ماننے کو تیار نہیں۔ (3)

ایک اور رپورٹر نے سوال کیا کہ اگر کانگریس نے برطانوی تجاویز کو قبول کر لیا تو مسلم لیگ اسمبلی میں شریک ہو جائے گی تو کیا ایسی حالت میں مسلم لیگ کانفرنس سے متفق ہو جائے گی کہ نمائندہ اسمبلی ایک

آزاد جمہوری ادارہ ہے، جس میں باہر کی طاقت کو کوئی دخل نہیں ہوگا۔

قائداعظم نے سوال کے پہلے حصہ کے جواب میں کہا کہ اگر کانگریس برطانوی حکومت کے 6 دسمبر والے بیان کو بغیر کسی اگر مگر کے تسلیم کرے تو وہ فوراً نئی دہلی میں اپنی کونسل کا جلسہ طلب کر لیں گے۔ لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ کونسل کا فیصلہ نمائندہ اسمبلی میں شریک ہونے کے متعلق کیا ہوگا۔ (4)

سوال کے آخری حصہ کا جواب دیتے ہوئے قائداعظم نے جرنلسٹ کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے یہ سوال کر کے کافی اہم معاملہ پیش کر دیا۔ انھوں نے کہا کہ اس کا جواب کانگریس کا آئندہ طرزِ عمل دے گا۔ لیکن جس جمہوریت کا راگ اکثر گایا جاتا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ جس مجلسِ آئین ساز میں کانگریس کے 292 ممبر ہیں۔ شاید دو ایک کم شریک ہوں۔ وہاں مسلمانوں کی گنتی صرف 75 ہے۔ ہندو اور مسلمان کے درمیان کوئی جمہوریت نہیں بن سکتی۔ وہاں تو ایک قوم کے مشترکہ مطالبہ کو بھی ٹھکرایا جا سکتا ہے اور محض اس بنا پر کہ اس کے نمائندے 79 ہیں اور کانگریس کے 292۔

مسلمان ہرگز نمائندہ اسمبلی میں کسی بیرونی طاقت کا دباؤ نہیں چاہتے، بلکہ وہ تو اسکیم کو بنیادی طور سے اس طرح عمل میں لانا چاہتے ہیں جس سے ایک قوم دوسری قوم کی دست برد سے محفوظ ہو جائے۔

لیکن ایک طرف اسمبلی کی خود مختاری کا دعویٰ کرنا اور دوسری طرف مسلمانوں کو نظر انداز کرنا۔ سمجھتا ہوں کہ یہ ایک خطرناک حرکت ہے۔

کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ دنیا کے کسی قطعۂ زمین میں کوئی آئین کامیاب ہو گیا ہو۔ جب تک کہ اس کو ملک کے بڑے بڑے طبقوں کی تائید حاصل نہ ہوئی ہو، مشین بھی اس وقت تک ٹھیک کام نہیں کرتی، جب تک کاریگروں کی پوری ہمدردی اور اشتراکِ عمل نہ ہو۔

یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمان اکثریت کے خلاف ویٹو استعمال کرتے ہیں تو میں پوچھتا ہوں کہ اکثریت سے کیا مراد ہے؟ اگر اکثریت کا مطلب ہندو ہیں تو انھیں کون اپنا آئین بنانے سے روکتا ہے۔ وہ جلد سے جلد اپنا آئین تیار کر لیں، ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ ہم پاکستان کا آئین خود تیار کر لیں گے۔

جب آپ سے پوچھا گیا کہ کیا مسلم لیگ پاکستان کے لیے اپنی علیحدہ نمائندہ اسمبلی بنانا چاہتی ہے تو قائداعظم نے فرمایا، ''میں نے ہمیشہ ایسا کہا ہے۔''

قائداعظم نے کانگریس کے موجودہ رویہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے عارضی حکومت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ کانگریس نے صاف طریقہ سے یہ اعلان کر دیا ہے کہ عارضی حکومت ایک کیبنٹ کی طرح مشترکہ ذمہ داری سے کام کرے گی اور وہ اسمبلی کے سوائے اور کسی دوسری طاقت کے سامنے جوابدہ نہ ہو

گی۔اس اسمبلی میں جہاں اُن کی بھاری اکثریت ہے۔

اور جب ہم کہتے ہیں کہ اس صورت حال کو برداشت نہیں کیا جا سکتا تو ہم کو سرکاری پارٹی اور برطانوی حکومت کے پٹھو کہہ کر بدنام کیا جاتا ہے۔

انھوں نے کہا کہ اس وقت جب کہ آئندہ کے آئین بنانے کا سوال طے نہیں ہوا۔عارضی حکومت ایسے اقدامات کر رہی ہے جو ہمارے مطالبہ پاکستان کے لیے تارپیڈو ثابت ہو رہے ہیں۔

قائداعظم نے آخر میں کہا کہ 6 دسمبر کے برطانوی بیان میں جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اگر ہندوستان کی پارٹیاں فیڈرل کورٹ سے رجوع کرنا چاہیں تو نتیجہ نکلنے تک آئین سازی کو روک دینا چاہیے۔میں نہیں کہہ سکتا کہ کانگریس دانائی کا ثبوت دیتے ہوئے فیڈرل کورٹ کے فیصلہ تک اسمبلی کے سیشن کے اجلاس کو ملتوی کر دے گی۔ (5)

حواشی

1۔ کابینہ مشن خود بالاتفاق بار بار کہہ چکا تھا کہ ''گروپنگ'' اس اسکیم کا لازمی جزو ہے، مگر گاندھی جی اور پنڈت نہرو فرماتے ہیں، نہیں تم غلط کہتے ہو۔ گو تم اس اسکیم کے مصنف ہو، لیکن اپنی اسکیم کے مغز و معنی سے ذرا بھی واقف نہیں۔ آؤ فیڈرل کورٹ سے فیصلہ کرالیں، جس کے چیف جسٹس ہمارے دوست اور تمھارے ہم وطن سر مارس گائر ہیں۔

2۔ گروپنگ کا ایک فائدہ یہ تھا کہ آسام مسلم علاقے میں آجاتا تھا، لیکن یہ کتنی بڑی دھاندلی تھی کہ کانگریس آسام کو مسلم علاقے میں عارضی طور پر بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی، لیکن سارے پاکستانی علاقے کو مستقل اور دائمی طور پر اپنے حلقے میں فیڈرل کورٹ سے فائدہ اٹھا کر لے لینے پر بضد تھی۔

3۔ ظاہر ہے ایسا مسئلہ کسی عدالت کے ذریعہ بھی طے نہیں ہو سکتا۔

4۔ قائداعظم گو مسلم لیگ کے صدر تھے اور لوگ انھیں مسلم قوم کا آمر اور مسلم لیگ کا آقا بھی کہتے تھے، لیکن کسی مرحلہ پر بھی انھوں نے اپنی ذات کو، اپنی جماعت سے بالا نہیں رکھا، ہمیشہ اپنی رائے اسی کے تابع رکھی۔

5۔ اور واقعی کانگریس اس کے لیے تیار نہیں ہوئی۔

***

قاہرہ میں تقریر

پاکستان نہ ملا تو مصر بھی غلام ہو جائے گا

20 دسمبر 1946ء

کانگریس نے کابینۂ وفد کی اسکیم نہیں مانی۔ آسام کو بنگال کے گروپ میں شرکت کی اجازت نہیں دی۔ یہ اعلان نہیں کیا کہ جن حدود کے اندر رہ کر کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کام کر سکتی ہے۔ ان سے تجاوز نہیں کرے گی۔

وائسرائے نے کانگریس کے دباؤ سے مجبور ہو کر کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے اجلاس کی تاریخ مقرر کر دی۔ قائداعظم نے اس کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔

ہندوستان کی کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کام کر رہی ہو، ہندوستان کا دستور اساس بن رہا ہو، اور اس میں ایک مسلمان نمائندہ بھی نہ شریک ہو اور اس دستور کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا جائے۔ اس دھاندلی پر برطانوی وزیراعظم مسٹر اٹیلی بھی اپنی ہندو نوازی اور کانگریس دوستی کے باوجود تیار نہ ہو سکے۔

دستور ساز اسمبلی کے اجلاس سے صرف چند روز پہلے اٹیلی نے لندن میں ایک کانفرنس بلائی تاکہ اب بھی مفاہمت ہو جائے اور ایک ہی دستور ساز اسمبلی پر، یعنی ہندوستان کے تقسیم نہ ہونے پر اتفاق ہو جائے۔ اس کانفرنس میں قائداعظم، لیاقت علی خان، پنڈت نہرو اور سردار بلدیو سنگھ شریک ہوئے، لیکن یہ کانفرنس بھی کامیاب نہ ہوئی۔ پنڈت جی اپنی ضد پر اڑے رہے یعنی آسام بنگال کے گروپ میں شریک نہ ہوگا۔ دستور ساز اسمبلی جو چاہے گی، کرے گی۔ اس پر کوئی پابندی عائد نہیں ہو سکتی۔ قائداعظم بھی اپنی بات پر جمے رہے۔ مسلمانوں کی دستور ساز اسمبلی الگ ہوگی اور وہ مسلم علاقوں کا دستور اساسی بنائے گی۔

لندن سے واپسی پر قاہرہ میں قائداعظم چند روز مصر میں ٹھہرے۔ شاہ فاروق نے پرتپاک استقبال کیا، معانقہ اور مصافحہ کی رسم ادا ہوئی، پھر مسلمانانِ ہند اور عالمِ اسلام کی سیاست پر طویل گفتگو

ہوئی۔ اخوان المسلمون کے زعیم کبیر حسن البنا نے بھی قائداعظم سے شرفِ نیاز حاصل کیا۔ پھر ایک پریس کانفرنس میں قائداعظم نے یہ بیان دیا۔

رئیس احمد جعفری

قائداعظم محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے پریس کانفرنس میں بالتفصیل یہ بتایا کہ کیوں مسلم لیگ نے مجلس دستور ساز میں شرکت نہیں کی۔ آپ نے کہا کہ ہم نے برطانیہ کی پیشکش کو قبول کرلیا، جو اس نے مجلس دستور ساز میں شرکت کرنے کے لیے کی تھی۔ ہم نے اس میں کوئی ذہنی تحفظ نہیں رکھا تھا۔ لیکن کانگریس نے اچانک یہ فیصلہ کیا کہ برطانوی تجویزوں کی بابت وہ اپنی تشریح پیش کرے، اس لیے خطا مسلم لیگ کی نہیں ہے، بلکہ کانگریس کی ہے کہ اس نے ہندوستان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالی۔

سوال کیا گیا، آپ اس معاملہ کو فیڈرل کورٹ کے سامنے کرنے کے لیے تیار ہیں؟ قائداعظم نے جواب دیا کہ اس قسم کی تجویز کے قبول کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ گروپنگ کی بابت برطانوی تجاویز قطعی واضح اور طے شدہ ہیں اور ان میں شک وشبہ کی گنجائش پیدا نہیں ہوتی۔ میں کھل کر فیڈرل کورٹ کے خیال کا مذاق اڑاتا ہوں، یا کسی بھی کورٹ کا جو کانگریس اور لیگ کے درمیان مسئلہ کو طے کرے۔ (1)

یہ سوال کیا گیا، اگر کانگریس آئین سازی کے کام کو برابر جاری رکھتی ہے تو مسلم لیگ کیا کرے گی؟ قائداعظم نے جواب دیا کہ میں ابھی سے کچھ کہنے کو آمادہ نہیں ہوں۔ اس کا فیصلہ آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کرے گی کہ وہ کیا قدم اٹھائے۔ (2) مگر حالت کوئی بھی کیوں نہ ہو، ہم گروپنگ کی بابت کانگریس کے نقطۂ نظر کو نہیں مان سکتے۔ (3)

قائداعظم نے ایک اور بیان میں مصر اور مشرقِ وسطیٰ کے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ مسلمانانِ ہند کی اس جدوجہد میں امداد کریں جو وہ ہندوستان میں کر رہے ہیں۔ لبرل آئینی پارٹی کی طرف سے قائداعظم کو ایک پارٹی دی گئی، جس میں قائداعظم نے کہا کہ اگر ہندو شہنشاہیت قائم ہوگئی تو تمام مسلمان ہندوؤں کے غلام ہو جائیں گے اور مآل کار برطانوی ملوکیت کے غلام ہو جائیں گے۔ ہمارے لیے پاکستان زندگی اور موت کے سوال کی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے گھروں میں آزاد رہیں تو آپ کو ہمارے ساتھ اشتراکِ عمل کرنا چاہیے۔ قائداعظم نے اعلان کیا کہ اس وقت کوئی بھی ایسی مسلم حکومت موجود نہیں ہے جو صحیح معنی میں آزاد ہو۔ ایران جو کئی صدیوں سے آزاد تھا، غلام ہوگیا، اس وقت تک مسلمان اور عرب حکومتیں حقیقی معنوں میں آزاد نہ ہوں گی، جب تک پاکستان قائم نہ ہوگا،

اس لیے جو شخص ہندوستان پر اقتدار رکھتا ہے، وہی مشرقِ وسطیٰ پر اقتدار رکھتا ہے۔ آپ نے ضیافت کے شرکا سے کہا کہ اگر ہندوستان میں ہندو شہنشاہیت قائم ہوگئی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہندوستان سے اسلام ختم ہوگیا، بلکہ ہندوستان ہی سے نہیں، دوسرے اسلامی ملکوں سے بھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ مذہبی اور روحانی رشتے ہمیں اور مصریوں کو ایک رشتہ میں باندھے ہوئے ہے۔ اگر ہم ڈوبے تو سب ڈوب جائیں گے۔

اپنے دورے کا مقصد بتاتے ہوئے قائداعظم نے کہا کہ میں یہاں عرب لیگ کا مہمان ہوں۔ میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ مصر کی سیاسی حالت کا مطالعہ قریب سے کرسکوں، مجھے اس بات کی فکر ہے کہ اہلِ مصر یہ سمجھیں کہ مسلم ہندوستان کس مقصد کے لیے جدوجہد کررہا ہے اور یہ بات مصر کے لیے کتنی اہم ہے کہ ہم مسلمانانِ ہند حصولِ پاکستان میں کامیاب ہوں اور یہ بات اہلِ مصر کے لیے کتنی خطرناک ہو گی، اگر ہم اس مقصد میں کامیاب نہ ہوں گے۔ قائداعظم نے انکشاف کیا کہ جب لندن جارہا تھا تو مصر سے گزرتے ہوئے میرے اوپر یہ بات منکشف ہوئی کہ کانگریسی ایجنٹوں نے کتنا وسیع پروپیگنڈا مصر میں کررکھا ہے۔ میں نے بہت کم سنا اور دیکھا۔ لیکن اس مختصر سے تجربے سے ہی میں نے یہ بات محسوس کرلی کہ کانگریسی ایجنٹوں نے مصریوں کو ہندوستان کے حالات اور حقائق کی بابت کس حد تک گمراہ کررکھا ہے۔ میں ہر اُس مصری سے جو اپنے ملک اور ہندوستانی مسلمانوں کی محبت اپنے دل میں رکھتا ہے، یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہندوستان کے مستقبل کے آئین کے سوالات پر گہری نظر سے غور کرے۔ اس کے بعد مصری یہ محسوس کرسکتے ہیں کہ ہندو راج کا خطرہ کتنا قوی ہے جو اپنے پنجے مشرقِ وسطیٰ تک پھیلنے میں کامیاب ہوسکے گا۔ اگر ہم حصولِ پاکستان میں کامیاب نہ ہوسکے۔

حواشی

1۔ کیوں کہ قوموں اور ملتوں کے مستقبل کے فیصلے عدالتیں نہیں کیا کرتیں۔

2۔ قائداعظم کی جمہوریت پسندی کا سب سے بڑا ثبوت۔

3۔ یعنی آسام کو بنگال کے گروپ میں شریک ہونا پڑے گا۔ اگر کانگریس اتنی سی بات گوارا نہیں کرسکتی تو ہم سارا پاکستان اُسے کیسے دے دیں؟

قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں!

اقبال

1947ء

جب پاکستان بن گیا،

جب مشرقی پنجاب میں، ''ہو گیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو!''

جب ہر وقت سقوطِ پاکستان کا خطرہ لگا ہوا تھا،

جب قائداعظم کے تدبر، عزم راسخ، ہمت بلند، خود اعتمادی اور

اعتماد علی اللہ نے اس گرتی ہوئی عمارت کو تھام لیا!

کیوں کہ

پائے او محکم بہ رزم خیر و شر

ذکرِ او شمشیر و فکر او سپر

میمن چیمبر آف کامرس بمبئی کے اجتماع میں قائداعظم کی حیات آفریں تقریر!

تاجروں سے قائداعظم کا خطاب

27 مارچ 1947ء

مستقبل قریب میں پاکستان کے اندر کسی قسم کے بحران سے دوچار نہیں ہونا پڑے گا۔ ایسا ہونا بہت غیر ممکن سا واقعہ ہے۔ آپ اپنی حکومت میں معاشرتی عدل وانصاف اور اشتراکی نظام کے قیام میں کافی حد تک مدد ومعاون ثابت ہوں گے۔ معاشرتی انصاف اسلامی تعلیمات کا ایک اہم حصہ ہے۔ ہر حکومت میں ایسا ہونا چاہیے تاکہ وہ حکومت دنیا کو بتا سکے کہ وہ اقتصادیات اور معاشرتی انصاف میں کامل یقین رکھتی ہے۔

بہت سی دوسری قومیں جن میں ہندوؤں کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ جھوٹے پروپیگنڈے پھیلا کر لاتعداد غلط فہمیاں پیدا کر رہی ہیں۔ ان کو اتنا بدظن کر دیا گیا ہے کہ وہ ہمیں مشتبہ نگاہوں سے دیکھتی ہیں اور وہ یہ سمجھ رہی ہیں کہ ہم ان کے خلاف کوئی معاندانہ لائحہ عمل تیار کر رہے ہیں۔ ہمیں پاکستان قائم کرنا ہے اور اس میں صرف مسلمانوں کی بھلائی ہی نہیں ہوگی، پاکستان کا مطلب ہے آزادی کسی خاص ایک قوم کے لیے نہیں بلکہ سب کے لیے آزادی پاکستان کا مطلب دونوں کے لیے آزادی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے دل میں عظیم الشان ہندو قوم کی بہت عزت ہے۔ ان کا اپنا دھرم ہے، اپنا فلسفہ ہے۔ وہ اپنا تمدن رکھتے ہیں۔ عین اُسی طرح جس طرح مسلمان اپنا ایمان، فلسفۂ حیات اور تمدن رکھتا ہے۔ لیکن دونوں الگ الگ قومیں ہیں۔ (1)

میں پاکستان کے لیے لڑ رہا ہوں، کیوں کہ ہمارے مسائل کا یہی ایک عملی حل ہے۔ متحدہ ہندوستان کا تصور اور پارلیمانی خطوط پر طرزِ حکومت ایک لایعنی خواب ہے اور ایک غیر ممکن شے ہے۔ ہندوستان نہ تو ایک ملک ہے اور نہ ہی ایک قوم، اس میں بیسیوں قومیں ہیں۔

میں یہاں بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے ذہنوں میں یہ تصور کس نے راسخ کیا۔ ہندوستان ایک رہے یا تقسیم ہو جائے، آخر انگریزوں کا اس سے کیا واسطہ ہے؟ اس کے متعلق وہ کیوں پریشان ہو رہے

ہیں؟ وہ کیوں امیدوں کے خلاف حوصلہ افزائی کر کے ملک کی قیادت کے لیے کچھ اور راہیں پیدا کر رہے ہیں۔ انگریز جا رہے ہیں، انھیں یہاں سے جانا ہی پڑے گا۔ لیکن وہ متحدہ ہندوستان کا راگ کیوں الاپ رہے ہیں۔ وہ اس راز کو خود ہندوستانیوں سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ ان کی نجات ہی اسی میں ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جب تک وہ متحدہ ہندوستان پر مصر رہیں گے، تباہی و بربادی اور قتل وخون کا دور دورہ قائم رہے گا۔ انگریزوں کی یہی چال رہی ہے اور اب جب کہ وہ ہندوستان چھوڑ رہے ہیں، مسلح کیمپ میں جوش وخروش پیدا کر رہے ہیں۔

میں مسلمانوں، ہندوؤں اور دیگر اقوام سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ حالات کا بغور مطالعہ کریں اور خوابوں کی دنیا میں بسنے کی کوشش نہ کریں۔

آیئے اب عملی آدمیوں کی طرح قدم اٹھائیں اور اصول تقسیم کو تسلیم کر لیں۔ ہم پاکستان میں رہیں گے اور آپ ہندوستان میں۔ ہم ہمسایوں کی طرح زندگی بسر کریں گے ہمیں غیر ملکیوں کی ضرورت نہیں۔ ہم دوستوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں۔ ہم صنعت وتجارت میں دوست رہیں گے اور دو بھائیوں کی طرح رہیں گے۔ یہی پاکستان ہے۔ (2)

حقیقت ایک کھلا راز ہے کہ مسلمانوں کی صفوں میں تشتت و افتراق پیدا کرنے کے لیے کتنی دولت صرف کی جا چکی ہے۔ دس سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور ہم اس آزمائش اور امتحان میں پورے اترے ہیں۔ آج مسلمان ایک متحد و منظم قوم ہیں اور پاکستان کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار ہیں۔ یقیناً ہم پاکستان قائم کر کے رہیں گے۔ کیوں کہ پاکستان کے سوا ہمارے لیے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ پاکستان کی منزل روز بروز قریب آ رہی ہے۔ لہٰذا آیئے اب مطالبہ پاکستان کو تسلیم کر کے التوائے جنگ کا اعلان کر دیں۔ الگ الگ رہ کر ترقی کی منازل طے کرنا ایک جگہ رہ کر غلامی کی زندگی بسر کرنے اور ہر چیز کو تباہ وبرباد کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ متحدہ ہندوستان سراسر بربادی پر منتج ہوگا۔ آخر یہ تباہی و بربادی کیوں ہو؟ اس کا جواب بہت مشکل نہیں ہے۔

اکھنڈ ہندوستان کا مطلب یہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم پر حکومت کرے گی۔ متحدہ ہندوستان کا مطلب یہ ہے کہ ہندوؤں کے تین ووٹ ہوں گے اور مسلمانوں کا ایک اس لیے ایک قوم اپنی بہیمانہ اکثریت کے بل بوتے پر حکومت کر کے دوسری قوم پر اپنے تصورات مسلط نہیں کر سکتی۔

مجھے کامل یقین ہے کہ یہ دونوں عظیم قومیں ہندوستان اور پاکستان میں دوستوں کی حیثیت سے زندگی بسر کریں گے اور پاکستان اور ہندوستان میں رہنے والے عظیم الشان ہندو اور مسلمان دنیا کو بتا دیں گے کہ ہندوستان صرف ہندوستانیوں کے لیے ہے۔

میں مسلمانوں کی تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی ترقیوں کے لیے بہت سے پلان پر غور کر رہا ہوں۔ میرے خیال میں مسلم تاجروں کی بہتری کا سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں کہ وہ ہر ممکن طریقے سے اقتصادی تنظیم پیدا کریں کہ مسلمانوں کو ٹاٹا جیسی مہم جویانہ اور جرأت آمیز صنعتوں کی ہمسری کرنی چاہیے (3) اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے صنعتی اور تعلیمی ادارے کھولنے چاہئیں۔ (4) ہمیں اپنی قوم کو منظم کرنا ہوگا۔ دوسری قومیں شاید اس کو پیش دستی کہیں اور ہماری اس تنظیم کو فرقہ وارانہ جذبات پر محمول کریں۔ یہ قومیں صدیوں سے یہاں آباد ہیں اور مستقبل میں بھی زندہ رہیں گی۔

پاکستان ایک ایسی حکومت ہوگی، جس میں سب قوموں کو زندگی کی تمام آسائشوں کا حصہ ملے گا۔ اس لیے اب تمام مسائل حل کر لیجیے۔ پاکستان ایک ایسی حکومت ہوگی جہاں ذات پات کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ آخر مجھے کسی فرقہ کے خلاف جو اپنے افراد کی تعلیمی اور معاشرتی ترقی کے لیے کوشاں ہیں۔ کیوں شکایت ہونی چاہیے۔ ایسی کوششوں کو فرقہ واریت کہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جتنی جلدی آپ حقائق کا سامنا کرنے کی کوشش کریں گے، اتنی ہی جلدی آپ موجودہ مسائل کا حل تلاش کر لیں گے۔

قائداعظم نے تبدیلیٔ آبادی کے مسئلہ پر تبصرہ اور نواکھلی میں مسٹر گاندھی کے جوابات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مسٹر گاندھی نے دو سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ تبدیلیٔ آبادی کے حق میں ہیں۔ (5) قائداعظم نے فرمایا کہ جس وقت تبدیلیٔ آبادی کی تجویز میں نے پیش کی تھی۔ اس وقت یہ ایک جرم شمار کیا گیا تھا اور اس کے خلاف شور و غوغا بھی بلند ہوا تھا۔ (6)

قائداعظم نے ستمبر 1944ء میں مسٹر گاندھی کے ساتھ گفتگوئے مفاہمت اور خط و کتابت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ سب سے پہلے مسٹر گاندھی نے یہ سوال اٹھایا تھا۔ میں پورے غور و فکر کے بعد یہی کہتا رہا ہوں کہ تبدیلی آبادی نہایت ضروری ہے اور یہ ہو کر ہی رہے گا۔ کیوں کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ کام ایک پرائیویٹ انجمن کا نہیں ہے جو کچھ آج کل ہو رہا ہے، وہ محض معمولی سی علامتیں ہیں۔ سندھ اسمبلی میں پوچھا گیا کہ ہندو آفیسر ہندو اکثریت کے صوبوں میں تبدیلی کیوں چاہتے ہو، آج کل ہندوؤں اور مسلمانوں میں دونوں طرف ایسے جذبات بہت تیزی سے پیدا ہو رہے ہیں۔ مسلمان پاکستانی علاقوں میں جانے کی کوشش کر رہے ہیں اور ہندو ہندوستان کے علاقوں میں یہ غیر دوستانہ تعلقات کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ لیکن اگر وہ پاکستان میں رہنا چاہیں تو ہم اُن کی مدد کریں گے۔

ہم ہندوؤں کو کامل یقین دلاتے ہیں کہ پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ اور برادرانہ سلوک کیا جائے گا۔ اس کے ثبوت میں ہماری تاریخ شاہد ہے۔ اسلامی تعلیمات نے ہمیں یہی سکھایا ہے۔ یاد رکھیے کہ جو حکومتیں عوام کے اعتماد پر قائم نہیں ہیں۔ وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتیں۔ جمہوریت

مسلمانوں کے رگ و ریشہ میں ہے اور ہم نے ہمیشہ مساوات، اخوت اور استقلال کو پیش نظر رکھا ہے۔ اسلام میں کوئی ایسا موقع محل نہیں ہے۔ جہاں کوئی فرد واحد اپنی من مانی کارروائی کر سکے۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ آپ ایک شخصی حکومت کے مقابلہ میں ہمارے طرزِ حکومت میں زیادہ محفوظ ہوں گے۔

قائداعظم نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا، اگر کوئی چیز اچھی ہے تو عین اسلام ہے۔ اگر کوئی چیز اچھی نہیں ہے تو یہ اسلام نہیں ہے۔ کیوں کہ اسلام کا مطلب عین انصاف ہے۔

حواشی

1۔ قائداعظم ہندو قوم کی عظمت اور اس کے فلسفۂ حیات کی بلندیوں کے ہمیشہ قائل رہے۔ ان کی زبان سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں نکلی جس سے ہندو قوم کی اہانت کا پہلو نکلتا ہو۔

2۔ پاکستان ایک ضرورت تھی، ایک مطالبہ تھا، ایک حقیقت تھی، لیکن اس کے یہ معنی، قائداعظم کے ذہن میں کبھی نہیں آئے کہ پاکستان ہندوستان کا دشمن ہوگا، وہ ہمیشہ یہی چاہتے رہے کہ یہ دونوں ملک دوست اور بھائی کی حیثیت سے رہیں۔

3۔ قائداعظم کی یہ آرزو پوری ہوگئی۔ آج صنعت و حرفت کے میدان میں پاکستان کے اصحابِ عزم بہت آگے نکل چکے ہیں۔

4۔ لیکن قائداعظم کی یہ حسرت ابھی تک پوری نہیں ہوسکی۔ شاید کچھ عرصہ بعد ہمارے سرمایہ دار اس ضرورت کو محسوس کر سکیں۔

5۔ اس لیے کہ پترہ اور نواکھلی میں مبینہ طور پر ہندو ہدفِ ستم بنے تھے۔

6۔ جب تک صرف مسلمان پٹتے رہے، اس کی مخالفت کی گئی۔

7۔ اشارہ ہے اسلام کی جمہوریت پسندی کی طرف۔

***

ہندوستان تقسیم ہو گیا

صدقِ خلیل بھی ہے عشق صبرِ حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!

اقبال

گفتند جهانِ ما آیا بہ تو می سازد!
گفتم کہ نمی سازد، گفتند کہ برہم زن

اقبال

نگاہِ مردِ مومن کا کرشمہ

پاکستان بن گیا

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

قائداعظم

جہاں ہم خشتِ خم رکھ دیں بنائے کعبہ پڑتی ہے
جہاں ساغر ٹپک دیں چشمۂ زمزم اُبلتا ہے

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں!

اقبال

لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے خطاب

13 اگست 1947ء

ہندوستان تقسیم ہو گیا،

پاکستان عالمِ وجود میں آ گیا......

حوریاں رقص کناں ساغر مستانہ زدند!

ایک ناممکن بات ایک ٹھوس حقیقت بن گئی!

پاکستان کا تصور نیا نہیں تھا۔ سر سیّد سے لے کر قائداعظم تک کی تقویباً سو سالہ مدت میں یہ لفظ تو نہیں لیکن یہ مفہوم متعدد مواقع پر مسلم اکابر کی زبان سے ادا ہوا۔

دو قومی نظریہ کے اصلی خالق سر سیّد احمد خان تھے۔ انھوں نے بار بار اپنی تقریروں اور بیانات میں اعلان کیا کہ مسلمان ایک جداگانہ قوم ہیں اور وہ اپنی انفرادیت کا تحفظ چاہتے ہیں۔ درحقیقت پاکستان کی خشتِ اول یہی تھی۔

پھر آغا خان اور محسن الملک کی سرکردگی میں جو وفد لارڈ منٹو وائسرائے ہند سے ملا تھا، اس نے پوری شدت اور اصرار کے ساتھ جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا تھا، ظاہر ہے...... جداگانہ انتخاب کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر مسلمان ایک جداگانہ قوم نہ ہوتے۔ اس وفد نے اپنے معروضات میں اقلیت اور اکثریت کی مستقل اور دائمی حیثیت پر بھی بحث کی تھی۔ اگر مسلمانوں کو اپنی جداگانہ قومیت کا احساس نہ ہوتا تو نہ اس وفد کی ضرورت تھی، نہ ملّی انفرادیت کے تحفظ اور بقا کے لیے مطالبات پیش کرنے کی۔

نواب سلیم اللہ خاں آف ڈھاکہ اور دوسرے بزرگوں کی مساعی سے جب تقسیم بنگال عمل میں آئی، یعنی ہندو بنگال اور مسلم بنگال دو جداگانہ صوبے قرار دیے گئے تو یہ پاکستان کی طرف پہلا قدم تھا۔ لیکن مسلمان اس وقت تک اتنے مضبوط اور منظم نہ تھے کہ اس تقسیم کو قائم رکھ سکتے، چناں چہ ہندو دہشت پسندوں سے مرعوب ہو کر حکومت نے تقسیم بنگال کا فیصلہ منسوخ کر دیا اور مسلمان کچھ نہ کر سکے۔ نواب سلیم اللہ کی اشک شوئی کے لیے ایک بڑا سا خطاب دے دیا گیا۔ ایک اقامتی اور نیم اسلامی درسگاہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے نام سے قائم کر دی۔ اللہ اللہ خیر صلا، بات ختم ہو گئی۔

قائداعظم جب صرف محمد علی جناح تھے، تب بھی وہ ہندو مسلم قومیت کے جداگانہ تصور کے حامل تھے۔ چناں چہ 1916ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین ایک معاہدہ صدر مسلم لیگ مسٹر جناح کی وساطت سے ہوا، جو لکھنؤ پیکٹ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ درحقیقت کانگریس کی طرف سے اس بات کا اعتراف تھا کہ وہ ہندوؤں کی نمائندہ ہے اور مسلم لیگ مسلمانوں کی کیوں کہ اس پیکٹ کی بنیاد مجالس آئین ساز میں ہندو مسلم نشستوں کی تعیین تھی۔

''ہندو انڈیا'' اور ''مسلم انڈیا'' کی اصطلاح اگر مولانا محمد علی کی ایجاد نہیں تو رائج کردہ ضرور تھی۔ انھوں نے کبھی یہ بات تسلیم نہیں کی کہ مسلمان اقلیت ہیں۔ مسٹر ریمزے میکڈانلڈ وزیراعظم برطانیہ کو انھوں نے بستر مرگ پر لیٹے لیٹے جو طویل خط ہندوستان کی سیاسی کشمکش سے متعلق لکھا تھا، اس میں بڑے بپھرے ہوئے لہجہ میں اس شخص کو عقل سے عاری قرار دے دیا تھا، جو مسلمانوں کو اقلیت سمجھتا ہو۔ انھوں نے نہایت شدت کے ساتھ اصرار کیا تھا کہ مسلمان ہرگز اقلیت نہیں ہیں۔ ہر قومی اور بین الاقوامی اصول کے اعتبار سے ایک مستقل قوم ہیں۔ یہ واقعہ 1930ء کا ہے۔

اور 1930ء ہی میں رحمت علی صاحب متعلّم کیمبرج یونیورسٹی نے پاکستان کے نام سے ایک اسکیم کا خاکہ مرتب کیا اور اس کا نام پاکستان رکھا اور اس کی تقسیم و تشہیر کی سعی بھی کی، لیکن اس خاکے میں بنگال شامل نہ تھا۔

پھر 1930ء میں علامہ اقبال نے مسلم لیگ کا خطبہ صدارت (بہ مقام الٰہ آباد) دیتے ہوئے تقسیم ہند کی طرف اشارہ کیا۔

1939ء میں چودھری خلیق الزمان نے لارڈ زٹ لینڈ وزیر ہند کے سامنے تقسیم ہند یعنی مشرقی پاکستان و مغربی پاکستان کی تقسیم کا مطالبہ کیا، لیکن یہ نجی سکیم تھی۔ اب تک قائداعظم متحدہ ہندوستان سے مایوس نہیں تھے۔ وہ صرف تحفظ حقوق مسلمین کے لیے لڑ رہے تھے۔ اب ان کے سامنے یہ اسکیم ان کے ایک رفیق کار نے پیش کی تو سنجیدگی سے انھوں نے غور کیا اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کا تحفظ واقعی تقسیم ہند کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

اب تک جتنی اسکیمیں بھی تقسیم ہند سے متعلق پیش ہوئی تھیں۔ وہ نظریاتی اور علمی حیثیت رکھتی تھیں۔ اب پہلی مرتبہ یہ اسکیم ایک مردِ میدان، ایک قائداعظم اور ایک سالارِ کارواں نے پیش کی۔ فوراً ہی یہ نعرہ ساری قوم کا مطالبہ بن گیا اور بغیر کسی خوں ریزی، خانہ جنگی اور قتل و غارت کے صرف سات سال کی مدت میں، اس مطالبے نے عملی صورت اختیار کر لی۔ کیا یہ واقعہ دنیا کی تاریخ میں انوکھا، بے مثل اور لافانی نہیں ہے؟

ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن، پنڈت نہرو کے دستِ راست کانگریس کے سرپرست اور ذہنی طور پر پاکستان کے سخت مخالف تھے، لیکن حالات سے مجبور تھے۔ بادلِ نخواستہ، انتقال اختیارات اور حکومت کی سند دینے دہلی سے کراچی تشریف لائے۔

اسی تقریر میں انھوں نے قائداعظم کو شہنشاہ اکبر کی پیروی کرنے کی تلقین کی۔ مطلب یہ کہ جس طرح وہ روادار تھا اور ہندوؤں کے ساتھ حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آتا تھا۔ اسی طرح آپ بھی کیجیے۔ قائداعظم نے برجستہ جواب دیتے ہوئے فرمایا، ہمارے سامنے اسلام کی درخشاں اور تاباں روایات ہیں اور یہ روایات صرف رواداری ہی کی نہیں بلکہ غیر مسلموں سے فیاضانہ سلوک کی متقاضی ہیں۔

یہ جواب باصواب سن کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن دم بخود رہ گئے۔

جواب میں قائداعظم نے جو تقریر کی، وہ لفظی اور معنوی ہر اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ اس تقریر میں کوئی تلخی نہیں، بلکہ پوری عالی ظرفی کے ساتھ متعلقہ مسائل پر اظہارِ خیال فرمایا ہے۔

رئیس احمد جعفری

ہم ہمیشہ اس چیز کی کوشش کرتے رہیں گے کہ دولت برطانیہ اور اپنی ہمسایہ حکومت ہندوستان (1) اور دوسری قوموں سے ہمارے تعلقات دوستانہ رہیں اور ہم دنیا میں امن و خوشحالی قائم کرنے میں ان کی مدد کر سکیں۔

عظیم المرتبت ملکہ وکٹوریہ جس نے سو سال پہلے ہندوستان کی حکومت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں سنبھالی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ ہندوستان کو اختیارات سنبھالنے کے لیے تیار کیا جائے گا اور وقت آنے پر آزادی بخش دی جائے گی۔ آج سو سال پہلے کے وعدے ملکہ کے پوتے جارج کے عہد میں پورے ہو رہے ہیں اور اس کے نتیجہ کے طور پر دو آزاد حکومتیں پاکستان اور ہندوستان ظہور میں آ رہی ہیں۔

انگریزوں نے اپنے عہد حکومت میں بہت سی چیزیں ایسی کیں جو نہیں کرنی چاہیے تھیں۔ (2) اس میں شک نہیں کہ انگریزوں کا اثر ہندوستان کی زندگی کے بعض شعبوں پر بہت گہرا اور خوشگوار پڑا ہے۔ مثال کے طور پر انگریزوں کی قائم کردہ عدالتوں کو لیا جا سکتا ہے، جن کی مدد سے لوگوں کے حقوق کو پامال ہونے سے بچایا گیا اور امن کا دور دورہ شروع ہوا۔ (3)

انگریزوں کا رضا کارانہ طور پر چلا جانا، دنیا کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا ایک ہی واقعہ ہے۔ ہندوستان برطانیہ کے تاج کا سب سے روشن ہیرا سمجھا جاتا تھا۔ آج یہ ہیرا اپنے ہی ہاتھوں دوسروں کو دیا جا رہا ہے۔ (4)

یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہندوستان اور پاکستان کے لوگ برطانیہ کے اس اچھے فعل کی بڑائی کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہم اس کی بجا طور پر تعریف کرتے ہیں اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج جو کچھ پاکستان اور ہندوستان دونوں برطانوی قوموں کی برادری کا حصہ ہیں۔ (5)

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تین جون کی اسکیم کو عملی جامہ جس قابلیت اور عمدگی سے پہنایا ہے، وہ قابل تعریف ہے۔ آپ ہندوستان کے آخری وائسرائے ہیں، لیکن ہندوستان اور پاکستان آپ کو بہت دنوں تک یاد رہیں گے۔ یہی نہیں آپ کا نام دنیا کی تاریخ میں بہت زمانے تک یاد رہے گا۔ (6)

قائداعظم نے فرمایا، ہم برطانیہ کے وزیراعظم مسٹر اٹیلی برطانیہ کی پارلیمنٹ اور برطانیہ کے لوگوں کے بھی ممنون ہیں کہ انھوں نے ہمارے مطالبہ آزادی کو سمجھا اور اسی طرح دو آزاد حکومتوں یعنی پاکستان اور ہندوستان کا قیام عمل میں آیا۔

حواشی

1۔ اس موقع پر بھی کہ باہمی تعلقات حد درجہ تلخ تھے۔ قائداعظم نے ہندوستان کے ساتھ دوستی کی تمنا کا اظہار کیا۔ نہایت اخلاص کے ساتھ ان کی آرزو تھی کہ یہ دونوں ملک آپس میں دوست رہیں۔

2۔ اشارہ ہے ان زیادتیوں کی طرف جو انھوں نے اپنی سامراجی حکومت قائم رکھنے کے لیے ہندوستان پر بالعموم اور مسلمان قوم پر بالخصوص روا رکھی تھی۔

3۔ اشارہ ہے اس فرسودہ نظامِ عدالت کی طرف، جو منظم حکومت قائم ہونے سے پہلے رائج تھا اور عہدِ زوال کی یادگار تھا۔

4۔ قائداعظم نے نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ انگریزوں کے اس کردار کو تسلیم کیا ہے اور یہ واقعہ بھی ہے کہ پورے تدبر سے کام لے کر انھوں نے اپنے مقبوضات کو آزادی دے دی، ورنہ فرانس، ہالینڈ اور بلجیم اور دوسری سامراجی حکومتیں آج بھی اپنے مقبوضات پر قبضہ رکھنے کی سرتوڑ کوشش کر رہی ہیں اور اس سلسلے میں کوئی ظلم ایسا نہیں ہے جو روا نہ رکھتی ہوں، کانگو کے واقعات ابھی جاری ہیں اور بزرتا میں جو ہو رہا ہے، اس سے بھی دنیا ناواقف نہیں۔ ان مثالوں کی موجودگی میں انگریزوں کا خود سے چلے جانا واقعی ایک شاندار کارنامہ ہے۔

5۔ برطانوی کامن ویلتھ کی طرف اشارہ ہے۔

6۔ لیکن تقسیم کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بہ حیثیت گورنر جنرل آف انڈیا ریڈ کلف ایوارڈ کو نافذ کر کے اور کشمیر کا ہندوستان سے الحاق کر کے اور مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتلِ عام پر خاموش رہ کر جو کارنامہ انجام دیا ہے، وہ بھی جناب موصوف کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یادگار چیز بنا چکا ہے۔

پاکستانی قوم سے خطاب

17اگست 1947ء

پاکستان کو عالمِ وجود میں آئے ہوئے ابھی صرف چند دن ہوئے ہیں کہ جمعۃ الوداع کا دن آتا ہے۔ اس موقع پر قائداعظم کے جذبات متحرک ہوتے ہیں اور وہ اپنی قوم کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیتے ہیں۔

وہ اپنی قوم کو بتاتے ہیں کہ اس نئے ملک کے قیام سے اس کی ذمّہ داریوں میں گراں بار اضافہ ہو گیا ہے، اگر وہ عزت اور وقار کی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے تو ان ذمّہ داریوں سے اسے ہر حال میں عہدہ برآ ہونا پڑے گا اور ان اہم ذمّہ داریوں میں سب سے بڑی اور اہم ذمّہ داری پاکستانی اقلیتوں کا تحفظ ہے!

قائداعظم کی یہ تقریر جمعۃ الوداع کے دن لاہور، ڈھاکہ اور پشاور سے نشر کی گئی

رئیس احمد جعفری

نہایت مسرت اور شادمانی کے ساتھ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ 15اگست پاکستان کی آزاد اور خودمختار سلطنت کی پیدائش کا دن ہے، یہ مسلمانوں کے مقصد کی تکمیل کا دن ہے جس کے لیے انھوں نے ماضی کے چند سالوں میں بڑی قربانیاں دی ہیں کہ انھیں اپنی حکومت میں رہنے کی جگہ مل جائے۔ اس اہم موقع پر میرے تمام خیالات ان بہادر مجاہدین کی طرف لگے ہوئے ہیں، جنھوں نے خندہ پیشانی اور استقامت سے ہمارے اس مقصد کے حصول کے لیے اور پاکستان کے قیام کے لیے اپنا سب کچھ اور اپنی پیاری زندگی تک کو قربان کر دیا۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان ان کا ممنون و مشکور رہے گا اور ان کی یاد ہمارے دلوں میں ہمیشہ تازہ رہے گی، جنھوں نے اس مقصد کے لیے اپنی جانیں دیں اور وہ اب موجود نہیں ہیں۔ (1)

سلطنت پاکستان کے قیام کے بعد پاکستان کے شہریوں پر بڑی بھاری ذمّہ داری عائد ہو گئی

ہے۔انھیں یہ موقع ملا ہے کہ وہ دنیا کو دکھا دیں کہ مختلف عناصر کی ایک قوم کس طرح امن ومحبّت کے ساتھ زندہ رہ سکتی ہے اور بلا امتیاز مذہب وملت تمام شہریوں کی بہبود کے لیے کام کر سکتی ہے۔ اندرونی (2) اور بیرونی امن ہمارا مقصد ہونا چاہیے۔ ہمیں امن سے رہنا چاہیے، اپنے پڑوسیوں (3) سے دوستانہ تعلقات اور ساری دنیا سے خوشگوار معاملات رکھنا چاہئیں، ہم کسی کے خلاف جارحانہ جذبہ نہیں رکھتے۔ (4) اقوام متحدہ کے چارٹر کے ہم پابند ہیں (5) اور ہم دنیا کے امن اور خوشحالی کے لیے پوری پوری کوشش کریں گے۔ مسلم انڈیا نے دنیا پر یہ واضح کر دیا ہے کہ وہ ایک متحد قوم ہے، اس کا مقصد انصاف پر مبنی ہے، جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں اس نعمت کے لیے آج خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے اور ہمیں اس سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہمیں اس انعام کے لائق بنا دے۔ آج کے دن نے ہماری قومی تاریخ کی نا اُمیدی کی صورت بدل دی اور آج کے دن سے ہمیں نئے قابلِ احترام باب کا اضافہ کرنا چاہیے۔

ہمیں اقلیتوں پر اپنے قول اور فعل سے یہ ثابت کر دینا چاہیے کہ جب تک وہ پاکستان کے وفادار شہری کی حیثیت سے اپنے فرائض اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتی رہیں گی۔ انھیں کوئی خطرہ لاحق نہ ہو گا۔ (6) میں حریت پسند قبائل کو اور اپنے حدود سے باہر والی ریاستوں کو مبارکباد دیتا ہوں اور انھیں یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان ان کے موجودہ معیار کو عزت کی نگاہ سے دیکھے گا اور امن قائم رکھنے کے لیے دوستانہ طور پر ان کی مدد کرے گا۔ ہماری اس سے زیادہ کوئی خواہش نہیں ہے کہ خود بھی عزت سے رہیں اور دوسروں کو بھی عزت سے رہنے دیں۔ آج رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع کا دن ہے، جس پر نہ صرف اس کوچک برِاعظم کے مسلمان بلکہ ساری دنیا کے مسلمان خوشی مناتے ہیں۔ مسلمانوں کو ہزارہا کی تعداد میں مسجد میں جمع ہو کر عجز وانکساری کے ساتھ خدا کے سامنے جھک جانا چاہیے اور اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے اور اس کے دائمی عنایت اور فضل وکرم کا ملتجی بھی ہونا چاہیے کہ وہ پاکستان کو عظیم سلطنت اور ہمیں اچھا شہری بنانے کے کام میں ہماری مدد اور رہنمائی کرے اور آخر میں مجھے کہنا ہے کہ میرے شہری بھائیو! پاکستان کی سرزمین میں مخفی خزانے ہیں، مگر اس ملک کو مسلم قوم کے شایانِ شان بنانے کے لیے اپنی قوت کا ایک ایک ذرہ صرف کرنا پڑے گا اور مجھے امید ہے کہ تمام لوگ اس کام میں دل وجان سے حصہ لیں گے۔

حواشی

1۔ قائداعظم نے ہندو اکثریت کے صوبوں کو ایثار وقربانی پر اُبھارا تھا اور وہ اپنے قائد کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے، قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے تھے۔ پھر جب پاکستان بن گیا تو دفعتہ انھیں نشانۂ جور وستم بنایا گیا، انھیں قتل کیا گیا، لوٹا گیا اور جلاوطن کیا گیا لیکن ان کے عزم واستقامت میں کوئی فرق نہ

آیا۔ آج قائداعظم کو وہ کشتگانِ وفا بھی یاد آ رہے تھے، جنھوں نے ایک اسلامی ملک کے قیام کے لیے اپنی جانیں قربان کر دی تھیں۔

2۔ اندرونی امن پر قائداعظم نے خاص طور پر زور دیا کہ بغیر اس کے حکومت کامیابی کے ساتھ چل ہی نہیں سکتی۔

3۔ پڑوسیوں سے اشارہ ہے ہندوستان کی طرف۔

4۔ قائداعظم نے کبھی ہندوستان کے خلاف کوئی جارحانہ اور انسانیت سے گرا ہوا جذبہ نہیں رکھا۔

5۔ اقوامِ متحدہ کے میثاق پر کسی قوم نے شاید ہی اتنی دیانتداری کے ساتھ عمل کیا ہو، جتنا پاکستان نے کیا۔

6۔ اور ہر طرح کے اندرونی خلفشار کے باوجود پاکستان نے اپنے بانی اور معمار کی یہ بات ہمیشہ یاد رکھی۔ اس نے کبھی اقلیتوں کو نہیں ستایا، نہ دہشت زدہ کیا، نہ گردن کاٹی، نہ لوٹا۔

***

مسلمانانِ ہند کے قتلِ عام اور کشت و خون کی المناک داستان

جب خون کا دریا بہ رہا تھا!

3 دسمبر 1947ء

پاکستان عالمِ وجود میں آ گیا، اس طرح کہ خون کا ایک قطرہ بھی اس جد و جہد میں نہیں گرا، تاریخ سیاستِ عالم کا انوکھا اور حد درجہ حیرت انگیز واقعہ تھا۔

لیکن پاکستان بنتے ہی عقوبت اور تعزیر اور انتقام کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

پاکستان کا بنانا جرم تھا، اس جرم کی سزا دی جا رہی تھی۔

ٹرینیں روک روک کر مسافروں کو اُتارا جاتا تھا اور بے تحاشا انھیں قتل کر دیا جاتا تھا۔ ماؤں کے سامنے بچوں کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے تھے۔ بوڑھے باپ کے سامنے اس کا جوان لختِ جگر ذبح کر دیا جاتا تھا، بوڑھی عورتیں مار ڈالی جاتی تھیں اور جوان عورتیں قبضہ میں لے لی جاتی تھیں، جو قافلے پاپیادہ آ رہے تھے، ان پر بھی یہی گزر رہی تھی، بلکہ شاید اس سے بھی کچھ زیادہ......

مشرقی پنجاب کے یہ جگر فگار، زہرہ گداز اور لرزہ خیز واقعات، مغربی پنجاب کے مسلمانوں پر بھی اثر انداز رہے، وہ بھی ہوش و حواس کھو بیٹھے اور انھوں نے ان ہندوؤں اور سکھوں سے انتقام لینا شروع کیا، جو یہاں رہتے تھے اور جن کا مشرقی پنجاب کے فسادات میں کوئی حصہ نہ تھا۔

قائداعظم سچے مسلمان تھے، کھرے قائد تھے، بااصول سیاست دان تھے، ان کا دل مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتلِ عام پر خون کے آنسو رو رہا تھا، لیکن مغربی پنجاب میں غیر مسلموں کا بے تحاشہ قتل اور لوٹ مار بھی وہ گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

فسادات کی خبریں جب متواتر اور تسلسل کے ساتھ ان کے کانوں تک پہنچیں تو وہ دارالحکومت کراچی سے اپنی گرتی ہوئی صحت اور ضعف کے باوجود لاہور تشریف لے گئے کہ بہ چشمِ خود حالات کا مشاہدہ کریں۔ مغربی پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں اور ہندوؤں پر زیادتی کرنے سے روکیں اور مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کے لٹے ہوئے اور پٹے ہوئے جو قافلے آ رہے تھے، ان کے دکھ درد کا مداوا جس حد

تک بھی ممکن ہو کریں۔

قائداعظم پاکستان کی یہ تقریر ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر ہوئی تھی!

رئیس احمد جعفری

پنجاب کی روح فرسا خبروں کو سن کر اور حالات کی نزاکت کا اندازہ لگا کر مسلمانانِ پنجاب کی دعوت پر 28 اگست کو میں لاہور پہنچا۔ خبروں کی سچائی کو پرکھنے اور ان کی تہ تک پہنچنے کے لیے مجھے تمام سرکاری ذرائع حاصل کرنے پڑے۔ مجھے افسوس ہے کہ مشرقی پنجاب میں وحشت اور بربریت کی جو اطلاعات مجھے ملی تھیں، وہ درست ثابت ہوئیں۔ اب جب کہ میں آپ حضرات کو مخاطب کر رہا ہوں۔ میرا دل رنج والم سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمیں پاکستان حاصل ہو چکا ہے۔ پاکستان کے حاصل کرنے کے لیے ہم نے کوئی خونی جنگ نہیں شروع کی تھی۔ ہماری لڑائی دماغی اور اخلاقی قوت پر مبنی تھی۔ (1) ہم نے ثابت کر دیا کہ قلم کی طاقت تلوار کی طاقت سے زیادہ ہے۔ ہمیں اپنا مقصد (پاکستان) حاصل ہو گیا ہے۔ یہ نہ صرف مسلمانوں کی نجات کا راستہ تھا، بلکہ ہندوستان کی سیاسی گتھیوں کا واحد حل بھی تھا، لیکن مجھے افسوس ہے کہ غیظ و غضب اور بہیمیت کے طوفان برپا کر دیے گئے۔ انسانی خون سے ہولی کھیلی گئی۔ ہزاروں اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور لاکھوں کو اپنے آبائی دیہات سے نکل کر مفلسی، ناداری اور بھوک کی سختیاں سہنا پڑیں۔ لوگوں کے دکھ درد اور مصیبت کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ لیکن دنیا کو سمجھ لینا چاہیے کہ اب پاکستان ایک مسلمہ حقیقت بن چکا ہے۔ اب اس حقیقت کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔ براعظم صغیرہ پر تاریخی مہر لگ چکی ہے۔ ہندوستان تقسیم ہو چکا ہے اور اب اس فیصلہ کو بدلا نہیں جا سکتا۔ اس براعظم کی سیاسی حالت جس حد تک بگڑ گئی تھی، اسی کا واحد حل پاکستان تھا۔ (2)

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کیسی کیسی بے انصافیاں اور زیادتیاں روا رکھی گئی ہیں، تقسیم کا کام ختم ہو چکا ہے اور ہمارے علاقے کو جتنا کم کیا جا سکتا تھا، کم کر دیا گیا۔ باؤنڈری کمیشن کا فیصلہ نہ صرف غیر منصفانہ ہے، بلکہ بدنیتی پر بھی مبنی ہے۔ اسے قانونی فیصلہ نہیں کہا جا سکتا، بلکہ یہ سیاسی فیصلہ ہے۔ (3) بہر حال اب فیصلہ ہو چکا ہے، ہم نے جو وعدے کیے ہیں انھیں پورا کرنا ہے (4) اور ایک باعزت قوم کی طرح اس پر گامزن ہونا ہے۔ ہم اپنے الفاظ پر قائم ہیں۔ ہمیں امید کا دامن نہ چھوڑنا چاہیے۔ اب لڑائی جھگڑوں سے کچھ فائدہ نہیں۔ آیئے اب پاکستان کی تعمیر کی تدبیریں سوچیں۔

پاکستان نہ صرف دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت ہے بلکہ آپ جانتے ہیں کہ وہ تمام دنیا کی سب سے بڑی پانچویں ریاست ہے۔ اب ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اسے دنیا کی سب سے بڑی

قوموں کی صف میں شامل کرنے کے لیے رات دن کام کرے۔ ہمارے ہاں قابل لوگ موجود ہیں۔ ہمیں خدا نے ترقی کی دولتیں بخشی ہیں اور ترقی کے ان گنت ذرائع اور دولت سے فائدہ اٹھایئے اور اس کے لیے ضرورت ہے کہ امن قائم رکھا جائے۔ اس وقت سب سے زیادہ ضروری چیز پنجاب میں امن کا قیام ہے۔ 29 اگست کو اقلیتوں کی حفاظت کا جو مقدس عہد کیا گیا ہے، اسے پورا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے۔ (5) یہ کام ہندوستان اور پاکستان دونوں حکومتوں کا ہے۔ دونوں اپنے اپنے علاقے میں اقلیتوں کی حفاظت کریں۔ لاہور میں دفاع کونسل کو جو اجلاس ہوا تھا، اس میں ٹھوس طریقے طے کیے گئے ہیں۔ (6) ان کے علاوہ کچھ طریقے بھی استعمال کیے جائیں گے، باؤنڈری فوج کو توڑ دیا گیا ہے اور آئندہ دونوں حکومتیں امن کی ذمہ دار ہوں گی۔ باؤنڈری فوج امن قائم کرنے میں ناکام رہی۔ فساد اس کے زیر اثر علاقوں سے گزر کر دیہاتی علاقوں میں بھی پھیل گیا تھا، جہاں امن قائم کرنا اس فوج کے لیے ناممکن تھا، اسی لیے فوج کو توڑ دیا گیا۔

پاکستان اور ہندوستان دونوں ملکوں کی حکومتیں امن قائم کرنے کا مکمل ارادہ رکھتی ہیں۔ میرا یہ مطالبہ ہے کہ ظالموں اور فسادات کے لیے ذمہ دار حضرات کے ساتھ فولادی ہاتھ سے برتاؤ کیا جائے۔ بربریت کا مظاہرہ پرلے درجے کی حماقت ہے۔ بربریت سے پنجاب کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ خاص کر بے گناہ لوگوں کا بہت خون بہایا گیا ہے۔ لاکھوں بے گناہ بے گھر ہو گئے ہیں اور انھیں فاقوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس کے علاوہ وسیع پیمانے پر جائیدادوں کو نقصان پہنچا ہے۔

اب یہ حکومت کے ذمہ دار لوگوں اور لیڈروں کا کام ہے کہ وہ ہر ممکن کوشش امن قائم کرنے کی کریں۔ پاکستان کے لوگوں کے نام میرا یہ پیغام ہے کہ اپنے اندر ہمت اور جوش پیدا کریں۔

اسلام کی تاریخ بہادری اور مضبوط ارادوں کی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم مصیبتوں کی پرواہ نہ کریں۔ ہمارے راستے میں کیا کیا رکاوٹیں پیش آ رہی ہیں۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ ان رکاوٹوں کو دور کریں۔ آپ کا فرض ہے کہ اپنی ساری توجہ کام پر لگا دیں اور برابر کام کرتے رہیں۔

اتحاد، تنظیم اور ایمان یہ تین جذبے ہمارے مشعل راہ بنے رہیں گے۔

اب تک میں انگریزی میں تقریر کرتا رہا ہوں۔ اب آپ اس کا اُردو میں ترجمہ سنیے۔ اس انگریزی تقریر کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ بیرون پاکستان کے اکثر لوگ جو پاکستان سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہماری آواز سن سکیں۔ اب میں چند جملے اُردو میں بھی کہوں گا۔ (پاکستان زندہ باد)

حواشی

1۔ یہ کوئی خانہ جنگی نہ تھی۔ ایک اصولی مطالبہ تھا۔

2۔ دراصل ان فسادات کا اصل مقصد یہ تھا کہ پاکستان کو مرعوب اور دہشت زدہ کر دیا جائے۔ سردار پٹیل اور بعض دوسرے کانگریسی لیڈروں کا خیال تھا کہ (ملاحظہ ہو مولانا آزاد کی کتاب ''انڈیا وِنز فریڈم'') پاکستان کے وسائل و ذرائع اتنے کم ہیں کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ ان وسائل و ذرائع کو مفلوج کرنے کے لیے ہندو سرمایہ کار پاکستان سے ہجرت کر گئے اور پاکستانی عوام کا حوصلہ توڑنے کے لیے فسادات کا ہیبت ناک سلسلہ شروع کر دیا گیا، تاکہ پاکستان جلد از جلد ختم ہو جائے، لیکن قائداعظم اپنی قوم کے مزاج، اس کی استقامت اور عالی حوصلگی سے واقف تھے۔ چناں چہ انھوں نے بتایا کہ پاکستان بن چکا اور اب اسے کسی طرح بھی ختم نہیں کیا جا سکتا۔

3۔ تقسیم ہند کے وقت لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جو اعلان کیا تھا، اس کے مطابق گورداسپور کا ضلع پاکستان میں شامل تھا۔ یہ شامل رہتا تو بھارت کے پاس کشمیر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اسی طرح مرشدآباد کا ضلع بھی مشرقی پاکستان میں شامل رکھا گیا تھا جو ہر اعتبار سے مناسب تھا، لیکن سرحدوں کی تعیین کے لیے ریڈکلف کو ثالث بتایا گیا اور ان ثالث بالخیر صاحب نے بہ یک جنبش قلم گورداسپور کا ضلع اور مرشدآباد کا ضلع بھارت کو دے دیا، جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ کشمیر تک پہنچنے کا بھارت کو راستہ مل جائے۔ چناں چہ وہ مل گیا، اسی بنا پر قائداعظم نے اسے بددیانتی پر مبنی قرار دیا ہے۔

4۔ لیکن پاکستان نے یہ ثالثی قبول کر لی تھی، لہٰذا شرافت اور اصول کا تقاضا یہ تھا کہ گو یہ فیصلہ کتنا ہی الم انگیز اور تکلیف دہ ہو، لیکن اسے قبول کر لیا جائے۔

5۔ مشرقی پنجاب کے حوادثِ خونین نے اگرچہ قائداعظم کو حد درجہ مضطرب کر رکھا تھا، لیکن وہ اس عہد کو صداقت، خلوص اور سچائی کے ساتھ پورا کرنے پر بضد تھے، جو غیر مسلم اقلیتوں کے تحفظ کے لیے انھوں نے کیا تھا اور بلاشبہ وہ اس امتحان صعب میں پورے اترے۔

6۔ لیکن ہندوستان نے جو ''ٹھوس'' طریقے فسادات کو روکنے کے لیے سوچے تھے، ان کا غیر فانی نمونہ چند ہی روز بعد دہلی میں نظر آ گیا۔ جب 7 ستمبر 1947ء کو وہاں مسلمانوں کا قتلِ عام شروع ہو گیا اور حکومت ہند کچھ نہ کر سکی۔

ممالک اسلامیہ اور پاکستان کے باشندوں سے خطاب

27 اکتوبر 1947ء

پاکستان کی پہلی عیدالضحیٰ کے موقع پر قائداعظم کا خطاب، عالمِ اسلام کے مسلمانوں اور پاکستان کے باشندوں سے!

رئیس احمد جعفری

خداوند تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کا اکثر امتحان لیا کرتا ہے۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی اپنی محبوب ترین چیز کی قربانی طلب کی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر لبیک کہا اور اپنے فرزند کی قربانی بارگاہِ خداوندی میں پیش کر دی۔ خدائے ذوالجلال آج بھی ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کا امتحان لے رہا ہے، اس نے ہم سے بڑی قربانی طلب کی ہے۔ دشمنوں نے ہماری نوخیز ریاست کو زخمی کر دیا اور ہمارے زخموں سے خون بہہ رہا، ہندوستان کے مسلمانوں کو آج اس جرم میں کہ انھوں نے قیامِ پاکستان میں مدد کی تھی، مظالم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اس وقت ہمیں سیاہ گھٹاؤں نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے، لیکن ہم اس سے خوفزدہ نہیں ہیں، کیوں کہ مجھے یقین ہے اگر ہم قربانی کی اسی روح کا مظاہرہ کریں جس کا ثبوت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے دیا تھا، نور اللہ تعالیٰ ان گھٹاؤں کو چھانٹ کر ہم پر اپنی رحمتوں کی بارش ضرور کرے گا، جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔

آیئے ہم عیدالضحیٰ کے دن جو اسلامی جذبۂ قربانی کا یادگار دن ہے، یہ عہد کریں کہ بڑی سے بڑی آزمائش، قربانی اور مصیبت ہم کو اس نصب العین سے منحرف نہیں کر سکتی کہ ہم اپنے اصولوں کے مطابق آزاد حکومت بنائیں اور یہ عہد کریں کہ اپنی تمام قوت اور تمام ذرائع اس گوہرِ مقصد کو حاصل کرنے میں لگا دیں۔ مجھے یقین ہے کہ موجودہ مصائب پر ہم قابو پالیں گے، جیسا کہ ہماری طویل تاریخ میں بارہا ہو چکا

ہے اور ہم اپنے دشمنوں کی کوششوں کے باوجود رنج و آلام کے اس تاریک عہد سے فتح یاب اور قوی ہو کر نکلیں گے اور دنیا کو دکھا دیں گے کہ ہمارا مقصد صرف زندگی بسر کرنا نہیں، بلکہ اچھی زندگی بسر کرنا ہے۔ اس مقدس دن میں دنیا بھر کے برادران اسلام کو اپنی اور پاکستان کے باشندوں کی طرف سے مبارک باد دیتا ہوں۔

ہم پاکستانیوں کے لیے اس شکرگزاری اور شادمانی کے اس دن پر مشرقی پنجاب اور اس کے قرب وجوار کے پچاس لاکھ مسلمانوں کے مصائب کی تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ دنیا میں جس جگہ بھی مسلمان عورتیں اور مرد اس روز سعید کو جمع ہوں گے۔ وہ اپنی دعاؤں میں ان بدنصیب مردوں، عورتوں اور بچوں کو نہیں بھولیں گے جن کے پیارے اس دنیا سے سدھار گئے ہیں جن کے گھر باران سے چھوٹ گئے ہیں اور جو ان مصائب اور اذیتوں میں مبتلا ہیں جن کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان کثیر التعداد انسانوں کے دکھ درد کے نام پر میں ایک بار پھر ہر جگہ کے مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ خطرے اور حاجت کی اس گھڑی میں ہماری طرف برادرانہ ہمدردی، حمایت اور تعاون کا ہاتھ بڑھائیں۔ دنیا کی کوئی طاقت بھی پاکستان کو ختم نہیں کر سکتی۔ ہمیں جتنی بڑی قربانیاں دینی پڑیں گی، سونے کی طرح اس آگ سے اتنا ہی زیادہ خالص اور پاکیزہ بن کر نکلیں گے۔

لہٰذا آپ سب کو امید جرأت اور اعتماد کا پیغام دیتا ہوں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے تمام ذرائع کو ایک منظم طریقے پر جمع کر کے ان نازک اور اہم مسائل کا سامنا ایک عظیم قوم کی شایانِ شان طریقے سے عزم راسخ اور مکمل ضبط و نظم کے ساتھ کریں۔ (پاکستان زندہ باد)

❋ ❋ ❋

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اقبال

1948ء

○ جب مسلمانانِ ہند کے قتلِ عام سے مشتعل ہو کر کراچی میں ہندو مسلم فساد ہوا اور قائداعظم نے چند لمحات میں اسے فرو کرا دیا۔

○ جب کاروباری اعتبار سے ہندوؤں کے ترک وطن کے باعث پاکستان دیوالیہ ہو گیا تھا اور قائداعظم نے مسلمانوں کو کاروبار پر اُکسایا۔

○ جب سرحد میں ڈاکٹر خان کی وزارت غداری کے جرم میں برطرف کی گئی اور سرحد کا مردِ آہن خان عبدالقیوم خان برسرِ اقتدار آیا۔

○ جب قائداعظم خود پشاور تشریف لے گئے اور ایک جلسۂ عام میں ولولہ انگیز تقریر فرمائی اور کہا:

از مقامِ ذوق و شوق آگاہ شو
ذرۂ! صیّادِ مہر و ماہ شو
برگ و ساز کائنات از وحدت است
اندریں عالم حیات از وحدت است

کراچی کا فساد

9 جنوری 1948ء

کراچی اب تک بالکل محفوظ تھا۔ یہاں ہندو رہ رہے تھے اور نہایت آسائش کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جو جانا چاہتے تھے، وہ اس طرح جاتے تھے کہ مکانوں کی گراں بہا پگڑیاں بے غل وغش وصول کرتے تھے۔ خود میں نے ایک ہندو دامودرداس کو پانچ ہزار روپے نقد دے کر، فریر روڈ پر تین کمروں کا ایک مختصر سا فلیٹ حاصل کیا۔ پھر اس کے الاٹمنٹ میں جو مصارف ہوئے، وہ الگ، یہ ہندو جاتے وقت کی جھاڑو، سل، بٹہ اور دوسری معمولی چیزیں تک لے جاتے تھے۔ کسی مسلمان نے انھیں چھیڑا، نہ ان پر کسی طرح زیادتی کی۔

یکا یک سکھوں کا ایک جتھہ نہ معلوم کس طرح کراچی لایا گیا اور ایک ایسے علاقے کے متروکہ گردوارے میں رکھا گیا، جہاں ہر طرف پناہ گزیں آباد تھے۔ ان سکھوں نے اشتعال انگیز نعرے لگائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کشت و خون کا بازار گرم ہو گیا اور اس لپیٹ میں سکھوں کے علاوہ ہندو بھی آ گئے۔

فساد کے بعد زاہد حسین اور غلام محمد نے فساد زدہ رقبہ کا دورہ کیا اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ لوٹا ہوا مال واپس کر دیں۔ دوسرے روز سڑکوں پر سنگر مشینیں، چارپائیاں، مسہریاں، ریڈیو سیٹ، کراکری اور دوسری بہت سی چیزوں کے ڈھیر لگے تھے...... یہ وہ مال تھا جو لوٹ لیا گیا تھا اور اب اس اپیل کے بعد واپس کر دیا گیا تھا۔

اس موقع پر قائداعظم نے بھی ایک گشت فساد زدہ علاقے کا کیا اور مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ وہ امن شکنی کا ارتکاب ہر گز نہ کریں!

رئیس احمد جعفری

جمعہ 9 جنوری کو جب قائداعظم اور مس فاطمہ جناح بلوہ سے متاثر علاقوں کا دورہ کرتے ہوئے کراچی میں مشن روڈ کی طرف سے لے جائے جارہے تھے تو مسلمان مہاجرین نے جو عارضی طور سے ایک اسکول میں رکھے گئے تھے۔ قائداعظم زندہ باد کے نعروں سے ان کا خیر مقدم کیا گیا۔

گورنر جنرل نے اپنی موٹر روک لی اور انھیں یہ پیغام بھیجا کہ مجھے یہ معلوم کر کے صدمہ ہوا کہ بعض مہاجرین نے فساد میں حصہ لیا اور ہندوؤں کا سامان لوٹا۔ یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ بعض دیگر مسلم عناصر اور پانچویں کالم والے بھی اس طرح کی غیر قانونی حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ میں آپ سب کو اور کراچی کے ہر باشندے کو یقین دلاتا ہوں کہ جو لوگ امن و آئین سے انحراف کرتے ہیں۔ وہ پاکستان کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ ایسے لوگ دشمنوں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔ میں مہاجرین کے اور ان لوگوں کے جذبات خوب سمجھتا ہوں جنھیں مصائب برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ مجھے ان سے انتہائی ہمدردی ہے مگر انھیں صبر و ضبط سے کام لینا چاہیے اور ایک ذمّہ دار فرد کی طرح رہنا چاہیے۔ انھیں اس مہمان نوازی سے ناجائز فائدہ نہ اٹھانا چاہیے اور نہ انھیں آرام پہنچانے کے لیے کچھ نہیں کیا جارہا ہے۔ میں تمام مسلمانوں سے آج پھر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے ہندو پڑوسیوں کو ان قانون شکن عناصر اور پانچویں کالم اور ان لوگوں سے بچانے کے لیے پوری طرح اتحاد و اشتراکِ عمل کیجیے جو ان فسادات کے ذمّہ دار ہیں اور تمام فرقوں میں اعتماد اور بھروسہ قائم کیجیے۔

پاکستان پر باقاعدہ آئینی طرز سے حکومت ہونی ضروری ہے نہ کہ سازشی عناصر، پانچویں کالم والوں یا سر پھرے لوگوں کے ذریعہ اور حکومت پاکستان خطا کاروں کے خلاف انتہائی سخت کارروائی کرے گی۔ (1) مجھے ہندوؤں سے پوری ہمدردی ہے، جن میں سے بہت سے اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے ہیں جو انھیں بعض پوشیدہ اغراض کے ماتحت سندھ سے نکل آنے کے لیے کیا جارہا ہے۔ (2) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے بے گناہ ہندوؤں کو سخت مصائب جھیلنے پڑے ہیں۔

اس افسوسناک فساد کے متعلق ابھی یہ نہیں معلوم ہوا ہے کہ سکھوں کو کراچی لانے اور سندھ کے وزیراعظم یا حکومت سندھ کے کسی عہدہ دار یا پولیس کو مطلع کیے بغیر گوردوارے میں رکھنے کی ذمّہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ اس معاملہ کی پوری تحقیقات ہونی چاہیے۔ ابھی یہ معاملہ کچھ صاف نہیں ہے، مگر اس کی پوری تحقیقات کی جائے گی۔ (3)

حواشی

1۔ قائداعظم کا حکم پا کر سندھ کے وزیراعظم مسٹر کھوڑو نے خود فساد کی روک تھام کا کام شروع کر دیا اور اس مستعدی سے یہ فریضہ انجام دیا کہ چند گھنٹوں کے اندر فساد ختم ہو گیا۔ اور وہ مستعدی کیا تھی؟...... انھیں تباہ حال مسلمانوں سے ہمدردی بھی تھی لیکن جس مسلمان کو شریک فساد پایا، اسے یا گولی مار دی گئی، یا گرفتار کر لیا گیا۔ یہی اگر دہلی میں بھی ہوتا تو کیا وہاں مسلمانوں کا قتلِ عام ہو سکتا تھا؟

2۔ سردار پٹیل اور اچاریہ کرپلانی نے پاکستان کی معیشت کو مفلوج کرنے کے لیے سندھ کے ہندو ساہوکاروں، سیٹھوں اور سرمایہ داروں کو باقاعدہ ترغیب دی تھی کہ وہ ترکِ وطن کر جائیں۔

3۔ یہ معمہ معمہ ہی رہا، حل نہ ہو سکا۔

گاندھی جی کا قتل

30 جنوری 1948ء

گاندھی جی ان چند لوگوں میں تھے جو مسلمانوں کے قتلِ عام سے خوش نہیں تھے۔ انھوں نے اپنے سابق پیرو اور جدید حریف ولبھ بھائی پٹیل کو جو وزیر داخلہ تھے، بار بار ٹوکا اور ترغیب دی کہ وہ امن و امان قائم کریں اور مسلمانوں کو اس بیدردی سے قتل نہ ہونے دیں۔

لیکن پٹیل صاحب ان سے لڑ پڑے، جس کی تفصیل مولانا آزاد نے اپنی خودنوشت سوانح عمری ''آزادیٔ ہند'' میں درج کی ہے۔ آخر گاندھی جی نے جان کی بازی لگا دی اور مرن برت رکھنے کا اعلان کر دیا۔ پٹیل کی روش میں تو پھر بھی فرق نہیں آیا، البتہ نہرو اور راجندر پرشاد کی سعی و کوشش سے حالات ذرا سدھرے اور گاندھی جی نے برت توڑ دیا۔

ہندوؤں کا ایک طبقہ گاندھی جی سے حد درجہ ناراض تھا کہ وہ مسلمانوں کے قتلِ عام کے کیوں مخالف ہیں؟ آخر جب وہ اپنی روش پر قائم رہے تو ایک سرپھرے شخص نے انھیں قتل کر دیا۔ اتنی آسانی سے یہ حادثہ اس لیے رونما ہو گیا کہ حکومتِ ہند نے یعنی مسٹر پٹیل نے گاندھی جی کی حفاظتِ جان کا کوئی بندوبست نہیں کیا تھا، حالاں کہ گمنام خطوں کے ذریعہ مسلسل یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ گاندھی جی کو اور مسٹر شہید سہروردی کو...... جو ان دنوں گاندھی جی کے دستِ راست بنے ہوئے تھے، قتل کر دیا جائے گا۔

قائداعظم نے گاندھی جی کے حادثۂ قتل پر جو بیان دیا، وہ ان کے دل کی آواز ہے۔

رئیس احمد جعفری

مجھے یہ معلوم کر کے از حد صدمہ ہوا کہ گاندھی جی پر بزدلانہ حملہ کیا گیا، جن سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ موت کے بعد مرنے والوں سے کوئی جھگڑا نہیں رہتا۔

ہمارے اور ان کے درمیان چاہے کیسے ہی سیاسی اختلافات کیوں نہ ہو، لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے ملک کے سب سے بڑے آدمی تھے اور ہندوؤں کے بزرگ ترین رہنما تھے اور دنیا کے سب امن پسند طبقے ان کی عزت و تکریم کرتے تھے۔ ان کی موت ایسے وقت واقع ہوئی جب کہ ہندوستان اور پاکستان کو آزادی ملی تھی اور ان کے ملک پر بڑی آزمائش کا وقت تھا، اُن کی حسرت ناک موت سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے، اُسے پُر کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ میں اس حادثۂ ہائلہ میں ہندوؤں کی عظیم قوم سے گہری ہمدردی ظاہر کرتا ہوں۔

***

پشاور کے عظیم الشان جلسۂ عام میں ولولہ آفریں تقریر

باشندگانِ سرحد کو اِنتباہ!

20 اپریل 1948ء

پاکستان بن چکا ہے۔ صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب کی قیادت میں جو کانگریسی حکومت قائم تھی، وہ ختم ہوچکی ہے۔ خان عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب کے شدید اصرار پر اور کانگریس کے دباؤ ڈالنے پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے فیصلہ کیا تھا کہ چوں کہ سرحد میں کانگریسی رجحان رکھنے والے لوگ بہت کافی ہیں اور وہاں کانگریسی وزارت بھی قائم ہے، لہٰذا اسے پاکستان میں اس وقت تک شریک نہیں کیا جاسکتا جب تک استصوابِ رائے عامہ کے ذریعہ وہاں کے عوام کی رائے نہ معلوم کرلی جائے۔ وہاں کے عوام کو حق ہے کہ خواہ پاکستان سے وابستہ رہیں یا ہندوستان سے اپنی قسمت منسلک کرلیں۔ ان کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے اور وہ ہر پارٹی کو قبول کرنا ہوگا۔

یہ کڑی شرط مسلم لیگ نے منظور کرلی۔ قائداعظم نے اس پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ کوئی شبہ نہیں، سرحد میں خان عبدالغفار خاں اور ڈاکٹر خان صاحب کا گہرا اثر تھا اور انھوں نے مسلم لیگ اور قائداعظم کے خلاف پروپیگنڈا کرکے فضا مسموم بھی کردی تھی، لیکن خان عبدالقیوم خان اور ان کے رفقا نے ان کے طلسم کو توڑا اور مسلمانانِ سرحد کو صحیح صورتِ احوال سے واقف کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غیر معمولی کثرت آرا سے وہاں کے عوام نے پاکستان کے حق میں اپنا فیصلہ صادر کردیا۔

پاکستان کے عالم وجود میں آتے ہی بلاؤں، آفتوں، مصیبتوں اور قتل وغارت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔ قائداعظم زیادہ تر ان امور کی طرف متوجہ رہے۔ لیکن جیسے ہی ذرا فرصت ملی۔ فوراً پشاور پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے شاہانہ اور پرتپاک استقبال کیا اور اپنے شہریار بے تاج کے سامنے دیدہ و دل فرش راہ کرکے اپنی عقیدت کا ثبوت دیا۔

قائداعظم نے یہ تقریر ایک عام جلسے میں ارشاد فرمائی۔ صدر جلسہ سٹی مسلم لیگ کے صدر خان بادشاہ گل تھے۔

اسی جلسۂ عام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تین لاکھ پٹھانوں نے شرکت کی۔ جن میں 35 ہزار قبائلی رضا کار بھی تھے۔ اتنا عدیم النظیر اور شاندار جلسہ پشاور میں شاید ہی کبھی ہوا ہو۔ اتنا بڑا مجمع اور اس طرح خاموش اور پرسکون جیسے سطح سمندر، قائداعظم اس تپاک اور استقبال سے بہت متاثر ہوئے۔ یہ تقریر انھی تاثرات کا آئینہ ہے!

رئیس احمد جعفری

آپ لوگوں نے جس طرح میرا شاندار استقبال کیا ہے، میں اس کا شکر گزار ہوں۔ میں اس موقع کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ یہ بدنصیبی کی بات ہے کہ آپ کے صوبے کی غلط رہنمائی کی گئی تھی۔ (1) غلط پروپیگنڈا کیا گیا۔ (2) لیکن مسلم لیگ نے صرف سات سال میں آپ کی آنکھیں کھول دیں۔ (3) کانگریس نے ہمیں چیلنج کیا کہ صوبہ سرحد کی پاکستان یا ہندوستان میں شمولیت کے لیے رائے عامہ لی جائے۔ ہم نے اسے قبول کیا اور فتح ہماری ہوئی۔ (4)

اب جب کہ پاکستان قائم ہو چکا ہے، اس کی تعمیر کا فریضہ باقی ہے، جو قیامِ پاکستان سے بھی زیادہ اہم ہے۔ خدا کی مہربانی آپ کے تعاون اور ہمارے صحیح اقدام سے مجھے امید ہے کہ ہم اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اب بھی خطرہ ہے اور اس وقت بھی غلط رہنمائی کا اندیشہ ہے، اس لیے یہ آپ کا کام ہے کہ آپ غلط رہنمائی قبول نہ کریں۔ (5) آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ یہ صرف مسلم لیگ ہی ہے جس نے صوبہ سرحد سے ہندو راج کو ختم کیا۔ پس متحد ہو جاؤ اور اپنے اختلافات ختم کر دو۔ صوبہ پرستی کو ختم کر دو (6) اور متحد ہو کر اپنی حکومت کی مدد کرو۔ میں ان مجرموں کو جانتا ہوں جو رشوت لیتے ہیں، صوبہ پرست ہیں اور دیگر جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارا نظام اچھا ہے۔ اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے، ہم اسے بدل دیں گے۔ لیکن اس کے لیے ہمیں وقت اور موقع دیجیے۔

حکومت کا کام بہت مشکل ہے۔ آپ کو بہت سی تکالیف ہیں۔ ان میں سے بہت سی کافی عرصہ سے ہیں۔ لیکن پاکستان کو قائم ہوئے آٹھ ماہ ہوئے ہیں، کیا آپ کسی انسان سے امید کر سکتے ہیں کہ وہ صرف آٹھ مہینے میں اتنا بڑا نظام بدل دے گا؟

میں آپ لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ متحد ہو کر سچے دل سے مسلم لیگ کا ساتھ دیجیے اور صرف مسلم لیگ سے وابستہ رہیے۔ اس طرح پاکستان کو قوی بنا کر حصولِ پاکستان کے مقصد کو حاصل کیجیے۔ خدا نے ہم کو سب کچھ دیا ہے۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ خدا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں۔

انگریزی تقریر کے بعد عوام کی درخواست پر قائداعظم نے مندرجہ ذیل مختصر تقریر اُردو میں کی:

خواتین و حضرات! آپ کی فرمائش ہے کہ میں اُردو میں بولوں۔ (7) حضرات! میں تہِ دل سے شکرگزار ہوں کہ آپ نے میرا شاندار استقبال کیا۔ آپ نے جو ہمدردی دکھائی ہے، اس کا بھی شکرگزار ہوں۔ میں نے یہاں چند تقاریر کی ہیں، جن میں مَیں نے کچھ ہدایات دی ہیں۔ کچھ ضروری باتیں عرض کی ہیں۔ آج بھی میں نے یہی بتانے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ میری عرض کیا ہے۔ میری ہدایات کیا ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری ہدایات پر عمل کریں گے۔ مجھے یہ یقین ہے کہ ہم جو چاہتے ہیں وہ ہم کرسکیں گے اور کامیابی بھی حاصل کرسکیں گے۔

حواشی

1۔ یعنی یہاں کانگریس کے نقیب بن کر خان برادران آزادی سے کام کرتے رہے اور صوبہ کے عوام کی غلط رہنمائی کرتے رہے۔ مسلم لیگ کی یہاں کوئی تنظیم نہ تھی، اس لیے بے غل وغش کانگریس کی کارفرمائیاں جاری رہیں۔

2۔ قائداعظم اور مسلم لیگ کے بارے میں نہایت تواتر اور تسلسل کے ساتھ یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ قائداعظم انگریزوں کے پٹھو ہیں اور مسلم لیگ کا مقصد یہ ہے کہ انگریز ہمیشہ اس دیس پر راج کرتے رہیں، صرف کانگریس ہی وہ جماعت ہے جو انگریزوں کو اس ملک سے نکالنا اور آزادی حاصل کرنا چاہتی ہے۔

3۔ لیکن مسلم لیگ نے نہایت مختصر مدت میں اس غلط فہمی اور گمراہ کن پروپیگنڈے کا طلسم درہم برہم کر کے رکھ دیا۔

4۔ ہندوستان کی تقسیم جب دوقومی اصول پر ہوئی تھی اور اسی بنا پر کانگریس نے آسام کو بنگال کے گروپ میں شرکت کی اجازت نہ دے کر کابینۂ وفد کی اسکیم کو درہم برہم کر دیا تھا۔ تو صوبہ سرحد کو ہندوستان یا پاکستان میں شامل کرنے کے لیے استصواب رائے عامہ اصولی اعتبار سے وائسرائے کا بالکل غلط اقدام تھا، لیکن چوں کہ مسلم لیگ اور قائداعظم کو مسلمانانِ سرحد کی حمیت ملّی اور غیرتِ دینی پر اعتماد تھا، اس لیے یہ چیلنج قبول کرلیا گیا اور مسلمانانِ سرحد نے ثابت کر دیا کہ وہ مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔

5۔ مخالف دراندازی اور سازش سے اب بھی باز نہیں آتے۔ لہٰذا ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

6۔ مسلم لیگ نے اگر کانگریس کا طلسم باطل نہ کیا ہوتا تو آج بھی سرحد کانگریس کے قفس کا اسیر ہوتا۔

7۔ مخالفین کا جب اور کوئی بس نہیں چلا اور انھوں نے نہایت بے بسی کے ساتھ دیکھ لیا کہ پاکستان کا قیام عمل میں آ گیا تو وہ دوسری چال چلے۔ یہ تھی صوبہ پرستی کی وبا۔ قائداعظم نے متنبہ کیا کہ اگر یہ بیماری پھیلی تو پاکستان ختم ہوکر رہ جائے گا۔ چناں چہ یہ واقعہ ہے کہ قائداعظم اور لیاقت علی خان کے دور تک صوبہ پرستی کی وبا دبی رہی۔ بعد کے نالائق حکمرانوں کے دور میں ابھری اور اس نے پاکستان کو مجروح اور مفلوج کر

دیا۔ اگر انقلاب نہ ہو گیا ہوتا تو شاید پاکستان کا وجود ہی خطرے میں پڑ جاتا۔

8۔ ذرا غور کیجیے۔ صوبہ سرحد کا تین لاکھ کا مجمع جس میں 35 ہزار قبائلی بھی شریک ہیں۔ اپنے گورنر جنرل اور قائداعظم سے ''اُردو'' میں تقریر کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قائداعظم اور لیاقت علی خان کے عہد تک اُردو کی قومی حیثیت ہر طرح کے شک وشبہ سے بالا اور پورے طور پر مسلّم تھی۔

***

کراچی کے ایوانِ تجارت میں تقریر

27 اپریل 1948ء

قائداعظم کو اس بات کی بڑی فکر تھی کہ پاکستان تجارتی اور کاروباری اعتبار سے ترقی کرے اور دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے دوش بدوش مصروفِ عمل ہو جائے۔ اس سلسلے میں وہ تاجروں اور سوداگروں کی ہر طرح حوصلہ افزائی فرماتے اور امکانی حد تک ان کے لیے سہولتیں فراہم کرتے تھے۔

چیمبرز آف کامرس کے سپاسنامے کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے جو تقریر فرمائی، وہ انھی تاثرات کی آئینہ دار ہے۔

رئیس احمد جعفری

ضروریاتِ زندگی پر جہاں تک اندرونی پابندیوں کا تعلق ہے، ان پر غور کرنے کے لیے حکومت نے صوبائی وزیروں کی ایک کانفرنس طلب کی ہے۔ یہ کانفرنس حالات کے پیشِ نظر چند پابندیوں کو دور کرنے کی کوشش کرے گی اور بیرونی تجارت کے لیے چند اشیا کو بلا لائسنس درآمد کرنے کی اجازت دی جا چکی ہے۔ حکومت اس فہرست میں اضافہ کرنے پر غور کر رہی ہے۔ آپ کو زیادہ تر برآمد ڈالر ممالک میں کرنی چاہیے۔ جہاں لین دین ڈالر یا سکوں میں ہوتا ہو اور اس طرح آپ اپنے ملک کی بڑی خدمت انجام دیں گے۔ خوش قسمتی سے پاکستان کی خام اشیا کے لیے یہ مشکل نہ ہوگا اور میں اس مسئلہ میں آپ کے تعاون کا طلبگار ہوں۔ ان علاقوں کو برآمد کی مراعات دینے کے لیے حکومت جہاں تک ممکن ہو سکے گا، چند پابندیوں کو دور کرے گی۔

جنابِ صدر! آپ نے پاکستان کی صنعتی پالیسی کا سرسری طور پر ذکر کیا ہے۔ یہ اس قدر اہم مسئلہ ہے کہ اس پر تجار طبقے کے غور و خوض کی ضرورت ہے۔ حکومت پاکستان نے اس پالیسی کو مرتب کرنے میں پاکستان کے مستقبل کا خاص خیال رکھا ہے۔ حکومت پاکستان نے اپنے زیرِ اہتمام اسلحہ گولہ بارود اور ریل

کے ڈبوں اور تار و وائرلیس کے آلات بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ تمام صنعتیں پرائیویٹ سرمایہ کے لیے ہوں گی۔ پاکستان ایشیائی ممالک میں زراعتی اعتبار سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ (1) میری خواہش ہے کہ پاکستان اپنی زرعی دولت سے فائدہ اٹھا کر دنیائے تجارت کا علمبردار بھی بن جائے۔ (2) مجھے اس بات پر انتہائی مسرت ہے کہ آپ حکومت کی نئی صنعتی پالیسی سے مطمئن ہیں۔ قائداعظم نے بندرگاہ کراچی کو پاکستان کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس بندرگاہ کے حال و مستقبل سے بڑی دلچسپی لے رہا ہوں اور مجھے توقع ہے کہ ہم بہت جلد اس کو دنیا کی جدید ترین بندرگاہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ (3)

مجھے آپ کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرنے میں انتہائی مسرت ہے۔ جناب صدر! آپ نے اپنی تقریر میں پاکستان کے قیام اور روئی کی تجارت کے متعلق بہت کچھ بیان کر دیا ہے۔ اس لیے میں ہر تفصیل پر روشنی ڈالنا ضروری نہیں سمجھتا۔ سب سے پہلے میں آپ کے ان الفاظ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جو آپ نے حکومت پاکستان اور یہاں کے عوام کے لیے استعمال کیے ہیں۔ میری حکومت کے قیام کے فوراً بعد جو افسوسناک واقعات رونما ہوئے، وہ آپ سب پر واضح ہیں۔ بہت سے صاحب فہم لوگوں نے بھی تخیل پاکستان کی مخالفت کی تھی اور آپ کا فرمانا بھی بجا ہے کہ انھوں نے محض یہ سمجھ کر کہ پاکستان ایک غیر مانوس چیز ہے اس کی مخالفت شروع کر دی۔ جناب صدر! آپ کے فرمانے کے مطابق اس شک و شبہ کی اب تو گنجائش ہی نہیں کہ 15 اگست 1947ء سے دنیا کی قوموں کے درمیان یہ ایک نیا ملک قائم ہوا ہے۔ اب اپنے دلوں سے دوبارہ متحدہ ہندوستان بن جانے کا وہم و گمان نکال دو۔ اسی میں دونوں ممالک کی بہبودی اور خوشحالی کا راز مضمر ہے۔

قائداعظم نے فرمایا، کراچی کو پاکستان کا دارالحکومت بنایا جائے گا، (4) جہاں تک قبل از تقسیم کے دعووں کا تعلق ہے، آزادیٔ ہند کے اعلان کی رُو سے گورنر جنرل کے واجبات اور فرائض ہندوستان پر عائد ہوتے ہیں۔ حکومت پاکستان 25 مارچ کے پریس نوٹ میں اس بات کی وضاحت کر چکی ہے اور اس مسئلہ پر حکومت ہند سے خط و کتابت ہو رہی ہے۔ توقع ہے کہ عنقریب ہی اس مسئلہ پر تصفیہ ہو جائے گا۔ کراچی میں مکانات اور دفاتر کی کمی سے عوام کو جو تکالیف ہو رہی ہیں، ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا، حکومت پاکستان نے دستور ساز اسمبلی کی منظوری کے مطابق کراچی ہی کو پاکستان کا مستقل دارالحکومت بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ (5) داغ بیل کا نقشہ بنانے میں کچھ وقت لگے گا۔ لیکن اس وجہ سے مکانات کی تعمیر میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔ اگر بیوپاری طبقہ کراچی میں تعمیرات کرانے کا پروگرام شروع کر دے تو اس سے میری حکومت کو بڑی مسرت ہوگی۔

معاشیات اور تجارت کو قوم کی شہ رگ بتاتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا، میں سرکاری حکام یا کسانوں کے بغیر پاکستان میں اتنی کمی محسوس نہیں کرتا، جتنی تاجروں کے بغیر ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستان میں ہمیشہ تجار اور سوداگروں کا خیر مقدم ہوگا اور وہ اپنی آمدنی کے ساتھ ساتھ مساوات اور جائز کمائی کو کبھی نہ بھولیں گے۔ پاکستان میں چند ضروریاتِ زندگی کی قیمتوں میں اضافہ ہو جانے کی وجہ سے حکومت کو بڑی تشویش ہے اور وہ ان میں کمی کرنے کے طریقوں پر غور کر رہی ہے۔ (6) مجھے مکمل یقین ہے کہ میری حکومت آپ کے تعاون پر بھروسہ کر سکتی ہے۔

قائداعظم نے فرمایا کہ بین الاقوامی حیثیت سے معاشیات کو تمدن سے بلند درجہ حاصل ہے اور آپ کے لیے مناسب یہی ہے کہ آپ وہ عمل اختیار کریں جس سے پاکستان کا عظمت و وقار بالاتر ہو جائے۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستان کی معاشیات اعلیٰ تجارت کے لیے ایک موثر آلۂ کار ہوگی۔ میں آپ لوگوں کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ پاکستان کے مال کی شہرت قائم کرنے کے لیے حکومت پاکستان ہر ممکن کوشش کرے گی۔ میری خواہش ہے کہ پاکستان دنیا میں اپنے مال کی خوبی اور عمدگی میں مستند ہو جائے۔

میں آپ کی اور آپ کے چیمبر کی آئندہ کامیابی اور درازیٔ عمر کی دعا کرتا ہوں۔ خدا آپ کو اتنی توفیق عطا فرمائے کہ آپ پاکستان کو اور دنیاوی اقوام میں ایک شاندار طاقت ور ملک کے درجہ تک پہنچا دیں۔ آیئے ہم سب مل کر اس خدائے بزرگ و برتر کے حضور میں دعا کریں کہ وہ پاکستان کو دنیا کی خوشحالی، امن اور بہبودی کے لیے کام کرنے کی قوت عطا فرمائے۔

حواشی

1۔ اور پھر وہی ملک زراعتی اعتبار سے سیاست دانوں کی کارفرمائیوں کے باعث اتنا گر گیا کہ غذائی حیثیت سے خود کفیل تک نہ رہا۔ امریکا اور دوسرے ملک سے اناج درآمد کرنے پر مجبور ہو گیا۔

2۔ لیاقت علی خاں کے دور تک ٹھیلوں پر روپے کا چار سیر بہترین گیہوں کا آٹا کھلے بندوں فروخت ہوتا تھا۔ جس کا جتنا جی چاہے لے لے، راشن کا سوال ہی نہیں تھا۔

3۔ یہ آرزو بڑی حد تک پوری ہوگئی۔ آج کراچی دنیا کی بہترین بندرگاہ ہے۔

4۔ ایک جماعت اب تک یہ آس لگائے بیٹھی تھی کہ پاکستان کا قیام عارضی ہے، اسے مجبور ہو کر پھر ہندوستان سے ملحق ہونا پڑے گا۔ قائداعظم نے اپنی تقریر میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

5۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد یہ سوال اٹھا تھا کہ اس ملک کا دارالحکومت کون سا شہر ہو؟ کئی نام زیر غور آئے، لاہور، ملتان، پشاور، راولپنڈی۔ لیکن قائداعظم نے فیصلہ کراچی ہی کے حق میں کیا۔ اس سلسلے میں جب

انھوں نے کراچی اور اس کے نواحی علاقہ کو فیڈرل علاقہ قرار دیا تو مسٹر کھوڑو جو سندھ کے وزیراعظم تھے، مخالفت کا علم لے کر میدان میں آئے، لیکن بہت جلد روپوش ہو گئے۔

6۔ اس وقت مجلس دستور ساز کے ممبروں کا بھی یہی خیال تھا۔

7۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ چند چیزیں ذرا گراں ہو گئی تھیں تو لوگ چیخ اٹھے تھے اور پھر ایک وہ زمانہ آیا کہ گرانی حد فہم و ادراک سے آگے نکل گئی، جو چیزیں قائداعظم کے زمانے میں گراں تھیں، وہ آج کی انتہائی گرانی کے باعث کتنی سستی نظر آ رہی ہیں۔

* * *

ایک یادگار تقریب!

افغانستان کا پہلا سفیر!

ایوانِ گورنر جنرل میں!

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

اقبال

مارشل ولی خاں سے خطاب

8 مئی 1948ء

اسلامی ہند اور افغانستان کے تعلقات ہمیشہ حد درجہ خوشگوار رہے۔ جب بھی افغانستان پر کوئی مصیبت آئی، مسلمانانِ ہند نے دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر طرح سے بیش از بیش مدد کی۔ موجودہ فرماں روائے افغانستان کے والد کنگ نادر شاہ، جب بچہ سقہ کی بغاوت براہ ہندوستان، افغانستان روانہ ہوئے تو یہاں کے مسلمانوں نے ہر طرح سے اُن کی مدد کی۔

لیکن جب پاکستان بنا اور اقوامِ متحدہ میں اس کی ممبری کا سوال پیش ہوا تو دنیا کے تمام ممبر ملکوں نے پرجوش تائید کی۔ حد یہ ہے کہ ہندوستان تک نے مخالفت نہ کی۔ لیکن یہ فخر صرف افغانستان کو حاصل ہوا کہ اس کے نمائندہ نے مخالفت میں رائے دی۔

اس واقعہ نے پاکستانی عوام کے قلوب کو سخت صدمہ پہنچایا تھا اور وہ حد درجہ برہم ہوئے تھے۔ لیکن قائداعظم نے صبر وضبط کے ساتھ اس معاندانہ روش کو برداشت کیا۔

پھر مئی میں جب مارشل شاہ ولی خاں موجودہ فرماں روائے افغانستان کے عم محترم اپنے ملک کے سفیر کبیر بن کر پاکستان تشریف لائے اور ایوانِ گورنر جنرل میں قائداعظم کے سامنے انھوں نے کاغذات نمائندگی پیش کیے تو قائداعظم نے خلوص، محبّت اور آشتی سے بھری ہوئی جو تقریر کی، وہ ہمیشہ یادر ہے گی۔

رئیس احمد جعفری

افغانستان کے پہلے سفیر کی حیثیت سے آپ کا استقبال کرنے میں مجھ کو بڑی ہی مسرت حاصل ہو رہی ہے۔ حکومت پاکستان اور پاکستان کے باشندے ملک معظم شاہ افغانستان کے اس اقدام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ انھوں نے ہمارے لیے ایک ایسا سفیر مقرر کیا ہے جو شاہی خاندان سے ہے۔ ہمیں توقع ہے اور یقین ہے کہ آپ جیسے ممتاز اور تجربہ کار نمائندے کے تقرر سے دونوں اقوام کے درمیان

رشتۂ مودت اور زیادہ مضبوط ہو جائے گا اور اس طرح دونوں ملکوں کے درخشاں اور پرمسرت مستقبل کی راہ ہموار ہو جائے گی۔

آپ نے اس قدرتی رشتہ محبّت و مودت کا بالکل بجا ذکر کیا، جس سے ہمارے ان دونوں ملکوں کے باشندے بندھے ہوئے ہیں۔ یہ پیار و محبّت لازمی ہے کیوں کہ ہمارے رشتہ کی بنیاد مذہب، تمدن اور مشترکہ نصب العین پر ہے۔ ایسے مضبوط رشتے کی موجودگی میں میرے خیال میں دونوں ملکوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے میں، بلکہ اس سے بھی قریب تر لانے میں جتنے ہم پاکستان کے قیام سے پہلے تھے، کبھی ناکام نہیں ہو سکتے۔

ایک نئی ریاست کی حیثیت سے پاکستان سوادنیا کی خیراندیشی کے کسی اور بات کا اتنا متمنی نہیں ہے۔ اس کے باشندے اپنی نئی آزادی کے استحکام کے لیے دل وجان سے کام کرنے کا عزم کیے ہوئے ہیں اور جب کہ وہ اس عظیم الشان کام میں مصروف ہیں، دوسری حکومتوں کی امداد و تعاون سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوں گے۔ خصوصاً اس موقع پر قائداعظم نے آخر میں افغانستانی سفیر کو یقین دلایا کہ دونوں ملکوں میں دوستانہ تعلقات کو مضبوط کرنے میں میری حکومت ہر ممکن کوشش کرے گی اور آپ کے ساتھ تعاون کرے گی۔ آپ کا مسلم قوم کے نمائندے کی حیثیت سے آنے پر ہم خیر مقدم کرتے ہیں اور توقع کرتے ہیں کہ آپ نے پاکستان کے لیے جن جذبات اور خوشنودی کے خیالات کا اظہار کیا ہے، ان کی روشنی میں آپ اپنے فرائض کامیابی سے انجام دیں گے۔ مجھے امید ہے کہ کراچی میں آپ کا قیام پرمسرت اور آرام دہ ہوگا۔ (1)

حاشیہ

1۔ شاہ ولی خاں معاملہ فہم اور دُور اندیش شخص تھے۔ انھوں نے صدقِ دل سے افغانستان اور پاکستان کے تعلقات بحال کرنے کی کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ حکمران طبقہ نے ان کی ان کارروائیوں کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بددل ہو کر واپس چلے گئے اور پھر سیاست ہی سے کنارہ کش ہو گئے۔

مختصرات

قائداعظم کی تقریروں اور بیانوں

اور خطبوں سے اقتباسات

پور آذر کعبہ را تعمیر کرد

از نگاہے خاک را اکسیر کرد

شذرات

قائداعظم نے ایک بکھرے ہوئے شیرازے کو ایک منظم آزاد اور خودمختار قوم بنا دیا...... وہی قوم جس کے لیے اقبال نے کتنے سوز و گداز اور درد و حسرت کے ساتھ کہا تھا:

وائے قومے کشتۂ تدبیر غیر
کارِ او تخریب خود تعمیر غیر

اس بکھرے ہوئے شیرازے کو ایک منظم، آزاد اور خودمختار قوم بنانے کے سلسلے میں قائداعظم کو بڑی بڑی کٹھنائیوں، حوصلہ شکن دشواریوں اور زہرہ گداز مزاحمتوں سے سابقہ پڑا، لیکن وہ ان سب مرحلوں سے گزرتے چلے گئے...... پوری کامیابی اور پوری کامرانی کے ساتھ!

اس مرحلہ کو سر کرنے میں قائداعظم نے بہت سی تقریریں کیں، بہت سے بیانات بھی دیے، بہت سے خطبے بھی ارشاد فرمائے۔

ان ارشاداتِ عالیہ کا ایک معتد بہ حصہ...... جہاں تک بھی اپنے محدود ذرائع اور وسائل کے باوجود فراہم کر سکا...... آپ گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ کتاب کافی ضخیم ہو چکی ہے۔ اب تنگ دامانی اجازت نہیں دیتی کہ ضخامت میں مزید اضافہ کیا جائے، لہٰذا اگلے صفحات میں بعض اہم تقریروں کا جوہر اور عطر پیش کرتا ہوں، جو ''اقوال دانش'' سے ماخوذ ہے۔

اگر حالات نے اجازت دی تو ان شاء اللہ حالات کے سازگار ہونے کی صورت میں قائداعظم کی جملہ تقریروں کا مجموعہ مرتب کروں گا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

رئیس احمد جعفری

1947ء

پاکستان بن جانے کے بعد گورنر جنرل کی حیثیت سے قائداعظم

نے متعدد اور مختلف مواقع پر تقریریں کیں، ان کا اہم

اور

ضروری خلاصہ

جاگی جاگی سحرِ نو کی کرن
اے خوشا دولتِ بیدار وطن
اجلے اجلے سے کہسار و دمن
شبِ مہتاب میں جیسے گلشن
یہ غزالوں کی زمیں رشکِ ختن
یہ زمیں، پاک زمیں، میرا وطن

”مزدوروں کی فلاح سے غفلت جرم ہے!“

کیوں کہ

وہ زمانہ گزر گیا جب

خواجہ نانِ بندۂ مزدور خورد
آبروئے دخترِ مزدور بُرد
در حضورش بندہ می نالد چونَے
برلبِ اُو نالہ ہائے پے بہ پے

نے بہ جامش بادہ و نے در سبوست
کاخ ہا تعمیر کرد و خود بکوست

''مجھے امید ہے کہ آپ نے اپنے کارخانہ کا پلان تیار کرتے وقت کاریگروں کے لیے مناسب رہائشی مکانات اور دوسری آسائشوں کا خاص طور پر اہتمام کیا ہوگا۔ کیوں کہ کوئی صنعت اس وقت تک حقیقتاً فروغ نہیں پاسکتی، جب تک اس کے مزدور مطمئن نہ ہوں۔''

ولیکا ٹیکسٹائل مل کے افتتاح کے موقعہ پر

26 ستمبر 1947ء

''اکبر کی رواداری تعلیمِ اسلام کا نتیجہ تھی!''

کبھی ہم نے بھی کی تھی حکمرانی ان ممالک پر
مگر وہ حکمرانی جس کا سکہ جان و دل پر تھا

''شہنشاہِ اکبر نے غیر مسلموں کے ساتھ جو خیر سگالی اور رواداری کا برتاؤ کیا، وہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ اس کی ابتدا آج سے تیرہ سو سال پہلے ہی ہمارے رسول ﷺ نے کر دی تھی۔ انھوں نے زبان سے ہی نہیں، بلکہ عمل سے بھی یہود و نصاریٰ پر فتح حاصل کرنے کے بعد نہایت اچھا سلوک کیا۔ ان کے ساتھ رواداری برتی اور اُن کے عقائد کا احترام کیا۔ مسلمان جہاں کہیں بھی حکمران رہے۔ ایسے ہی رہے۔ ان کی تاریخ دیکھی جائے تو وہ ایسے ہی انسانیت نواز اور عظیم المرتبت اصولوں کی مثالوں سے بھری پڑی ہوگی، جن کی ہم سب کو تقلید کرنی چاہیے۔''

مجلس دستور ساز میں 14 اگست 1947ء کو
لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کے جواب میں

''پاکستان کے ہندو ہر طرح آزاد ہیں''

کیوں کہ

''لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ!''

اسلام کی تعلیم ہے!

''آپ آزاد ہیں۔ اپنے مندروں، مسجدوں اور دوسری عبادت گاہوں میں جانے کے لیے، آپ پاکستان کی مملکت میں بالکل آزاد ہیں۔ آپ کسی مذہب، فرقہ، عقیدہ سے تعلق رکھیں۔ اس کا کاروبارِ سلطنت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ہم اس بنیادی اصول سے اپنے نظام کا آغاز کر رہے ہیں کہ ہم سب ایک ہی مملکت کے شہری ہیں اور مساوی الحیثیت۔ ہمیں اس مسلک کو اپنے نصب العین کے طور پر سامنے رکھنا چاہیے۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا، نہ ہندو ہندو رہے گا اور نہ مسلمان مسلمان۔ مذہبی اعتبار سے نہیں۔ کیوں کہ یہ تو ذاتی عقائد کا معاملہ ہے، بلکہ سیاسی لحاظ سے ہم سب ایک ہی مملکت کے شہری ہو جائیں گے۔''

مجلس دستور ساز پاکستان سے خطاب

11 اگست 1947ء

''خیانتِ منصبی اور اقربانوازی لعنت ہے!''

ہمیشہ حق کا ساتھ دو

ہمیشہ سچی بات کہو!

ہمیشہ دیانت اور صداقت پر عمل کرو

کہ

اسلام نے یہی حکم دیا ہے

''اچھی اور بری دیگر چیزوں کے ساتھ خیانت منصبی اور اقربا نوازی کی لعنتیں بھی ہمارے حصے میں آئی ہیں۔ ہمیں ان برائیوں کو بے دردی سے کچل دینا چاہیے۔ میں یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ خیانت منصبی، اقربا پروری بالواسطہ یا بلاواسطہ مجھ پر اثر ڈلوانے کی کسی کوشش کو میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔ جہاں مجھے معلوم ہوا کہ فلاں جگہ ایسا ہو رہا ہے تو پھر کوئی خواہ کتنا ہی بڑا یا چھوٹا کیوں نہ ہو، اُسے ہرگز نہیں بخشوں گا۔''

خطبۂ صدارت مجلس دستور ساز

14 اگست 1947ء

''پاکستان میں نسل وعقیدے کا سوال نہیں''

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو، خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

"اگر آپ لوگ باہمی تعاون سے کام کریں، ماضی کو بھول جائیں اور گزشتہ را صلواۃ پر عمل کریں تو یقیناً کامیاب ہوں گے۔ اگر آپ مل جل کر اس جذبہ کے تحت کام کریں کہ ہر شخص خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو، ماضی میں آپ کے تعلقات ایک دوسرے سے خواہ کیسے ہی رہے ہوں۔ اس کا رنگ، نسل، مذہب کچھ ہی ہو، اولاً، ثانیاً، اُخراً اسی مملکت کا شہری ہے۔ اس کے حقوق، مراعات اور ذمہ داریاں مساوی و یکساں ہیں تو ہم بے حد ترقی کر جائیں گے۔ ہمیں اس جذبہ کے تحت کام شروع کر دینا چاہیے۔ پھر رفتہ رفتہ اکثریت اور اقلیت کے مسلمان فرقہ اور ہندو فرقہ کے تمام اختلافات مٹ جائیں گے۔"

مجلس دستور ساز سے خطاب

14 اگست 1947ء

''متحدہ ہندوستان کا تخیل ہرگز قابلِ عمل نہ تھا''

مرد حُر محکم ز ورد لا تخف
ما بہ میدان سر بہ جیب او سر بہ کف
مرد حُر از لا الٰہ روشن ضمیر
می نہ گردد بندۂ سلطان و میر

گرمی طبع تو از صہبائے اوست
جوئے تو پروردۂ دریائے اوست

''مجھے معلوم ہے کہ ہم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو ہندوستان کی تقسیم اور بنگال و پنجاب کے بٹوارے سے پوری طرح متفق نہیں ہیں۔ اس کے خلاف بہت کچھ کہا جاچکا۔ لیکن اب جب کہ یہ فیصلہ تسلیم کرلیا گیا ہے۔ ہم سب کا فرض ہے کہ اس پر نہایت وفاداری اور سچے دل سے قائم رہیں اور اس معاہدے پر جواب قطعی بھی ہے اور جس کی پابندی ہم سب پر لازم ہے۔ باعزت طریقہ سے عمل پیرا ہوں۔

جہاں ایک جماعت اکثریت میں اور دوسری اقلیت ہو، وہاں دونوں جماعتوں کے افراد کے جذبات کیسے ہوں گے، اس کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس وقت جو کچھ بھی کیا گیا ہے، کیا اس کے علاوہ کوئی اور فیصلہ ممکن اور قابلِ عمل ہوسکتا تھا۔ تقسیم تو بہرحال ہونی تھی۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ممکن ہے اس فیصلے سے متفق نہ ہوں اور اُسے پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھتے ہوں، لیکن میرے خیال میں اس مسئلہ کا اس کے علاوہ اور کوئی حل تھا ہی نہیں۔

مجھے یقین ہے کہ مستقبل کی تاریخ کا فیصلہ بھی اسی کے حق میں ہوگا اور اس سے زیادہ یہ کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا، عملی تجربہ سے یہ بات واضح ہوتی جائے گی کہ ہندوستان کے آئینی مسئلہ کا حل سوائے تقسیم کے اور کچھ نہ تھا۔ متحدہ ہند کا تخیل ہرگز قابلِ عمل نہ ہوتا اور میری رائے میں وہ ہمیں زبردست تباہی کی طرف لے جاتا۔''

مجلس دستور ساز میں تقریر

14 اگست 1947ء

”ہندوستان کی مسلمان اقلیت فراموش نہیں کی جا سکتی!“

کہ یہ سعادت قدرت نے اُسی کو بخشی ہے:

نے مغاں را بندہ نے ساغر بدست
کل تہی پیمانہ او مست الست
چہرۂ گل از نمِ او احمر است
ز آتشِ ما، دودِ اُو روشن تر است

''ہمارے وہ بھائی جو ہندوستان میں اقلیت میں ہیں۔ اطمینان رکھیں کہ ہم نہ ان کو فراموش کر سکتے ہیں، نہ ان کی طرف سے لاپرواہ ہو سکتے ہیں۔ ہماری دلی ہمدردیاں اُن کے ساتھ ہیں۔ اُن کی اعانت اور بہتری کے لیے ہم بڑی سے بڑی کوشش کو بھی زیادہ نہیں سمجھیں گے۔ کیوں کہ مجھے اس کا احساس ہے کہ اس برصغیر میں مسلم اقلیتی صوبے ہی تھے، جنھوں نے ہمارے محبوب نصب العین پاکستان کے لیے سب سے پہلے پیش قدمی کی اور اس کے جھنڈے کو سربلند کیا۔''

پیغامِ عید
18 اگست 1947ء

''انتقام لو......تلوار سے نہیں،

رواداری سے!''

آں حضرت ﷺ

نے اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی یہی

سلوک کیا تھا جس کا نتیجہ تسخیر عرب و عجم کی

صورت میں ظاہر ہوا!

''میں پاکستان کے ہر مسلمان مرد اور عورت سے کہتا ہوں کہ وہ اپنے موجودہ غم واندوہ کے سیلاب میں نہ بہہ جائیں۔ انھوں نے اپنی قومی سلطنت قائم کرنے کے لیے بہت دکھ اٹھائے ہیں اور قربانیاں دی ہیں۔ اب یہ انھی کا کام ہے کہ اس کی تعمیر کریں، تاکہ بہت جلد وہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست کہلانے کے اہل ثابت ہو سکیں اور اقوامِ عالم میں اپنے لیے ایک معزز مقام پیدا کر سکیں۔ صرف اسی صورت سے ہم اس قتل و غارت گری کا جو ہمارے آدمیوں کے ساتھ دوسری طرف کی گئی ہے، بہترین بدلہ لے سکتے ہیں۔ فوری جذبات سے مغلوب ہو کر جسمانی انتقام اور بدلہ کے لامحدود ویرانہ میں بھٹک کر نہیں۔''

بیان: 24 اگست 1947ء

پاکستان کو صنعتی ملک بناؤ!

تا کہ

پاکستان ترقی کر سکے

اور

دوسرے ملکوں کی مصنوعات کا محتاج نہ رہے

◈

مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی

''اگر پاکستان کو اپنی وسعت، اپنی آبادی اور اپنے وسائل کے مطابق دنیا میں کوئی شایانِ شان مقام حاصل کرنا ہے تو اُسے چاہیے کہ زراعت کے ساتھ ساتھ اپنے صنعتی امکانات کو بھی فروغ دے اور اپنی اقتصادی زندگی میں صنعتی رجحانات پیدا کرے۔

سر دست پاکستان ایک زرعی ملک ہے۔ مصنوعات کے لیے وہ باہر والوں کا محتاج ہے۔ اگر ہم اپنی مملکت کو صنعتی بنیادوں پر استوار کرنا شروع کر دیں تو ہم نہ صرف اپنے ہزاروں باشندوں کو روزی مہیا کر سکیں گے، بلکہ اپنے وطن کے وسائل میں بھی اضافہ کریں گے۔ صنعت و حرفت کے کام کی بہت سی خام اشیا ہمیں قدرت نے عطا کر رکھی ہیں۔ اب ہمارا کام یہ ہے کہ اُنہیں مملکت اور اُس کے باشندوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام میں لائیں۔''

ولیکا ٹیکسٹائل مل کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے

26 ستمبر 1947ء

پاکستان کیوں قائم ہوا؟

کیوں کہ حالات یہ ہو گئے تھے کہ

دل بہ تدریج از میان سینہ رفت
جوہر آئینہ از آئینہ رفت
اقتدار و عزم و استقلال رفت
اعتبار و عزت و اقبال رفت

زور تن کاہید و خوفِ جاں فزود
خوفِ جاں سرمایۂ ہمت ربود!

''قیامِ پاکستان جس کے لیے ہم گزشتہ دس سال سے جدوجہد کر رہے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ آج ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اپنے لیے ایک مملکت قائم کرنا، یہی ہمارا مقصود نہیں تھا۔ بلکہ یہ ذریعہ تھا حصولِ مقصود کا۔ خیال یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کے مالک ہوں جہاں ہم اپنی روایات اور تمدنی خصوصیات کے مطابق ترقی کر سکیں۔ جہاں اسلام کے عدل و مساوات کے اصولوں کو آزادی سے برسرِ عمل آنے کا موقعہ حاصل ہو۔''

افسرانِ حکومت سے خطاب

11 اکتوبر 1947ء

پاکستانی اقلیت کی ہر طرح حفاظت کی جائے گی!

کہ اسلام کی تعلیم

اور

اسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاصل یہی ہے

''پاکستان کے نظامِ حکومت کی بابت میں پھر یہ کہوں گا اور نہایت پرزور طریقے سے کہوں گا کہ ہم نے اس سلسلہ میں جو پالیسی طے کی ہے، اس پر پوری طرح کاربند رہیں گے۔ پاکستان میں جو اقلیتیں ہیں، اُن کی جان و مال کی حفاظت کرتے رہیں گے اور ان کے ساتھ انصاف کریں گے۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ پاکستان سے چلے جانے پر مجبور کر دیے جائیں۔ جب تک یہ لوگ حکومت کے وفادار و وفا کیش رہیں گے، ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے گا جیسا پاکستان کے اور شہریوں کے ساتھ۔

چوں کہ حکومت کی اس پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کی ذمّہ داری عمّال حکومت پر عائد ہوتی ہے، اس لیے یہ دیکھنا ان کا فرض ہے کہ اس پر کماحقہٗ عمل ہو رہا ہے یا نہیں، تا کہ ہم پر یہ الزام نہ آئے کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں، اس پر عمل نہیں کرتے۔ آپ لوگ ہی عوام کو حکومت کی نیک نیتی کا یقین دلا سکتے ہیں۔ مجھے کامل یقین ہے کہ عمّالِ حکومت ہمیں اس سلسلہ میں مایوس نہ کریں گے۔''

افسرانِ حکومت سے خطاب

11 اکتوبر 1947ء

''ہندوستان کے مسلمان ہندوستان کے وفادار رہیں!''

تاکہ

جبر و تعدی سے محفوظ رہ سکیں

کیوں کہ

ان کی قربانیاں انھیں غیر فانی بنا دیں گی

اور ایک روز دنیا اس مردِ مسلم کے لیے کہہ اُٹھے گی

در جہانِ بے ثبات او را ثبات
مرگ او را از مقاماتِ حیات

''ہندوستان میں رہنے والے اپنے مسلمان بھائیوں کو میں یہی مشورہ دوں گا کہ وہ جس مملکت میں رہیں، اس کے ساتھ پوری پوری وفاداری کا ثبوت دیں اور ساتھ ہی ساتھ انھیں یہ بھی چاہیے کہ اپنی تنظیم کریں اور صحیح قسم کی قیادت پیدا کریں، جو اس پُرآشوب زمانہ میں ان کی ٹھیک رہنمائی کر سکے۔''

11 اکتوبر 1947ء

پاکستان اور ہندوستان

اب ایک نہیں ہو سکتے!

کیوں کہ

اب مسلمان اپنی خودی سے واقف ہو چکا ہے

اور

وہ دور گزر چکا ہے جب اُس کے لیے کہا جاتا تھا:

وائے آں دریا کہ موجش کم تپید

گوہر خود را ز غواصاں خرید!

’’میں نے بار بار یہ بات کہی ہے کہ اب جب کہ دونوں مستعمرات کے درمیان باضابطہ سمجھوتا کے مطابق ہندوستان تقسیم ہو چکا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ماضی کو بھول جائیں۔ یہ مصمم ارادہ کرلیں کہ باوجود پچھلی باتوں کے ہم ایک دوسرے کے دوست رہیں گے۔

میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کبھی اس بات پر راضی نہ ہوگا کہ دونوں آزاد مملکتیں ایک مشترک مرکز کے تحت آئینی طور پر ایک ہوجائیں۔

پاکستان قائم ہو چکا ہے اور قائم رہے گا، لیکن ہم ہندوستان کے ساتھ دو آزاد، مساوی الحیثیت اور خودمختار مملکتوں کی طرح ہمیشہ سمجھوتا اور مفاہمت کے لیے تیار ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ہم کسی اور غیر قوم سے معاہدۂ دوستی یا سمجھوتا کر لیں۔‘‘

رائٹر کے نمائندے ڈنکن ہوپر سے ارشاد

23 اکتوبر 1947ء

"قربانی دو، آزمائش میں پورے اُترو، مشکلات کا مقابلہ کرو!"

جو قومیں سر بلند ہیں

اور

اگر خواہی حیات اندر خطر زہ

اور میدان ارتقا میں گامزن ہیں، ان کا یہی شعارِ حیات ہے

”خدا جن لوگوں سے محبّت کرتا ہے، ان کو امتحان اور آزمائش میں بھی ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ جو شے آپ کو سب سے زیادہ عزیز ہو، اس کی قربانی دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکمِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے عزیز بیٹے کی قربانی پیش کی۔ آج بھی خداوند کریم پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کا امتحان لے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے بہت ہی بڑی بڑی قربانیاں طلب فرمائی ہیں۔ ہماری نوزائیدہ مملکت دشمنوں کے لگائے ہوئے زخموں سے چُور ہے۔ ہندوستان میں ہمارے مسلمان بھائیوں پر ظلم توڑے جارہے ہیں اور بدلے لیے جارہے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ وہ مسلمان ہیں اور اُنہوں نے پاکستان کے قیام میں مدد دی تھی اور اس سے ہمدردی ظاہر کی تھی۔ چاروں طرف سے تاریک بادلوں نے ہمیں گھیر رکھا ہے، مگر ہم ان کے خوف سے رک نہیں سکتے۔ کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ اگر ہم نے قربانی کا وہی جذبہ پیش کیا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا، تو مصیبتوں کے بادل پھٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہم پر بھی اپنی رحمتوں کی بارش کرے گا۔ آیئے آج عیدالضحیٰ کے دن جو اسلام کے اس جذبہ ایثار اور قربانی کا مظہر ہے، جس کی اسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے۔ یہ عہد کریں کہ ہم اپنے تصورات کے مطابق اس نئی مملکت کی تخلیق میں بڑی سے بڑی قربانی دینے اور آزمائشوں اور مشکلات کا مقابلہ کرنے میں پیچھے نہ رہیں گے اور ہم اپنی ساری قوتیں اور سارے وسائل اس مقصد کے حصول پر صَرف کردیں گے۔

یہ وقت ہر چند کہ بہت نازک ہے۔ مگر مجھے پختہ یقین ہے کہ ہم اس پر غالب آئیں گے۔ کیوں کہ ہم اپنی طویل تاریخ کے دوران میں ایسے بہت سے طوفانوں کے منہ پھیر چکے ہیں۔ گو دُشمن اپنی کوششوں میں مصروف ہے۔ مگر اس کے باوجود ہم آلام و مصائب کی اس تاریک رات سے کامران ہو کر نکلیں گے اور دنیا کو دکھا دیں گے کہ یہ مملکت محض زندگی کے لیے نہیں، بلکہ اچھی زندگی گزارنے کے لیے بنی ہے۔“

پیغامِ عید

24 اکتوبر 1947ء

”پاکستان کے لیے سب کچھ قربان کر دو!“

عزت...... وقار...... سرافرازی

انھی قوموں کو حاصل ہوتی ہے، جو زندہ رہنے کے لیے

موت کا استقبال کر سکیں

نشان مرد مومن با تو گویم

چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

''اس وقت میں آپ سے صرف اس بات کا طلبگار ہوں کہ میرا یہ پیغام جس جس شخص کے پاس پہنچے، وہ اپنے دل میں اس بات کا عہد کرے کہ ضرورت پڑنے پر وہ پاکستان کو اسلام کی پشت پناہ اور دنیا کی عظیم ترین قوم بنانے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دے گا۔ ایک ایسی قوم بنانے کے لیے جس کا نصب العین امن و آشتی ہو، اندرون ملک بھی اور بیرون ملک بھی۔
مسلمان کے لیے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نجات نہیں ہو سکتا کہ وہ حق کی خاطر شہید ہو جائے۔''

تقریر لاہور

30 اکتوبر 1947ء

1948ء

اس سال اپنی علالت کے باعث قائداعظم کم تقریریں کر سکے۔ پھر بھی اُنھوں نے مختلف موقعوں پر جو ولولہ خیز اور رُوح پرور خیالات ظاہر فرمائے، وہ ایک قیمتی متاع ہے۔

اب اندھیروں میں چراغاں ہوں گے
ہم سریروں کے نگہباں ہوں گے
شب کے اجزا جو پریشاں ہوں گے
کتنے خورشید درخشاں ہوں گے

دور سلطانئ جمہور آیا!
اک کلیم اور سرِ طور آیا!

”پاکستان کے ہندوؤں
کی حفاظت کیجیے!“

یہ ہمارا اسلامی، دینی

اور

مذہبی فریضہ ہے!

''یہ امر میں تمام مسلمانوں کے ذہن نشین کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے ہندو ہمسایوں کو غنڈوں، پانچویں کالم والوں اور فسادات برپا کرنے والوں سے محفوظ رکھنے اور تمام فرقوں میں دوبارہ اعتماد اور بھروسہ پیدا کرانے کے سلسلہ میں حکومت اور افسران کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں۔''

فسادات کراچی کے بعد بیان

10 جنوری 1948ء

صنعت و حرفت

اقتصادی استحکام کا مؤثر ذریعہ ہے

''ہر نئی مل اور کارخانہ ہمارے ملک کے اقتصادی استحکام اور عوام کی خوشحالی کی راہ میں ایک قدم ہے۔''

بنگال آئل مل کے افتتاح کے موقعہ پر

2 فروری 1948ء

"ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چاہیے!"

کیوں کہ

بہ مصطفیٰ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

''میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام ﷺ نے ہمارے لیے بنایا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اُصولوں پر رکھیں۔''

شاہی دربار سبّی، بلوچستان میں تقریر

14 فروری 1948ء

”اور اسلامی جمہوریت کے لیے

وقف ہو جاؤ!“

کہ اسلام کی جمہوریت یورپ کی جمہوریت نہیں ہے

تختہ دکّاں، شریک تاج و تخت
از تجارت نفع و از شاہی خراج
آں جہاں بانے کہ ہم سوداگر است
بر زبانش خیر و اندر دل شر است

بے نیاز از کارگاہ او گزر
در زمستاں پوستینِ او مخر

''ہم نے پاکستان کی جنگِ آزادی جیت لی ہے، مگر اُسے برقرار رکھنے اور مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کی سنگین ترین جنگ ابھی جاری ہے اور اگر ہمیں ایک بڑی قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو اس جنگ میں کامیابی حاصل کرنی ہوگی۔ فطرت کا اٹل اور سفاک قانون ہے۔ ''بقائے اصلح''۔ ہمیں خود کو اس نئی آزادی کا اہل ثابت کرنا ہے۔ فاشیّت کے خطرات سے دنیا کو بچانے اور اسے جمہوریت کے لیے محفوظ بنانے کی خاطر کرۂ ارض کے دور دراز حصوں میں جا کر آپ نے میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت حاصل کی ہے۔ مگر اب آپ کو اپنے ہی وطنِ عزیز کی سرزمین پر اسلامی جمہوریت، اسلامی معاشرتی عدل اور مساواتِ انسانی کے اصولوں کی پاسبانی کرنی ہے۔ آپ کو اُن کے لیے ہر وقت تیار رہنا پڑے گا۔ ہمہ تن ہوشیار۔ ستانے کا موقع ابھی نہیں آیا ہے۔ یقین محکم، ضبط و نظم اور ادائیگی فرض کی دھن۔ ایسے اصول ہیں کہ اگر آپ ان پر کاربند رہے تو کوئی شے ایسی نہیں جسے آپ حاصل نہ کر سکیں۔''

افواجِ پاکستان کے سامنے

21 فروری 1948ء

”بین الاقوامی امن اور خوش حالی میں ہمارا حصہ“

کیوں کہ

اب ہم آزاد ہیں اور مسلمان اگر مسلمان بن جاتا ہے تو غریب ہی کیوں نہ ہو

مگر

پادشاہان در قبا ہائے حریر
زرد رو از سہمِ آں عریاں فقیر
سرِّ دیں ما را خبر، او را نظر
او درون خانہ ما بیرون در

''پاکستان کے لوگ کسی ایسی چیز کے طالب نہیں جو اُن کی اپنی نہ ہو۔ وہ دنیا کی تمام آزاد اقوام سے خیر سگالی اور دوستی رکھنے سے زیادہ کسی اور بات کے خواہش مند نہیں ہیں۔ ہم پاکستانی اس بات کا تہیہ کر چکے ہیں کہ اب جب کہ ہم نے اپنی مدتوں کی کھوئی ہوئی آزادی کو حاصل کر لیا ہے، ہم نہ صرف اپنی مملکت کو مستحکم و مرفہ حال بنانے کی انتہائی کوشش کریں گے، بلکہ بین الاقوامی امن و خوشحالی کے لیے بھی جہاں تک ممکن ہوگا، پوری مدد کریں گے۔''

امریکی سفیر کی تقریر کا جواب

26 فروری 1948ء

پاکستان

سرحد پار کے بھائیوں کے لیے سب کچھ کرے گا

''جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، آپ کی وفاداری، اعانت اور مواعید و اعلانات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے وزیرستان سے اپنی فوجیں ہٹالی ہیں اور یہ اس بات کا واقعی ثبوت ہے کہ جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور سرحد پار بسنے والے آپ حضرات کو اپنا مسلمان بھائی سمجھتے ہیں۔
ہم چاہتے ہیں کہ آپ خوددار لوگوں کی طرح اپنے پیروں پر کھڑے ہوجائیں۔ اپنے ملکی وسائل کو ترقی دیں اور اپنی خوبیوں کو اُجاگر کریں۔ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ صوبہ سرحد اپنی آمدنی سے اپنا خرچ پورا نہیں کرسکتا، مگر ہمیں اس کی چنداں فکر نہیں ہے۔ پاکستان اپنے سرحد پار کے قبائلی بھائیوں کی معاشی اور معاشرتی حالت سدھارنے کی خاطر مالی یا اور کسی قسم کی ہر ممکن مدد کرنے کے لیے تیار رہے گا۔''

قبائلی جرگہ پشاور کے سامنے تقریر

17 مارچ 1948ء

”سن لیجیے! پاکستان کی سرکاری زبان اُردو ہوگی“

قائداعظم

کا

فیصلہ کن اعلان

''میں آپ کو صاف طور پر بتا دوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اُردو ہو گی اور صرف اُردو۔ جو کوئی آپ کو غلط راستے پر ڈالے، وہ پاکستان کا دُشمن ہے۔ ایک مشترک قومی زبان کے بغیر کوئی قوم باہم متحد نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی کام کر سکتی ہے۔''

ڈھاکہ میں تقریر

21 مارچ 1948ء

نہ کوئی بنگالی ہے نہ پنجابی، نہ سندھی، نہ بلوچی

سب پاکستانی ہیں!

اسلام کا پیام:

بتانِ شعوب وقبائل کو توڑ......!

''میں صاف طریق پر آپ کو ان خطرات سے آگاہ کر دینا چاہتا ہوں، جو پاکستان کو خصوصاً آپ کے صوبہ کو اب تک لاحق ہیں۔ پاکستان کے قیام کو روکنے کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد اپنی شکست سے پریشان ہو کر پاکستان کے دشمن اب مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر اس مملکت میں انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کوششوں نے اب صوبہ پرستی کو ہوا دینے کی صورت اختیار کی ہے۔

جب تک آپ اپنی ملکی سیاست سے اس زہر کو نکال کر نہیں پھینک دیں گے، اس وقت تک آپ خود کو ایک حقیقی قوم میں نہیں ڈھال سکتے اور نہ ویسا جوش اور ولولہ پیدا کر سکتے ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ بنگالی، سندھی، بلوچی، پٹھان وغیرہ کی باتیں نہ کریں۔ آپ سب ایک قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے ایک سلطنت اپنے لیے بنائی ہے۔ ایک وسیع و عریض سلطنت۔ یہ آپ سب کی ہے۔ یہ نہ پنجابی کی ہے، نہ بنگالی کی، نہ سندھی کی، نہ پٹھان کی۔ یہ آپ کی ہے۔''

ڈھاکہ

11 مارچ 1948ء

بنگالی طلبہ سے خطاب

کسی سیاسی جماعت کے آلۂ کار نہ بنو!

''میرے نوجوان دوستو! طلبہ جو اس وقت یہاں موجود ہیں، مجھے ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جو دس سال تک محبّت و خلوص اور وفا کیشی کے ساتھ آپ کی خدمت کرتا رہا ہے، کچھ کہنے کی اجازت دیجیے۔ میں آپ کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کسی سیاسی پارٹی کا آلۂ کار بن گئے تو یہ آپ کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہوگی۔ یاد رکھیے کہ ایک انقلابی تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔ اب ہماری اپنی حکومت ہے۔ ہم ایک آزاد اور خود مختار مملکت بنا چکے ہیں، اس لیے اب ہمیں آزاد لوگوں کی طرح ہی عمل کرنا چاہیے اور اسی طریقہ پر اپنے معاملات کا انتظامی حل کرنا چاہیے، کیوں کہ اب کسی غیر ملکی طاقت کے زیر اثر ہم پر کوئی دباؤ یا تشدد نہیں ہے۔ ہم نے غلامی کی زنجیریں توڑ دی ہیں اور قید کی بیڑیاں کاٹ چکے ہیں۔''

ڈھاکہ

21 مارچ 1948ء

”پاکستان کی قومی زبان
صرف اُردو ہوگی!“

قائداعظم
کا
اعلانِ حق!

''پاکستان کی مشترکہ قومی زبان جو مملکت کے مختلف صوبوں کے درمیان افہام و تفہیم کا ذریعہ ہو، صرف ایک ہی ہوسکتی ہے اور وہ اُردو ہے، اُردو کے سوا کوئی اور زبان نہیں۔

ملک کی سرکاری زبان بھی ظاہر ہے اُردو ہی کو ہونا چاہیے۔ یہ وہ زبان ہے جسے برصغیر کے لاکھوں مسلمانوں نے پرورش کیا ہے اور اُسے پاکستان کے اس سرے سے اُس سرے تک سمجھا جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ اُردو میں دوسری صوبائی زبانوں سے کہیں زیادہ اسلامی تہذیب و ثقافت کا بہترین سرمایہ پایا جاتا ہے اور اُردو ہی دوسرے اسلامی ملکوں کی زبانوں کے قریب تر ہے۔''

ڈھاکہ یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد میں تقریر

24 مارچ 1948ء

''مساوات اور رواداری ہمارے مذہب کی بنیاد ہیں!''

کیوں کہ

اسلام کی تعلیم ہے

''اعدلوا ھو اقرب للتقوی!''

''جب آپ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کی بنیاد عمرانی عدل اور اسلامی سوشلزم کے اصولوں پر رکھی جائے تو بنی نوع انسان کی اخوت اور مساوات پر زبردست زور دیتے ہیں تو آپ محض میرے اور لاکھوں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں اور اسی طرح جب آپ ہر شخص کے لیے مساوی مواقع مانگتے ہیں، تب بھی آپ میرے خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ترقی کے ان مقاصد کے متعلق پاکستان میں کوئی اختلاف رائے نہیں۔ کیوں کہ ہم نے پاکستان اس لیے طلب کیا تھا، اس کی خاطر جدوجہد کی تھی اور اسے اس لیے حاصل کیا تھا کہ ہم اپنی روایات کے مطابق اپنے معاملات کو حل کرنے میں جسمانی اور روحانی طور پر قطعاً آزاد ہوں۔ اخوت، مساوات اور رواداری۔ یہ ہیں ہمارے مذہب، تہذیب اور تمدن کے اساسی نقطے۔ ہم نے پاکستان کے لیے اس واسطے جنگ کی تھی کہ اس برعظیم میں ہمیں ان انسانی حقوق سے محروم کر دیے جانے کا خدشہ تھا۔''

چاٹگام

26 مارچ 1948ء

''مشرقی پاکستان ترقی کرے گا!''

کیوں کہ

وہ ہمارا حصہ ہے

ہمارا دست و بازو ہے

ہماری جان و تن ہے!

المومن للمومن کالبنیان اشد بعضہ بعضا

''ہر چند کہ مشرقی پاکستان نے ابھی ترقی کے مدارج طے نہیں کیے، مگر اس کے صنعتی امکانات، خام اشیا کی فراوانی اور پانی سے بجلی پیدا کرنے کے وسائل بہت وسیع ہیں۔ چٹا گانگ کو اوّل درجے کی بندرگاہ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور ایک وقت وہ آئے گا کہ اس کا شمار دُنیا کی اعلیٰ ترین بندرگاہوں میں ہوگا۔ اگر حالات پُرامن رہے اور ہر طبقہ کے لوگوں نے ہمارے ساتھ پورا تعاون کیا تو ہم اس صوبہ کو پاکستان کا سب سے خوشحال خطہ بنا دیں گے۔''

ڈھاکہ

28 مارچ 1948ء

''صوبائی عصبیت ترک کردو!''

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ ایرانی رہے باقی نہ تورانی، نہ افغانی!

''مجھے یقین ہے کہ آپ یہ بات بخوبی سمجھتے ہوں گے کہ پاکستان جیسی نوزائیدہ مملکت کے لیے، جس کے دو حصے ہوں اور وہ بھی کافی فاصلہ پر، آپس کا میل جول اس کے شہریوں کا، خواہ وہ کسی حصہ سے تعلق رکھتے ہوں، باہمی اتحاد و یکجہتی نہ صرف اس کی ترقی کے لیے، بلکہ اس کی بقا کے لیے کس قدر ضروری ہے۔ پاکستان مسلمانوں کے اتحاد کا مظہر ہے اور اُسے ایسا ہی رہنا چاہیے۔ سچے مسلمانوں کی حیثیت سے آپ کا فرض ہے کہ جی جان سے اس کی پاسبانی اور حفاظت کریں۔ اگر ہم یہ سمجھنے لگیں کہ ہم پہلے بنگالی، پنجابی، سندھی وغیرہ ہیں اور مسلمان و پاکستانی محض اتفاقیہ، تو جان لیجیے کہ پاکستان کا شیرازہ بکھر جائے گا۔''

ڈھاکہ

28 مارچ 1948ء

”آپ کا ووٹ ایک قومی امانت ہے!“

سبق پھر پڑھ صداقت کا، شجاعت کا، عدالت کا

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

''اپنے ووٹ کو ذاتی مفاد کے حصول کی خاطر بیچ نہ ڈالیے، بلکہ اسے قوم کی امانت سمجھیے۔''

اہالیانِ ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے خطاب

17 اپریل 1948ء

پاکستان کی تجارت

کاروباری دیانت کے اعلیٰ اصولوں پر قائم ہونی چاہیے

''تجارت کی حیثیت ثقافت سے زیادہ بین الاقوامی ہے۔ اس لیے آپ کا فرض ہے کہ آپ وہ طرزِ عمل اختیار کریں جس سے پاکستان کی طاقت اور وقار میں اضافہ ہو۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستان کی تجارت کاروباری دیانت کے اعلیٰ معیار قائم کرنے کا بہت مؤثر ذریعہ ثابت ہوگی۔ اگر ہم اپنے ملک کی چیزوں کا نام پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کی ابتدا ابھی سے ہونی چاہیے۔

حضرات! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس مقصد کے حصول کے لیے میری حکومت سے جو کچھ ہو سکے گا، وہ کرے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیا کی تجارتی منڈیوں میں لفظ ''پاکستان'' مال کی عمدگی اور اعلیٰ معیار کا مترادف ہو جائے۔''

ایوانِ تجارت کراچی میں تقریر

27 اپریل 1948ء

تجارت میں دل کھول کر حصہ لو!

ارشادِ نبوی ہے:

"الکاسب حبیب اللہ!"

''تجارت اور کاروبار قومی زندگی میں حیات بخش خون کے مانند ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک بغیر تاجروں کے پاکستان کا تصور ویسا ہی ناممکن ہے، جیسے بغیر کاشتکاروں اور سرکاری نوکروں کے مجھے یقین ہے کہ پاکستان میں تاجروں اور کاروباری لوگوں کو خوش آمدید کہا جائے گا اور یہ لوگ بھی اپنے فائدے کے ساتھ ساتھ ہر شخص سے خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا ایمانداری کا برتاؤ کر کے اپنی معاشرتی ذمہ داری نہیں بھولیں گے۔''

ایوانِ تجارت کراچی سے خطاب

27اپریل1948ء

''صرف پاکستانی کہلائے
جانے پر فخر کیجیے!''

معمارِ پاکستان کی نصیحت
پاکستانی قوم کو!

''بلوچستان آزاد اور بہادر اِنسانوں کی سرزمین ہے۔ اس لیے آپ کی نظروں میں قومی آزادی عزت اور طاقت کے الفاظ کی خاص قدر و قیمت ہونی چاہیے۔ یہ ملکی اور غیر ملکی کی باتیں نہ ملک کے لیے مفید ہیں نہ آپ کے شایانِ شان ہیں۔ اب تو ہم سب پاکستانی ہیں، ہم نہ بلوچی ہیں، نہ پٹھان ہیں، نہ سندھی ہیں، نہ بنگالی، نہ پنجابی۔ ہمارے احساسات اور طرزِ عمل بھی پاکستانیوں جیسے ہونے چاہئیں اور ہمیں چاہیے کہ بجائے کسی اور نام کے صرف پاکستانی کہلائے جانے پر فخر محسوس کریں۔''

کوئٹہ میں شہری سپاس نامہ

15 جون 1948ء

قدرت نے ہمیں بہت سی نعمتیں دی ہیں!

ان سے فائدہ اٹھایئے

ایک نوزائیدہ قوم سے

معمارِ پاکستان کی مؤثر اور دِل گداز اپیل!

جس سمت بھی چاہے صفتِ سیل چلا چل
صحرا یہ ہمارا ہے وہ دریا بھی ہمارا

''اہلِ پاکستان! آج ہم اپنی آزادی کی پہلی سالگرہ منا رہے ہیں۔ آج سے پورے ایک سال پہلے پاکستان کے لوگوں کو کامل اختیارات تفویض ہوئے تھے اور حکومت پاکستان نے موجودہ ترمیم شدہ دستور کے تحت مملکت کے امور کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ ہم نے سال بھر کے حوادث کا مقابلہ حوصلہ اور عزم سے کیا۔ دشمن کے وار جن کا ذکر بار بار کیا جا چکا ہے، خصوصاً مسلمانوں کو بحیثیت قوم ختم کرنے کی منظم سازش کے خلاف جو کامیابی ہم نے حاصل کی وہ حیرت انگیز ہے۔ ہمارے تعمیری کام کا نتیجہ ہمارے عزیز ترین دوستوں کی توقعات سے بڑھ چڑھ کر نکلا۔ میں آپ سب کو وزیراعظم اور ان کی قیادت میں اپنے وزرا کو دستور ساز اسمبلی اور مجالس قانون ساز کو اور مختلف انتظامی محکموں کے افسران اور افواجِ پاکستان کو ان کارناموں پر جو اُنھوں نے اس تھوڑے عرصہ میں انجام دیے، مبارکباد دیتا ہوں اور میں اہلِ پاکستان کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے صبر و تحمل سے کام لیا اور ہمارے پہلے سال کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی ہر کوشش میں ہمارا ساتھ دیا۔

مگر یہ کافی نہیں۔ یاد رکھیے، پاکستان کا قیام ایک ایسا واقعہ ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے اور اگر ہم نے دیانتداری، تندہی اور بےغرضی کے ساتھ کام کیا تو یہ بھی سال بہ سال شاندار خدمات سرانجام دیتی رہے گی۔ مجھے اپنے عوام پر کامل بھروسہ ہے اور یقین ہے کہ ہر موقع پر وہ اسلام کی تاریخ، شان و شوکت اور روایات کے مطابق عمل پیرا ہوں گے۔

ان لاکھوں مہاجرین کی داستان جنھیں سرحد کے اس پار سے اپنے گھروں کو چھوڑ کر پاکستان میں پناہ گزین ہونا پڑا، سب کو معلوم ہے یہ المناک حادثہ اس وقت پیش آیا جب ہماری مملکت پوری طرح قائم بھی نہ ہونے پائی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ خود ہمارے عمالِ حکومت کا ایک بڑا حصہ جسے حکومت کے نظام قائم کرنا تھا، اس لپیٹ میں آ گیا۔ میں جانتا ہوں، ہماران بے گھر ستم رسیدہ بھائیوں کے لیے جتنا کچھ ہونا چاہیے تھا، نہ ہو سکا۔ ابھی تک ان میں سے بیشتر کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ مہاجرین کی جتنی بڑی تعداد اپنے نئے گھروں میں بسائی جا چکی ہے، وہ بھی کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ اگر اہلِ پاکستان اخوت کے اس جذبہ کا اظہار نہ کرتے جو اُنھوں نے کیا اور عوام اور حکومت ان زبردست مشکلات کا مقابلہ، جس کی مثال

تاریخ میں نہیں ملتی، اس ہمت سے نہ کرتے جس کا انھوں نے ثبوت دیا تو مملکت کی ساری عمارت زمین پر آ رہتی۔

اس نوزائیدہ مملکت کو پیدا ہوتے ہی دیگر طریقوں سے گلا گھوٹنے کی ناکام کوشش میں ہمارے دشمنوں کو یہ اُمید تھی کہ ان کا دِلی منشا اقتصادی چالبازیوں سے پورا ہو جائے گا۔ ان تمام دلائل و براہین سے کام لے کر جو بغض و عداوت کی بنا پر تراشی جا سکتی ہیں، پیش گوئیاں کی جانے لگیں کہ پاکستان دیوالیہ ہو جائے گا اور دشمن کی شمشیر و آتش جو مقصد حاصل نہ کر سکی، وہ اس مملکت کی مالی تباہی سے حاصل ہو جائے گا۔ مگر ہماری برائی چاہنے والے ان نجومیوں کی تمام پیش گوئیاں جھوٹی ثابت ہوئیں اور ہمارے پہلے بجٹ ہی میں بچت ہوئی۔ ہماری تجارت کا توازن ہمارے حق میں ہے اور اقتصادی میدان میں بھی مجموعی حیثیت سے باقاعدہ ترقی ہوتی رہی ہے۔

کسی ملک کے مستقبل اور اس کی ترقی کے متعلق کوئی قطعی اور یقینی اندازہ لگانے کے لیے ایک سال کی مدت بہت ہی قلیل ہے۔ لیکن جس طرح ہم نے زبردست مشکلات پر قابو پایا ہے اور پچھلے بارہ مہینوں میں ترقی کی ہے۔ اس کی بنا پر ہم خوش آئندہ تصورات قائم کر سکتے ہیں۔ نظامِ مملکت کو لیجیے۔ مرکزی حکومت میں ہمیں سب انتظام نئے سرے سے کرنا پڑا۔ اُدھر مغربی پنجاب میں تو مملکت قائم ہوتے ہی انتظامِ حکومت درہم برہم ہو گیا۔

مگر میں نہایت مسرت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہم نے ان تمام خطرات کو جو استحکام اور یکجہتی کو لاحق ہوئے کامیابی کے ساتھ دور کر دیا اور وقت کے بعض بڑے بڑے مسائل کے بارے میں پاکستان نے نہ صرف اپنے عزم و استقلال کا ثبوت دیا، بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ ان عالمگیر مسائل سے جو وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہے ہیں، خوش اسلوبی کے ساتھ نبٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ قدرت نے آپ کو سب کچھ بخشا ہے۔ آپ کے وسائل لامحدود ہیں۔ آپ کی مملکت کی بنیادیں پڑ چکی ہیں۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ ان بنیادوں پر جلد از جلد اور اچھی سے اچھی عمارت کی تعمیر کریں، لہٰذا بڑھے چلیے، خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔"

قوم کے نام قائداعظم کا پیام

14 اگست 1948ء

تالیف: پروفیسر سعید راشد علیگ

حیاتِ قائدِ اعظم

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

کتاب ایک نظر میں:

- سوانحی خاکہ ○ سیاسی جدوجہد کی داستان ○ بحیثیت سربراہ مملکت
- زندگی کی شام ○ آخری باتیں ○ قائداعظم کی عظمت کا تجزیہ
- قائداعظم کی شخصیت کا مطالعہ ○ خوش مزاجی اور حاضر جوابی
- قائداعظم کے بھائی بہن اور بیٹی ○ قائداعظم اور طلبہ
- ذاتی کوائف ○ نظریۂ پاکستان ○ تعمیرِ پاکستان
- قائداعظم اور افواجِ پاکستان ○ قائداعظم اور تعلیم
- نظریۂ پاکستان منزل بہ منزل ○ قائداعظم کی زندگی کا نایاب تصویری البم

بک کارنر

شوروم: بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان

قائدِ اعظم محمد علی جناح کی زندگی کے سنہرے واقعات

قائدِ اعظم

گفتار و کردار

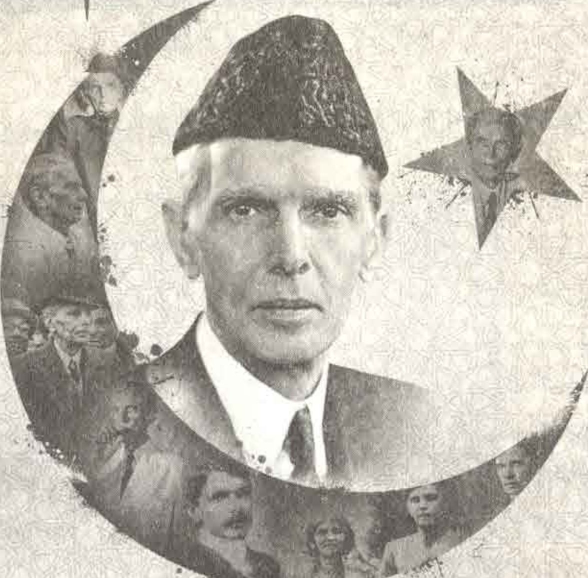

مصنف

پروفیسر سید راشد علیگ

نظرثانی

سید اشرف حسین رضوی

HISTORY OF PAKISTAN

تاریخِ پاکستان

آئینِ پاکستان کی مکمل تشریح کے ساتھ

مصنف:
پروفیسر ایم نذیر احمد تشنہ

نظرِثانی:
سیّد اشرف حسین رضوی

زیرِ نظر کتاب ''تاریخِ پاکستان'' فی الواقع پاکستان کی تاریخ کو اپنے صفحات میں لپیٹے ہوئے ہے۔ لکھنے کو تو اس موضوع پر پہلے ہی بہت ساری کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور آیندہ بھی لکھی جاتی رہیں گی، مگر یہ کتاب اپنی الگ سی انفرادیت رکھتی ہے۔ کتاب کا ٹائٹل بہت خوصورت اور نمایاں ہے اور کاغذ بھی بہت اچھا استعمال کیا گیا ہے۔ کتاب میں 712ء میں محمد بن قاسم کی آمد سے لے کر تمام مسلمان حکمرانوں اور اُن کے زوال کے بعد انگریزی راج اور اُن کی نگرانی میں ہندوؤں کا مسلمانوں کے خلاف بڑھتا ہوا تعصّب، جنگ آزادی۔ دو قومی نظریے کی اساس، نظریہ پاکستان، پہلے گورنر جنرل کی وفات، پہلے وزیرِاعظم کی شہادت، پہلے صدر سکندر مرزا سے لے کر مارشل لا کے مختلف ادوار، یحییٰ خان اور بھٹو سے لے کر مشرف اور پھر زرداری کے بعد ممنون حسین کے کرسی صدارت پر بیٹھنے تک، تمام آئینی اور پارلیمانی امور اور تمام قسم کے بل پاس کرنے سے متعلق ہر بات درج ہے۔ غرض یہ کتاب پاکستان کے اندرونی و بیرونی تمام معاملات اور پاکستان کے اندر ہونے والے تمام سانحات کا احاطہ کرتی ہے۔ تاریخ کے ہر قاری کے لیے یہ کتاب اہم معلومات کا خزانہ ہے۔

بُک کارنر
شوروم: بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم پاکستان

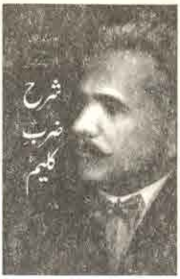

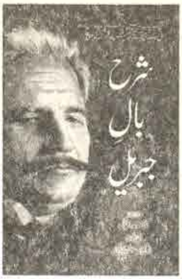

آسان ترجمہ، فرہنگ اور سلیس اُردو کے ساتھ خوبصورت کتابوں کا سیٹ
ضخامت 1408 صفحات، مجلد کوالٹی، نامور مصور عجب خان کے حسین سرورق

شرح کلیاتِ اقبال اُردو

فرہنگ و شرح: پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی

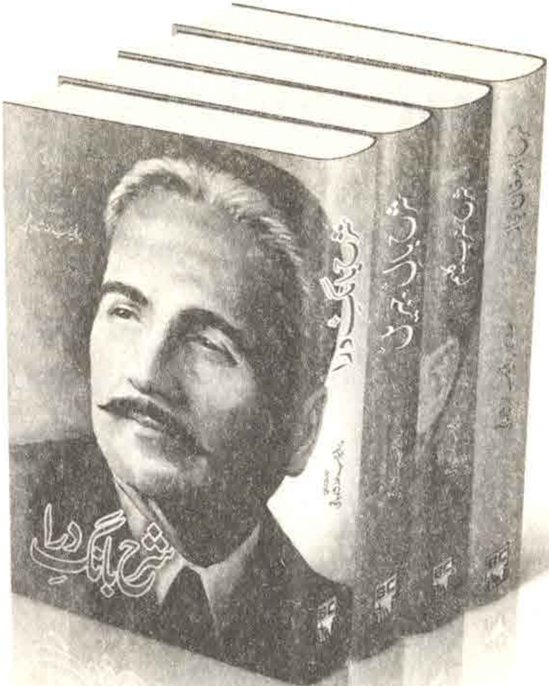

4
BOOKS
COMPLETE SET
RS. 2000/-
ONLY

علامہ اقبال کی انگریزی کتاب "The Reconstruction of Religious Thought in Islam"
کا اُردو ترجمہ و تلخیص۔ ان خطبات کا موضوع اسلامی فلسفے کی جدید سائنس کی روشنی میں نئی تشکیل ہے
جنہیں علامہ کے فلسفے اور فکر میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے۔

خطباتِ اقبالؒ

ترجمہ و تلخیص: ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیمؒ

STRAY REFLECTIONS

منتشر خیالاتِ اقبال

(علامہ اقبال کی انگریزی بیاض کا اُردو ترجمہ)

مرتبہ: ڈاکٹر جاوید اقبال
مترجم: میاں ساجد علی

بُک کارنر
شوروم: بالمقابل اقبال لائبریری بُک سٹریٹ جہلم پاکستان

MISSION WITH MOUNTBATTEN

BY ALAN CAMPBELL JOHNSON

عہدِ لارڈ ماؤنٹ بیٹن

تقسیمِ ہند کی خوں چکاں داستان

شکست خوردہ حریف کے قلم سے

مصنف
ایلن کیمبل جانسن

مترجم
یونس احمر ایم اے

تسہیل، تقدیم و حواشی
پروفیسر قدیر احمد کھوکھر

برطانوی ہند کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ہندوستانی لیڈروں سے سیاسی 'مذاکرات' اور ہندوستان کے سیاسی جوڑتوڑ کے وہ راز جس سے عوام تو کیا بڑے بڑے سیاسی لیڈر بھی پوری طرح واقف نہیں۔ یہ کتاب تقسیمِ ہند کی مستند ترین داستان اور تاریخ ماضی قریب کا اہم ترین باب ہے جو نہ صرف بے انتہا دلچسپ ہے بلکہ عبرت انگیز بھی! اس کے مطالعہ سے آپ پر وہ حقیقتیں کُھل جائیں گی جن پر آج تک سیاست گری کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔

بُک کارنر

شوروم: بالمقابل اقبال لائبریری بُک سٹریٹ جہلم پاکستان

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب

داستان تاریخ اُردو	حامد حسن قادری
دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ	مرزا فرحت اللہ بیگ
ڈپٹی نذیر احمد کی کہانی کچھ اُن کی کچھ میری زبانی	مرزا فرحت اللہ بیگ
شرحِ دیوانِ غالب (اُردو)	سیّد علی حیدر نظم طباطبائی
غالب کے فارسی خطوط (بشمول پنج آہنگ)	مترجم: ڈاکٹر تنویر احمد علوی
باقیات و نادرات فیض احمد فیض	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی
دیوان سلام و کلام انیس	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی
موازنۂ انیس و دبیر	علامہ شبلی نعمانی
کلیاتِ حالی	مولانا الطاف حسین حالی
مسدسِ حالی	مولانا الطاف حسین حالی
حالی کا نعتیہ کلام	مرتب: ڈاکٹر سیّد تقی عابدی
حالی فہمی (سوانح شخصیت و فن)	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی
کلیات بیدم وارثی	فقیر بیدم شاہ وارثی
یگانہ چنگیزی (شخصیت و فن، کلام)	وسیم فرحت کارنجوی (علیگ)
گلزار (نظمیں، غزلیں، تروینی، گیت)	گلزار
گر یاد رہے (سوانحی خاکے)	گلزار
تروینی (شاعری)	گلزار
گلزار نامہ (شخصیت و فن، منتخب کلام و افسانے)	تدوین: اقبال نظر۔ شاہدہ تبسم
گلزار۔۔۔ آواز میں لپٹی خاموشی	گل شیر بٹ
جگجیت سنگھ (غزلیں، نظمیں، گیت)	مرتب: گل شیر بٹ
ذرا سی بات (خود منتخب کردہ کلام)	امجد اسلام امجد
سچ کی تلاش میں (تنقیدی مضامین)	امجد اسلام امجد
امجد فہمی	ڈاکٹر سیّد تقی عابدی
لفظ کھردرے	تنویر سپرا
کلیات سید مبارک شاہ	مرتبہ: سلطان ناصر
شاہد احمد دہلوی کے شاہکار خاکے	شاہد احمد دہلوی
شوکت تھانوی کے شاہکار خاکے	شوکت تھانوی
لکھنؤ سے لاہور (مزاحیہ مضامین)	شوکت تھانوی
بارِ خاطر (خطوط)	شوکت تھانوی
شاعروں ادیبوں کے لطیفے	شاہد حمید

میری آپ بیتی (خودنوشت)	میر تقی میر
غالب کی آپ بیتی (خودنوشت)	اسد اللہ خاں غالب
میری داستان (خودنوشت)	مرزا فرحت اللہ بیگ
سرگزشت (خودنوشت)	مولانا عبدالمجید سالک
یادوں کی دُنیا (خودنوشت)	ڈاکٹر یوسف حسین خاں
یادوں کی برات (خودنوشت)	جوش ملیح آبادی
میں ساحر ہوں (خودنوشت)	ساحر لدھیانوی
رسیدی ٹکٹ (خودنوشت)	امرتا پریتم
کاغذی ہے پیرہن (خودنوشت)	عصمت چغتائی
کچا چٹھا (خودنوشت)	شوکت تھانوی
مشتاق احمد یوسفی: کچھ یادیں کچھ باتیں	ترتیب و تدوین: امر شاہد
صاحب آواز دوست مختار مسعود	ترتیب و تدوین: امر شاہد
نامور ادیبوں کی آپ بیتیاں	مرتبہ: محمد حامد سراج
مشاہیر علم و دانش کی آپ بیتیاں	مرتبہ: محمد حامد سراج
بادشاہوں کی آپ بیتیاں	مرتبہ: محمد حامد سراج
عالمی سب رنگ افسانے	مرتبہ: محمد حامد سراج
سب رنگ کہانیاں (شاہکار مغربی تراجم)	شکیل عادل زادہ
عالمی تراجم (منتخب افسانے)	مرتب: نصیر احمد ناصر
راجندر سنگھ بیدی (منتخب افسانے)	تنقیدی مطالعہ: محمد حمید شاہد
غلام عباس (منتخب افسانے)	تنقیدی مطالعہ: محمد حمید شاہد
منٹو کے متنازعہ افسانے	مرتب: ندیم احمد ندیم
کرشن چندر کے شاہکار افسانے	مرتب: امر شاہد
عصمت چغتائی کے شاہکار افسانے	مرتب: امر شاہد
امر بیل (منتخب افسانے)	عصمت چغتائی
ٹیڑھی لکیر (ناول)	عصمت چغتائی
چک پیراں کا جسا (ناول)	بلونت سنگھ
رات، چور اور چاند (ناول)	بلونت سنگھ
کالے کوس (ناول)	بلونت سنگھ
غدار (ناول)	کرشن چندر
ٹرین ٹو پاکستان (ناول)	خوشونت سنگھ

www.bookcorner.com.pk bookcornershowroom 0321-5440882 Jhelum, Pakistan